DUE DATE

Cl No. *Acc. No.*

Late Fine Ordinary books **25 Paise** per day. Text Book **Re. 1**/- per day. Over Night book **Re. 1**/- per day

سیر یورپ

(از ہرہائی نس بیگم صاحبہ جنجیرہ جسدان)

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

شاہی بال حضور کپڑے پہن کر تیار ہو لیے تو ہم نے بھی تیاری شروع کی۔ اور جس طرح کورٹ کی باریابی کے روز ہوا تھا۔ اسی طرح محل شاہی میں پہنچے اور ہمیں بٹھلائے گئے جہاں پہلے موقعہ پر ہمیں بٹھایا گیا تھا۔ ہمارے قریب نیپال والی جماعت تھی اور ہمارے کوچ پر کوچ بہار والے۔ تھوڑی دیر بعد نجیب سنگھ جی جام نگر کے جام صاحب آئے۔ بھائی اُنکے قریب تھے۔ پھر عطیہ بہن۔ پھر حضور اور میں۔ جام صاحب اوّل بھائی سے بہت سی باتیں کرتے رہے۔ پھر ہم سے اتنے میں تازہ ترین فیشن انگریزی زنانہ لباس کے نظر آنے لگے۔ بہت سی بیبیوں کے لباس سر سے پاؤں تک بناوٹی الماس سے بالکل لدے ہوئے تھے سامنے کا حصہ خوشنما جواہر سے جگمگ جگمگ کر رہا تھا۔ شہزادی وکٹوریا کا لباس لاجواب تھا۔ لباسوں کی رنگا رنگی بھی عجب بہار دے رہی تھی۔ زیور بھی بڑے بڑے قیمتی نظر آتے تھے۔ شاید مہاراجہ بڑودہ کے زیور انکا مقابلہ کر سکیں۔ باقی ہندوستانی زیور جو وہاں موجود تھے۔ اُنکے مقابلہ میں معمولی تھے۔ ایسا نظارہ تھا کہ تا زیست یاد رہے۔ دہلی دربار کے نظارہ کو چھوڑ کر ایسا شاندار نظارہ اور جگہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ شہزادے۔ دیلی۔ ارکان دولت

وزیر۔ امیر۔ سفیر اور بیبیاں سب مل کر کوئی دو ہزار کے اوپر لوگ جمع تھے اور ایک لباس پر دولت لٹائی ہوئی تھی۔ وردیاں اکثر کی لال یا کالی جن پر بہت قیمتی کام کیا ہوا تھا۔ ایک ایک نے چھاتی پر اتنے تمغے پہن رکھے تھے۔ کہ چھاتی پر جگہ باقی نہ تھی۔

وقت معین پر بادشاہ ٹھاٹھ سے برآمد ہوئے۔ اُنکے آگے آگے ہیرلڈ یعنی نقیب تھے اور ایک خاص قسم کا باجا بج رہا تھا۔ ان کے بعد بادشاہ بیگم اور موسیو مائیرز حکومت جمہوری فرانس کے پریزیڈنٹ آئے۔ انہی کی خاطر یہ جلسہ تھا۔ انکے بعد شاہزادہ اور شاہزادی ویلز اور ترکی سفیر پھر اور بہت سے نامی گرامی لوگ۔ مگر افسوس ہم انہیں نام بہ نام نہیں پہچانتے تھے۔ بیس اشخاص کی ایک جماعت نے ایک خاص قسم کے ناچ سے ناچ کا آغاز کیا۔ بادشاہ بادشاہ بیگم اور پریزیڈنٹ فرانس سب بیٹھ گئے پریزیڈنٹ صاحب چونکہ ضعیف ہیں اور موٹے بھی ہیں۔ اس لئے یہ تو برابر بیٹھے ہی رہے اور ناچ میں شریک نہیں ہوئے۔ پہلے ناچ کے بعد والٹز[1] بجنے لگا۔ اور سب ناچنے والے اپنے اپنے رفیق انتخاب کر کے ناچنے کو اُٹھے۔ شہزادی ویلز اور شہزادی وکٹوریا کئی مرتبہ ناچ میں شریک ہوئیں دیر تک ناچ جاری رہا اور ہم دیکھتے رہے۔ اتنے میں سپر یعنی رات کے کھانے کا وقت آیا۔ اتفاق سے کوسٹ کی رات کو حضور کو بھوک نہ تھی۔ اس لئے کھانے میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے

---

[1] ناچ کی ایک قسم جس کے لئے راگ بھی مخصوص ہے۔

سوال پیدا ہوا کہ کہیں انہیں کھانے میں عذر تو نہیں۔ چنانچہ اب کے سرگزن داؤنی
نے لکھ بھیجا کہ آپ کو اگر کھانے میں عذر بھی ہو تو بھی کھانے کے کمرہ میں
ضرور چلیئے گا۔ حضور نے فوراً جواب لکھا کہ مجھے کوئی عذر نہیں۔ میں اُس
دن بھوک نہ ہونے کی وجہ سے نہیں گیا تھا۔ اس پر وُہ خود آئے اور
اُنہوں نے کہا کہ حضور کو اور مجھے شاہی کمرہ میں بادشاہ اور بادشاہ بیگم
کی میز پر کھانا کھانا ہوگا۔ اور بھائی اور عطیہ بہن دُوسرے مہمانوں کے
کمرے میں کھانا کھانے جائینگی۔ ساڑھے بارہ بجے بادشاہ اُٹھے۔
ہم پر جو افسر متعین تھے اُنہوں نے ہمیں اشارہ کیا اور ہم بھی پیچھے پیچھے
چلے۔ کھانے کا کمرہ بھی بڑا عالیشان تھا۔ اور نہایت مزین تھا۔
یعنی میزیں سجی ہُوئی تھیں۔ جن پر دُنیا بھر کی لطیف چیزیں چُنی ہُوئی تھیں
کمرے کے کونوں میں پھُولوں کے انبار لگ رہے تھے۔ بجلی کے بیشمار
لمپوں کی روشنی میں ہیروں کے جواہرات کی چمک۔ مکان ایک طلسم خانہ
معلوم ہوتا تھا۔ ایک طرف محل شاہی کا مشہور گولڈ پلیٹ (یعنی کونے بنے
ہوئے کھانے کے برتن) نگاہ کو خیرہ کر رہا تھا۔ دو بڑے بڑے مربع
چھٹے بنے ہُوئے تھے۔ جن میں یہ برتن سج رہے تھے۔ ہر چھٹا
بیس فٹ اونچا اور اسی قدر چوڑا ہوگا۔ میز پر بھی چاندی سونے کا اسباب
تھا۔ شاہی سپر عمدگی میں مشہور ہے۔ اور ہم نے اس کی شہرت کو بجا پایا۔
بہت ہی لذیذ کھانا تھا۔ یہاں گویا خاص الخاص مجمع تھا۔ پھر بھی دو تین سو
سے اوپر ہوگا۔ بادشاہ بادشاہ بیگم پریزیڈنٹ سب کھڑے کھا رہے

تھے۔ کھانے کے بعد بادشاہ یکے بعد دیگرے سب رئیسوں سے آکر ملے پھر شہزادہ اور شاہزادی ویلز نے دورہ کیا۔ سرکرزن نے مجھے پیش کرتے وقت شاہزادی ویلز کو یاد دلایا کہ میں بمبئی میں اُنکے ملنے کی خوشی اور عزت حاصل کر چکی ہُوں۔ اِس پر شاہزادی نے کہا:۔ "ہاں مجھے یاد ہے کہ میں گورنمنٹ ہاؤس میں تمہیں ملی تھی"۔ میں نے کہا۔ کہ میں کسی وقت حاضر ہونا چاہتی ہُوں اور سرکرزن کے میں نے درخواست کی ہے۔ کہ وُہ آپ کی خدمت میں عرض کر کے ممکن ہو تو کوئی وقت مقرر کریں۔ اُنہوں نے کہا "میں آپ سے بہت خوشی سے ملونگی۔ مگر اس ہفتہ میں تو ہم بہت مصروف ہیں لیکن اگلے ہفتہ اُمید ہے کہ میں وقت مقرر کرسکونگی۔ سرکرزن سے کہدیجے کہ وُہ مجھے خط لکھ کر طے کرلیں۔ غالباً آپ میرے بچوں کو بھی دیکھنا چاہیں گی"۔ میں نے اِس پر اپنی خوشی اور شکریہ کا اظہار کیا۔ اور وُہ آگے بڑھیں۔ شہزادے سے ملنے کا اتفاق نہ ہوا۔ وُہ دوسری طرف مشغول تھے۔ اِس کے بعد بادشاہ بیگم آئیں اور اُن سے چند معمولی باتیں ہوئیں۔ مجھ سے پوچھا کہ نمائش[۱] دیکھنے گئی ہو یا نہیں۔ میں نے کہا۔ ابھی نہیں۔ تو کہا کہ ضرور جائیے۔ بہت ہی خوبصورت اور دلچسپ نمائش ہے۔

یہاں سے فارغ ہو کر سب پھر بال روم یعنی ناچ کے کمرے میں چلے اور کوئی ایک گھنٹہ اور ناچ ہوا۔ پریزیڈینٹ فرانس تو جلد چلے گئے لیکن شاہی

---

[۱] یعنی انگلو فرنچ نمائش۔ جس میں انگلستان اور فرانس نے ملکر اپنی دستکاری کے نمونے پیش کیے ہیں

متواتر موجود رہا۔ جب بادشاہ گئے تو ہم لوگ بھی رخصت ہوئے اور پونے دو بجے کے قریب گھر پہنچے۔ یہ جلسہ کورٹ سے زیادہ شاندار تھا۔ کہتے ہیں بادشاہ اڈورڈ کے زمانہ میں یہاں جانا بمقابلہ ملکہ وکٹوریا کے زمانے کے مشکل ہو گیا ہے اور انگلستان میں یہ بہت بڑا اعزاز سمجھا جاتا ہے کہ بادشاہ کے ہاں سے اس جلسہ میں کسی کی دعوت ہو۔

بدھ۔ ۲۷ مئی سنہ ۱۹۰۸ء

پھولوں کی نمائش صبح بارہ بجے بھائی۔ عطیہ بہن اور میں پھولوں کی نمائش دیکھنے گئے جو ٹمپل[1] میں ہو رہی ہے۔ اس کی خوبی اور ان پھولوں کی خوبصورتی جو اس میں جمع کئے تھے۔ الفاظ میں بیان ہونی مشکل ہے۔ جیسے ان لوگوں کو اچھی سے اچھی چیز پیدا کرنے کا شوق ہے۔ ویسی ہی یہاں قدر دانی ہے۔ اس نمائش میں ایک پودا ایک ہزار گنی یعنی کوئی سولہ ہزار روپیہ میں بکا۔ گلاب کے پھول ایسے ایسے بڑے اور خوشرنگ تھے کہ کبھی نظر سے نہیں گذرے۔ پگونیا دیکھنے میں گلاب کے برابر بڑے۔ اور دنیا بھر کے رنگ۔ جس رنگ کے جوڑے کے ساتھ جو رنگ مطلوب ہو برابر وہی موجود۔ عمر میں پہلی دفعہ بالکل سیاہ رنگ کے پھول دیکھے۔ جامنی۔ بیگنی اور کافی کے رنگ کے۔ علم طبیعات کی نباتات اور پھولوں سے متعلق ہے۔ اسکی بدولت یہ بات پیدا ہوئی ہے کہ جیسے رنگ چاہیں۔ گاڑھے یا ہلکے۔ مفرد یا مرکب۔ سب

[1] ان چار درسگاہوں میں سے ایک ہے جو قانون کی پڑھائی کے لئے لندن میں قائم ہیں۔

پیدا ہوسکتے ہیں۔ پھولوں کی کثرت اور رنگا رنگی نے ہم کو بیخود کردیا حیران تھے کہ کس کس کو دیکھیں۔ دو گھنٹے میں صرف ایک سرسری نظر نمائش پر ڈالی گئی۔ اگر ذرا بھی باریکی سے دیکھنے کا ارادہ کرتے تو کم از کم بارہ گھنٹے درکار تھے۔ اِن دنوں ایک نیا گلاب چلا ہے۔ جس پر لنڈن کی دُنیائے فیشن اس وقت جان دے رہی ہے۔ اسے لیڈی گگے کہتے ہیں۔ ایک سفید گلاب دیکھا جیسا ہمارے جزیرہ میں بھی ہوتا ہے۔ یعنی ہلکا کنیری رنگ۔ مگر جو پھول یہاں دیکھے۔ ڈیڑھ ڈیڑھ بالشت کے ہونگے۔ اور ایک ایک درخت پر پندرہ پندرہ پھول ایسے نادر۔ کہ میں تو دنگ رہ گئی۔ پھولوں کی یہ رنگینی اور اس پر ان کی ہلکی ہلکی بھینی بھینی خوشبو۔ دماغ معطر ہوگیا اور ہم محویت کے عالم میں وہاں سے نکلے۔ لنچ کا وقت تھا اور نمائش میں پھرتے پھرتے بھوک بھی خوب ہوگئی تھی۔ فراسکاٹی[۱] یہاں سے قریب ہے۔ وہاں لنچ کھایا اور برابر پھولوں کی نمائش کا ذکر ہوتا رہا۔

باقی آئندہ

---

[۱] ایک اسٹوران جو کھانے کی عمدگی کے لئے مشہور ہے اور جہاں باجا بھی اکثر بجتا رہتا ہے اور لوگوں کا بہت جماؤ رہتا ہے۔

بیماری اور تیمارداری

(سلسلہ کے لئے نومبر کا پرچہ ملاحظہ ہو)

جمال بی۔ ہوا نہو چھڑکی بھی ویسی دیتے پھر نزدیک بھی ویسی کھینچے
بسوں بی بی کو دیکھ کر میری آنکھیں بھر کو پانی آیا کیسے انہو انگریزی پڑھے
گئے تھوڑا محنت کرے ہونگے۔ تھوڑا پیسہ خرچ کئے ہونگے۔ پھر سینے
میں کام میں سب میں ہشیار اپنی چھوٹی بی بی اتنا نہیں ہے۔

حیدری بیگم۔ احمدی بیگم کی انا ظہورن کی طرف مخاطب ہو کہنے
لگی۔ کیوں ظہورن تو نے کیا بال دھوپ میں سفید کئے ہیں تو لڑکیوں
کے ساتھ رہتی ہے اور انکو اچھی بری بات سے منع نہیں کرتی۔

ظہورن۔ بیگم صاحبہ میں کیا کروں مجھ کمبخت کی کوئی سنتا ہے۔

حیدری بیگم۔ سچ ہے زمانہ ہی ایسا آگا ہے۔ اس زمانہ کے
بچے کسی کی مانتے ہیں۔ پھر اپنی جٹھانی جمیلہ بیگم کی طرف دیکھ کر کہنے
لگیں۔ کیوں بھابی پھر آپ نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا۔
یہ تعویذ انوری کے سرہانے رکھئے گا۔

جمیلہ بیگم۔ ہاں کیا مضائقہ ہے رکھدونگی۔ گو ان لڑکیوں
یا انکے باپ کو ان چیزوں پر اعتماد باقی ہی نہیں رہا ہے۔

حیدری بیگم۔ جی ہاں یہ تو میں جانتی ہوں۔ اس انگریزی کو

خُدا غارت کرے ایسی چھا گئی ہے کہ کسی چیز کا اعتقاد ہی نہیں رہا۔ سب چیزوں پر اعتراض۔ کوئی پُرانی بات اچھی نہیں لگتی۔ خُدا کی قسم اِنہی باتوں سے تو میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی ہے۔ پھر احمدی بیگم کے پیٹ پر ہاتھ سے مار کر کہنے لگیں "یہ تو بالکل انگریزن ہی بنگئی ہے۔ میاں کو خوب سیدھا رکھیگی۔ بس وہی سفید کپڑے بچوں کو پہنائیگی اور میاں کو وہی ٹوپیٹ نگوڑا موٹا۔" یہ کہکر اپنے ہی زانو پر ہاتھ مار کر ایک ٹھٹا لگا کر لوٹ گئیں۔

جمیلہ بیگم۔ حیدری بیگم! تم احمدی کو کیا کہتی ہو۔ تمہاری کاظمی بھی کچھ ان سے کم نہیں۔ ہاں اتنا ہے کہ وُہ ذرا کم سخن ہے۔

راحت بیگم۔ لڑکیوں کی کم سخنی مجھے پسند نہیں ہے۔ لڑکیوں کو چاہئے خوب باتیں کیا کریں۔ زیادہ شوخ کپڑے اور زیور سے مجھ کو ہمیشہ سے نفرت ہے۔ بچپن میں جب مجھ کو چوڑیاں پہنائی جاتی تھیں۔ مَیں اُتار کر پھینک دیتی تھی۔

حیدری بیگم۔ بھابی تعویذ کے سوائے یہ مَیں کئی نقش بھی ساتھ لائی ہُوں۔ انکو آپ پانی میں گھول کر پلا دیجئے گا۔ لیکن خدا کے واسطے نرس کو مت ہاتھ لگانے دیجئے۔ اِن کمبخت نرسوں سے مجھ کو نفرت ہے۔ میرا بس چلے تو انکو زہر دیدوں۔ ان کے ہاتھ کا کھانا کب درست ہے۔

جمیلہ بیگم۔ تعویذ سرہانے رکھنے کو تو مَیں رکھدونگی لیکن

گھول کر پلانا کیونکر ہوسکیگا۔ شاید نرس ڈاکٹر سے کہدے اور وُہ سمجھیں کہ ہم لوگ چھپا چھپا کر کچھ دوا پلاتے ہیں۔

حیدری بیگم۔ نرس کمبخت کو کسی بہانے باہر بھیجدیا کیجئے اور چپکے سے گھول کر پلا دیجئے۔ اِس کے سوائے ڈاکٹر بھی تو شاید مسلمان ہیں۔ اُن سے پُوچھ لیجئے۔ مَیں تو سمجھتی ہُوں وُہ اِس بات کو کبھی منع نہ کرینگے۔ اِس میں مضائقہ کیا ہے۔ خدا کا کلام وُہ بھی مانتے ہیں۔

جمیلہ بیگم۔ ہاں یہ اچھّی بات ہے۔ مَیں ان سے پُوچھ لونگی۔ یہ کہکر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ اور سب ملکر بیمار کے کمرے میں گئے۔ نرس نے انگریزی میں احمدی بیگم سے کہا۔ آپ منع کیجئے اتنے لوگ ایک دفعہ بیمار کے کمرے میں نہ بھر جائیں۔ انکے واسطے اچھا نہیں ہے۔

احمدی بیگم نے انگریزی میں جواب دیا بھلا کسی کی مجال ہے کہ چچی صاحبہ کو کوئی منع کرسکے یا اُنکے آدمیوں کو۔ ابھی خفا ہوکر گھر چلی جائینگی۔ اور امّاں جان بیچاری کو ہزاروں باتیں سُنا دینگی اور کاظمی کو بھی ساتھ لیجائینگی۔ پھر کبھی یہاں پھٹکنے نہ دینگی۔

حیدری بیگم انوری بیگم سے کہنے لگیں۔ ہے ہے بیٹی تمہارا کیا حال ہوگیا ہے کِس قدر نقیہہ ہوگئی ہو۔

اِس موقع پر احمدی کاظمی ایک دُوسرے کا مُنہ دیکھنے لگیں کہ دیکھئے آگے کیا ہوتا ہے۔

مُغلانی جو آتے کے ساتھ انوری کا بازو پکڑ کر دبی زبان سے کچھ بُدبُدا پڑھنے لگی تھیں۔ اپنی دُعا ختم کر کے بولیں ہاں بی بی نقاہت کی بات ہے۔ یہاں بیماری آزاری میں سوائے وُہی سوپ اور انڈے کے کچھ نہیں۔ وُہ تو اچھے بھلے آدمی کو کھاتے قے آتی ہے۔ پھر نہ کہ بیمار جس کے مُنہ کا مزا اَور بھی بدتر ہو جاتا ہے۔

حیدری بیگم۔ اصل طاقت تو اَنکی ہوتی ہے آدمی اَن کا کیڑا ہے۔ سوپ برات نگوڑا کوئی چیز ہے۔ پھر نرس سے کہنے لگیں کیوں جی میم صاحب تم انکو کچھ روٹی سالن تو دیا کرو کہ کچھ کھایا جائے۔ روٹی لوکی کا قلیہ یا مونگ کی کھچڑی ہمارے یہاں کے حکیم تو برابر یہی بتلاتے ہیں۔

نرس۔ بیگم صاحب! ہم کیا کرنا جو ڈاکٹر علی رضا صاحب بولتا ہی ہم دیتا ہے۔

حیدری بیگم۔ ڈاکٹر گئے چُولہے میں۔ اُنکے بولنے سے کیا ہوتا ہے۔ مَیں تو اپنی کاظمی بیگم کو برابر مونگ کی کھچڑی کھلاتی تھی اِس سے جان بچی احمدی نے چپکے سے کاظمی کے کان میں کہا۔ خدا کرے اب یہ گفتگو جلدی ختم ہو۔ تمہارے یہاں کی مُغلانی تو بڑی فضول ہے۔ دیکھو اب کچھ اَور بازو پکڑ کر پڑھ کر چھو چھو کر رہی ہے۔ انوری آپا کا چہرہ دیکھو کیسا پریشان ہو رہا ہے۔

حیدری بیگم اپنی بیٹی کاظمی بیگم سے (جو کہ جب سے انوری بیمار تھی رات دن اسکے پاس رہتی تھی۔ ہم سن ہونے کی وجہ سے دونوں میں کمال محبت

بے تکلفی اور محبت تھی۔ علاوہ اِس کے کاظمی بڑی کم سخن اور سلیقے کی لڑکی تھی۔ اِن کے ہاتھوں سے انوری کو بہت آرام ملتا تھا) کہنے لگیں
بیٹا اب تم اپنی بہن کے ساتھ رہوگی یا گھر چلوگی۔
کاظمی بیگم۔ اماں جان جیسی آپ کی مرضی۔ مگر بڑی اماں تو آپ سے یہیں رہنے کو کہہ رہی ہیں۔
حیدری بیگم۔ ہاں میرا ارادہ ہے دو چار روز رہ جاؤنگی۔ پھر نرس سے کہنے لگیں میم صاحب تم کو بیگم صاحبہ نے بلایا تھا۔ میں اُس وقت کہنا بھول گئی۔ ذرا جاؤ سُن آؤ۔ وہ کیا کہتی ہیں۔ حیدری بیگم نے اس بہانے سے نرس کو باہر بھیجدیا اور جلدی تعویذ سرہانے رکھدیا اور اپنی مُغلانی سے کہنے لگیں ذرا حسینی خانم تم جاکر باورچی خانہ سے تھوڑا سا قورمہ اور خُشکہ لے آؤ۔ میں انوری کو کھلاؤنگی۔ احمدی اور کاظمی کی طرف دیکھ کر کہنے لگیں۔ خبردار! کسی سے کہنا مت۔ مُنہ مُنہ بات پڑنے سے چیز اور بھی ہضم نہیں ہوتی حسینی خانم مُغلانی نے قصد کیا کہ کھانے کے واسطے جائے۔ مگر احمدی بیگم نے روکا اور کہا خانم تم تکلیف مت کرو۔ حیدری بیگم سے کہنے لگیں چچی جان آپ ابھی کچھ نہ کیجئے۔ ابھی دیکھئے گھڑی میں پانچ کو پندرہ منٹ باقی ہیں۔ ڈاکٹر رضا علی صاحب آتے ہونگے۔ ان سے پوچھ لیجئے پھر کھانا دینگے۔ اُنکے خلاف رائے ذری سی بات ہوتی ہے تو وُہ خفا ہوتے ہیں اور کہتے ہیں آپ لوگ تو سب ہی ڈاکٹر ہیں

پھر میری کیا ضرورت ہے۔ پھر شاید باواجان بھی ناراض ہوں۔

اتنے میں نرس بیگم صاحبہ کے پاس گئی اور پوچھا آپ نے ہم کو بلایا بیگم صاحبہ نے کہا میں نے تو نہیں بلایا لیکن ہاں اتنا تو کہنا چاہتی ہوں کہ جس وقت ڈاکٹر صاحب آئیں بعد بی بی کے دیکھنے کے انکو یہاں بھیجدینا۔ مجھے ان سے کچھ پوچھنا ہے۔ پانچ بجے حسب معمول ڈاکٹر رضا علی صاحب آئے۔ ڈاکٹر ایک لنڈن کے تعلیم یافتہ نوجوان شخص تھے انکی لیاقت اور تہذیب کی شہرت سنکر انکو علی نقی خانصاحب نے اپنے اہل وعیال کے واسطے ڈاکٹر مقرر کیا تھا۔ ان کا اصول یہ تھا کہ کبھی کسی موقع پر نہ خود گھبراتے تھے نہ بیمار داروں کو ڈراتے بلکہ اخیر تک صبر وتحمل کے ساتھ علاج کرتے جاتے۔ بیمار کے حال کو خوب جی لگا کر سنتے اور دیر تک بیٹھ کر حال واحوال پوچھتے اور اکثر موقعوں پر ضدی بیماروں کو اپنے ہاتھوں سے دوا پلایا کرتے علی نقی خاں کے گھر میں جب سے انہوں نے علاج شروع کیا تھا سب کو انکے ساتھ ایک خاص انس پیدا ہو گیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب بیمار کے کمرے میں گئے۔ نبض دیکھی پھر نرس سے انگریزی میں پوچھنے لگے کہ آج دن کیسا گذرا صبح سے نبض اس وقت بہت بہتر ہے۔ نرس نے ایک کاغذ (جس پر ہر روز وہ لکھ لیا کرتی تھی کہ کتنا بخار کس وقت تھا اور کیا غذا کھائی) ڈاکٹر کو دیا۔ ڈاکٹر اس کاغذ کو لیکر روشنی کے سامنے بغور دیکھتے رہے۔ پھر لڑکی کے پلنگ کے پاس جاکر کہا بی بی آپ نے آج غذا بہت کم کھائی یہ بات کام نہیں آئیگی۔ اس وقت آپ کو ضرور کچھ

کھانا چاہئے۔ معاذ اللہ ایک بجے سے اب تک کچھ نہیں کھایا۔ اسوقت
ساڑھے پانچ بجے ہیں پورے ساڑھے چار گھنٹے۔ آپ کو تو کم سے
کم ہر دوسرے تیسرے گھنٹے غذا پہنچنا چاہئے۔ نرس مجھے ایک
انڈا اور تھوڑا گرم دودھ لادو۔ میں خود بی بی کو کھلاؤنگا۔ تمہارا قصور ہے
کہ تم برابر غذا نہیں دیتی ہو۔ ورنہ وہ تو کبھی ضد نہیں کرتیں۔ اب
دیکھو میں دیتا ہوں کیسے پی لینگی۔ نرس نے انڈا ڈاکٹر صاحب کو لادیا
ایک گلاس اور کانٹا دیا۔ ڈاکٹر صاحب نے انڈے کی زردی گلاس
میں ڈال کر خوب پھینٹی پھر اس میں تھوڑا سا گرم دودھ ملا کر انوری بیگم کو
دیا اور کہا بی بی سب پی لیجئے۔ اُس نے ڈاکٹر کی خاطر سے آدھا
پی لیا۔ پھر گلاس نرس کے ہاتھ میں دیدیا اور کہا بس اب نہیں پیا جاتا
ڈاکٹر صاحب نے سینے کو آلہ لگا کر دیکھا پھر نرس سے علیحدہ جا کر اور
کچھ باتیں پوچھیں۔ پھر کاغذ قلم منگا کر نسخہ بدل دیا اور کہا ہر تیسرے
گھنٹے یہ دوا دو اور پولٹس برابر جاری رکھو۔ پھر نرس نے چپکے چپکے
ڈاکٹر سے سب بیبیوں کے بیمار کے کمرے میں آنے کی حالت اور
حیدری بیگم کا کھانا کھلانے کو کہنا سب ڈاکٹر سے کہا۔ ڈاکٹر صاحب
نے کچھ جواب نہ دیا۔ بیگم صاحب نے بُلا بھیجا تھا وہ سیدھے اس طرف
روانہ ہوئے۔ ایک ماما نے خبر دی۔ ڈاکٹر صاحب حاضر ہیں۔ دو
ماماؤں نے آ کر بیچ میں ایک نیلی چادر پکڑ لی۔ اس طرف ڈاکٹر صاحب
اس طرف بیگم صاحب حیدری بیگم اور سب لوگ جو اسوقت موجود تھے

ڈاکٹر صاحب نے کہا آداب عرض ہے۔
بیگم صاحب۔ جیتے رہو۔
حیدری بیگم۔ میری طرف سے بھی سلام کہئے۔
بیگم صاحب۔ حیدری بیگم سید تقی صاحب مرحوم کی بی بی آپکو سلام کہتی ہیں
ڈاکٹر صاحب۔ میری طرف سے بھی آداب عرض کیجئے۔
بیگم صاحبہ۔ آپ بھی مسلمان ہیں ہم لوگ بھی مسلمان ہیں یہ بھی جانتی ہوں کہ آپ اور ولایت کے تعلیم یافتہ لوگوں کی طرح پر لامذہب نہیں ہیں۔
ڈاکٹر صاحب۔ استغفراللہ میں کیوں لامذہب ہونے لگا۔ آپ خیال کرسکتی ہونگی کہ میرا تو کام ایسا ہے۔ جس میں ہر وقت خدا سے کام پڑتا ہے اور ہر وقت اُس کی قدرتِ کاملہ اور رحمت کا سامنا رہتا ہے ہر وقت اپنی بود و نبود اور اس کی حقیقت کی مثالیں آنکھوں کے سامنے پھرتی رہتی ہیں۔ بھلا ہم لوگ خدا کی خدائی سے انکار کرسکتے ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کوئی کافر ملحد بھی اگر ڈاکٹری پڑھے اور ڈاکٹری کرے تو ممکن نہیں کہ وہ خدا کا قائل نہو جائے اِس طرح پر جس طرح ہر ایک مسلمان کو ہونا چاہئے۔
بیگم صاحبہ۔ جی ہاں بیشک بیشک آپ کا کہنا بہت ٹھیک ہے جب آپ خدا اور اس کے کلام مجید کے قائل ہیں تو یقینی اس بات کی مخالفت نہ کرینگے کہ انوری بیگم کو یہ چند نقوش جو ایک مولوی صاحب نے دیئے ہیں گھولکر پلائے جائیں آپ کو بھی ضرور اس کا اعتقاد ہونا چاہئے۔
(باقی آئندہ)

لیڈی ڈین دہلی میں

جناب لاٹ صاحب و لیڈی ڈین صاحبہ کے آنے سے دلی نے اس مہینہ میں وُہ رونق دیکھی کہ مدت تک کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔

لاٹ صاحب کے تشریف لانے پر دہلی میں جہاں اس قدر مردانہ پارٹیاں اور جلسے ہُوئے وہاں تین چار پردہ پارٹیاں بھی نہایت شان سے ہُوئیں۔ لیڈی ڈین صاحبہ یہاں ہماری پارٹیوں میں نہایت شوق سے شریک ہوتی تھیں۔ اور ہر موقعہ پر ہندوستانی بیبیوں سے ملکر بہت خوش ہوتی تھیں۔ سب سے پہلے زنانہ مشن ہسپتال کی رسم افتتاح کے ادا کرنے کے لئے جناب لیڈی صاحبہ تشریف لائیں۔ پردے کا انتظام معقول تھا۔ ہندو اور مسلمان بیبیوں کے علاوہ یورپین لیڈیاں بھی موجود تھیں۔ افتتاح کے ہوجانے کے بعد لیڈی ڈین صاحبہ تشریف لیگئیں اور سب بیبیاں رخصت ہوئیں۔

دُوسری پارٹی ۱۱۔ جنوری ۱۹۰۹ء کو مسز سلطان سنگھ صاحبہ کے ہاں تھی۔ مردانہ باغیچہ میں پردہ ہوگیا تھا وہیں قریب ہی ایک طرف بیڈمنٹن کے لئے جالی لگا دی گئی تھی۔ گراموفون اور ہارمونیم بھی تھا جسکو مسز پریم لال صاحبہ نہایت عمدگی سے بجاتی تھیں مسز سلطان سنگھ صاحبہ نے ہندوستانی نمونہ پیش کرنے کے واسطے شہر کی

نہایت مشہور ڈومنیاں بھی بُلائی تھیں۔ لیڈی صاحبہ جس وقت تشریف لائیں استقبال کے لئے مسز سُلطان سنگہ معہ دو اور لیڈیوں کے دروازہ پر گئیں اور لیڈی صاحبہ کو لاکر کُرسی پر بٹھایا۔ لیڈی صاحبہ کے ہمراہ مس ڈین مسز ہیمرز اور مسز میرینڈہ صاحبہ اور چند یورو پین لیڈیاں بھی تھیں۔

جب سب بیٹھ گئیں۔ تو مسز داموردر داس صاحبہ نے ہندی میں ایڈریس پڑھا اور مسز گھوس صاحبہ نے اس کا ترجمہ جو چھپا ہوا تھا۔ انگریزی میں پڑھ کر سنایا۔ مسز سُلطان سنگہ صاحبہ نے پھر گوتے اور پھولوں کے ہار پہنائے اس کے بعد لیڈی صاحبہ چائے کے کمرے میں تشریف لیگئیں۔ مُسلمانوں کے لئے کھانے پینے کا انتظام علیحدہ تھا۔ اور ہندوؤں کے لئے الگ ہندو بیبیاں اس پارٹی میں بہت تھیں۔ کیونکہ ایڈریس بھی انہی کی طرف سے تھا جاتی دفعہ سب کو پھولوں کے ہار اور پان دیئے گئے اور جلسہ برخاست ہوا۔

تیسری پارٹی ۱۴ جنوری سنہ ۱۹۱۰ء کو دائیوں کے مدرسہ میں تھی۔ ویسے ہی حاذق الملک جناب حکیم محمد اجمل خانصاحب کی ذات سے اہل دہلی کو بہت سے فیض پہنچ رہے ہیں لیکن یہ مدرسہ جو انہوں نے دائیوں کی تعلیم کے لئے جاری کیا ہے۔ ایک ایسا ضروری اور مفید کام ہے۔ کہ اس کی قدر اُس وقت معلوم ہوگی۔ جب دائیاں یہاں سے تیار ہو کر عملی طور پر اپنی خدمات سے مُلک کو فائدہ پہنچائینگی۔ جاہل دائیوں سے جو تکالیف اور جانوں کا نقصان ہوتا ہے۔ اس کا اندیشہ نہ رہیگا۔ ساتھ ہی اس مدرسہ کے زنانہ ہسپتال بھی کھولا گیا ہے۔ جس میں یونانی علاج نہایت احتیاط اور توجہ سے

ہوگیا۔ بیرونجات سے جو بیبیاں یہاں آکر رہینگی انکو بہت آرام ہوگا۔ ہندو بیبیاں بھی آسکتی ہیں۔ اُن کے لئے ہندو لیڈی ڈاکٹر اور سب قسم کا انتظام رہائش وغیرہ کا کیا گیا ہے۔ اور غریب بیبیوں کو دوائی بھی مفت ملا کریگی۔ یہاں دہلی میں گو زنانہ وکٹوریا ہسپتال ہے۔ لیکن اکثر بیبیاں وہاں جانا اور انگریزی ادویہ کا استعمال پسند نہیں کرتیں۔ اس لئے حکیم صاحب کا یہ بڑا احسان ہے۔ کہ اُنھوں نے اس ضرورت کو محسوس کیا اور ہم مستورات کے فائدہ کے لئے یہ ہسپتال بھی کھولا۔ چنانچہ اس مُبارک تقریب پر لیڈی ڈین صاحبہ معہ لاٹ صاحب کے اس مدرسہ کی رسم افتتاح ادا کرنے کے لئے تشریف لائیں۔ مدرسہ کا مکان چوڑی والوں میں واقع ہے۔ اور بہت شاندار اور وسیع ہے۔ باہر کے مکان میں مردانہ جلسہ تھا اور اندر کے مکان میں ہندوستانی بیبیاں جمع تھیں۔

لیڈی ڈین صاحبہ کو ایڈریس باہر دیا گیا تھا۔ جب وُہ ایڈریس سن چکیں تو لاٹ صاحب نے لیڈی صاحبہ کی طرف سے جواب دیا اور اس تجویز کو بہت پسند فرمایا۔

اسکے بعد جناب لیڈی صاحبہ نے زنانہ مکان کے بڑے دروازہ کو جس پر چاندی کا قفل لگا ہوا تھا اپنے دستِ مُبارک سے کھولا اور اندر تشریف لائیں۔ ہمراہ مس ڈین مسز ہمفریز مسز مرڈیتھ اور چند یورپین لیڈیوں کے علاوہ پارسی بیبیاں بھی تھیں۔ دروازہ کے اندر سکندر جہاں بیگم صاحبہ اور محمودہ بیگم صاحبہ اور مسز غلام محمد حسن صاحب

اور خاکسار استقبال کے لئے کھڑی تھیں۔ لیڈی صاحبہ نے ہم سے مصافحہ کیا اور پھر میں نے (دروازہ کے اندر چبوترے پر جہاں سب بیبیاں دورویہ صف بستہ منتظر تھیں) تعارف کرایا۔

لیڈی ڈین صاحبہ پھر اپنی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد سکندر جہاں بیگم صاحبہ نے درخواست کی کہ آپ مدرسہ کا معائنہ فرمائیں۔ مدرسہ کی عمارت اور علیحدہ علیحدہ جماعت کے پانچ خوبصورت کروں کو دیکھ کر لیڈی صاحبہ بہت خوش ہوئیں۔

لیڈی صاحبہ اور یورپین لیڈیوں کے لئے چائے کی میز کا انتظام ایک یورپین ہوٹل کی منیجر کے سپرد تھا۔

سب انگریز مہمانوں کو نہایت تواضع سے چائے وغیرہ پیش کی۔ لیڈی صاحبہ نے دیسی مٹھائی سے بھی رغبت ظاہر کی۔ چائے وغیرہ سے فارغ ہو کر لیڈی صاحبہ اپنی نشست پر تشریف لے آئیں سکندر جہاں بیگم صاحبہ نے شکریہ ادا کیا اور میں نے تائید میں یہ عرض کیا۔ کہ ہم ہندوستانی بیبیوں پر آپ نے بڑا احسان فرمایا ہے۔ کہ ایسے مبارک اور مفید مدرسہ کی افتتاح کی رسم ادا کر کے آپ نے اس نیک کام سے اپنی ہمدردی اور خوشنودگی کا اظہار کیا۔ ہماری خوش قسمتی ہے۔ کہ ہمارے شہر میں پہلے بھی ایک اعلیٰ قسم کا زنانہ ہسپتال موجود ہے اور اب امید ہے کہ دونوں شفاخانے مل کر اور بھی ہمارے لئے زیادہ مفید ثابت ہونگے۔ ہم ہندوستانی مستورات آپ کے اس لئے خاص طور پر شکرگذار ہیں کہ آپ ایسی عنایت

اور مہربانی سے ہماری پارٹیوں میں تشریف لاتی ہیں۔ اور سب سے
نہایت اخلاق سے پیش آتی ہیں۔ آپ کو ہماری ترقی اور بہبودی کا
جس قدر خیال ہے اس سے اُمید ہے کہ ہمیں ہر طرح سے فائدہ
پہنچیگا۔ اس کے بعد مسز غلام محمد حسن خاں صاحبہ نے پہلے لیڈی صاحبہ
کو پھر دیگر مہمانوں کو طلائی ہار پہنائے۔ اور گلدستے پیش کئے۔ پھر
لیڈی صاحبہ نے ارشاد فرمایا کہ میں یہ مدرسہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔
اور آپ سب کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ میں آئندہ سال ضرور اس مدرسہ
میں آؤنگی اور اُمید ہے کہ اسکو زیادہ ترقی پر دیکھونگی۔

اسکے بعد لیڈی صاحبہ ہم سب سے ملکر رخصت ہوئیں۔

پارسی بیبیاں ہمارے پاس کچھ دیر زیادہ تک ٹھہری رہیں۔
ہندو بیبیوں کے لئے مٹھائی اور پھل وغیرہ کا انتظام علیحدہ
کیا گیا تھا۔ جلسہ سے فارغ ہو کر سب بیبیاں نہایت خوشی سے اپنے
گھروں کو رخصت ہوئیں۔ لیڈی ڈین صاحبہ تو اب اپنی لڑکی کو تعلیم
کے لئے انگلستان چھوڑنے چلی گئیں۔ لیکن ہمارے دلوں پر
اُنکے اخلاق اور مہربانی کا گہرا نقش اب تک موجود ہے +

شمس النسا بیگم
جائنٹ ایڈیٹر

آفرینش الٰہی کی حکایات

میں نے رسالۂ عصمت کے لئے حکایات کا ایک سلسلہ لکھا ہے جس میں آفرینش الٰہی کی چند عظیم الشان اشیا (جن سے دُنیا کی ساری اشیا پیدا ہوئی ہیں) میں سے ہر ایک شے اپنے خیالات کی حکایت افسانہ کے پیرایہ میں اس طرح سُناتی ہے کہ لڑکیاں اُسے سُنکر سو نہیں جائینگی بلکہ اُن کا دیدۂ دانش ایسا بیدار ہوگا کہ آفرینش الٰہی کا جلوہ انکی آنکھوں کے سامنے ایسا نمایاں ہوگا کہ اس کا سرسری علم انکے ذہن میں سما جائیگا۔ انکو اس علم کا حاصل کرنا اور علموں پر اس لئے مقدم ہے کہ اُنکے لئے اس سے زیادہ کوئی اور علم بکار آمد اور مفید نہیں۔ زمین ہمارے جسم و جان کی پالنے والی ہے اس لئے اُسی کی حکایات تحریر ہوتی ہیں:۔

زمین کی حکایت

اَے لڑکیو! ذرا کان لگا کے سُنو کہ زمین اپنی حالت کی یہ حکایت بیان کرتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے مجھے اس لئے پیدا کیا ہے کہ ساری مخلوق و موجودات کی جو میری ذات سے وابستہ ہیں مادرِ جان نواز و تن پرور بنوں۔ پروردگارِ عالم نے میری ہستی پر کل دُنیا کی ہستی کا مدار رکھا ہے۔ اگر میں نہیں تو سوا ھُو کے کچھ اور نہیں۔ میں مکان ہوں اور سب اشیا مکین ہیں

جب مکان نہیں تو مکین کہاں۔ جب گھر نہیں تو پھر گھر والوں کا پتا نشان نہیں۔ میں انسان کے لئے مکان بنتی ہوں اُنکو اپنا مہمان بناتی ہوں اس کی خاطر داری ایسی کرتی ہوں کہ اُس کے پاؤں کو اپنے سر پر رکھتی ہوں۔ وُہ مجھے ٹھکراتا ہے میں اُس کے پاؤں پڑکر قدمبوسی کرتی ہوں وہ میری چھاتی پر کدال پھاوڑا بجاکر میرے سینہ کو خالی کرتا ہے اور پھر اس میں دھڑا دھڑ پتھر بھرتا ہے۔ میں اُس کے بدل میں اسپر مکان ایوان قصر وقلعہ بنا دیتی ہوں۔ اتنی قسم وطرز و وضع وقطع کے مکان بناتی ہوں۔ اگر اُنکے نام بیان کروں تو میری زبان گھس جائے۔ پھر میں نے ان مکانوں کی زیبائش وآرائش اور زیب وزینت کے اسباب کے لئے وُہ مصالحے تیار کئے کہ جن کا بیان میں نہیں کرسکتی۔

اب اِن مکانوں میں مکینوں کو آباد کرکے اُنکی خوراک و پوشاک کا بیحد سامان تیار کرتی ہوں۔ دیکھ لو کہ آدمی کے بدن پر اور اُس کی گٹھڑی بقچی میں سارے کپڑے خواہ وُہ روئی اور سن کے ہوں یا ریشم و پشمینہ کے ہوں یا پوستین وکھالوں وچھالوں کے ہوں۔ یہ سب میرے ہی دیئے ہُوئے ہیں۔ اگر میں یہ کپڑے آدمی کو نہ دیتی تو وہ جانوروں کی طرح ننگا پھرتا اور کچھ دِنوں جی کر مرجاتا۔ میں نے بنولے سے روئی پیدا کی جسکو اُس نے کات کر سُوت بنایا اور سُوت سے کپڑا بنا۔ جیسے میں نے اپنے عمل سے بنولے کی شکل کو بدل کر رُوئی بنایا تھا جو اپنی اصل سے کچھ مشابہت نہیں رکھتی تھی۔ ایسے ہی اِنسان نے اپنی

صنعت و حرفت سے رُوئی کی صُورت بدل کر کپڑا بنایا جو اپنے اصل سے شکل میں بالکل جدا ہے۔ دیکھو کیا تعجب کی بات ہو کہ
بنولا میرے عمل سے اور آدمی کی صنعت سے ایسا کایا پلٹ ہوگیا کہ مشکل سے سمجھ میں آتا ہے کہ یہ کپڑا بنولے کا پیدا کیا ہوا ہے۔ یہی حال سن کا ہے۔ میں نے کیڑوں کو شہتوت کے درختوں سے پرورش کرکے اُن میں ریشم پیدا کیا جس سے انسان کا ریشمی لباس بنا۔ جانوروں کو پال کر اُنکے بدن پر پوستین اور پشم اور اُون پیدا کی جس سے پشمینے اور اون کے کپڑے بنے۔ اور یہی حال اور قسم کے کپڑوں کا ہے۔ کہ میرے عمل سے اور انسان کی صنعت و حکمت سے بنے ہیں
اب اس پوشاک کے بعد خوراک کا حال سنو کہ باورچی خانے میں جو کھانے پکتے ہیں اور دسترخوانوں اور میزوں پر جو طعام اور میوے چُنے جاتے ہیں۔ وہ سب میں نے اپنی ہی مادرانہ شفقت سے اپنے بچّوں کے کھانے کے لئے تیار کئے ہیں۔ وہ انکو کھاتے ہیں اور پھر انہیں غلاظت اور کھات بنا کر اُن کے تودے کے تودے مجھ پر بچھاتے ہیں۔
اب میری کرامت دیکھو کہ آدمی نے جس اناج کو کھاد بنایا تھا میں پھر اُس کھات سے لہلہاتے ہُوئے کھیت بناتی ہوں جن سے پھر وہی اناج پیدا ہوتا ہے۔ اور اس کھاد سے گلستان اور بوستان بنا کے فردوسِ بریں دُنیا میں دکھاتی ہوں۔ اور اس میں مرغانِ خوش نوا گلتے

ہیں۔ پھول اپنے رنگ خوشنما دکھلاتے ہیں۔ دیکھو کیا تماشا ہے آدمی ہل کی نوک سے میرا جگر چیرتا ہے۔ میں اُس کے بدلے میں اسکو اناج کے خرمن عنایت کرتی ہوں۔ آدمی میرے سینہ میں برمے پھرا کر چھید ڈالتا ہے میں اسکے معاوضہ میں سوتوں کا نکھرا ہوا میٹھا پانی پلاتی ہوں۔ آدمی میری سینہ شگافی کرتا ہے میں اسکو سیم و زر و جواہر کے کان عطا کرتی ہوں کہ وہ دولت سے مالا مال ہو اور انکا زیور پہن کر اپنے حسن و جمال کا جلوہ دکھائے۔

میری عادت ہے کہ ایک آدمی کو جو چیزیں دیتی ہوں وہ سب پھر اُس سے واپس لیکر دوسرے آدمی کو دیدیتی ہوں اور پہلے آدمی کو اپنی بغل میں سُلاتی ہوں اور ایسی لوریاں دیتی ہوں کہ وہ بے کھٹکے ایسا سوتا ہے کہ قیامت کی خبر لیتا ہے۔

میں نے اس حکایت میں کوئی اپنا اصلی حال نہیں بتلایا بلکہ تم کو یہ نیکی کا سبق پڑھایا ہے کہ جیسے مجھ پر انسان ظلم و ستم کرتا ہے اور میں اس کے عوض میں لطف و کرم کرتی ہوں۔ اسی طرح جو تم کو دُکھ دے اسکو سکھ دو۔ جو تم سے بُرائی کرے اس سے بھلائی کرو۔ یہی نیکی کل محاسن اخلاق کی جڑ ہے اسکو خوب یاد رکھو۔ کبھی بھول کر بھی نہ بھولو۔ اب میں اس اپنی پہلی حکایت کو ختم کرتی ہوں۔ دوسری حکایت میں تم کو بتلاؤنگی کہ میں بڑی پیاری صورت کی آسمانی دلہن ہوں جسکی عمر کی کوئی شخص نہ ابتدا جانتا ہے نہ انتہا۔ کہ میں لڑکی ہوں یا جوان ہوں یا بوڑھی ہوں کیسی

اِنسان سے اب تک میری عمر کا تخمینہ صحیح نہیں ہوا۔ اٹکل پچو دل بہلاؤ کی تشخیصیں بہت سی ہوئی ہیں۔ میری عمر میں تو کیا میری اولاد کی عمر جاننے میں اب تک تردد چلا جاتا ہے۔ مَیں بڑے اونچے گھرانے کی بیٹی ہوں۔ میرے ماں جائے بہن بھائی ہزاروں آسمان پر رہتے ہیں جو میری ہی مشابہ ہیں میرے ہم صورت و سیرت ہیں۔ اس حکایت میں اجرام فلکی سے اپنے رشتہ ناتہ کا حال بھی مفصّل بیان کرونگی۔ تیسری حکایت میں یہ بیان کرونگی کہ میری صُورت شکل کا حال پہلے کیا تھا اور اب کیا حال ہے اور وُہ کس طرح بنتی و بگڑتی رہتی ہے۔ چوتھی حکایت میں اپنی حرکت و سکون کو بیان کرونگی کہ خود حرکت کرتی ہوں اور سب چیزوں کو اپنے اوپر ساکن رکھتی ہوں۔ ان حکایتوں کو بیان کرکے چُپ ہو جاؤنگی۔ مجھے اپنے بیان میں اے بچیوں تمہاری سمجھ کے کچے ہونے کا ہمیشہ خیال رہیگا۔ کوئی بات ایسی نہیں ہوگی کہ تمہاری سمجھ سے باہر اس کا سمجھنا ہو۔

ذکاء اللہ

ہوا

ہم سید احمد حسین صاحب بی۔ اے۔ بی۔ ایل کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اُنہوں نے ناظرین عصمت کے لئے علم طبعی کی معلومات آسان پیرایہ میں بیان کرنے کا ذمہ لیا ہے۔ اس سلسلہ کے اس پہلے مضمون سے انکی تحریر کا رنگ نظر آجائیگا۔ کہ کیسے عام فہم اور سلیس طریقے سے اُنہوں نے ہوا کا حال لکھا ہے۔ اُمید کہ یہ سلسلہ لڑکیوں کے لئے بالخصوص اور مستورات کے لئے بالعموم نہایت مفید ثابت ہوگا۔

ہوا کو تم دیکھ تو نہیں سکتی ہو لیکن چھو کر معلوم کر سکتی ہو کہ وہ موجود ہے۔ جب جی چاہے اپنی پنکھی جھل کر دیکھ لو۔ اِدھر پنکھی چلی اور ہوا محسوس ہوئی۔ حیوانات کی زندگی کے لئے ہوا اک نہایت ضروری چیز ہے۔ ہر لحظہ ہم ہوا میں سانس لیتے ہیں۔ بلا ہوا کے کوئی جانور زندہ نہیں رہ سکتا اور اسی طرح درخت پودے ساگ پات کی حیات ہوا پر موقوف ہے۔ ہوا ہمارے چاروں طرف لپٹی ہوئی ہے اور ہوا میں ہم اس طرح ڈوبے ہوئے ہیں جس طرح مچھلی پانی میں۔ قدرت نے تمام حیوانات اور نباتات کی زندگی کا دارو مدار ہوا پر موقوف رکھا ہے اور اس لئے اُسکو اس افراط سے عطا فرمایا ہے کہ جہاں جاؤ کوئی جگہ ہوا سے خالی محسوس نہیں ہوتی۔ سانس لینے کے لئے ہر ساعت ہم کو تازہ ہوا چاہیئے۔ تازہ ہوا نہ ملے تو دم بند ہو جاتا ہے اور

آدمی زندہ نہیں رہ سکتا۔ سانس لینے کو ہوا نہ ملے تو کیونکر جینا محال ہے یا نہیں۔ حیوانات کی زندگی کو ہوا کے ساتھ کیا کیا تعلقات ہیں اسکو میں کسی اور موقع پر بیان کرونگا۔ اس وقت دوسری باتیں کہنا چاہتا ہوں اُنکو سنو۔

تم آئے دن دیکھتی ہو کہ ہوا میں طرح طرح کی ہزاروں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں کبھی تو ہوا کے ہلکے ہلکے خوشگوار جھونکے چلتے ہیں جن سے آرام ملتا ہے اور روح کو تازگی ہوتی ہے۔ ایسی ہوا جب صبح کو چلتی ہے تو اُسکو نسیم کہتے ہیں اور کبھی ہوا اک کالی آندھی بنکر چلتی ہے جس کی ڈرانی شکل دیکھکر دل کو ہول آتا ہے۔ ہوا کے رُخ کو خیال کرو تو وہ بھی بدلتا رہتا ہے۔ صبح کو پُروا چل رہی ہے تو شام کو پچھوا چلنے لگی۔ ابھی اُتر کی ہوا ہے۔ کوئی ساعت کے بعد دکھن کی ہو گئی اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مہینوں ایک ہی رُخ کی ہوا چلتی ہے۔ اس طرح کی ہوا ہمارے ہاں پھاگن کے مہینے میں چلتی ہے جسکو بادِ خزاں کہتے ہیں۔ ہوا کی سردی گرمی سورج کی حرارت سے تعلق رکھتی ہے۔ کبھی اتنی گرم ہوا چلتی ہے کہ بدن پھُنکا جاتا ہے اور اُس کی جلتی ہوئی لُو کی کوئی تاب نہیں لا سکتا۔ اور کبھی اتنی ٹھنڈی رہتی ہے کہ اُس کے سرد جھونکوں سے پالا پڑتا ہے۔ کسی رُت میں ہوا خشک رہتی ہے جس کے رُوکھے پن سے سانس لینے میں اذیت ہوتی ہے اور کسی موسم میں پانی سے ایسی نم اور شور بور ہو جاتی ہے۔ کہ اُس میں پانی کی ننھی ننھی بوندیں ہوتیں

کی طرح بہت نظر آتی ہیں۔ اب یہ خیال کرو کہ ہوا میں جتنی تبدیلیاں

نظر آتی نہیں تو ہے کیا چیز؟

تم نے سنا ہوگا کہ زمین نارنگی کی سی گول ہے۔ اب یہ سمجھو کہ جس طرح نارنگی کے اوپر ہر چہار طرف سے چھلکا ہوتا ہے اسی طرح زمین کے چاروں طرف ہوا محیط ہے۔ تم پوچھ سکتی ہو کہ جب ہوا زمین کو اوپر سے گھیرے ہوئے ہے تو پھر آسمان کی طرف کیوں نہیں نکل جاتی۔ تمہارا خیال بہت صحیح ہے۔ ہوا کا ذاتی سبھاؤ تو ایسا ہی تھا کہ وہ زمین کو چھوڑ کر چلتی ہو جاتی لیکن زمین کی کشش یا قوتِ جاذبہ ہوا کو روکے ہوئے ہے اور اسکو بھاگنے نہیں دیتی۔ ہوا زمین کے ساتھ چپٹی ہوئی ہے۔ زمین سورج کے گرد ڈھکنیاں کھاتی ہوئی چکر لگاتی ہے لیکن پھر بھی وہ اپنی ہوا کو ساتھ ساتھ لئے پھرتی ہے۔

کسی شادی کی تقریب میں تم نے آتشبازی کے غبارہ کے اُڑنے کا تماشا دیکھا ہوگا۔ جس وقت وہ اونچا ہوتا ہے تو اُس کے ہر چہار طرف ہوا ہوتی ہے اور وہ ہوا میں معلق سنبھلا ہوا از خود اوپر کو اُٹھتا جاتا ہے اسی طرح تمہاری زمین خدا کی قدرت سے بلا کسی لاگ کے معلق ٹھہری ہوئی ہے اور سورج کے چاروں طرف از خود چرخ کھاتی ہوئی چکر لگا رہی ہے اور اُسکو چاروں طرف سے ہوا گھیرے ہوئے ہے۔ زمین کے اوپر ہوا کا اِک قدرتی غلاف چڑھا ہوا ہے جس کے اندر وہ بند ہے۔ اِسی غلاف کو کُرہ ہوا کہتے ہیں۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا ہے کہ زمین سے

اُوپر ۵۰ میل تک ہوا کا سلسلہ چلا گیا ہے۔ بعد اُس کے وہ خالی جگہ ہیں کو تم آسمان کہتی ہو خالی پڑی ہے۔ اصطلاح میں اس خالی جگہ کو فضائے آسمانی کہتے ہیں۔ اگرچہ زمین کے اوپر کسی ایسی حد کا قائم کرنا کہ وہاں تک ہوا ہے اور اُس کے بعد پھر ہوا نہیں ہے ایک نہایت مشکل بات ہے۔ اکثر سائنس والوں کی یہ رائے ہے کہ ہوا کی لاگ کچھ نہ کچھ ستاروں تک چلی گئی ہے لیکن زیادہ تر اتفاق اسی بات پر ہے کہ ۵۰ میل کی اونچائی کے بعد ہوا نہیں ہے۔ یہ نیلگوں قبہ جس کا خوشنما نیلا رنگ دیکھ کر آسمان کے وجود کا خیال ہوتا ہے محض ہوا کے رنگ سے مزین ہے۔ یورپ کے سائنس دان بڑے بڑے غباروں میں بیٹھ کر ہوا میں اُڑے ہیں اور کئی میل تک اوپر گئے ہیں ان لوگوں نے جو جو باتیں دریافت کی ہیں اُن کا بیان سُنکر تم کو حیرت ہوگی۔ دو شخص جو ۵۔ اگست ۱۸۶۲ء میں ہوا میں اُڑے تھے اور جن کا غبارہ چھ میل کی اونچائی تک جا کر پھر لوٹ آیا تھا اُن کا بیان سُنو۔

"دن کو ایک بج کے تین منٹ پر غبارہ زمین سے اوپر اُڑا۔ اُسوقت ہوا کی گرمی ۵۹ درجہ تھی لیکن ایک میل کی اونچائی پر ۴۱ درجہ ہوگئی اور سردی محسوس ہونے لگی۔ اسکے بعد ہم لوگوں کو ایک بہت بڑے بادل کا ٹکڑا ملا جسکا دل گیارہ ہزار فیٹ ہوتا تھا جس وقت ہم لوگ بدلی میں چھپ گئے تو سردی اور زیادہ بڑھ گئی۔ لیکن غبارہ تھا کہ ہوا سے باتیں کرتا ہوا زوروں میں اُوپر کو چڑھا جاتا تھا یہ جا وہ جا۔ چند ساعت میں غبارہ بادل

یعنی کہ کھلی ہوئی فضا سے اٹھائی ہیں بالکل یہاں کا منظر
نہایت دلفریب تھا اوپر تو سورج کی خوشنما کرن نیلی فضا سے گہری
میں جھلکتی ہوئی دکھائی دیتی تھی اور نیچے زمین کی جانب کالے
کالے بادلوں کے پہاڑ نظر آرہے تھے۔ زمین چھوڑے
ہوئے کوئی دس ساعت نہیں گذری ہوگی کہ غبارہ چرخ کھاتا
ہوا دو میل کی اونچائی پر تھا۔ یہاں کی ہوا میں قدر سردی کہ
آلہ مقیاس الحرارت کا پارہ گھٹ کر نقطۂ انجماد پر آگیا اور
پانی جو ہم لوگوں کے ساتھ تھا یخ ہو کر جم گیا۔ اسوقت میں اچھا
خاصہ تھا اور کل مشاہدات کو لکھتا جاتا تھا۔ لیکن غبارہ جو
برابر چرخ کھاتا ہوا اوپر کو چڑھتا جاتا تھا۔ جب وہ میل کی بلندی
سے آگے بڑھا اسوقت ہم لوگوں کا دم گھٹنے لگا اور سانس
لینے میں ایک تکلیف سی محسوس ہونے لگی اور اس کے
بعد رفتہ رفتہ کل حواس زائل ہونے شروع ہوئے آنکھوں
کی روشنی ماند پڑ گئی۔ کان بہرے ہو چلے۔ یہاں تک
میں پھر بھی مشاہدات کو نوٹ کرتا جاتا تھا کہ یک بیک میری
دونوں آنکھیں بیکار ہو گئیں۔ نہایت مشکل سے میں نے
آنکھیں پھاڑ کر آلہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ غبارہ ۲۹۰۰۰ فٹ
کی اونچائی پر جا رہا ہے۔ یہاں کا منظر عجب ڈراونا تھا آسمان
کی خوفناک تاریکی دیکھ کر دل گھبرانے لگا۔ اس بلا کی اونچی

تھی کہ آنکھوں کو کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا لیکن میرا ہیلون بھی اُڑا جاتا تھا میں نے ڈر کر اپنے دوست کو پکار کر آواز دی لیکن اُس نے کچھ نہیں سُنا۔ پھر میں خوب زور سے چلایا لیکن میں نے آپ اپنی آواز نہیں سُنی۔ چند ساعت گذری ہوگی کہ میرے دونوں ہاتھ بیکار ہو گئے۔ ہاتھوں کو ہلانا چاہتا ہوں تو ہل نہیں سکتے۔ بولنا چاہتا ہوں تو زبان پر قابو نہیں پاتا۔ گردن ڈھل کر شانوں پر آ رہی اور میں بے اختیار ہو کر غبارے کے اندر گر پڑا۔ آنکھیں اُبل آئیں۔ نتھنوں سے خون نکلنے لگا اور سارا بدن سُن پڑ گیا۔ اِسوقت تک مجھ میں ہوش باقی تھا اور میں ساری تکلیفوں کو محسوس کر رہا تھا۔ میں بے حس و حرکت پڑا تھا اور یہ خیال کرتا تھا کہ میری رُوح فنا ہو رہی ہے۔ یہ خیال کرتے کرتے میں غش کر گیا اور مجھے کچھ خبر نہیں کہ غبارہ کہاں تک اوپر جا کر پھر زمین کی جانب کو لوٹا۔ جس وقت غبارہ اُتار پر آ رہا تھا اُسوقت مجھے ہوش آیا۔ میں اپنے دوست کی آواز کو سُن رہا تھا کہ وُہ مجھے پکار کر ہشیار کر رہا ہے لیکن میری آنکھیں نہیں کھُلتی تھیں۔ چند ساعت کے بعد مجھے پورا ہوش آ گیا اور میں جلدی سے اُٹھ بیٹھا"۔

کیوں سُن لیا تم نے اِس بیان کو۔ لو بتاؤ تو ہی کہ تم کو ہوا کی نسبت اس سے

کون کونسی باتیں معلوم ہوئیں جنکو میں بیان کرتا ہوں تم اوپر پڑھ چکی ہو کہ غبارہ جوں جوں اُونچا ہوتا گیا ہوا کی خنکی زیادہ بڑھتی گئی یہاں تک کہ دو میل کی بلندی پر پانی منجمد ہو گیا۔ اِس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اوپر کی ہوا نہایت سرد ہے اور جہاں اتنی زیادہ سردی ہے کہ پانی جم جاتا ہے اُسکو اصطلاح میں کرۂ زمہریر کہتے ہیں۔ دُوسری بات یہ ہو کہ جتنا اوپر جاؤ ہوا بتدریج پتلی ہوتی گئی ہے۔ زمین پر ایک مرتبہ سانس لینے میں جتنی ہوا پیٹ کے اندر سماتی ہے اتنی ہوا کے لئے دو ڈھائی میل کی اونچائی پر دو تین مرتبہ سانس لینے کی ضرورت ہوتی ہو اور یہی وجہ ہے کہ غبارے کے مسافر نے دم پھولنے کی شکایت بیان کی ہے۔ جس وقت ہم لوگ آپس میں باتیں کرتے ہیں تو ایک دُوسرے کی آواز کو سن لیتا ہے۔ لیکن ہوا اگر نہ ہو تو کوئی کسی کی آواز کو نہیں سُن سکتا۔ ہوا کی موجیں آواز کو ہمارے کانوں تک پہنچاتی ہیں اور محض ہوا کی وجہ سے آواز پیدا ہوتی ہے۔ تم کو یاد ہو گا کہ جس وقت غبارہ ۲۹۰۰۰ اونتیس ہزار فیٹ کی بلندی پر اُڑا جا رہا تھا تو اس کے سواروں کو ایک دُوسرے کی آواز سُنائی نہیں دیتی تھی۔ اب تم سمجھ سکتی ہو کہ اس کی وجہ کیا تھی۔ یہ نہ تھا کہ وہاں ہوا موجود نہ تھی ہوا تھی اور پوری تھی لیکن درجہ بدرجہ خفیف ہوتے ہوتے اتنی پتلی ہو گئی تھی کہ اس کی موجیں آواز کو کانوں تک نہیں پہنچا سکتی تھیں۔ تم پڑھ چکی ہو کہ جس وقت غبارہ زمین سے اُوپر کوسوں دُور نکل گیا تو

فضائے آسمانی میں اِک ہولناک تاریکی نمایاں ہُوئی لعبا بالکل اندھیر گھپ ہو گیا
اِس مشاہدے سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ خوشنما آسمانی
رنگ اصل میں ہوا کا رنگ ہے۔ دُوسری بات یہ کہ سورج کی روشنی اور
اُسکی چمک دمک محض ہوا کی وجہ سے ہے۔ ہوا روشنی کو پھیلا دیتی ہے
اگر زمین کے گرد ہوا نہ ہوتی تو آفتاب ٹمٹماتا ہوا نظر آتا اور اس کا نور
ہرگز جلوہ افروز نہ ہوتا۔ غبارے کے سوار نے یہ بیان کیا ہے کہ
زمین سے بہت دُور اوپر نکل جانے کے بعد اُس کے تمام اعضا
بیکار ہوگئے۔ آنکھیں نکلی پڑتی تھیں۔ ناک سے خون جاری تھا
اور سارا دھڑ سُن پڑ گیا تھا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ اوپر جانے سے
ہوا کی داب جو آدمی کے جسم پر پڑتی ہے وُہ گھٹ گئی اور اس سبب
کل اعضا بے اختیار ہو گئے +

(باقی آئندہ)

زنانہ دستکاری

ہمارے مکرم منشی محمد تمیز الدین خاں صاحب اُن چیدہ آدمیوں میں ہیں جو مفید عملی کام کے دلدادہ ہیں۔ اُنہوں نے زنانہ دستکاری کی ضرورت کو جب محسوس کیا تو اُنہوں نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ یہ تھا کہ سوزن کاری کی انگریزی کتابیں منگوا کر انہیں وقت فرصت میں پڑھا اور اُنکی ہدایات کے موافق بڑی محنت سے اپنی اہلیہ کو مختلف نمونے انگریزی سوزن کاری کے سکھلائے۔ اب دونوں میاں بی بی کتابی طور پر بھی اور عملی طور پر بھی دستکاری کے اصول سے واقف ہیں۔ ہم نے اُن سے درخواست کی ہے کہ وہ اپنے علم اور تجربہ سے اوروں کو بھی فائدہ پہنچائیں۔ چنانچہ اُنہوں نے ایک سلسلہ مضامین دینے کا وعدہ کیا ہے۔ آج کا مضمون اُس سلسلہ کی تمہید ہے:۔

جولائی سنہ ۱۹۰۴ء میں مدرسۃ العلوم علیگڈھ کے صیغہ تعلیم نسواں سے قوم کی تعلیم یافتہ خواتین کو عمدہ اور اعلیٰ لٹریچر بہم پہنچانے اور انہیں مضمون نگاری کی ترویج کے لئے رسالہ خاتون کا اجرا ہوا جس میں اُسے کافی کامیابی ہوئی۔ اُسی سال رسالہ مذکور کے پُرجوش اڈیٹر شیخ عبداللہ صاحب بی۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی نے لکھنؤ کی کانفرنس میں زنانہ صنعتی نمائش کی بنیاد رکھی تاکہ مُلک کی مُردہ دستکاری زندہ ہو اور خواتین میں تعلیم نسواں کے پہلو بہ پہلو صنعت و حرفت کی ترویج ہو اور اس طرح خواتین کو صحیح

معنوں میں تربیت یافتہ بنانے اور قوم کو ایک حد تک افلاس سے نجات دلانے کا ایک عمدہ نسخہ ایجاد کیا۔ یہاں یہ کہنا نامناسب نہوگا کہ جو لوگ ہمارے افلاس کو دُور کرنا چاہتے ہیں یا اپنی مستورات کو تربیت یافتہ بنانا اور طرزِ معاشرت میں اصلاح کرکے اعلیٰ درجہ کے آداب کا پابند کرنا چاہتے ہیں۔ اُنکو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ محض تعلیم نوشت خواند خواہ وُہ کسی درجہ کی ہو اُنہیں کامیاب نہیں کرسکتی اور نہ اصلاحاتِ خانگی میں زیادہ ہاتھ بٹا سکتی ہے۔ جب تک اس کے ساتھ تربیت نہو۔ تربیت ایک ایسا جامع لفظ ہے جس میں دیگر امور کے ساتھ سلیقہ اور دستکاری بھی شامل ہے۔

اب اگر یُوں کہا جائے تو شاید خلافِ واقعہ نہوگا کہ انگریزی تعلیم کا عام اثر یہ ہے کہ لوگ مغربی طرزِ معاشرت پر جان دینے لگتے ہیں اور اپنے کُل متعلقین کو اُسی رنگ میں رنگا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں۔ گو وُہ طرزِ معاشرت بڑا گراں ہے۔ تمثیلاً لباس کو لیجئے۔ پُرانی وضع کے کپڑوں کی کتر بیونت اُنکے سینے سِلانے کو ہماری مستورات خوب جانتی تھیں۔ متوسط گھرانوں میں شاید ہی کوئی ایسا گھر ہوگا جس کے مردوں کے کپڑے درزی کی دُکان تک جاتے تھے۔ بچوں اور عورتوں کے کپڑوں کا تو ذکر ہی فضول ہے۔ وُہ تو ہمیشہ گھر ہی میں سیئے جاتے تھے۔ اب جو ہم نے نئی وضع اختیار کرنی شروع کی اور کوٹ پتلون واسکٹ قمیص یا ان سے ملتے جلتے کپڑے اندر اور باہر زیب تن

لے نے شروع کئے تو ایسے کپڑوں کی تراش وخراش کو ہماری مستورات نہیں جانتیں۔ اس لئے ہر شوقین کو خواہ اسکی آمدنی کا ذریعہ کتنا ہی قلیل اور غیر مستقل ہو۔ ٹیلر ماسٹر کی ضرورت ہوئی۔ اس جدت پسندی سے ہمیں دوہرا نقصان ہوا۔ ایک طرف گھر کی مستورات بیکار ہو گئیں۔ دوسری طرف خرچ کا دروازہ کہیے یا افلاس کا وسیع ہو گیا۔ مگر افسوس کہ ہمیں اسکی اسوقت تک مطلق پروا نہیں۔ غرض یہ کہ اسی طرح روزمرہ کی بڑھتی ضروریات کا مقابلہ ہم بلا سوچے سمجھے اپنی محدود آمدنی سے کرنا چاہتے ہیں۔ اور پھر اس کوشش میں ناکام ہوتے ہیں اور زمانہ کو کوستے ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ مستورات کو کتابی تعلیم کے ساتھ ساتھ اعلیٰ صنعتی تعلیم بھی دیجائے۔ کیونکہ صنعتی تعلیم کے مخالف نہ کہنہ خیال ہیں اور نہ روشن خیال۔ اس لئے ہمیں کسی ایسے عملی کام کی ضرورت ہے جس سے پردہ نشین مستورات کو گھر بیٹھے ہندوستان اور یورپ کی بیشمار دستکاریوں میں سے زیادہ نہیں تو دس بیس خاص خاص صنعتوں کی تعلیم ہو جائے۔

چونکہ مسلمان خواتین کی حالت بوجہ بے علمی و بے ہنری نہایت ہی افسوسناک اور قابل رحم ہے۔ اور اس وقت تک انکی کتابی یا عملی تعلیم کا کوئی انتظام تسلی بخش اور خاطر خواہ نہیں ہے۔ لہٰذا جب رسالہ عصمت کا اجرا مکرمی شیخ محمد اکرام صاحب کی ایڈیٹری سے ہوا تو میں نے اپنی رعیہ کو فہمائش کی کہ بتوسط معاون مدیر رسالہ صاحب موصوف کی توجہ اس طرف مبذول کیجاوے۔ کہ عصمت میں مندرجہ ذیل انگریزی صنعتی سلسلہ

تعلیم سے مختلف اشیاء کا صحیح اور بالتصویر ترجمہ شایع ہو۔ ویلڈن نیڈل ورک سیریز۔ ہائی لینڈرس سیریز۔ نیڈل کریفٹ جنرل سیریز۔ فینسی ورک باسکٹ سیریز۔

اتفاق دیکھئے کہ جب یہ خط لکھا گیا اُسکے کچھ ہی عرصہ بعد صاحب موصوف بھی شملہ تشریف لائے اور اُن سے مسئلہ مذکور بھی زیر بحث آیا۔ اور اُنہوں نے میرے مکان پر مذکورہ بالا سیریز کے ۳۵۰ نمبروں کی جلدوں کو جن میں قریب ۱۵۰۰ انگریزی نقش (نمونہ جات کی تصاویر) ہیں اور ورک بکس جس میں قریب قریب کل اقسام کے اوزار اور مختلف نمونے اور چند تیار کردہ چیزیں تھیں معائنہ کیا اور مجھ سے وعدہ لیا کہ تابمقدور اسکے ترجمہ کرنے کی کوشش کروں۔ میری بے بضاعتی اور کم علمی ہرگز اس قابل نہیں کہ میں اتنی بڑی خدمت کا بارگراں ملازمت اور سخت عدیم الفرصتی میں اپنے ذمہ لوں۔ لیکن قومی اہم کاموں کے لئے اپنے عزیز اوقات کا نثار کرنا ہر شخص کا فرض ہے اور قومی مفاد کو ذاتی اغراض پر مقدم سمجھنا ہماری قومی نجات کا ذریعہ ہے۔ اس لئے میں نے ان مجبوریوں پر بھی یہ بارگراں اپنے ذمہ لے لیا اور انشاءاللہ تعالیٰ اس خدمت کو پورا کرنے میں دریغ نہ کرونگا بشرطیکہ ناظرات عصمت اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھانیکی کوشش کریں۔ میرا یہ دعویٰ ہے کہ ہماری قوم کی شریف پردہ نشین مستورات میں اس گئے گذرے زمانہ میں بھی جو صبر استقلال جفاکشی اور ہمت موجود ہے اسکی دیگر قوموں میں مشکل نظیر ملیگی۔ ہماری قومی ستات

کہ یہی وہ اوصاف ہیں جن پر اس بیہودگی اور بے مائگی کے زمانے میں بھی مسلمان صحیح طور پر فخر کر سکتے ہیں۔

ایک مشکل یہ ہے کہ اشیار کی صحیح اور واضح تصاویر کے بغیر ناظرات عصمت بہت دقت محسوس کرینگی لیکن ان تصاویر کا آتارنا میرے لئے بہت مشکل ہے۔ اوّل تو فرصت نہیں۔ دوم مجھے مہارت نہیں۔ ہاں ہر چیز کے نمونے تیار کرا کر دفتر عصمت کو بھیج سکتا ہوں۔ اُس سے یا رسالوں سے نقشہ اوتارنے کا انتظام میرے معزز دوست ایڈیٹر صاحب یا اور کوئی صاحب اپنے ذمہ لیں۔ سب ایسے دریافت طلب امور جنہیں ناظرات عصمت یا دیگر بہنیں دقت محسوس کریں تو بذریعہ خط و کتابت اہلیہ راقم یعنی مؤلفہ زینت البنات سے دریافت کر سکیں گی۔ اس تمہیدی بیان کے بعد میں دوسرے نمبر میں مشین کی تیار کردہ چیزوں اور ہاتھ کی تیار کی ہوئی چیزوں کا امتیار بتاؤنگا اور اس سلسلہ کا اصل مطلب شروع ہوگا ❖

محمد تمیز الدین خاں عظیم آبادی
ٹیلیگراف انسپکٹر کالکا شملہ
ریلوے

سوکن کا جلاپا

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

چاہیئے کہ محمودہ کی اس حالتِ زار پر میر شریف کو رحم آتا! لاحول ولاقوۃ! بیگناہی کا اظہار گویا ایک سانپ کی پھنکار تھی۔ سر پر سے ہاتھ اُٹھا بھانجی کو چھوڑ مُنہ موڑ الگ جا کھڑا ہوا۔

کیسا نازک وقت ہوگا۔ بھانجی بے قصور۔ میاں اور ساس کی فریاد لیکر ماموں کے حضور میں کھڑی حسرت ویاس سے مُنہ تک رہی تھی اور ماموں جفا کار بھانجی کو جھوٹا مکار سمجھ بیوی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کہ "تم بتاؤ"۔

ممانی۔ ہاں بُوا ہاں سچ ہے تم بے قصور نہ ہوگی تو کون ہوگا! سکڑوں بیویوں میں ساس سسرے کی ناک کٹوائی! بے ایمان کھڑ بینچیا ظالم فرعون سب کچھ بنا دیا اور ابھی بے قصور ہی ہو!

سُلطانہ۔ وہ تو یہ ہی خدا کا شکر ہے کہ اماں جان نے اپنے کانوں سے سُن لیا۔ نہیں تو میرا ہی نام بدنام ہوتا کہ اس نے لگایا!

یقین تو کیا خاک آتا مگر ضرورت یہ تھی کہ محمودہ ماموں کے مُنہ در مُنہ شروع سے آخر تک ساری رام کہانی کہہ سُناتی لیکن شاکرہ جیسی ماں کی تربیت تاتاری غضدوں کا جوہر شرافت کہاں غارت ہو جاتا! رگ رگ میں

شرم وحیا! گھٹی میں ادب و تمیز! ناممکن تھا کہ محمودہ سسرے کے سامنے ساس کو جھٹلا دیتی! صورت دیکھ کر چُپ ہو گئی!

جھوٹوں کے بادشاہ ذاکر کے اس کہنے پر کہ محمودہ نے اپنا گھر آپ کھویا۔ ایمان لائیں تو بی گمانی اور سلطانہ میر شریف یا اُنکے مرید ورنہ کونسی کوشش تھی۔ میاں اور ساس کے دل میں گھر کرنے کی جو اُس نے چھوڑی۔ اور کیا کام تھا جو اُس نے نہ کیا! بڑی بڑی سعادتمند بہوئیں دیکھیں۔ خود بی گمانی اپنے گریبان میں مُنہ ڈالیں ان کی اپنی سگی بھتیجی جسکا سچ مچ ہی شربت کے پیالے پر نکاح ہوا۔ ساس سسروں کی بدولت وُہ راج رچا کہ باندھی بندھتی اور چھوٹی چھٹتی تھی! ایک اسی پر کیا منحصر ہے اور بیسیوں اللہ کی بندیاں نواب نصیر الدولہ بہادر کی بہو جس کے دروازے پر ہاتھی جھومتے تھے۔ میکے سے چاندی کی بالیاں بھی نہ لائی! نیلے ڈورے اور کانچ کی چوڑیاں! مگر یہ کسی بہو کو دیکھا نہ سُنا کہ ساس کے آگے اپنا کلیجہ نکالکر رکھدیا ہو! ایک یہ کسر تو البتہ رہ گئی ورنہ محمودہ اور تو سب کر گئی! چلّے کی سردی سانس کا مرض۔ بُخار چڑھا ہوا! کمبخت کے گلے میں رُوئی کی نہ گمری بھی نہیں اور چار بجے سے اُٹھ کر چولہا جھونکنا! انتا کرہ جیتی ہوتی تو اُسکے دل سے پُوچھتے۔ جس بچی کے وُہ چولہے کے پاس تک جانیکی روادار نہ تھی اُسنے جیٹھ بیساکھ کی گرمی میں تین تین و چار چار سیر بھر کونڈے آٹے کے پکائے اور تیوری پر بل نہ لائی!

کیوں ؟ فقط اِس لئے کہ ساس مجھ پر مہربان ہو اور جب تک ساس قہرمان رہیگی میاں اُس سے زیادہ فرعون با سامان رہیگا۔

بڑوں کا مقولہ ٹھیک ہی ماں باپ جنم کے ساتھی ہیں۔ کرم کے نہیں۔ شاکرہ کو کیا خبر تھی کہ یہ شادی بچّی کی عمر برباد کردیگی اور یہ مرنے کو تیار بڑھیا پانچوں وقت کی نمازن دو دفعہ کی حجن بہو کی ایسی دشمن ہوجائیگی کہ توبہ بھلی ! مان لیا کہ شاکر حکم سے زیادہ مذہب کا پابند اور ضرورت سے بڑھ کر ماں کا تابعدار تھا۔ مگر اس کے یہ معنی نہ تھے کہ جو لفظ ماں کی زبان سے اپنے کان تک پہنچا وُہ قرآن کی آئتیں غضب ! خواہ مخواہ کمبخت نے اسلام کو بدنام کیا ! اپنا پوت اور کا ڈھینگرا مطلب نکلتا دیکھا تو اسلام کی آڑ پکڑی۔ ماں کا فرمانبردار ہوں مگر باقی اِسلام کا ارشاد کہ عورتوں کی عزّت وہی کرتے ہیں جو معقول ہیں اور توہین وُہ جو پاجی ! گویا سُنا ہی نہ تھا ! ماں کی فرمانبرداری کو کون منع کرتا تھا۔ کرتا سر آنکھوں سے کرتا۔ دِن کرتا رات کرتا لیکن یہ تابعداری تو گناہ اور گناہ بھی کبیرہ تھی کہ ایک بیگناہ کو جلا جلا کر سلگا سلگا کر پار اُتار دیا !

اصلی بات یہ تھی کہ مزاجوں میں اختلاف شروع ہی سے تھا میاں چاہتے تھے بیوی ساس سسروں کا لحاظ دیور جیٹھ کی شرم سب پر خاک ڈال میرے آگے ہر وقت ہاتھ جوڑے کھڑی رہے بیوی کہتی تھی شق ہوجائے زمین اور سما جاؤں میں جو برس کا برس

کی بیاہی ساس سسروں کے سامنے میاں کو آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ لوں! خود غرضی
مطلب آشنائی یہ مرض تو ذاکر ماں کے پیٹ سے لائے تھے۔ بیوی کی
اتنی نافرمانی میاں کا مزاج درہم برہم کرنے کے لئے کافی
سے زیادہ تھی اس پر طرہ ماں کی لگائی بجھائی! بات کا
بتنگڑ اور میل کا بیل! مگر سوال یہ ہے وہ کیا چیز تھی جس نے گمانی کو بہو کا
جانی دشمن بنا دیا! یہ سچ ہے کہ مرنے کو مرنا سمجھی تھی۔ تھوڑا بہت خوف
خدا بھی تھا۔ لیکن مجبور اور لاچار تھی تو اپنی عادت اور محبت سے ایک بہو
کیا اگر ہزار بہوئیں لاتی اور ایک منت خوشامد کیا اگر بہو سر سے کنواں کھودتی
تو وہ راضی ہونے والی عورت نہ تھی! لینا نہ دینا مطلب نہ واسطہ۔ کوئی کام
ایسا نہ تھا جس میں دخل نہ دیتی ہو۔ اور کوئی بات ایسی نہ تھی جس میں نہ بولتی ہو!
کچھ ایسا مزاج واقع ہوا تھا کہ بلا سبب بے وجہ ہر وقت فضیحتی کرتی رہتی!
یہ ذاکر کا کام تھا کہ ایسی ساس کے ہاتھوں جو بہو کے واسطے جیتے جی کا
عذاب تھا کسی طرح نجات دلواتا! مگر وہ تو دن بھر اسی شوق میں مست تھا
کہ کسی طرح دوسرا نکاح کر سنت رسول ادا کروں!

آنکھوں کے اندھے غرض کے بندے یہ ہیں۔ وہ مسلمان جو اسلام کے
قاتل رسول کے دشمن! اصلی مطلب کو چھوڑ کر محض اپنی خواہشوں کے واسطے
مذہب کو بدنام کر دیا! بڑا تعجب تو یہ ہے کہ ذاکر کے ہاں ایک آدھ نالائق
ہوتا تو پھر بھی خیر! خرابی یہ تھی کہ کنبہ کا کنبہ بھونڈا اور آوے کا آوا گندا!
گمانی ہی کا ظلم ہوتا تو صبر آجاتا۔ افسوس اس کا ہے۔ میر شریف اور ذاکر دونوں

باپ بیٹے گمانی اور سلطانہ ماں بیٹوں سے بھی بدتر نکلے!

کیسا صریح ظلم اور بے انصافی ہے! رمضان کا مہینہ جاڑوں کے دن چار بجے کا وقت! گھر کی مالک ساس! بہو غریب آس نہ پاس! میاں نے حکم دیا قلمی بڑے بناؤ! ادھر ساس اُدھر بہو۔ بیچ میں سلطانہ۔ سب ہی بیٹھے تھے۔ ذاکر کی آواز سب ہی نے سُنی۔ فرمائش پوری کریں تو ماں جو گھر کی مالک مختار خرچ برچ کی ذمہ وار بیوی تو ہاں جی کی تابعدار اور اتنی قصوروار بھی کہ جو ساس نے حکم دیا تعمیل کر دی۔ اِتنی تو نہ ہمت تھی نہ اجازت کہ کوٹھری میں گھس دال نکال بھگو دیتی! ہاں جتنا کر سکتی تھی اُس میں کمی نہ کی۔ اُٹھی ماما کو چپکے سے دو پیسے دیئے کہ دال لا دو! ماما اور بی گمانی کی ماما اس کا بس چلتا تو محمودہ کو کچا ہی کھا جاتی ناک بھوں چڑھا دونو پیسے انگنائی میں پھینک کہنے لگی!

بھلا بیوی تم نے تو موئے فقیروں کو بھی مات کیا ٹکے کی دال نوج کسی گھر میں آئے۔ آخر یہ مٹکا بھرا پڑا ہے نکال لو تو کوئی ہاتھ تھوڑی پکڑے۔ مگر ہاں یوں کہو بیوی بچاری کی تقدیر ہی میں بدنامی ہے جتنا بھی کریں سب خاک! تم تو دو پیسہ ڈال الگ ہو گئیں۔ دیکھنے سُننے والے تو یہی کہینگے کیسی ظلما ساس ہے۔ مٹکا بھرا دال گھر میں موجود اور بہو کو اِتنا حکم نہیں کہ ہاتھ لگالے! کیا کہوں چھوٹا منہ بڑی بات ہے دولہن بیگم تم تو وہی اپنے ہاں کی قدر جانتی ہو۔ نینے کے ہاں سے سیر بھر آٹا آیا اور پک گیا۔ راجہ کے گھر آئی رانی کہلائی۔ اب ان باتوں کو چھوڑو۔

اللہ میرے میاں کی عمر دراز کرے۔ پیسوں کے دن گئے اب روپوں کے ہودے منگواؤ!

ساس تو یوں ہی بہو کے واسطے ننگی تلوار تھیں۔ ماما کا اتنا نخرا کافی سے زیادہ تھا۔ دالان میں سے ایسی چیخ مار کر نکلیں جیسے کفن پھاڑ کر مُردہ! مرے اور جیتے لگے! اور پچھلے سب ہی تو اُکھاڑ پھینکے! روزے کے وقت باپ بیٹے آئے تو کیا دیکھتے ہیں۔ بی گمانی نے گھر سر پر اُٹھا رکھا ہے۔ امیر شریف تو روزہ کھول کھال بھاجی پر بڑبڑاتے نماز کو چل دیئے! باپ کا باہر نکلنا تھا ذاکر نے بیوی کو جھاڑنا شروع کیا! محمودہ جیسی بے زبان کو تو ساس ہی بہت تھیں۔ میاں نے اور بھی مٹی پلید کی! گھر میں ماشاءاللہ آٹھ دس آدمی مگر کیا مجال جو کسی نے آکر اتنا بھی پوچھا ہو کہ محمودہ بدنصیب تو نے بھی روزہ کھولا یا نہیں! وہ جو سُنّتِ رسول ادا کرنے کی فکر میں تھا چین سے دن بھر ٹھونسا اور افطار کے وقت وہی بڑے کی رکابی آگے رکھ ہٹا کٹا موٹا تازہ پھلکیاں اُڑاتا جاتا تھا اور اس قبر کی مُردہ روزہ دار کی فضیحتیاں کرتا جاتا تھا!

یہ ہی نہیں کہ ما بیٹوں پر معاملہ رفع دفع ہو گیا ہو وہ چھوٹی سب سے کھوٹی سُلطانہ دو ہاتھ کا کلا چار ہاتھ کی زبان دالان ہی میں سے بیٹھی کلیجہ چھلنی کر رہی تھی۔

قبر کی رات تو سُنی ہی تھی مگر یہ رات محمودہ پر مُردے سے بھی بدتر گزری! پہلے کا چار طرا تین پونے تین مہینہ کا بچہ گود میں۔ جہیز کی میلی کچیلی

رضائی اوڑھے ٹھنڈی دری پر تیھرائی بیٹھی تھی۔ آدھی پچھلا صبح سب اُسی پہ
ختم ہوا! کھانسی کی دھسک تو پہلے ہی تھی۔ کوڑھ میں کھاج سردی میں
مہاوٹ! صبح ہوتے پڑا چھینٹا اوپر سے ہوا کا جھکڑ! جھلکا رضائی
دونوں ماں بیٹے اندھیرے سے آئی باہر مٹکوں کے پانی سے کیا وضو
صحن میں پڑہی نماز! کپڑے برف ہاتھ پاؤں اولا۔ بچّہ کو دیا دُودھ
خدا معلوم کس قیامت کا تھا قہر بنکر اُترا زہر ہوکر نکلا! پینا تھا کہ بدن
سرد سینہ جکڑا ہوا! بخار! بخار کے ساتھ ہی سرسام! پہلونٹی کا بچّہ پہلا اتفاق
دھاروں رو رہی تھی! رفیق غمخوار عزیز صلاح کار لے دیکر وہی دو میاں
اور ساس یا بیچ کی بچولیا پیٹ کی پھوپھی سُلطانہ! محمُودہ غریب یہی
کرسکتی تھی اور کیا۔ بچے کو کندھے سے لگا ساس پاس آئی! مامتا
کی ماری وُہ جھگڑے ٹنٹے سب بھول بھلا روکر کہنے لگی اماں جان
اسکو تو دیکھئے کیا ہوا! بہو پر تو کیا خاک رحم آتا مگر ہاں پوتے کی محبت
نے اتنا جوش کیا کہ جا نماز ہی پر بیٹھے بیٹھے گود میں لیا چمکارا پیار
کیا! بچّہ کو دیکھتی ہیں تو بخار اس غضب کا کہ ہاتھ نہ رکھا جائے۔ سانپ
کی طرح سر دُھن رہا ہے! اللہ غنی کیا شتا علامہ عورت تھی۔ ندیدے
گھر کا ملیدا اللہ آمین کا لال۔ عُمر بھر کی کمائی۔ میاں ذاکر کا ایک بچّہ
اور اس کا یہ حال۔ مگر اسوقت بھی نہ چوکی! چھوٹتے ہی کہتی کیا ہے!
بیٹی! تمہارے چک چک لونڈوں نے یہ کیا۔ خُدا نہ کرے کسی بہو
بیٹی کو زبان کا چٹخارا پڑے بچّوں کا پالنا آسان نہیں۔ سارا جوبن گنوا

جب ایک لال پالو موئے باسی چاول ٹھنڈی بریانی دیکھ لو سرسام ہو گیا!
تین چار وقت کا فاقہ چوبیس پچیس گھنٹہ کی لتاڑ منہ میں روزہ دل پر
صدمہ ساس کا مُنہ دیکھ کر چُپ کی چُپ رہ گئی! میاں اُٹھے سُسرے
آئے۔ نندیں پہنچیں! کتنے معقول آدمی تھے۔ بچے کی پروا تو ایک
کو نہ ہوئی بچہ والی کے سب ہو گئے! کچھ خدا ہی کو بہتری کرنی منظور
تھی۔ ورنہ خبر نہیں بدنصیب کی ناک چوٹی نکلتی سرمنڈتا کیا ہوتا کیا
نہ ہوتا۔ بھرے حکیم کی کالی گولی تھی۔ تو معمولی مگر تریاق کا کام کر گئی۔
فوراً ہی قے ہوئی رات بھر کا جما ہوا ٹھنڈا دودھ تھتلے کے تھتلے اور قتلے
کے قتلے گاڑھا گاڑھا نکلنا شروع ہوا۔ فساد سارا اُسی کا تھا دوپہر
تک تو البتہ ڈاک لگی رہی۔ پھر تو پیٹ دھویا دھایا صاف۔ کام تمام
ہونے میں تو کچھ کسر تھی نہیں۔ خدا ہی نے محمودہ کی طرف دیکھ لیا۔
اُنیس بیس کا فرق تو دوپہر ہی کو ہو گیا تھا۔ اِدھر ملی گھٹی اُدھر لگا لیپ
بچے نے آنکھیں کھولدیں۔ لڑکے کو تو خیر اچھا ہونا ہو گیا مگر افسوس
اس کا ہے۔ سُلطانہ اور گمانی دونوں ماں بیٹیاں صاف قسم کھائیں
کہ ہم نے اپنی آنکھ سے بریانی کھاتے دیکھا

اس فتنہ پردازی کا محمودہ کو کچھ زیادہ صدمہ نہ ہوا۔ نہ اس وجہ سے
کہ بچہ بچ گیا بلکہ اس لئے کہ وُہ کبھی کی میاں سے نا اُمید ہو گئی تھی۔ وُہ
سمجھ چکی تھی کہ یہ ساس نندیں جب تک میرا گھر نہ کھوالینگی چین سے
بیٹھینگی۔ پھر بھی میاں کے سامنے اِتنا کہا مجھے تو بریانی کی صورت دیکھے

ہوئے بھی مہینوں ہو گئے مگر یقین کس کو آتا تھا ہوتے ہوتے نوبت یہانتک پہنچی کہ میاں کو بیوی کے کمرے میں قدم رکھنا قسم تھا۔ ذاکر ذاکر کے ساتھ گمانی گمانی کے ساتھ میر شریف۔ دو دو تین تین دن گذر جاتے اور کوئی جھوٹے موٹے بات نہ پوچھتا۔ صدقہ خیرات مجبوری لاچاری دو بجے اِدھر گیارہ بجے اُدھر۔ تین چار روٹیاں چمچہ بھر دال سالن لیا اور پٹخوا دیا۔ اُلفت محبت شفقت مروّت سُلطانہ کی اتنی عنایت ضرور تھی۔ دن بھر طعن طنز کرتی۔ ایسے کچوکے دیتی اور چٹکیاں لیتی کہ بسا اوقات محمودہ زندگی سے بیزار ہو کر موت کی دُعائیں مانگنے لگتی۔ پہلے تو خیر اتنا بھی تھا کہ بھائی بھاوج کا لحاظ ماں باپ کا ڈر چُپ چپاتے کرتی اور دبی دبائی کہتی اب وُہ بھی جاتا رہا۔ بھائی کو ہُوئی نفرت۔ امّاں باوا ہوئے بیزار دبے اُس کی جُوتی ڈرے اسکا صدقہ۔ کھُلم کھُلا کہتی۔ ہانکے پکارے کہتی۔

اے جیوے میرا بھائی - گلی گلی بہو جائی

ذاکر کو تو دوسرے نکاح کا ارمان آج سے کیا چھ چھ مہینے سے تھا اسمیں کلام نہیں کہ ساس نندوں کی بدولت محمودہ پر سخت مصیبت آئی مگر ہم سے پوچھو تو قصور سر سے پاؤں تک اُسی ظالم کا ہی۔ گمانی او سلطانہ پر کیا ٹھیکہ ہی۔ ساس نندیں تو جو کی بھی بُری ذاکر کی طرح سب کی آنکھوں پر پردے پڑجائیں تو بہو ونکی اچھی مٹّی پلید ہُوئی! مقطع کا بند یہ ہی۔ خود غرضی کا تھا بندہ رگ رگ میں تن پروری بال بال میں بے حمیّتی۔ بہن کی شہ ماں کی حمایت سونے پر سہاگہ یا ونگتے کو ٹھیلتے کا بہانہ ہوگئی! اُسکا بس چلتا تو وُہ روز ایک نکاح کرتا! ڈر اور خوف تو کیا خاک ہوگا

مقبرۂ نوّاب اعتماد الدّولہ سکندرہ آگرہ

یہ مقبرہ جس کا نقشہ دسمبر کے عصمت کے ساتھ شائع ہوا ہے آگرہ میں جمنا دریا کے پار واقع ہے۔ چھوٹی سی عمارت ہے۔ مگر بہت ہی خوبصورت اور وضعدار ہے۔ اوّل تو موقع ایسی بہار کا ہے کہ خواہ مخواہ آدمی کا وہاں جی لگتا ہے۔ کیونکہ سامنے دریا کے اُس پار آگرہ شہر کی آبادی نظر آتی ہے اور اس کنارے پر صاف کھلے ہوئے میدان میں یہ مقبرہ بنا ہوا ہے جب دریا چڑھتا ہے تو پانی مقبرہ کے نیچے تہ خانوں میں بھر جاتا ہے۔

مقبرہ رنگ برنگ کے چھوٹے چھوٹے پتھروں سے بنایا گیا ہے اور ایسی جوان کاریگری سے پتھروں میں گلکاری کی ہے کہ عقل حیران ہوتی ہے۔ اس میں ہندوستان کی مشہور ملکہ نور جہاں بیگم کے ماں باپ پڑے سوتے ہیں۔

اعتماد الدّولہ میرزا غیاث کا خطاب تھا جو ایران کا مفلوک الحال امیر تھا اکبر کے زمانہ میں ہندوستان آیا۔ اور یہاں کے شاہی دربار میں بڑی عزت اور ناموری حاصل کی۔ آخر جب اسکی بیٹی نور جہان بیگم شہنشاہ جہانگیر سے بیاہی گئی تو اعتماد الدولہ کی شان اور بھی بڑھ گئی۔ اس کا مقبرہ آگرہ کی مشہور عمارتوں میں ہے۔ بعض جاہلوں کا خیال ہے کہ اعتماد الدّولہ تاج محل کی عمارت کا منتظم تھا۔ تاج محل سے جو کرچیں پتھر کی بچیں اُن سے اپنا مقبرہ بنوالیا۔ مگر یہ محض غلط ہے۔ یہ مقبرہ تاج محل سے بہت پہلے بن چکا تھا۔

آگرہ سے ۶ میل جلال الدین اکبر شاہ بادشاہ کا مقبرہ (جسکی تصویر آج شایع کی جاتی ہے) بنا ہوا ہے۔ اسکو سکندرہ کہتے ہیں۔ یہ مقبرہ ہمایوں کے مقبرہ کی روش پر بنایا گیا ہی۔ مگر شان و شوکت اور نقشہ کی پاکیزگی میں مقبرہ ہمایوں سے بڑھ گیا ہے۔ ایک انوکھی بات اِس مقبرہ میں یہ ہے کہ اسکا گنبد نہیں ہی۔ اکبر شاہ آسمانی گنبد کے نیچے خاکی چادر تانے پڑا سوتا ہے۔

مُغل بادشاہوں کے دستور کے موافق اس مقبرہ کے بھی دو حصہ ہیں ایک تہ خانہ اور دُوسرا بالاخانہ۔ تہ خانہ کو تابوتی چھت سے پاٹ دیا ہی اور اس کے اندر شاہ اکبر کی اصلی قبر بنی ہُوئی ہے۔ یہاں اِنسان کو بڑا خوف معلوم ہوتا ہے۔ چاروں طرف اندھیرا چھایا ہوا ہے اور جب کوئی شخص آواز نکالتا ہے تو ایسی گُونج ہوتی ہے کہ دل ہلنے لگتا ہے۔ بالاخانہ پر نہایت عُمدہ صحن اور خوبصورت تعویذ رکھا ہوا ہے۔ یہ جگہ بہت رونق کی ہے۔ یہ مقبرہ اُس بادشاہ کا ہے جس نے ہندوستان میں ہندو مسلمانوں کو بہت آرام اور اخلاص سے رہنے کی تعلیم کی۔ اور خود ایسی خوبی سے بادشاہت کی کہ سب لوگ خوش رہے۔ اب بیچارہ خاک میں مِل گیا اور کسی کی اسکو خبر نہیں ۔

حسن نظامی

بزم عصمت

۸ دسمبر ۱۹۰۸ء کے عصمت صفحہ ۴۲ پر پلم و پڈنگ پکانے کا نسخہ درج ہے اسکے اجزا میں انڈے کا ذکر نہیں۔ مگر ترکیب میں انڈا شامل ہے۔ براہ کرم آپ یا بنت ... حسین صاحبہ یہ تحریر فرمائیں کہ اجزاء مندرجہ میں کَے انڈے پڑینگے ۔ والسلام

آپ کا نیازمند ڈاکٹر یوسف علیخاں۔ (سلطانپور)

آپکا مرسلہ رسالہ عصمت کا نمونہ پہنچا۔ اِس عنایت کیلئے شکریہ ادا کرتا ہوں میرے خیال میں یہ ایسا رسالہ ہے جسکی ہر شریف خاندان میں بہت قدر ہونی چاہیئے اور جسکا ہر گھر میں رہنا ضروری ہے۔ باوجود قلت وقت کے میں نے اِسکو شروع سے آخر تک پڑھا ماشاء اللہ کل مضامین عمدہ اور قابل داد پائے گئے خصوصًا بنت نذر الباقر صاحبہ کا مہذب گھر تو اسقدر دلچسپ اور دلچسپیوں کے بیش بہا فرنیچر سے آراستہ اور مرتب تھا جس کو پڑھکر روح کو فرحت حاصل ہوئی اور دل باغ باغ ہو گیا۔ خدا اگر ایسے ہی بہت سے مہذب گھر ہمارے قومی بچوں کی تربیت اور تعلیم کیلئے بنا دے یا پیدا کر دے تو ہماری عین قومی خوش نصیبی سمجھی جاے اور بہت جلد ہماری بدنصیب قوم اپنی معراج ترقی پر پہنچ جائے کیونکہ درحقیقت بچوں کی تربیت کی اصل جگہ انکا گھر ہی یعنی آغوش مادر۔ جن بچوں کی مائیں تعلیم یافتہ ہونگی اُن بچوں کی تربیت بھی قابل تعریف ہوگی اور تعلیم بھی۔ لہذا میری رائے میں تعلیم نسواں سب پر مقدم اور نہایت ضروری ہے براہ عنایت اِسکے خریداروں میں میرا نام بھی شامل کر لیا جاے۔ اِسکے مقاصد و اغراض سے مجکو دلی دلچسپی ہے اور اِسکی کامیابی کیلئے انشاء اللہ تعالی نہایت خوشی سے کوشش ممکنہ کرتا رہونگا ۔

خیر طلب سید محمد فضل رب ڈپٹی کلکٹر ممالک متحدہ۔ الحال مہتمم بندوبست بھوپال

[illegible]

دولتمند و مفلس

کس بات میں ہے بہتر اوروں سے صاحبِ زر؟
کیا نام میں ہے اُسکے، سرخاب کا لگا پر؟
شکل اُسکی یہ نہیں ہے، یا مختلف ہیں اعضا؟
آنکھیں ہیں دو سے زیادہ یا اُسکے ہیں کئی سر؟

پاس اُسکے یا نہیں ہے بیچین و مضطرب دل
کرتے ہیں سیر جس میں رنج و ملال اکثر؟
کیا موت دیگی فرصت مفلس سے اُسکو زیادہ؟
اِک سانس کا ہے یا مول اُس کا زر و جواہر؟

کیا لُطفِ خاصِ حق ہے شامل تونگری کے
افلاس و بے زری کو جو ہے نہیں میسّر؟
تیغِ اجل سے ہونگے آخر ہلاک دونوں
اِک گھاٹ ہے اُترنا مُفلس ہو یا تونگر

مٹی کی قبر ہو یا کندہ ہو لوحِ تُربت
ہوجائے گی زمیں سے ہموار اور برابر
پیوندِ خاک ہونا انجام کار ہے جب
دولت پہ اپنی ناتنا مت پھول اے تونگر!

محمد یٰسین بسمل بریلوی

عصمت

لیڈی وایولٹ ایلیٹ کی شادی

لیڈی وایولٹ ایلیٹ جو ہز اکسیلینسی لارڈ منٹو وائسرائے ہندوستان کی تیسری اور سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں کیپٹن لارڈ چارلس فنش کے ساتھ جو لارڈ لینسڈون سابق وائسرائے ہندوستان کے دوسرے صاحبزادے ہیں آٹھ جنوری ۱۹۰۹ء میں بیاہی گئیں؛ یہ شادی پچھلے دنوں کلکتہ کا ایک عظیم الشان سوشل جلسہ اور نہایت دلچسپ منظر تھا؛ دولہن ایک نہایت ہی خلیق و محترم خاتون ہے اور اپنے خلق و محبت کی وجہ سے ان سب کے دلوں پر جو اس سے واقف ہیں بیحد عزت و وقعت حاصل کر چکی ہے۔ دولہا معزز فوجی سپاہی ہے۔ اور چونکہ ہندوستان کے ہر دلعزیز سابق وائسرائے کا لڑکا ہے یہ شادی بہت موزوں اور برابر کا جوڑ ہے۔ اس شادی کا مختصر سا حال بعض اخبارات سے چھانٹ کر ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔

[illegible] اس جلوس [illegible] ہندوستان [illegible]

رجمنٹیں گرجا اور گورنمنٹ ہاؤس پر گارڈ اوف آنر کا کام کر رہی تھیں۔ راستے میں ہندوستانی فوج صف بستہ کھڑی تھی۔ گرجا کا نظارہ قابل دید تھا۔ خوشنما پھولوں کی آرائش کے علاوہ لیڈیوں کا نفیس مجمع فوجی چمکدار وردیوں کے رنگ میں مل جلکر نہایت ہی اچھا معلوم ہو رہا تھا۔ گورنمنٹ ہاؤس سے گرجا تک کا راستہ رنگ برنگ کے کپڑوں سے سجا ہوا تھا۔ جلوس دیکھنے کیواسطے بہت سویرے لوگوں کا ہجوم ہونا شروع ہو گیا۔

ڈھائی بجے تک تو تمام گلی کوچے آدمیوں سے پٹے پڑے تھے۔ خصوصاً سینٹ پال کے قریب جہاں سے دولہا دولہن اور انکے ہمراہیوں کا گرجا میں جانے اور آنے کے دیکھنے کا بہت اچھا موقع تھا۔ گو تماشائی پہلے ہی سے زیادہ جمع ہو گئے تھے۔ جوں جوں وقت بڑھتا گیا لوگ اور زیادہ جوق در جوق آنے شروع ہوئے۔ پولیس نے مجمع کو بہت اچھی طرح قابو میں رکھا۔ گرجا کے دروازے کے باہر مہمانوں کا انتظار کیا گیا۔ تین بجکر کچھ منٹ پر مہمان آ گئے اور اب سب دولہن کے آنیکے منتظر رہے۔ گھنٹہ نے ادھا بجایا تھا کہ ویسرائے کے باڈی گارڈ[1] کی چمکدار لبیں دکھائی دینی شروع ہوئیں اور فوج کو حکم دیا گیا کہ "ہتیار سنبھالو"۔ فوج تیار کھڑی ہوئی یہاں تک کہ گاڑی جسمیں ہز اکسیلینسی اور دولہن دونوں باپ بیٹی بیٹھے تھے۔ سامنے سے گزری۔ لیڈی مائرلٹ ایلیٹ اسوقت مسکرا رہی تھیں اور نہایت بشاش تھیں۔ گاڑی کے آناً فاناً گزر جانے سے صرف ایک جھلک دولہن کی دکھائی دی اور سب کے دلمیں اشتیاق رہ گیا

[1] فوج جو کسی بادشاہ یا نائب السلطنت کی ذات کی حفاظت کے لیے مخصوص ہو۔

کر جی بھر کر دیکھتے دولہن گرجا کے اندر داخل ہوئی مسجد ہا باجا شروع ہوا۔ اُدھر دولہا صاحب اپنے بڑے بھائی کے گرجا کے اندر دولہن کا منتظر تھا۔ جوں ہی گھنٹہ بجا پادری سنے بیچ کا دروازہ کھولا اور دولہن مع اپنے باپ کے اُسمیں داخل ہوئی لیڈی وایولٹ ایلیٹ لباس عروسی میں بہت اچھی معلوم ہوتی تھی۔ سر آئل اور لیڈی پرچرڈ کی چھوٹی لڑکیاں اور چھوٹی سی مس شورک بطور سہیلیوں کے دولہن کے ساتھ تھیں۔ ان کا بسنتی مائل نیلگوں ریشمی لباس تھا جسپر جا بجا چمکدار لیس بھی تھی۔ سروں پر موتی اور چاندی کے کام کی زرچوبی ٹوپیاں تھیں +

اسوقت گرجا کا اندرونی منظر عجب دلکش اور خوشنما تھا۔ سجاوٹ اور آرائش بہت اچھی اور مناسب تھی۔ متفرق اقسام کے تازے اور سبز پتے جا بجا خوبصورتی سے لگے ہوئے اور بیسیوں قسم کے سفید سفید پھول گلدستوں میں چُنے ہوئے تھے۔ داخلہ کے ہر دروازے پر کجھور کا ایک لہلہاتا ہوا پودہ جسکے پتوں میں رنگ برنگ کے پھول بندھے تھے لٹک رہا تھا۔ پھولوں کا یہ منظر جس میں گلاب سوسن نیلوفر وغیرہ بھی شامل تھے۔ بہت ہی خوشنما تھا۔ ان پھولوں کی دورویہ قطاریں نہایت اچھی معلوم ہوتی تھیں۔ تین بجکر پندرہ منٹ پر جب مہمان بھر گئے۔ دروازے بند ہوگئے۔ جسوقت رجسٹر پر دستخط ہو رہے تھے باجے میں ایک انگریزی کا مشہور گیت بج رہا تھا۔ اسکے بعد شادی کے اختتام کا گیت گایا گیا۔ دولہا دولہن دونوں گرجا سے باہر آئے اور تلواروں کے سایہ میں گزرے اس شادی میں چھ سو کے قریب معزز مہمان مدعو تھے۔ جسمیں مہاراجہ گوالیار [illegible] مہاراجہ کوچ بہار مہاراجہ بردوان وغیرہ بھی تھے +

شمس النساء بیگم۔ جائنٹ ایڈیٹر

انگریزی اور ہندوستانی بیگمات کا میل جول

ستمبر ۱۹۰۸ء کے رسالہ عصمت میں بیگم صاحبہ ممتاز الدین خاں کا مضمون یورپین اور ہندوستانی لیڈیوں کا میل جول' کے عنوان سے شائع ہوا ہے اس سے پہلے بھی اس مضمون پر اخباروں اور رسالوں میں بحث ہوئی ہے۔ ہمارے نزدیک آپس میں میل جول اُسوقت ہو سکتا ہے جبکہ ہم میں انکی ملاقات کی قابلیت پیدا ہوجائے۔ ان پر ہندوستانیوں سے نہ ملنے کا الزام لگانا بالکل فضول ہے۔ انگریز بیبیاں ملنا چاہتی ہیں۔ مگر چونکہ ہندوستانی بیبیاں عام طور پر ایسے میل جول کے لیے تیار نہیں۔ اسلئے یہ سلسلہ بڑھ نہیں سکتا۔ میں نے جلسہ پارٹی وغیرہ میں جہاں مختلف قوم کی بیبیاں جمع ہوتی ہیں اکثر دیکھا ہے کہ انگریز بیبیاں ہندوستانی بیبیوں سے بڑے شوق سے آکر خود ملتی ہیں اور سب سے بات چیت کرتی ہیں۔ مہمانوں کے علاوہ میزبان کے ساتھ بڑی خاطر اور اخلاق سے پیش آتی ہیں۔ لیکن جس شائستہ طریقہ پر وہ خوشی کا اظہار کرتی ہیں۔ اگر اسیطرح ہماری ہندوستانی بیبیاں بھی جواب دیں تو اُن کی نگاہ میں وقعت بھی ہو اور ملاقات کا سلسلہ بھی بڑھے۔ مگر ہماری اکثر بہنیں ایسی بے پروائی برت جاتی ہیں کہ جس کا اثر اچھا نہیں پڑتا۔ ہم اپنے طریقے کے موافق میل جول کی عادی ہیں۔ جسمیں پابندی وقت کا کچھ ذکر نہیں اسلئے ہمیں ان کا وقت کی پابندی کا طریقہ مغرورانہ معلوم ہوتا ہے حالانکہ پابندی وقت بہت ہی قابل تقلید ہے۔ بہت سی بیبیاں ایسی ہیں جنکو انگریزی اور [illegible]

میں فرق نہیں معلوم ہوتا۔ انگریز بیبیوں سے بے تکلفی کی ملاقات اور سیر یا سفر میں انکا ساتھ بڑا پرحظ ہوتا ہے۔ انکی دوستی میں بہت سی عقل کی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو عموماً ہمارے خیال میں نہیں آتیں ۔

ایک خیال تو یہ ہے کہ جبتک ہندوستانی بیبیوں میں اُن جیسا سلیقہ اور قابلیت نہو ملنا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ اخباروں میں ہندوستانی گھروں کی بے سلیقگی کی جو ہجو اُڑاتی ہیں وہ بہت ہی شرم کے لائق ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ ملیں گے نہیں تو کیونکر معلوم ہوگا کہ انکا آدابِ محفل کیا ہے گھروں کی صفائی، بچوں کی پرورش کسطرح ہوتی ہے۔ جسکو دیکھکر اپنے ہاں بھی مناسب ترمیم کرسکیں۔ بہت سی بیبیاں کہتی ہیں کہ پڑھنے لکھنے سے شوقین بیبیوں نے یہی مطلب لیا ہے کہ غیر قوموں سے آپس میں میل جول بڑھائیں اسکے بدلہ خانہ داری کے کاموں میں لگی رہیں تو اچھا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ خانہ داری بھی جب ہی اچھی ہوگی کہ جب اچھے گھروں کے نمونے دیکھے جائینگے ملنے میں کچھ ریس سے کچھ شرما شرمی سے اپنی حالت کو خود سلیقہ سے بدلیں گے ابھی تو ہمیں سوائے کھانے اور عمدہ سے عمدہ کپڑا اور زیور پہن لینے کے اور دنیا کے کسی معاملہ کی خبر ہی نہیں ۔

تعجب یہ ہے کہ ہم بھی اور ہندو بیبیاں بھی انگریز بیبیوں سے ملنے کو پسند کرتی ہیں۔ لیکن جو ایک ملک میں رہنے والے ہیں اُن میں آپس میں ملنے کا خیال بھی نہیں آتا۔ آپس میں ملکی بیبیوں کو بھی چاہے کسی مذہب کی ہوں ملنا چاہیے۔ میل جول بڑھانے کے لیئے زنانہ کلب سے بہتر کوئی جگہ

نہیں ہوسکتی کیونکہ جلسہ پارٹی روز نہیں ہوتی کلب میں کم سے کم ہفتہ میں
ایک دن دو گھنٹہ کی ملاقات ہوتی ہے وہ بھی بہت ہے. دہلی کی وکٹوریہ
پردہ کلب میں سب مذہب کی بیبیاں شریک ہوکر خوشی کا وقت گزارتی ہیں انکی
ورزش بھی ہوتی ہے اور تقریریں بھی ہوتی ہیں،،

یوروپین بہنوں سے ملنے کیلئے پہلے سلیقہ اور آداب محفل اور سب سے
زیادہ خود داری سیکھنی چاہیئے جس میں یہ خوبیاں ہوتی ہیں ان سے وہ خود
ملتی ہیں۔ انسان کا مزاج بالکل مقناطیسی اثر رکھتا ہے جو ہم خیال اور ہم طبیعت
ہوتا ہے۔ اُس سے خود ہی ملنے کو جی چاہتا ہے۔ جب ان لوگوں سے ملنے کا
خیال ہو ساتھ ہی اپنے گھروں کی درستی کرنی ضرور ہے۔ مگر خرابی یہ ہے کہ
ہمارے ملک میں بہت سے آرایشی طریقے ایسے ہیں کہ جس میں خرچ بھی ہوتا
ہے اور بھدے بھی معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے دو ایک شہروں میں دیکھا
ہے کہ جو کمرہ خاص بیٹھنے کے لیئے بنائیں گے وہاں بلور چینی تانبے کے
کل برتن ضرور سجائینگے بیچ میں رکابی۔ اور اِدھر اُدھر چمچے کفگیر غرض
جتنے گھر میں برتن ہوتے ہیں۔ سب نظر کے سامنے سر سے اونچے تختوں
پر رکھکر اُنکی عزت بڑھاتے ہیں۔ اور اگر ضرورت ہو تو مہمان کے سامنے ہی برتنے
کے لیئے اُتارتے ہیں۔ برتن سجے ہوئے علاوہ نقصان کے دیکھنے میں بھی
اچھے نہیں معلوم ہوتے۔ کمرہ سوداگر کی دکان ہوجاتا ہے۔ جب اسی ملک
کے رہنے والوں کو ایسی سجاوٹ کا طریقہ بھلا نہیں لگتا۔ تو جنھوں نے
آرایش اور صفائی کو انتہا تک پہنچا کر اپنا بنالیا ہے اور مثال میں انکا

نام آنے لگا تو وہ کیونکر پسند کرینگے۔ علاوہ آرایش کے صفائی ہوئی بھی تو طاقوں میں اور نیچے میلی اور بے ضرورت چیزیں پڑی رہتی ہیں۔ کمرے دالان صاف ہیں تو صحن میں صفائی نہیں۔ اور جو جھاڑو ملے گی تو اِسطرح کہ کوڑا بھی سامنے موجود ہے۔ گویا ہم خود صاف نہیں ہیں۔ صفائی پسندوں کے لیے صفائی کی ہے مگر اصل صفائی وہ ہے جو روزمرہ گھر ایسا صاف رہے کہ گویا اب مہمان اترے ہیں +

اِسمیں بھی اصلاح کی ضرورت ہے کہ بیٹھنے کی جگہ پر کھانا اور سونا کبھی نہیں چاہیئے جگہ کی تنگی کا تو ذکر نہیں مگر جہاں زیادہ مکانیت ہو وہاں نمایش کے لیئے بھی پلنگ بیٹھنے کے کمرے میں نہیں بچھانا چاہیئے +

صفائی اور سلیقہ کے لیئے زیادہ روپیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ روپیہ یہی ہے کہ عمدہ سامان اور بہت سے نوکر ہوں گے۔ جس کے مزاج میں صفائی ہوگی وہ ہر حال میں مکان کو صاف اور ستھرا رکھیگا کوڑے سے پاک گھر میں اُجلا بغیر جھبوں کا فرش بھی وہ رونق دے گا جو میلے عمدہ فرش کو میسر نہیں۔ بہت سے امیروں کے گھر ایسے ہیں کہ سواے اِس کہنے کے کہ خدا انکو اپنے روپیہ سے آرام اُٹھانے کی توفیق دے۔ اور کچھ نہیں کہا جاتا۔ مطلب یہ ہے کہ جن کو تعلیم نہیں ملسکتی وہ تربیت سے ہی اپنے میں پسندیدہ عادات پیدا کریں جس سے اہل علم میں نہیں تو اہل محفل ہی میں عزت ہو۔ اپنے میں خودداری اور صفائی کے اوصاف پیدا کریں تو ہر ایک بی بی خواہ انگریز ہو یا ہندوستانی بلکہ خوش ہوگی +

بہت سی بیبیوں کو میں نے دیکھا ہے کہ انگریز بیبیوں سے ایسی
گرگر ملتی ہیں کہ چاہے وہ حقارت سے بھی بولیں مگر بُرا ماننے کی بجائے ہنسکر چپ
ہو جائیں گی۔ اور کچھ جواب نہ دیں گی کہ کہیں خفا ہوکر ملنا نہ چھوڑ دیں مشنریوں
سے پڑھیں گی تو بھی یہی حال ہے۔ وہ مذہب پہ کتنے ہی طوفان لگائیں۔
خاموشی سے سُنتی رہیں گی۔ مشنریوں کو جبکہ فیس دیجائے تو پھر کیوں دب کے
گزارہ کریں۔ ہمکو اِن سے ملنے میں برابری طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جیسا وہ
برتاؤ کریں ویسے ہی ہم بھی برتیں جتنی اُنکی عزت کرتی ہیں اُتنی ہی اپنی عزت
کروانے کی متوقع رہیں۔ اگر ہم اِن سے خودداری سے ملیں گی تو اسمیں اُن کی نظر
میں ہماری وقعت ہوگی۔ اور زیادہ خوشامد کے طریقہ کو وہ خود پسند نہیں کرتیں
میں نے کئی بیبیوں کی انگریز بیبیوں سے ایسی ملاقات دیکھی ہے کہ جس سے
وہ حقیر معلوم ہوتی ہیں۔ ہر ایک بات میں اعتدال اور موقع کے مناسب طریقہ
برتنا اچھا ہوتا ہے ٭

سلطان بیگم

گھر گرھستی اور تہذیب

آجکل اس مضمون پر کچھ لکھنا بڑے دل کا کام ہے کیونکہ یہ زمانہ ہو کشمکش کا اور نئی پرانی تہذیب میں سے تُو تُو مَیں مَیں۔ پرانی تہذیب والیاں کہتی ہیں کہ تکلف میں تکلیف ہو۔ ہماری ایک ایک سادگی پر تمہاری ہزار ہزار بناوٹیں فدا ہیں۔ دنیا چار دن کی چاندنی پھر وہی اندھیرا۔ اتنے سے کیلئے زیادہ بکھیڑا پھیلانا ٹھیک نہیں گھر میں محض مختصر صرف ضروری ضروری سامان بس ہو۔ خدا روپیہ دے تو شادی بیاہ میں خوب دل کھولکر خرچ کرو۔ جمع جتھا ہو تو خوب زیور بناؤ۔ نعمتیں کھاؤ اور شکر کرو۔ لباس شوخ رنگ اور مکلف ہو۔ دل میں کسی سے کھوٹ ہو تو دو دو زبان اُس سے لڑ لو۔ دل صاف ہو جائے۔ سینہ میں کینہ اور زبان پشمینہ رکھنا ٹھیک نہیں۔ پورے خاندان کے لیے دو ایک دالان ایک آدھ سائبان بہت ہو۔ بچے کچے چھوٹے بڑے سب ایک جگہ رہیں سہیں کھائیں پئیں سو میں جاگیں کچھ حرج نہیں۔ جو ہنسیں وہ آپ ہنسے جانے کے لائق ہیں۔ کنواری بالی لڑکیوں کے لیے الگ کمرہ کی کوئی ضرورت نہیں انہیں کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جسکو بڑوں کا ادب لحاظ مانع ہو۔ جو چیز بڑوں سے چھپانے کی ہو اُسے عیب سمجھو۔ ماؤں کے لیے اُنکے بچے ہی ہرے بھرے باغ ہیں سیر باغ کی ضرورت نہیں۔ لڑکیوں کو اپنے چھوٹے بھائی بہنوں کی خدمت اُنکا کھلانا بہلانا ہی بڑی سیر ہے میز کرسی بیکار ہے۔ فرش پر چاندنی بچھی ہو چاندنی پر قالین بچھا ہو۔ اِس سے بڑھ کے کوئی زینت نہیں۔ کوئی ملاقا

کو آجائے تو پان تمباکو سے مزاج پُرسی کرنا بڑی تہذیب ہے۔ گیند بلا کھیلنا۔ دھینگا مشتی کرنا بُری بات ہی۔ خود اپنی خانہ داری کے فرائض۔ خدمتیں۔ بچوں کا رکھ رکھاؤ گھر کی جھاڑو بہارو پکانا ریندھنا۔ سینا پرونا پیسنا کوٹنا ایسے کام ہیں جنسے ہر عضو بدن کی مقررہ خدمتیں نامعلوم طور پر پوری ہوتی رہتی ہیں۔ اِسیکا نام صحت ہی۔ اور اپنی خانہ داری کے کاموں کو بخوبی انجام نہ دینا اِسیکا نام روگ ہی۔ اپنے کاموں کو ماماؤں پر چھوڑ رکھنا آلکسی ہے۔ مذہبی فرائض سے ذرا غفلت نہ کرنا۔ عفت۔ خدمت۔ حیاداری ساری تہذیبوں کی سرتاج ہے اپنے خاوندوں کو خداوند مجازی سمجھو۔ اُنسے جتنی تکلیفیں پہنچیں انہیں راحت سمجھو۔ وہ زہر دیں تم شربت کے گھونٹ سمجھکر پیو۔ نئی تہذیب کھوکھلی ڈھول کے اندر پول ہے۔ نئی تہذیب کے میاں بیویوں میں وہ تپاک محبت دلی خلوص جسپر رشتہ شوئی کے تعلق کا دار مدار ہے وہی نہیں ہوتا۔ جہاں تک زبان میں شیرینی آتی جاتی ہی دل کھوٹا اور کڑوا ہوتا جاتا ہے۔ بے ادبی اور آزادی آتی جاتی ہے۔" نئی تہذیب والیاں کہتی ہیں کہ زیور زیور نہیں بلکہ قید ہے۔ روپیہ ہو تو شالامار باغ میں انجمن کرنی چاہیئے۔ مہذب بہنوں کے پاس دعوتی کارڈ جائے وقت مقررہ پر سب جمع ہوں۔ ٹی پارٹی دیجائے۔ مباحثہ ہو۔ کسی سے رنج پہنچے تو اُس سے کچھ بولنا خلاف تہذیب۔ ہر کام کے لیئے علٰحدہ کمرہ ہونا چاہیئے۔ کھانے کا الگ ہو سونے کا الگ۔ ملنے ملانے کا۔ سینے پرونے کا۔ سب کا جدا جدا ہو۔ لڑکیوں کو اپنا سامان اپنا کمرہ بالکل جدا رکھنا چاہیئے۔ بہت سی ایسی باتیں ہیں جو بڑھوں کے سامنے نہیں کہتے ایک بند کمرے میں سب چھوٹوں بڑوں کے

اکٹھے اُٹھنے بیٹھنے سونے سے ہوا خراب ہوکر صحت بگڑ جاتی ہے۔ کھُلی ہوا میں رہنا باغ کی سیر کرنا مفید ہو۔ بچیونکو تعلیم دینی چاہیئے۔ عورت مرد کے حقوق برابر ہیں۔ اُنہوں نے ہمارے حقوق غصب کرلیئے ہیں۔ ہم اپنے حقوق لیں گے کسیکو کسی کے یہاں بن بلاے یا اطلاع بغیر ہرگز نہیں جانا چاہیئے اور پہلے ہی سے آمد رفت قیام سب کا ٹھیک وقت مقرر کرکے اُسکی پوری پابندی کرنی چاہیے پان تمباکو کے بجاے چار، یا کچھ چل پھلواری ہو۔ وقت مقررہ سے زیادہ بیٹھکر کسی کا وقت ضائع نہ کرنا چاہیئے باتیں ہوں تو ایسی ہوں کہ دل بہلے اور جی خوش ہو۔ مذہبی تذکرہ خلاف تہذیب اور غیر مفید۔ کپڑے کا رنگ شوخ نہو مگر قیمتی ہو۔ مسالے نہ ٹکے ہوں مگر لیس بے بہا ہو +

غرض یہ کچھ ایسا اختلاف ہو کہ جس کی وجہ سے آجکل ہمپر وہ مثل اصل ہوگئی کہ "دو مُلاؤں میں مرغی حرام"۔ ضرورت یہ ہے کہ کسی طرح یہ باہمی اختلاف دور ہو۔ اور دونوں طریقوں میں سے ایسی باتیں چُنکر اختیار کیجائیں جو گھر گرہستی میں ہر اعتبار سے مفید اور بکار آمد ہوں +

سیدہ۔ از پٹنہ

ہماری آئینۂ ترقی کا فانوس خیال

پچھلے دسمبر سلیمہ بمبئی سے لکھنؤ آئیں اور حمیدہ کی مہمان ہوئیں سلیمہ کے گھر والے بمبئی کے مشہور تاجر اور تعلیم یافتہ لوگوں سے ہیں سلیمہ کی استعداد بہت معقول ہے۔ اردو فارسی انگریزی کی اچھی لیاقت ہے۔ اور تاریخ و تمدن سے خاص رغبت یعنی نئی تہذیب سے آراستہ ہیں۔ اسی کے ساتھ پرانی تہذیب کی بھی قدردان ہیں۔ اسلیئے پرانے طریقوں کا بھی لحاظ ہے۔ وہ بات بات پر پرانی رسموں کو برا نہیں کہتی ہیں۔ وہ نئے طریقوں کی اسطرح دلدادہ نہیں ہیں کہ انکی مضرتوں کو نظر انداز کردیں۔ بلکہ بعض وقت تو پرانی باتوں کی تائید میں اسطرح پر دلائل پیش کرتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے پرانے کارناموں پر آجکل کی نکتہ چینیاں محض واقفیت کی کمی کے باعث ہوتی ہیں۔

حمیدہ کو سلیمہ کے آنے کی بہت خوشی ہوئی۔ یوں تو حضرت گنج کی کوٹھی جہاں سلیمہ اتریں پہلے ہی سے اچھی حالت میں تھی تاہم مزید اہتمام کیے گئے۔ حمیدہ کو معلوم تھا کہ انکی مہمان کو رسالوں اور اخباروں سے بہت شوق ہے۔ چنانچہ تھیکر کی دکان میں لکھدیا گیا کہ جو رسالہ زنانہ مذاق کا دکان میں آئے بلا تامل ایک جلد ہمارے پاس بھیجدیا کرو۔ حمیدہ کے یہاں یوں بھی اخبار اور رسالے کثرت سے آتے تھے۔ لیکن وہ رسالے کی ایسی ہی شوقین تھیں جیسے ہمارے ملک کے امیر عام طور سے ہوتے ہیں۔ رسالہ وہ یوں دیکھا کرتی ہیں کہ ایک بار جو تصویریں رسالے کے اندر ہوتیں انہیں دیکھ گئیں۔ اگر کوئی تصویر اچھی

معلوم ہوئی تو اُسکے متعلق کا مضمون بھی دیکھا ورنہ رسالہ اُٹھاکر رکھدیا۔ نواب صفدر جنگ کو اپنی بیٹی حمیدہ کی تعلیم کا بہت خیال ہی۔ وہ خود بھی بیدار لوگوں میں ہیں۔ پرانی قسم کی تعلیم پائی ہے لیکن جہانتک ہوسکتا ہی نئی طرز کے نباھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لکھنؤ کے نواب ہوکر لیگ کے ممبر ہیں۔ کانفرنس میں چندے دیتے ہیں۔ حکام سے برابر ملتے ہیں ؛

اِدھر دو برس سے نوابصاحب نے ایک یوروپین لیڈی کو حمیدہ کے پڑھانے کیلئے رکھدیا ہے۔ خیال یہ تھا کہ میم صاحبہ تو اُردو جانتی نہیں چارناچار حمیدہ کو انگریزی میں کلام کرنا ہوگا۔ بہت جلد انگریزی کی استعداد بڑھ جائے گی مگر میم صاحبہ کو اظہار خیالات میں دقت ہوئی تو اُنکو مجبوراً اُردو میں کلام کرنا پڑا یہاں تک کہ اب وہ لکھنؤ کی زبان خاصی طرح سے بول لیتی ہیں۔ حمیدہ کو انگریزی بولنے میں البتہ دیر ہوئی۔ لیکن امیر کا گھر۔ ایسی باتوں میں عجلت نہیں کیجاتی ؛

اِن باتوں سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ حمیدہ کچھ کند ذہن یا کم فہم ہیں میم صاحبہ صرف اسقدر ہی کہا کرتی ہیں کہ بیگم صاحبہ ذرا جی نہیں لگاتی ہیں۔ مگر حمیدہ کی اَنا میم صاحبہ کے سامنے تو نہیں لیکن پیچھے اُنکے مخالف ہوتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ لڑکی کی بساط ہی کیا۔ "موٹی موٹی کتابیں باریک باریک حرف۔ کئی کتابیں تو ختم کرلیں۔ اب اور کیا چاہیئے۔ رہی زبان سو ٹوٹتے ہی ٹوٹتے ٹوٹیگی"۔ یہی رائے قریب قریب سب ماماؤں کی ہے۔ بعض تو یہ بھی کہتی ہیں کہ لڑکی ذات ہیں آخر لحاظ بھی تو کوئی چیز ہے۔ اپنے پرائے کے سامنے انگریزی کیسے بولیں ؛

گھر کے باہر حمیدہ کی تعلیم کی شہرت اچھی ہے اور زمانہ کی رفتار کے لحاظ سے بہت درست ہے۔ لکھنؤ کی تعلیم یافتہ خواتین کا نام دریافت کیجیے تو اگر پہلا دوسرا نہیں تو تیسرا چوتھا نام حمیدہ کا ضرور ہوگا۔ نواب صاحب جب کوئی یوروپین لیڈی ملتی ہیں تو وہ حمیدہ کے درس تدریس کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور پوچھتی ہیں۔ ایسے گھرانوں میں جہاں طرز معاشرت بدل چلا، حمیدہ مثالاً پیش کیجاتی ہیں۔ اور سارے تعلیم یافتہ لوگ نواب صاحب کی دوراندیشی اور کشادہ خیالی کی تعریف کرتے ہیں۔ برخلاف اسکے ایسے بھی جو تعلیم نسواں پر نئی اختراع کی تہمت لگاکر حمیدہ کو انگشت نما اور نواب صاحب کو رنج پہنچاتے ہیں۔ غرض حمیدہ اچھی شہرت اور فی الجملہ اچھی لیاقت رکھتی ہیں سب سے بڑھکر یہ ہے کہ نیک طبیعت پائی ہے۔ باوجود اس لیاقت کے جو اُن کے ایسے خاندان میں بہت شاذ ہے وہ اپنی کم مائیگی کا ہمیشہ اظہار کرتی ہیں اور اپنی ہم سن بہنوں کی جوہر شناس اور قدردان ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ سلیمہ کی قدر کرتی ہیں اور سلیمہ کو اُنسے بہت محبت ہے ✦

حمیدہ کی مہمان نوازی میں دسمبر بات کہتے نکل گیا۔ پہلی جنوری کا ذکر ہے کہ حمیدہ علی الصباح سلیمہ کے کمرے میں آئیں اور کہنے لگیں "بہن آپ سنتی ہیں کہ یہ گھنٹے کی آواز مسیحی عبادت گاہوں سے آرہی ہے نئے سال کی آمد کی خوشی کیجارہی ہے۔ نزدیک اگر معلوم ہوتا ہے آپ دیر سے جاگ رہی ہیں"

سلیمہ "نصف شب کے بعد سے برابر جاگ رہی ہوں۔ نصف شب میں بھی گھنٹے بجے تھے۔ گویا پرانے سال کو الوداع کہی گئی تھی [illegible]

تاریک رات ۔ گھنٹے کی آواز کچھ عجب عبرت خیز تھی ۔ معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہاتف غیبی صدا دے رہا ہے کہ عمر کے قافلے نے ایک منزل اور طے کی ۔ حمیدہ ہماری عمر کی مثال گھڑی کی سوئیوں کی سی ہے ۔ حرکت معلوم تک نہیں ہوتی لیکن وہ اپنا کام بلکہ ہمارا کام طے کرتی جاتی ہیں ۔ جب وقت گزر جاتا ہے تو ہمکو فرق معلوم ہوتا ہے ۔ اسیطرح گزشتہ زمانے پر نظر ڈالیئے تو معلوم ہوتا ہے کہ کیا سے کیا ہو گیا ۔ آج سے سو برس پہلے اسی لکھنؤ کی حالت کیا رہی ہوگی ۔ اور آج سے سو برس بعد معلوم نہیں کیا ہو جائے گی "

حمیدہ " جی ہاں معلوم نہیں کیا ہو گا ۔ ہماری تعلیم کی کیا حالت ہوگی ۔ ہمارے معاشرت کی کیا صورت ہوگی ۔ آج اس طرف اسقدر کوشش ہو رہی ہے معلوم نہیں کیا نتیجہ ہوگا "

سلیمہ " کوشش بیکار نہیں جاتی ۔ اُسکے نتائج آج نہیں تو کل اور کل نہیں تو برسوں ضرور ظہور میں آئینگے ۔ تمہیں انگریزی کا وہ قول یاد ہے کہ "بعض شکست فتح یابیوں سے بہتر ہے" ظاہری ناکامیابیوں سے کسی باہمت کا حوصلہ نہیں پست ہوتا ۔ اُسکے متبرک مقاصد اُسکے ضمیر باطن کو روشن کرتے اور اپنے منصوبوں میں یکتائی کا خیال اُسکی حوصلہ افزائی کرتا ہے "

حمیدہ " درست ہے کام کرنے والے کام کرتے ہیں وہ باتوں کا خیال نہیں کرتے ۔ لوگ خلاف ہوتے رہیں اُنکو اپنے کام سے کام ہے "

سلیمہ " اختلاف ہو ۔ اس اختلاف سے کوئی نقصان نہیں ہو سکتا بلکہ اسکو پاکی ... ہی نہیں ایسے اختلاف ہمیشہ ہوئے ہیں ۔ ہوتے ہیں اور

ہوتے رہیں گے۔ تم خیال کرو کونسا مذہب ہے جسکی ابتدا اختلاف سے نہیں ہوئی کونسا معاشرتی تغیر ہے جسکے شروع میں اختلاف نہیں ہوا۔ کونسا قانون ہے جسکے رواج سے پہلے اُسپر نکتہ چینیاں نہیں ہوتی ہیں۔ لیکن جس شے کی ضرورت زمانے کو ہوتی ہے وہ وجود میں آتی ہے اور جسکی ضرورت ختم ہو جاتی ہے وہ معدوم ہو جاتی ہے۔ یہ خزاں کا موسم ہے۔ درختوں کی پتیاں خشک ہوکر گرگئی ہیں۔ صاحب بصیرت کیلئے پائداری ناپائداری کی مثال اسمیں موجود ہے بہار کی آمد ہے جو پتیاں بہار کے قابل نہیں اُنکو قدرت نے خشک کردیا جو اس قابل ہیں وہ نئے رنگ میں بہار کی منتظر ہیں"۔

حمیدہ:" لیکن اس اختلاف کے مقابلے میں کوشش کرنیوالے کچھ ایسے معدودے چند ہیں کہ کیا کہا جائے"۔

سلیمہ:" بیشک بہت کم ہیں۔ میرے خیال میں تو جتنی مثالیں اسوقت تمہارے سامنے موجود ہیں۔ اسمیں سے بھی نصف سے زیادہ اپنی کوششوں پر قائم نہ رہیں گے۔ کیونکہ جس طرح مخالفت آنکھ بند کرکے کیجاتی ہے اُسیطرح آنکھ بند کرکے تائید کرنے والے بھی موجود ہیں۔ جب یہ زمانے کے ناہموار راہ میں مخالفت کے پتھر سے ٹکرائینگے تو آگے بڑھنے سے معذور ہوکر بیٹھ جائینگے۔ صرف چند ایسے ہونگے جو اس دشوار گزار راہ پر پھونک پھونک کر قدم رکھیں گے۔ بہ دیر میں سفر کو طے کرینگے لیکن یہی منزل مقصود تک پہنچیں گے لیکن ان سب منصوبوں کی اخیر کامیابی سے میں ناامید نہیں ہوں میں جانتی ہوں کہ اسی لاہور سے کسی نیک دل ذی علم خاتون کا نام آیندہ تاریخ میں شاہد

سمجھا جائے گا۔ اسی دہلی کا کوئی زنانہ اخبار ہماری معاشرتی ترقی کا سچا
مددگار کہلائے گا۔ اسی علیگڈھ کی کوئی خاتون ہماری ابتدائی تعلیم کی شمع جلانے
والی کہلائے گی۔ یہی ہماری چند تعلیم یافتہ بہنیں جنکے نام آج انگلیوں پر گنے
جاسکتے ہیں کل کسی زنانہ یونیورسٹی کی بانی ہونگی جنکے ممبروں کی تعداد ہزاروں
بلکہ لاکھوں تک پہنچے گی۔ یہ وقت ابھی دور ہے لیکن اسکا ہونا بھی ضرور ہے
شاید اسوقت ہم لوگ نہ ہوں گے۔ ممکن ہے کہ اسوقت معاونین میں سے
بھی بعض نہ رہجائیں۔ لیکن انکے نقش قدم پر چلنے والی امت ضرور رہجائیگی
وہ انکے مقاصد پورے کریگی اور زمانے کو بھولنے نہ دے گی کہ اس تعمیر کے
بانی کون تھے۔ زمانہ ان ناموں کو آنکھوں سے لگائے گا۔ آج انکی بات پر لوگ
کان نہیں لگاتے۔ کل انکے متعلق سنی سنائی بات کے سننے کے مشتاق
ہونگے آج جن تحریروں پر نکتہ چینیاں کیجاتی ہیں۔ کل موتیوں کے مول ہونگی
قومی نمایشگاہوں میں رکھی جائیں گی اور قدردان قوم کو دکھایا جائے گا کہ دیکھو
وہ ہماری تعلیم کے رہنما کے ہاتھ کا لکھا ہوا خط۔ وہ دیکھو ہماری معاشرتی حالت
کے سدھارنے کیلئے پہلا رسالہ تھا۔ وہ ہمارے زنانہ یونیورسٹی کے بانی
کی تصویر ہے وہ دیکھو شیشوں کے اندر تمام چیزیں اس نیک انجام بیگم کی نشانی ہے
جنے ہماری پردہ نشین بیواؤں کی حالت پر ترس کھاکر انکی دستگیری کے
سامان کیے۔ قوم ان نیک ناموں کی قدر کرے گی بلکہ دوسرے ملک والے
آئینگے اور ہماری ترقی کی داستان اپنے ملکوں میں جاکر سنائیں گے آخر
ہمارا ملک بھی ترقی کرے گا اُسکے ساتھ ہماری حالت بھی درست ہوگی ہم

ہمیشہ ناقص العقل نہ کہلائیں گے۔ ہم ہمیشہ جاہل نہ رہیں گے جہاں یہ بیان کیا جائے گا کہ اس قوم نے دیکھتے دیکھتے اپنی حالت درست کرلی صنعت میں یہ ترقی کی۔ حرفت میں وہ ترقی کی۔ تجارت میں سب پر سبقت لیگئی۔ معاشرت میں وہ طریقے اختیار کیے کہ قدما کے نقش قدم بھی نہ مٹنے دیئے اور نئی تہذیب کے کل فائدے بھی حاصل کرلیئے۔ وہاں یہ بھی بیان کیا جائیگا کہ اس قوم کی عورتوں نے اپنی حیثیت سے زیادہ کام کیے اور ثابت کردیا کہ بیشک قوم کی ترقی اسکی ماؤں کے ہاتھ میں ہے۔ کہا جائے گا کہ انہوں نے علم ادب کو اپنے پاکیزہ خیالات سے ایک مایہ فخر ذخیرہ کردیا۔ انہوں نے اپنے درد مند دل کے قدرتی اثر سے ایسی یگانگت کی شکل پیدا کردی جسکے باعث قومی تفرقہ اور مذہبی اختلاف کے بُرے اثر ملک سے ناپید ہوگئے۔ انہوں نے قوم کے غریب اور محتاج بچوں کی اپنے بھائی بہنوں کی طرح پرورش کی جسکی وجہ سے افراد قوم میں دلی اتحاد پیدا ہوگیا۔ اور خداوند عالم کی خوشنودی کا باعث ہوا۔ یہاں تک کہ وہ دن آئے کہ قوم کسی کی محتاج نہیں۔ حمیدہ! یہ دن آئینگے اور ضرور آئینگے۔ خوش نصیب ہیں وہ جو یہ دن دیکھیں گے"۔

سلیمہ کی تقریر کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ لیکن حمیدہ اسیطرح غور سے سلیمہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ سلیمہ کی مسلسل تقریر۔ محققانہ گفتگو۔ فکر رسا۔ اور چشم بینا کے کرتب نے سیدھی سادھی حمیدہ کو بُت بنادیا۔ وہ اسی طرح سلیمہ کیطرف متوجہ تھی جیسے خانہ بدوش عرب قادر مطلق کی کسی آئندہ بخشش یا قہر کے پیغام کے سُننے میں۔ جس آئندہ منظر کی تصویر سلیمہ نے کھینچی تھی انہیں

حمیدہ ایسی موتھی جیسے بنی اسرائیل اُس ملک کے خیال میں جہاں موسیٰؑ سے پیشوا نے بیان کیا تھا کہ دودھ اور شہد کی ندیاں جاری ہیں سلیمہ نے حمیدہ کی استعجاب کی حالت کم کرنے کی غرض سے ہنسکر حمیدہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا۔ "بہن تم ہماری باتیں سنکر متعجب سی ہو رہی ہو میرے خیال میں یہ مطلق تعجب کا مقام نہیں ہے جسدن کی خوشخبری آج میں تمہیں لفظوں میں دیتی ہوں۔ اُسکا ظہور تمہارے کاموں پر منحصر ہے۔ وہ دیکھو آفتاب کی کرن اونچے درختوں کی چوٹیوں پر تو آگئی۔ اب تھوڑے ہی عرصہ میں سارا باغ روشن ہو جائے گا۔ یہ دیکھو تم کو سبق ہے کہ رات گزر گئی خواب غفلت سے بیدار ہو۔ اٹھو اور جس طرح آفتاب عالمتاب اپنی روشنی سے سارے جہان کو روشن کر دیگا۔ تم بھی اپنی کوششوں سے ساری دنیا کو تسخیر کرو اور اپنے حمیدہ خصائل سے اپنے فرقے میں وہ نام چھوڑو جس کو تمہاری قومی بہنیں نہ مٹنے دیں"۔

راقمہ ر۔ ب۔ بنت امداد حسین، مرزاپور

سیر یورپ

(از ہر ہائینس بیگم صاحبہ جنجیرہ حبشان)

گزشتہ اشاعت سے آگے

پھولوں کی نمائش کے بعد ہمیں لیڈی آلیونٹ صاحبہ کے ہاں جانا تھا۔ چونکہ تھک گئی تھی اسلیئے جانا دو بر معلوم ہوا۔ مگر وعدہ ہو لیا تھا۔ اسلیئے جانا ضرور تھا۔ گئے۔ مگر کوئی آدھ گھنٹہ میں واپس آگئے۔ گھر آکے نماز وغیرہ سے فارغ ہوئے۔ اور حضور اور میں اُس گیلا پرفارمنس کیلئے تیار ہوئے جسکا ذکر پہلے آچکا ہے۔ حضور نے سادہ سفید الرکھا پہنا اور تمغہ وغیرہ لگایا۔ جس سے لباس سادگی کے ساتھ شاندار معلوم ہوتا تھا۔ چونکہ ننھا اور مسٹر ٹاٹا بھی اس تماشے میں جانے کو تھے۔ ہم نے اُنہیں ٹیلیفون پر جو ہمارے کمرہ میں لگا ہوا تھا۔ پیغام دیا کہ وہ یہاں آکر کھانا ہمارے ساتھ کھائیں اور ہمارے ہمراہ چلیں اُنہوں نے جواب دیا کہ کھانا تو ہم مکان پر کھائیں گے۔ مگر ساڑھے آٹھ بجے ہوٹل پر پہنچکر ہمراہ چلیں گے۔ اور رات کا کھانا آپ ہمارے ساتھ کھائیگا وقت مقررہ پر وہ آگئے۔ مسٹر ٹاٹا کے ساتھ اُنکی موٹر میں حضور سوار ہوئے۔ ننھا اور میں اپنی موٹر میں۔ ننھا سے شاہی جلسہ رقص کی باتیں ہوتی رہیں اس نے پہلے دن کورٹ کے موقع پر وہ خدا گھبرا سی گئی تھی۔ اس طرح باتیں کرتے ہم وہاں پہنچے جہاں تماشا ہونے کو تھا۔ قیمت تو بیشک ہمیں اس تماشے کے دیکھنے کے لیئے بہت زیادہ دینی پڑی۔ یعنی الحمانہ پونڈ اٹھارہ

نشست دو جگہوں کے لیے۔ گو جگہ بہت عمدہ تھی۔ پہلی ہی صف میں ہماری
جگہ تھی۔ تمام اوپیرا ہوس اوپر سے نیچے تک بھرا ہوا تھا۔ یہ قوم بھی عجیب قوم
ہے۔ جہاں جاؤ یہی ہجوم تھا۔ ہم نے بہت سے بڑے لوگ ایسے دیکھے
جن سے کورٹ کے رقص ملاقات ہوئی تھی۔ نیپال والوں کا ایک بکس علیحدہ تھا
جو شاید بادشاہ کی طرف سے عطا ہوا تھا۔ پروگرام بھی آج کے لیے تکلف سے تیار
کیے گئے تھے۔ ایک شخص نے ہمیں بھی پروگرام لا کر دیئے جو ساٹن پر چھپے
ہوئے تھے۔ شاہی بکس میں ابھی تک کوئی نہ آیا تھا۔ امراء کی بیویوں کے لباس اور
زیورات نہایت قابل دید تھے۔ مکان کی سجاوٹ کی کچھ نہ پوچھئے گونا گوں
گلاب کے پھولوں سے در و دیوار لدے ہوئے تھے۔ گہرے آتشی رنگ سے
لیکر ہلکے گلابی رنگ کے گلاب تک عجب سلیقہ سے ترتیب دیئے گئے تھے معلوم
ہوتا تھا کہ مکان دلہن کی طرح آراستہ ہے جو پھولوں کا گہنا پہنے ہوئے ہے
کمان کی صورت کے جھنڈے بنائے تھے جو صرف گلاب کے پتوں اور
گلاب کے پھولوں سے بنے ہوئے تھے۔ یہ کمانیں طول میں ڈھائی
ڈھائی گز اور عرض میں کوئی ڈیڑھ گز ہوں گی۔ اسٹیج کے دونوں طرف دو
دو ستون تھے جو بالکل گلاب پوش تھے۔ ایک آتشی گلابی دوسرا
ہوائی گلابی۔ بادشاہ کی نشست کے روبرو محراب کی صورت بنائی تھی
اور اس پر بادشاہ اور پریزیڈنٹ حکومت جمہوری فرانس کا نام پھولوں کی
ترتیب سے لکھا تھا جو بہت خوبصورت معلوم ہوتا تھا۔

اتنے میں فرانس کے مشہور قومی گیت مارسیلز کی آواز باجے سے آئی اور

سب لوگ فوراً اٹھ کر شاہی بکس کیطرف دیکھنے لگے۔ پہلے کلکٹر اور پریزیڈنٹ صاحب تشریف لائے پھر بادشاہ ایڈورڈ اور شاہزادی ویلز پھر باقی شاہزادے شاہزادیاں اور اراکین اور چوبدار وغیرہ۔ اور سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔ فرانسیسی راگ کے بعد "گاڈ سیو دی کنگ" (یعنی خدا ہمارے بادشاہ کو سلامت رکھے) بجا۔ اور اسکے بعد پردہ اٹھا۔ پردہ اٹھتے ہی میں محو حیرت رہ گئی۔ کوئی پچاس نوجوان لڑکیاں گندمی رنگ نازک بدن پورا ہندوستانی لباس پہنے ہوئے نظر آئیں یعنی نفیس ساڑھیاں اور جڑاؤ زیور۔ ہاتھوں میں چوڑیاں کڑے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی نے ہندوستان کا ایک حصہ الگ یہاں اٹھا کر رکھدیا ہے۔ انکے بال کالے اور مانگ سفید وسط میں۔ یہ گویا سیلون (لنکا) کی سرزمین کا نقشہ تھا۔ ناریل کے درخت۔ چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں۔ جنوبی ہندوستان کی تصویر بہت کامیابی سے اتاری تھی جو مرد سٹیج پر تھے وہ سیلانی لباس میں تھے۔ لڑکیوں نے ہم آہنگ ہوکر ناچ شروع کیا۔ انکا ناچ کچھ کچھ ہندوؤں کے ناچ سے ملتا تھا۔ باجے میں راگ بھی ہندی بجتا تھا اور وہ ہندوستان کی گانے والیوں کیطرح ہاتھ بنا بنا کر اور کمر لچکا لچکا کر گاتی تھیں۔ اتنے میں ہیروئین (جو اس قصہ کی روح رواں ہے جس قصہ سے یہ تماشا بنایا گیا ہے) سٹیج پر آئی۔ ایک مشہور گانیوالی میڈم فرازینی تھی یہ پارٹ کر رہی تھی وہ اپنے فن میں صاحب کمال ہے۔ مگر میڈم ملباکے پایہ کو نہیں پہنچتی۔ یہ بھی ہندی لباس میں تھی۔ اور منہ پر نقاب ڈالے ہوئے تھی اس نے ایک گیت بہت عمدہ گایا چونکہ گانے میں قصہ کا مطلب سمجھے

جاتا آسان نہیں ہے اسلیئے مجھے تماشے کا پورا حال معلوم نہیں ہوسکا
جو پارٹ ختم ہوا تو پھر پردہ گرا اور ایک پاؤ گھنٹے کا وقفہ ملا۔ اسمیں لوگ
دمہ مین اٹھکر ایک دوسرے کو گھورنے سے دل بہلاتے رہے۔

اسکے بعد فاوسٹ کے مشہور کھیل کا ایک حصہ دکھایا گیا جو اس میں
میڈم ملبا کا بہت سا پارٹ تھا۔ مگر اسدن ملبا کی آواز کسیقدر بگڑی ہی
تھی اور بحیثیت مجموعی اسکی طرف سے ذرا مایوسی ہوئی۔ پونے ۱۲ بجے
ہم سب اُٹھے۔ پہلے شاہی بکس خالی ہوا۔ اسوقت تک کسی کو باہر جانیکا
حکم نہ تھا۔ دروازے بند تھے۔ مسٹر ٹاٹا نے دور سے اشارہ کیا کہ دروازہ پر
ملیں گے۔ وہاں تھوڑے سے انتظار کے بعد وہ آگئے۔ اور ہم مشکلوں سے
دروازے کے باہر نکلے اور سڑک پر کھڑے ہوئے اور یہ قرار پایا کہ دونوں
میں سے جو موٹر پہلے سامنے آجائے چاروں اُسی میں سوار ہولیں سیکڑوں
بڑی بڑی بیبیاں گاڑی کے انتظار میں کھڑی تھیں۔ آخر ہماری گاڑیاں
بھی آئیں اور ہم کارلٹن ہوٹل میں پہنچے۔ جہاں مسٹر ٹاٹا نے ہمیں کھانا
کھانے کو کہا تھا۔ داخلہ کے ہال میں سیکڑوں شاندار لوگ بیٹھے باجا
سُن رہے تھے۔ اسوقت لنڈن میں تین بڑے اعلیٰ ہوٹل ہیں جن میں
ایک کارلٹن ہے۔ ان میں فیشن کے شیدائیوں اور ان میں بھی آفت کے
پرکالوں کے سوا کوئی نہیں جاتا۔ اسکے سوا دوسرے دو کلیرج اور رٹز
ہیں۔ سوائے کروڑپتیوں کے کسیکا کام نہیں کہ ان میں رہے۔ یہاں تھوڑے
عرصہ بیٹھنے میں ہی معمولی امیروں کا تو دیوالہ نکل جائے۔ ہمارا داخل ہونا ہی

اوروں کے لئے ایک تماشا ہوگیا۔ حضور کا لباس امراستہ تھے۔ ٹکا کی خوشنما ساڑھی اور سیر الخوب کا لباس مگر ہم وہاں زیادہ نہ ٹھہرے۔ کھانے کے کمرہ میں چلے گئے۔ جو نہایت نفاست سے سجا ہوا ہے۔ [illegible] کوئی ایک سو چھوٹی میزیں چار چار آدمی کی نشست کی ہونگی۔ خیر ہم نے کھانا کھایا۔ یہاں بھی پنکھے بطور یادگار دیے گئے۔ اب میری سمجھ میں آیا کہ یہ لوگ شام کے معمولی کھانے کے بعد آدھی رات کے بعد جو سپر کھاتے ہیں کیوں کر کھا سکتے ہیں۔ اتنا تھکیں اور اتنا جاگیں تو بھوک خود بخود لگتی ہے۔ کھانے کے بعد اجازت لیکر ہم اپنے ہوٹل میں آئے۔ اور اسقدر تھک کر سوئے کہ کچھ خبر نہیں رہی۔ دوسرے دن صبح کو دیر میں اُٹھے ◆

جمعرات ۲۸۔ مئی ۱۹۱۱ء صبح لارڈ لیمنگٹن صاحب سابق گورنر بمبئی، تشریف لائے۔ اور بھائی سے باصرار فرما گئے کہ ۳۰ جون کو ہم سب ہمارے ہاں دعوت میں شریک ہوں۔ حضور کو جب اسکا حال معلوم ہوا تو انھوں نے نہایت افسوس کے ساتھ عذر کیا۔ کیونکہ ہمارا قصد ۳۰ جون تک لندن میں رہنے کا نہیں ◆

دوپہر کو لنچ کھا کر حضور بھائی انزہرہ میں سیدی میاں اور ڈاکٹر صاحب سب اولمپیا کی سیر دیکھنے گئے۔ یہ لندن کی ایک مشہور اور وسیع تماشا گاہ ہے جہاں طرح طرح کی نمائشیں وغیرہ وقتاً فوقتاً ہوتی رہتی ہیں۔ آجکل وہاں ایک کارآمد تماشا ہے یعنی بحری اور بری فوج کی ورزشیں اور مصنوعی جنگ دکھائی جاتی ہے۔ اسکا داخلہ ٹکٹ سے ہے اور لوگ اس کثرت سے جاتے ہیں کہ ٹکٹ

جہاں ہندوستانیوں کو کبھی یہ خبر نہیں پڑتا جو بحری اور بری سپاہی اور عہدہ دار یہاں اپنے کرتب دکھاتے ہیں۔ اُنکی ورزش اور مشق جاری رہتی ہے۔ اور شاید تھوڑے تھوڑے عرصہ بعد نوبت بنوبت بدل جاتے ہیں اور عوام الناس کو آلات اور فنون حرب کے متعلق ضروری معلومات ہم پہنچ جاتی ہیں۔ پروگرام کو زیادہ دلچسپ بنانیکے لیئے بعض ایسے تماشے بھی اس میں شامل کر دیئے ہیں جنسے ہنسی آئے۔ چنانچہ افریقہ کے جنگلی لشکر کے تماشے نے ہمیں بہت ہنسایا اور سوئس ڈرل یعنی وہ قواعد جو ملک سوئٹزرلینڈ میں مروج ہے۔ بہت پُرلطف تھی +

جمعہ ۲۹ مئی ۱۹۰۸ء۔ آج دوپہر کا کھانا مسٹر گپتا صاحب کے ہاں تھا جو وزیر ہند کی کونسل میں ممبر ہو کر آئے ہیں۔ ہم اس کھانے سے نہایت خوش ہوئے کیونکہ اُنھوں نے خصوصیت سے ہندوستانی کھانا پکوایا تھا۔ مسٹر گوکھلے مسٹر ٹاٹا اور سنجا بھی مدعو تھے۔ سب کھانا مسز گپتا نے خود پکایا تھا۔ ہم نے جسقدر شوق سے کھایا بیان سے باہر ہے۔ کیونکہ ایک عرصہ کے بعد ملا تھا دل سے دعا نکلتی تھی کہ خدا بیچاری کا بھلا کرے۔ مسز گپتا کہنے لگی کہ گھر میں اپنے ہاتھ سے کبھی نہیں پکایا تھا۔ مگر یہاں آکر پکانا ہی پڑا۔ واقعی اُنھوں نے ہماری خاطر بہت ہی تکلیف اُٹھائی۔ اُن کا ایک نوجوان لڑکا بیرن نامی جو ابھی امریکہ سے بجلی کا کام سیکھ آیا ہے۔ موجود تھا۔ بہت ہی طباع اور ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ مسٹر گپتا کے ہاں کونسل وزیر ہند کے دوسرے ہندوستانی ممبر نواب عماد الملک مسٹر سید حسین بلگرامی سے بھی ملاقات ہوئی۔ مسٹر گپتا نے

سے تعارف کرایا۔ میں نے اُن سے پوچھا کہ طیبہ بیگم صاحبہ آپ ہی کی صاحبزادی ہیں"۔ اُنہوں نے کہا" ہاں"! میں نے کہا" اُن کے مضامین انگریزی و اردو اکثر دیکھنے میں آئے ہیں"۔ اسکے بعد میں نے کہا کہ" میرے بھائی مسٹر علی اکبر اور بھابی جان زبیدہ بیگم سے اور آپکے خاندان سے بہت میل جول ہے"۔ اُنھوں نے کہا" بیشک برسوں کی ملاقات ہے"۔

کھانے کے بعد مسٹر گپتا کے لڑکے نے فونوگراف بجایا۔ اور پھر خود ایک انگریزی گیت سُنایا۔ انگریزی گانا اچھا گاتا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد ہم رخصت ہوئے +

شام کو ہم مسز ہکبین۔ نائب وزیر ہند کی بیوی کے ہاں چار پر گئے وہاں معقول مجمع تھا۔ لیکن نہ اِسقدر کہ آدمی بھیڑ سے پریشان ہوجائے لیڈی نثوان سے وہاں ملاقات ہوئی۔ اور اِن سے دیر تک ہندی عورتوں کی تعلیم پر بحث ہوتی رہی۔ بھابی جان زبیدہ بیگم کو یہ خوب پہچانتی ہیں پیر کے لیئے اُنھوں نے دعوت دی ہے۔ پیر کو بہت جگہ باہر جانا ہوگا۔ ایک تو دنیا کی مشہور ایکٹرس سارا برنارٹ کو سننے جائیں گے۔ بعد دوپہر دو جگہ چار کی دعوت ہے۔ اور رات کو لیڈی لاترپ کا بال۔ یہاں کی زندگی سست سے سست آدمی کو بھی مستعد اور چالاک بننے پر مجبور کرتی ہے + (باقی آیندہ)

بیماری اور تیمارداری

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

ڈاکٹر صاحب۔ تعویذ اور نقش اور گنڈوں میں اعتقاد ہونا کچھ مسلمان ہونیکے لیئے لازم نہیں ہے۔ اور نہ کسی جگہ پر قرآن مجید میں آیا ہے کہ اگر کوئی تعویذ گنڈے اور نقش دھوکر پینے کا قائل نہو تو وہ کافر ہے۔ اس موقع پر چیدی بیگم نے ایک زور کا ٹھٹا لگایا۔ اور مغلانی بی نے انگلی ناک پر رکھی۔ ماما ئیں جو پردہ پکڑے کھڑی تھیں۔ ایک نے تیوری چڑھائی۔ دوسری نے ڈاکٹر صاحب کی طرف سے منہ پھیر لیا +

بیگم صاحبہ۔ یہ نقش تو زعفران سے لکھے ہوئے ہیں۔ اگر گھول کر پلائے بھی جائیں تو کیا مضائقہ ہے ذرا آپ ملاحظہ کیجئے۔ یہ کہکر چار رکابیاں جن پر زعفران سے نقش بنے ہوئے تھے ڈاکٹر صاحب کو دی گئیں۔ چند لمحہ غور سے دیکھنے کے بعد ڈاکٹر صاحب مسکرائے اور کہا۔ بیگم صاحب! یہ زعفران تو سیاہی مائل مجھے معلوم ہوتی ہے۔ اگر اسکے پلانیسے صحت ہونیکی امید ہے تو بسم اللہ پلا دیجئے۔ مگر پھر میری ضرورت کیا باقی رہی۔ مجھے رخصت کیجئے +

بیگم صاحبہ۔ ڈاکٹر صاحب آپ خفا نہ ہوں۔ میں نے آپکے رائے اسی لیئے لی ہے کہ جو آپ فرمائینگے۔ وہی میں کرونگی +

ڈاکٹر صاحب۔ یہ تو آپ کی مہربانی ہے۔ میں خفا تو بالکل نہیں ہوا مگر مجھے ضرور اس امر پر حیرت ہے کہ علی نقی خاں کے ایسے روشن خیال گھرانے

میں ابھی ایسے اعتقاد باقی ہیں۔ قصہ معاف۔ ایک بڑا عذر جو مجھکو ان تعویذوں کے
پلانے کی اجازت دینے میں ہے وہ یہ ہے کہ معلوم نہیں وہ زعفران جس
سے یہ لکھے گئے ہیں کسقدر کثیف ہوگی جو رنگ اِسکا بالکل سیاہ نظر آتا
ہے۔ دوسرے اسمیں اندیشہ طرح طرح کے جرم ہونیکا ہے۔ یعنی وہ چھوٹے
چھوٹے کیڑے جو آنکھ سے نظر نہیں آتے۔ مگر مائیکرواسکوپ (دوربین)
سے دیکھنے سے نظر آتے ہیں۔ اور کل بیماریوں کا گھر ہیں۔ یہ مضمون ایسا
ہے کہ اگر میں اسپر بحث کروں تو گھنٹوں لگیں گے مگر ایک چھوٹی سی بات ہے جسکو
آپ غور فرما سکتی ہیں کہ اگر ایسے نقوش وغیرہ سے صحت ہوسکے تو پھر ڈاکٹر
و دواخانے سب بیکار ہو جائیں۔ اور ملا سیانے فقیر اُنکی جگہ پر کام کریں
اور روپیہ کمائیں۔ ڈاکٹروں کا دور دراز کا سفر اختیار کرنا ہزاروں روپیہ تعلیم
میں خرچ کرنا غیر ملک میں برسہا برس کاٹنا سب لاحاصل ہو جائے۔ اگر گھر
بیٹھے مُلاجی کی چھو چھو سے بیمار شفا پائے۔ مگر بیشک ایک بات بہت قابل
لحاظ یہ ہے کہ اعتقاد بڑی چیز ہے۔ اور جب کسی چیز پر جم جاتا ہے تو وہ مستقل
خیال ذریعہ حسب دلخواہ نتیجہ پیدا کرنے کا ہوتا ہے۔ رہا آیات قرآنی کا پڑھنا
تو اسکی برکت سے کوئی مسلمان منکر نہیں ہوسکتا۔ مگر اُس کتاب مقدس کو گنڈے
و تعویذ کی کتاب کی طرح استعمال کرنا عین ہتک ہے۔ کلام ربانی جو آسمان سے
ہماری ہدایت کے لیئے نازل ہوا اور جسکا منشا راہ نجات دکھانا اور عمدہ اخلاق
سکھانا ہے چاہیئے کہ ہر مسلمان اُسکی وقعت اور بزرگی کا لحاظ رکھے اور اُس کو
ورد زبان کرے۔ اُسکے معنی کو سمجھے اُس سے متاثر ہو اُسکو پڑھے اور خدا سے

دعا مانگے۔ وہ خدا جو فرماتا ہے کہ اے انسان میں تجھ سے تیری رگ گردن سے بھی نزدیکتر ہوں۔ اور جو مجھ سے دعا کرتا ہے اور مجھے پکارتا ہے۔ اُسکی دعائیں قبول کرتا ہوں پس چاہیے کہ مجھے ہی میرے بندے پکاریں اور مجھ ہی سے دعا مانگیں اور مجھ ہی پر ایمان لائیں۔ یعنی مجھے واحد جانیں اور میرے ساتھ کسیکو شریک نہ کریں"۔ تو باوجود اس وعدے کے کیوں انسان اپنے خدا کو مشکل میں نہ پکارے اور کیوں دوسرے ذرائع حاجت برآری کے ڈھونڈھے۔

جناب بیگم صاحبہ! میں آپسے کیا عرض کروں کہ جب مذہبی ذکر ہوتا ہے تو میرا کیا عالم ہو جاتا ہے۔ اور کس حسرت و تاسف سے میرا دل بھر جاتا ہے۔ اور حالی جنکو میں ملک الشعراء سمجھتا ہوں اُن کا شعر مجھے یاد آجاتا ہے ؎

نیا عقل و دیں سے نہ کچھ کام اُنھوں نے کیا دینِ برحق کو بدنام اُنہوں نے

غور فرمایئے کہ اسلام کے وجود کا باعث کیا ہوا۔ جس زمانے میں حضرت رسالت پناہی مبعوث ہوئے عرب بلکہ تمام عالم پر جہالت کی گھٹا چھائی ہوئی تھی کشورستانی و کشورکشائی سنے تو عرب کو کیا علاقہ تھا بلکہ خانہ جنگی خونخواری ہر طرح کی ابتری۔ بداطواری بداخلاقی۔ بت پرستی رائج تھی جو مذہب اُس زمانہ میں موجود تھے وہ بھی بت پرستی کے برابر ہو گئے تھے۔ مگر اسلام کا پرتو پڑتے ہی یہ کل نقشہ بدل گیا۔ سب برائیاں کافور ہو گئیں ؎

وہ دیں جسنے اعدا کو اخواں بنایا وحوش و بہائم کو انساں بنایا
درندوں کو غمخوار دوراں بنایا گڈریوں کو عالم کا سلطاں بنایا

توکیا ایسا دین چھوٹی چھوٹی باتوں پر مبنی ہو سکتا ہے۔ یا اس طرح کی باتیں
ایسے مذہب میں شامل ہو سکتی ہیں۔ مذہب اسلام ایک نہایت سیدھا سادہ مذہب
ہے جس میں ہر قسم کی آسانی رکھی گئی ہے۔ اور جسکی نیو کی پہلی اینٹ لاالٰہ الا اللہ
ہے۔ اس قسم کی کوئی بات جو کسی امر کو خدا کی قدرت میں شریک کرے خلاف
اسلام ہے۔ اسلام پہلا مذہب ہے جس نے نفس انسانی کو پاک و مطہر ثابت کیا
اور دکھایا کہ انسان اپنے نفس کو اگر چاہے تو جیسے وہ اصل میں دنیا میں پاک
آتا ہے۔ اُسی طرح پاک رکھکر فرشتوں سے بھی درجہ میں بڑھا دے
اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ ہم اسلام کی ہدایت کو سمجھیں اور اُسکے پہلے گُر کو
یاد رکھیں۔ یعنی لاالٰہ الا اللہ +

یہ کہکر ڈاکٹر صاحب نے نقوش کی کابیاں میز پر رکھدیں اور بیگم صاحبہ سے
رخصت ہو کر باہر گئے۔ وہاں علی نقی خاں سے بیمار کے بارے میں کچھ دیر گفتگو
رہی۔ پھر گھر سدھارے +

چوتھا باب

ڈاکٹر صاحب کے جانیکے بعد ماماؤں نے پردہ سمیٹ کر رکھدیا اور دیواروں
سے لگ کر بیٹھ گئیں۔ اور تھیلیاں کھولکر پان کھانے لگیں۔ بیبیوں نے
بھی پاندان کھولا۔ پان کھایا۔ حیدری بیگم نے جمیلہ بیگم سے کہا۔ بھابی یہ
ڈاکٹر صاحب کیا واہی تباہی بک رہے تھے خاک پڑے۔ میری سمجھ میں تو
ایک حرف نہ آیا۔ کیا قرآن میں لکھا ہے کہ نقش دھوکر نہ پلائے جائیں۔ بھلا

یہ بھی ایک انوکھی بات ہی۔ آپ میرا کہنا مانئیے شوق سے پلائیے۔ گھٹی ڈاکٹری دوا پلاتے پلاتے تو بچی کا یہ حال ہوگیا کیا تعجب ہے کہ ٹوٹکے ٹونے دعا۔ تعویذ سے شفا ہوجائے۔

ماما حسینن بی۔ موئے ڈاکٹران باندر کی سری کے آتے پیسے لیتے چلے جاتے ہوا کیا کرتے۔

ماما وزیر بی۔ مائی ملے ادے دیتے سو وہی برانڈی گراندی۔

ماما جمال بی۔ بیگم صاحب۔ ہم سے لوگاں کو بخار گخیر آئے تو ہم سے نہ دوا پیتے نہ دارو۔ اتنا املی کا کھٹا ستھ کر خوب نمک مرچیں ڈالکر پکنے چھوڑ دیتے پکنے بعد خوب پی لی۔ کو ملوا لیکو سوجائے۔ انگ بھر کو پسینہ آجاتا بخار اُتر جاتا۔ ادے وہی اپنا کام اپنے کو کیو کر ڈاکٹر لیکر۔ نہ ہا ہا نہ ہونا اپنے کو۔

مغلانی۔ توبہ۔ بی بی ایسے علاج سے درگزرے۔ مرنا قبول ہے مگر خدا ڈاکٹروں کی دوا نہ پلوائے۔ ہر چیز میں نگوڑا کالا پانی شامل کرتے ہیں دین دنیا سے کھوتے ہیں۔

جمیلہ بیگم۔ چلو بی مغلانی۔ کیا کہتی ہو۔ کیا کالا پانی ہی ایک رہ گیا ہے اُن کے یہاں اور بھی دوائیں ہیں۔

حیدری بیگم۔ بھابھی۔ میں کہتی ہوں جو حکیم مرض پہچانتے ہیں اور چٹکی سے مرض کو پکڑ لیتے ہیں وہ ڈاکٹر نہیں کرسکتے۔

جمیلہ بیگم۔ بوا یہ نہ کہو۔ ڈاکٹری میں آجکل بے انتہا ترقی ہوئی ہے۔ کیسے کیسے علاج ہوتے ہیں۔ جراحی کو تو اعلیٰ درجہ پر انھوں نے پہنچا دیا ہے آنکھ

کیا خوب بناتے ہیں سوانت لگاتے ہیں۔ ہڈیاں جوڑ سکتے ہیں اللہ کیا چاہتی ہو ۔

حیدری بیگم۔ اے بھابی کچھ ہی کہو مجھے تو کچھ اعتقاد نہیں ۔

(باقی آئندہ)

ضروری اطلاع

سال گزشتہ میں یہ اعلان کیا گیا تھا کہ سات پرچے جناب کنور عنایت علی خاں صاحب کیطرف سے اور دو پرچے مسز محمد شفیع صاحبہ کیطرف سے اُن مستورات کے نام جاری کیئے جائینگے جو پڑھنے لکھنے کی شائق ہیں مگر بوجہ ناداری عصمت کے دیکھنے سے مجبور ہیں۔ چنانچہ یہ سب پرچے حسب اعلان نو مستحق بیبیوں کے نام جاری کر دیئے گئے تھے مگر اب پھر کئی درخواستیں ایسی خواتین کی دفتر میں جمع ہو گئی ہیں جو تعلیم سے نہایت دلچسپی رکھتی ہیں اور عصمت کے پڑھنے کی بے حد آرزومند اور مشتاق ہیں لیکن بوجہ افلاس خریداری سے معذور ہیں۔ اسواسطے جو بیگمات اپنی ان مفلس اور کم استطاعت بہنوں کی اس مفید کام میں مدد کرنا پسند کریں ہمیں اطلاع دیں کہ انکی طرف سے پرچے جاری کیئے جائیں ۔ (ایڈیٹر)

ہماری تعلیم

آجکل ترقی علم کے سامان بڑے زور و شور سے ہو رہے ہیں۔ بیحد کوشش کی جا رہی ہے۔ ہر فرد بشر کو خیال ہے کہ میرے بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کریں انگریزی پڑھیں۔ فارسی پڑھیں۔ سائنس پڑھیں۔ غرض ہر ایک علم میں ماہر ہوں۔ بہت سے اسکول بنائے گئے کہ جنمیں محض اپنی قوم کے طلبا پڑھیں۔ چنانچہ دو بڑے کالج بھی ہیں۔ علیگڈھ کالج اور اسلامیہ کالج۔ اِسمیں تو کچھ شک نہیں کہ تعلیم کیحالت روز افزوں ترقی پر ہے۔ مگر افسوس۔ ہم نے جڑ کو چھوڑ شاخوں پر ہاتھ بڑھائے ہیں۔ ہماری ترقی کا بہترین سامان یہ ہو سکتا ہے کہ اپنی لڑکیوں کو تعلیم دیں۔ ادب آداب سکھائیں۔ میری تعلیم سے محض یہی مراد نہیں کہ شُدبُد پڑھا کر کچھ لکھنا سکھایا تو بس بیٹی طاق ہو گئی۔ بلکہ ایسی ہی تعلیم ہونی چاہیے کہ جیسی لڑکوں کو ملتی ہے۔ کیونکہ اسی لڑکی کو کچھ عرصہ بعد چار پانچ بچوں کی ماں بننا ہے۔ اور انکی تربیت ماں کے ہاتھ میں ہے۔ اگر وہ پڑھی ہوئی ہوگی تو آپ تعلیم دے سکیگی۔ ورنہ بچے کو بچپن ہی سے لاعلمی کا ساتھ دینا ہوگا جب قوم کی ترقی محض تربیت و تعلیم دختراں پر ہے تو لڑکیوں کو تعلیم بچپن ہی میں دینی چاہیئے۔ اور کم از کم بارہ برس کی عمر تک تعلیم و تربیت کا بہت سا حصہ پورا کر دینا چاہیئے۔ تعلیم کا سب سے پہلا حصہ دینی تعلیم ہونا چاہیے مثلاً نماز۔ قرآن شریف۔ یعنی مذہب سے حسب ضرورت واقفیت ہونی چاہیے قرآن شریف

اگر ممکن ہو تو بامعنی پڑھانا چاہیئے تاکہ اس سے واقفیت ہو اور اپنے سچے
مذہب سے محبت ہو جائے۔ بعد ازاں انکو دوسری کتابیں حساب وغیرہ کی
پڑھائی جائیں۔ اگر لڑکی تعلیم حاصل کرے تو اسکا والدین کو بڑا فائدہ ہوتا ہے
گھر کا تمام انتظام اچھی طرح سے کرتی ہے۔ ہر ایک طرح سے گھر کو صاف و ستھرا رکھتی
ہے۔ ہر ایک چیز قرینہ سے لگاتی ہے اور روزانہ خرچ کا حساب باقاعدہ رکھتی ہے
سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کو ہر طرح خوش رکھنے
کی کوشش کرتی ہے۔ باپ کو وقت پر کھانا کھلاتی ہے۔ چائے پلاتی ہے
الغرض ہر ایک طرح کا آرام دیتی ہے۔ بعد ازاں جب شادی ہوتی ہے۔ اگر لڑکی
خواندہ ہوتی ہے تو تمام عمر اچھی طرح بسر کرتی ہے۔ اور اگر بی بی ناخواندہ اور
میاں خواندہ ہو تو بڑی دقت پیش آتی ہے۔ تکلیف کا زیادہ حصہ بی بی کو بھگتنا
پڑتا ہے۔ اگر بی بی میاں آپسمیں جدا ہوں اور بی بی کو ایسا کام پیش آجائے
کہ جو بغیر میاں کی مرضی کے نہ کرنا ہو تو وہ شوہر کی اجازت کس طرح منگوا سکتی
ہے۔ بالفرض اگر بی بی نے وہ کام کر لیا تو میاں کو بہت برا معلوم ہوگا۔ اگر
ایسی ہی خود سری سے کام لیا تو یہ آخر میں باعث رنج و ملال ہوگا۔ علاوہ
ازیں تعلیم یافتہ لڑکیوں کا سسرالوں پر اچھا اثر ہوتا ہے۔ کیونکہ ہر بات میں
انکی رضامندی کا خیال رکھتی ہیں۔ انکی مرضی کے خلاف تنکا تک نہیں ہلاتیں
البتہ بعض ایسے نکتوڑی بھی ہوتی ہیں کہ چار حرف پڑھ گئیں اور آسمان پر دماغ پہنچا
رعونت کی لڑائی ہر وقت کی جھک جھک وہ اپنے علم پر نازاں ہوتی ہیں۔ ساس بیچاری
لاعلم ہوتی ہے۔ اسکو یہ باتیں بری معلوم ہوتی ہیں تولاچار غریب کو بولنا پڑتا ہے

پھر یا تو خاوند کی بیوی سے بگڑ جائے گی یا بیٹے کی والدہ سے۔ خیر تو یہ میرا مراد نہیں کہ تعلیم ہی یہ بات سکھلاتی ہے بلکہ تھوڑی تعلیم ہمیشہ باعث خطرہ ہوتی ہے۔ پھر اگر خدانخواستہ خاوند فوت ہوجائے تو ان پڑھ عورت کے لیئے زندہ درگور والی بات ہے۔ اسکو دنیا میں صرف خاوند کا سہارا ہوتا ہے وہی دل کا بہلاؤ ہوتا ہے۔ اگر وہ بھی چلا جائے تو بس ختم شد۔ حالی صاحب نے کیا خوب تصویر کھینچی ہے۔ کچھ عرصہ ہوا میں نے پڑھا اب یہاں بھی لکھنے کے بغیر نہیں رہ سکتی ؎

روز کا غم کیونکر سہے کوئی — آس نہ جب باقی رہے کوئی
رہ گیا دے کر چاند دکھائی — چاند ہوا پر عید نہ آئی
رُت ہوئی پر پھول نہ برکھا — بادل گرجا اور نہ برسا
پھل کی خاطر برچھی کھائی — پھل نہ ملا اور جان گنوائی
ریت میں ذرّے دیکھ چمکتے — دوڑ پڑی میں جھیل سمجھ کے
چاروں کھونٹ نظر دوڑائی — پر پانی کی بوند نہ پائی

اگر لڑکی اچھی پڑھی ہوئی ہے تو وہ بیچاری جبر کرتی ہے۔ صبر کرتی ہے اور خدا کا شکر بجالاتی ہے کیونکہ وہ جانتی ہے کہ گریہ وزاری کا کچھ فائدہ نہیں ہوتا اسلیئے وہ دل کے بہلانیکے لیئے علمی شغلوں اور گھر کے کاروبار میں اپنے تئیں مصروف رکھتی ہے۔ اور گزر اوقات اچھی طرح سے کرتی ہے۔ اور اگر کوئی بچہ ہوا تو اُسکا بہت خیال رکھتی ہے۔ کوئی بات ایسی نہیں کرتی جو بچوں کو نقصان پہنچائے۔ جب بچے بڑے ہوتے ہیں تو اُنکو ادب سکھلاتی ہے

اور سب سے اشد ضروری بات یہ ہے کہ بچوں کو کبھی جھوٹی بات نہیں کہنی چاہیئے ہماری بعض بہنیں بچوں کو جب سُلانے لگتی ہیں تو اُنکو ڈراتی ہیں اور بھوت ڈرانے والی باتیں سناتی ہیں کہ جلدی سو جائے۔ بلی کا نام۔ ہوّے کا نام بڑا ہر دلعزیز ہے۔ بچوں کو ہمیشہ اِنکے حوالے کیا جاتا ہے۔ اِن باتوں کا اثر بچے کے دل پر یہی ہوتا ہے کہ طبیعت میں ڈر پیدا ہو جاتا ہے اور اُس کو جھوٹ بولنے کی عادت پڑ جاتی ہے کیونکہ جھوٹ ہمیشہ کمزور طبیعت والے آدمی بولتے ہیں ❖

راقمہ

مسز احمد سعید از بٹالہ

دربار صاحب امرتسر اِس رسالے کے ساتھ جو تصویر ہدیہ ناظرین کیجاتی ہے وہ پنجاب کے ایک نہایت مشہور شہر کی سب سے بڑی عمارت ہے۔ امرتسر نہ صرف صوبہ پنجاب کی تجارت کا ایک بڑا مرکز ہے بلکہ سکھوں کا ایک بڑا مذہبی مرکز بھی مانا جاتا ہے اور یہ خصوصیت اُسے اِسی عمارت کی بدولت جسکو "دربار صاحب" کہتے ہیں حاصل ہے اسکا انگریزی نام گولڈن ٹمپل "یعنی سنہری مندر" ہے کیونکہ اسکے مناروں اور گنبدوں کے کلس سنہری ہیں۔ ایک وسیع تالاب کے وسط میں ایک مکان ہے جہاں سکھوں کی مقدس کتاب یعنی گرنتھ صاحب بہت احتشام کے ساتھ رکھی ہے۔ اور اُس مکان تک پہنچنے کے لیے پانی میں محرابیں بنا کر چھت پاٹ دی ہے اور رستے بنا دیے ہیں اِن روشوں پر جب کبھی روشنی ہوتی ہے تو چراغاں کا عکس پانی میں عجب بہار دیتا ہے جبکہ وہاں پوجا پاٹ اور چڑھاوے کا وقت ہے اور کثرت سے ہندو اور سکھ زن و مرد وہاں جاتے ہیں ❖

کیا ہم غلام ہیں؟

۲۰۔ فروری کے تہذیب نسواں میں "ہماری غلامی" کے نام سے ایک مضمون چھپا ہے۔ جسکو دیکھکر مجھے بیحد تعجب اور افسوس ہوا۔ میں عرصہ دراز سے اِس اخبار کو شوق سے پڑھتی اور پسند کرتی ہوں۔ لیکن اگر ایسے مضامین اسمیں شائع ہونے لگے تو مجھے کیا بہت سی بہنوں کو اعتراض پیدا ہوگا۔ جہاں تک میرا خیال ہے۔ اڈیٹر صاحبہ مرحومہ کی زندگی میں کوئی ایسا مضمون اِس پرچہ میں نہیں نکلا جیسا یہ مضمون ہے۔ مضمون نگار نے اپنا نام نہیں بتایا ہے۔ مگر اِس مضمون کے ذریعہ عورتوں میں بے ضرورت بے چینی اور مردوں کے خلاف ایک بیجا شکایت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں آپکے ہاں اِس مضمون کا جواب لکھنا چاہتی ہوں۔ اور اِس سے میرا مقصد اخبار تہذیب کی شکایت نہیں ہے بلکہ اپنی بہنوں کو غلط خیال سے بچانا ہے۔

مضمون نگار نے یہ ظاہر کیا ہے کہ مردوں نے عورتوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے۔ اور عورتیں غلامی کی اتنی عادی ہوگئی ہیں کہ انکو اپنی غلامی کا خیال تک نہیں رہا۔ بلکہ وہ غلامی کے نشانات فخر اور خوشی کے ساتھ پہنتی ہیں۔ اُنکے زیور گویا طوقِ زنجیر ہیں گو سونے چاندی کے سہی اِس مضمون میں ہیں پر بس نہیں کی گئی۔ بلکہ لکھنے والی بہن نے یہ غضب کیا کہ

کہ عورتوں کے سر کے بالوں کو بھی غلامی کا نشان بتایا ہے۔ میں خیال کرتی ہوں کہ اپنی پڑھی لکھی اور سوچ بچار والی بہنوں کی کثیر تعداد کی طرف سے میں یہ کہہ سکتی ہوں کہ ہم غلام نہیں ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ ہماری حالت دنیا بھر میں ترقی کی محتاج ہے۔ لیکن اسپر بھی کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہم بالکل پرائی مرضی کے تابع ہیں۔ انگریز وغیرہ قوموں میں تو جو آزادی عورتوں کو حاصل ہے اور جو جو حقوق ہیں وہ ظاہر ہیں۔ مگر خود ہمارے ملک میں بھی ہر شریف گھر میں گھر کے اندر عورت کے بہت کچھ اختیارات ہیں جن کا اقرار نہ کرنا سراسر ناانصافی ہوگی۔ اور ان عورتوں کو جو گھروں کے سیاہ اور سفید کی مالک اور مختار ہیں۔ غلام کہنا پرلے درجے کی نادانی ہے۔

یہ اتنا وسیع مضمون ہے کہ اسپر بہت لمبی لمبی بحثیں ہو سکتی ہیں اور اگر تہذیب میں یہ غیر موزوں سلسلہ چلا تو مجبورًا مجھے بھی اس مسئلے پر مفصل بحث کرنی پڑے گی۔ لیکن فی الحال میں صرف ان دو خیالات کی نسبت کچھ کہنا چاہتی ہوں جو زیور اور بالوں کے متعلق ظاہر کیے گئے ہیں۔

کوئی شخص اپنی آنکھوں پر پٹی نہ باندھ لے تو اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ زیور زینت کے واسطے بنائے گئے ہیں۔ قدرت نے دنیا کا کارخانہ چلانیکے واسطے مرد اور عورت دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے پر اثر ڈالنے اور اُسکو اپنی طرف کھینچنے کا خیال پیدا کر دیا ہے۔ اور یہ سب بننا سنورنا جو مردوں عورتوں میں اپنی اپنی جگہ موجود ہے۔ یہ اسی خیال کا نتیجہ ہے۔ جو جو سجاوٹ جسکے ذہن میں آتی ہے اُس سے کام لیتا ہے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے

کہ جنگلی اقوام کی وہ عورتیں جو اپنے مردوں کے ساتھ باہر پھرتی اور برابری کی زندگی بسر کرتی ہیں وہ انکی غلام ہیں؟ مگر زیور دیکھو تو وہ بھی پہنتی ہیں اُنکے زیور بھدّے سہی مگر پھر زیور ہیں۔ دوسری طرف اُن قوموں کو دیکھو جو آجکل آزادی میں مشہور ہیں۔ تو انگریز لیڈیوں کو بھی زیور سے خالی نہیں دیکھا جاتا۔ گلے میں جواہرات کے ہار اور مالا کا رواج انکے ہاں بھی عام ہے کہیں کہیں کانوں میں دُر بھی چمکتے ہیں اور ہاتھ بھی باریک چوڑیوں اور خوبصورت انگوٹھی چھلوں سے زیب پاتے ہیں۔ انہیں سے پوچھا جائے۔ غلامی کا نشان سمجھکر پہنتی ہیں یا اپنی خوبصورتی کو دوبالا کرنیکے لیے۔ ان مثالوں کو دیکھتے ہوئے یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ اگر ہندوستانی بیبیاں زیور پہنیں تو یہ انکی غلامی کی نشانی ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ ہمارے ہاں دولتمندوں میں زیور سے اپنے آپ کو لادلینے کا رواج ہے۔ اور بعض زیورات ایسے ہیں کہ اُنسے تکلیف زیادہ ہوتی ہے اور زینت کم۔ تو اسکا علاج یہ نہیں کہ یہ کہدیا جائے کہ زیور بالکل چھوڑ دیا جائے۔ بلکہ یہ کہ اس رواج کی اصلاح کرو مثلاً بہت سے بھاری بھاری زیورات کی بجائے چند سبک اور خوبصورت زیور ہوں اور کوئی ایسا زیور نہ پسند کیا جائے جسکا پہننا جسمانی تکلیف کا باعث ہو اور یہ اصلاح زمانے کی رفتار خود بخود کرتی جاتی ہے۔ تھوڑی سی کوشش سے اسمیں اور بھی آسانی ہو سکتی ہے ۔

اب رہے بال۔ خدا ہماری اس قدرتی زینت کو سلامت رکھے اور وہ دن نہ لائے کہ عورتیں سر منڈی یا کٹے ہوئے بالوں پر ٹوپی پہنتی نظر آئیں

یورپ اور امریکہ کی جو مثال دیگئی ہے کہ وہاں اب اکثر عورتیں مردوں کی طرح بال رکھتی ہیں تو یہ بات صحیح نہیں ہے جتنی میمیں میں نے ہندوستان میں دیکھیں ان میں سے تو کسی کے بھی بال کٹے ہوئے نظر نہ آئے بلکہ یہ دیکھا کہ وہ اپنے بالوں کی ہم سے بھی زیادہ حفاظت کرتی ہیں۔ میں نے حال ہی میں اپنی ملنے والی ایک میم صاحبہ سے یہ پوچھا کہ آیا آپکے ملک میں اب عورتیں بال کٹانے لگی ہیں تو اُنہوں نے بہت تعجب اور کسیقدر رنجیدگی سے کہا کہ آپکے دلمیں ایسا خیال کیوں آیا۔ میں نے کہا کہ یہ خیال ہی نہیں بلکہ میں نے اسے ایک اخبار میں پڑھا۔ اِسپر وہ بولیں کہ یہ بالکل غلط ہے۔ شاید کہیں کوئی دس ہزار میں ایک عورت ایسی ہوتی ہوگی کہ جسکو ایسا خبط ہو سو اسے وہاں والیاں بھی بڑی سودائن سمجھتی ہیں اور مُنہ نہیں لگاتیں۔ میں نے کہا آپنے یہ بات بھی خوب بتادی ورنہ ہماری ایک بہن نے جسنے یہ مضمون لکھا ہے ایسی سودائنوں کو گلیلیو کا رتبہ دیا ہے جسنے دوربین ایجاد کی تھی۔ وہ لکھتی ہیں کہ جسطرح لوگ پہلے گلیلیو کو پاگل کہتے تھے اور اب مانتے ہیں کہ دنیا پر اُس کا احسان ہے۔ اسیطرح آیندہ زمانے میں اُن عورتوں کی بڑائی تسلیم کیجائیگی جو بال کٹا کر مردوں میں ملجائینگی۔ میم صاحبہ نے کہا کہ گلیلیو کی ایجاد نے تو انسان کو آسمان کے ستاروں کی سیر کرادی تھی مگر یہ بال کٹا کر اِس زمین کے حُسن کو بھی خراب کرنا چاہتی ہیں۔ مَیں نے کہا کم ازکم غلامی سے عورتوں کو آزاد کرنے کا تو اُنہیں دعویٰ ہے۔ میم صاحبہ نے جواب دیا کہ اِن لوگوں نے جو ایسی باتیں لکھی ہیں آزادی کے معنی تک نہیں سمجھے۔ اور اگر آزادی اِسیکا نام ہے جو وہ سمجھتی ہیں تو آپکی موجودہ حالت

آفرینش الٰہی کی حکایات

زمین کی دوسری حکایت

زمین کہتی ہے کہ کسی نے میری سالگرہ نہیں کی جو میں اُسکو جانتی کہ کیا ہوتی ہو اس لیئے میں اپنے موالید ثلاثہ یعنی حیوانات و نباتات و جمادات کی سالگرہ نہیں کرسکتی کہ ٹھیک ٹھیک بتلاتی کہ کب یہ خاک کا پتلا انسان میرے پیٹ سے پیدا ہوا اور کب درخت میری چھاتی کا دودھ پی کر کھڑے ہوئے جنہوں نے اپنی کلیوں اور پھولوں کو کھلایا اور میٹھے کھٹے کڑوے کسیلے پھلوں کو اوروں کو چکھایا۔ اور گلستاں بوستاں لگا کے دنیا میں فردوس کو دکھایا۔ کب سیم و زر و جواہر و فلز میرے کلیجہ کو کھا کر پیدا ہوئے اور باہر آن کر گوش و گردن عروس کے زیب و زیور بنے۔ میری ساری اولاد میں انسان بڑا سپوت ہے جو میرے حقیقت حال کی جست وجو میں ہمیشہ تگاپو کرتا پھرتا ہے۔ جب حقیقت حال کی آگاہی میں اسکی رسائی نہیں ہوتی تو حکیمانہ افسانے اور شاعرانہ ڈھکوسلے بڑے دلچسپ بنا دیتا ہے جنکے سننے سے دل خوش ہوتا ہے۔ اُن میں سے چند میں سناتی ہوں +

افلاطون جو حکما کا سرتاج ہے مجھ میں کہتا ہے کہ روح یا نفس ہے۔ اُسکو لذائذ روحانی کا ایسا چسکا پڑا ہوا تھا کہ مجھ مٹی کے ڈھیر کو بھی روح سے خالی نہ رکھا گو یہ مسئلہ اسکا اسکے خیالات کے جزیرے میں چلا مگر نفس الامری واقعات کے ٹاپو میں اسکو کسی نے قدم نہیں رکھنے دیا۔ ایک شاعر ہی سہی اور سے اُسکی رائے

میرے باب میں یہ ہے کہ میں لنب کے بیضۂ عظیم سے اس طرح پیدا ہوئی ہوں کہ آکاش میں رات پڑی پھرتی تھی آسمانی سانڈنے سینگوں سے اُس کے انڈے کو توڑ دیا جس سے نکلکر میں پیدا ہوئی۔ پھر ایک اور حکیم نے اس انڈے کی صحیح صحیح ساخت اور صورت کو بتایا ہے کہ وہ قاز کے انڈے کے مشابہ تھا پھر بڑے بڑے حکمار نے اس عجیب پرندے کے انڈے کے کھٹکنے پر اور اسکی کھنک کی آواز سننے پر بڑے بڑے حاشیے چڑھائے ہیں اور اُسکے اسرار بتائے ہیں جو ایک حکیم سے دوسرے حکیم تک سینہ بسینہ چلے آئے ہیں +

برہمن اپنے شاستر کی کتابوں میں یہ کتھا بکھانتے ہیں کہ شیوجی نے بڑے سور کی صورت میں اوتار لیا۔ اور تاہ پانی میں کودے اور اُسکے اندر سے پرتھوی یعنی مجھ کو اپنی تھوتھنی پر اُٹھا لائے +

ایک حکمار کا گروہ کہتا ہے کہ آسمان سے ایک حاملہ عورت نیچے گری اُسکے وضع حمل سے میں نے جنم لیا جسکے سبب میں پانی کے اوپر آگئی +

اعظم میری اصل کو یوں بیان کرتا ہے کہ میں اصل الاصل آتشی تھی جو جرم آفتابی سے دمدار ستارہ کی رگڑ سے اس طرح جدا ہوگئی جیسے کہ چقماق اور لوہے سے شعلہ جدا ہوتا ہے +

حکیم ویٹ سن میری آفرینش بتانے میں اپنی ذہانت اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ میں اصل میں ایک دمدار ستارہ غیر منتظم تھی جو انسان کی آبادی کیواسطے منتظم بنائی گئی +

ڈاکٹر ڈارون میری آفرینش میں اپنی آتش خیالی یہ دکھاتے ہیں کہ آکاش میں

کوئی جسم عظیم دفعتہً پارہ پارہ ہوکر اُڑا جیسے کہ بارود کا پیپہ اُڑتا ہے اسکے اُڑنے سے آفتاب بنایا۔ اور آفتاب نے اپنے تشنج سے اسیطرح مجھے اُڑایا غرض اِن اُڑان سے تمام اجرام فلکی پیدا ہوئے ہیں +

ایک اور حکیم آتشی مزاج دمدار ستارہ کو دنیا میں بم کے گولے کی طرح پھینک کر میری پیدایش بتاتا ہے +

میری آفرینش کے باب میں جو اقوال اور مسائل حکما کے ہیں وہ جاہلانہ ہیں۔ سقراط کی یہ رائے سچ ہے کہ حکما ایک قسم کے دیوانوں و مجانین کا نام ہے جو شراب تو نہیں پیتے مگر اِن باتوں کے دریافت کرنے میں کوشش کرتے ہیں جو کسیطرح سمجھ میں نہیں آتیں۔ اِسلیئے بہتر یہی ہے کہ میری آفرینش کو انسان اِس طرح مانے جسطرح حضرت موسیٰ کی توریت میں لکھا ہے کہ خدا نے زمین کو پیدا کیا۔ خدا نے کچھ نہیں بتلایا کہ مجھے کیونکر اُسنے پیدا کیا۔ اُسنے معدوم سے مجھی موجود کیا جسکی کوئی مثال دنیا میں نہیں ہے کہ کیونکر معدوم سے کوئی چیز موجود ہوتی ہے دنیا میں ایک موجودات سے دوسرے موجودات بنتے ہیں حکما خواہ متقدمین ہوں یا متوسطین یا متاخرین۔ جب اُنکے سر میں تخمیر دماغ سے یہ جنوں پیدا ہوتا ہے کہ وہ اپنی عقل وذہن کے گھوڑوں کو اُن اسرار کے انکشاف کے میدان میں دوڑاتے ہیں جن کا ادراک قدرت بشری سے باہر ہوتا ہے تو وہ ٹھوکر کھاکر اوندھے مُنہ گرتے ہیں اور مجمل و مہمل معنی گھڑتے ہیں کہ جنکو نہ وہ خود سمجھتے ہیں نہ کوئی اور سمجھتا ہے +

تم کو یہ سنکر تعجب ہوگا کہ میں عطارد اور زہرہ اور مشتری اور مریخ و ماہ و مہر کی سگی بہن ہوں میرے اور اُنکے آباو اجداد ایک ہی ہیں۔ مجھے لوگ عالم سفلی بناکر

عالم علوی سے ذات باہر نہیں کر سکتے۔ جیسے اور ستارے آفتاب کے جلو میں اُسکے گرد پھرتے ہیں میں بھی پھرتی ہوں مگر اِس مضمون کا سمجھنا تمہاری سمجھ سے فی الحال باہر ہے اسلئے میں نہیں بیان کرتی۔ انشاءاللہ پھر کبھی بیان کروں گی فقط   باقی آئندہ   ذکاءاللہ

ہوا

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

ہوا ایک نہایت ہلکی چیز ہے۔ لیکن تاہم اسمیں وزن ہے۔ ایک بڑے کُپّے کو ڈاٹ لگا کر وزن کر لو اور بعد ایسے کُپّے کے اندر کی ہوا کو نکال کر وزن کرو تو کُپّے کا وزن گھٹ جائے گا۔ جسقدر وزن کم ہوگیا اسکو سمجھ لو کہ وہ ہوا کا وزن ہے جو کُپّے کے اندر بھری ہوئی تھی۔ اسطرح کے ہزاروں تجربے ہیں جنسے ہوا میں وزن کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ایک انچ چوڑی اور ایک انچ لمبی جگہ پر ہوا کا وزن ساڑھے سات سیر پڑتا ہے۔ اس حساب سے تم کو سن کر حیرت ہوگی کہ ہوا کا وزن ایک اوسط قد کے آدمی پر ۳۸۵ من پڑتا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آدمی کی ہڈیاں دب کر چور کیوں نہیں ہو جاتیں چونکہ ہوا کی داب آدمی کے جسم پر اندر باہر دائیں بائیں ہر طرف سے پڑتی ہے اور ہوا تمام مسامات میں داخل ہو کر گزر جاتی ہے۔ اسلیئے ہمکو اسکی کوئی خبر تک نہیں ہوتی۔ زمین کی سطح پر ہوا کا وزن پورا پڑتا ہے اسلیئے کہ نیچے کی ہوا اوپر کی ہوا سے دبی ہوئی ہے۔ لیکن جتنا اوپر جاؤ ہوا کی داب ہلکی پڑتی جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ اونچے پہاڑوں پر ایک ذرا سی آنچ سے پانی میں اُبال آجاتا ہے اور یہ کیا اگر پانی کے اوپر کی ہوا کو آلات کے ذریعہ سے اُٹھالیں تو بلا آنچ کے پانی کھولنا شروع کرتا ہے۔ اگر تم اس تجربے کا تماشا دیکھنا چاہو تو ہوا کش ایک آلہ ہوتا ہے اُسکو منگا کر دیکھ لو۔

پُرانے لوگوں نے ہوا کو مفرد اور بسیط مانا تھا۔ اور اُن کا خیال تھا کہ ہوا بذاتِ خود ایک چیز ہے اور اُس میں کسی دوسری چیز کی ملاوٹ نہیں ہے لیکن ۱۷۷۴ء میں یہ بات غلط ٹھیری اور جدید تحقیقات سے ثابت ہو گیا کہ ہوا کی ترکیب میں بہت سی چیزیں داخل ہیں اور چیزوں کا نام بھی تمہیں آگے بتاؤں گا۔ پہلے ہوا کے جزو اعظم کے نام سن لو۔ وہ دو ہیں ایک کو نائٹروجن (شورجیہ) اور دوسرے کو آکسیجن (حموضیہ) کہتے ہیں ان دونوں گاس یا ہواؤں کی خاصیتیں ایسی جداگانہ ہیں کہ اُنکے دو مختلف قسم کی ہوا ہونے سے کوئی انکار نہیں کر سکتا آکسیجن گاس ایک طرح کی تیزابی ہوا ہے جو ہر چیز کی ترکیب کیمیاوی میں ملجاتی ہے۔ انسان اور جانوروں کی زندگی اسی گاس پر موقوف ہے آکسیجن یا حموضیہ کو حیوانات کی روح سمجھو۔ جتنی چیزوں کو جلتی ہوئی دیکھتے ہو وہ آکسیجن کی مدد سے جلتی ہیں ہوا میں آکسیجن نہ ہو تو کبھی شعلہ پیدا نہو اور تمھاری شمع ہرگز نہ جل سکے۔ نائٹروجن گاس دوسری قسم کی ہوا ہے۔ اسکی خاصیت آکسیجن کی خاصیت سے بالکل اُلٹی ہے۔ آکسیجن جسقدر تیز ہے نائٹروجن اُتنا ہی بودا ہے آکسیجن جلاتا ہے نائٹروجن جلتی ہوئی چیزوں کو بجھا دیتا ہے۔ قدرت نے نائٹروجن کو آکسیجن کی روک کے لیئے پیدا کیا ہے۔ ہوا میں اگر نائٹروجن نہوتا تو بجلی کا شعلہ زمین تک اُتر آتا۔ اور ایک چراغ کی لو بڑھکر ساری دنیا کو گھیر لیتی اور کل چیزیں جلکر خاک ہو جاتیں۔ غرض یہ دونوں گاس ہوا کے جزو غالب ہیں ہوا کی ترکیب میں بہ لحاظ ضخامت کے نائٹروجن کی مقدار آکسیجن کی چوگنی ہے چار حصہ نائٹروجن اور ایک حصہ آکسیجن کے ملنے سے ہوا بنی ہے۔ سائنس والوں نے زمین

کے ہر حصہ کی ہوا کو جانچا ہے۔ لیکن یہ دونوں گاس اسی مقدار میں ملی ہوئی پائی جاتی ہیں۔

ہوا کی ترکیب میں دو چیزیں اور داخل ہیں جنکو تم دیکھ نہیں سکتے ایک تو پانی کی بھاپ ہے۔ دوسری اک زہریلی ہوا ہے جسکو کاربونک ایسڈ گاس کہتے ہیں تمکو اچنبا ہوگا کہ ہوا میں پانی کی بھاپ کہاں سے آئی۔ میں بتادوں خیال کرو جسوقت چاول اُبالا جاتا ہے تو تم نے دیکھا ہوگا کہ ہانڈی سے گرم گرم اُجلی بھاپ اُڑتی ہے اور پھر تھوڑی دور ہوا میں جاتے جاتے نظروں سے غائب ہوجاتی ہے اور تم نہیں بتا سکتیں کہ اُجلی اُجلی بھاپ کا مرغولہ جو پیچ کھاتا ہوا نکلا تھا کیا ہوگیا۔ تمہارا خیال ہوگا کہ وہ دنیا سے معدوم ہوگیا ہرگز نہیں وہ اِسی جگہ تمھارے پاس موجود ہے ہوا میں ملکر صرف اُس نے اپنی صورت تبدیل کرلی ہے۔ جسکی وجہ سے تم اُسکو اب نہیں دیکھ سکتی ہو دنیا میں کوئی چیز بالکل فنا نہیں ہوجاتی۔ جس شئے کو تم خیال کرتی ہو کہ وہ برباد ہوگئی اور وہ اب دنیا میں نہیں ہے اُسکی محض صورت تبدیل ہوجاتی ہے لیکن اُسکا وجود دنیا میں باقی رہتا ہے۔ اگر اُدھن کو برابر آنچ دیئے جاؤ تو سارے کا سارا پانی جلکر غائب غلہ ہوجائے گا اور ہانڈی خالی رہجائے گی۔ تم سمجھ سکتی ہو کہ وہ پانی جلکر کیا ہوا۔ آگ کی گرمی سے پانی بھاپ بن کر ہوا میں جاملا جس کی وجہ سے وہ نظروں سے غائب ہوگیا۔ لیکن وہ کل پانی اسیطرح موجود ہے اُسکا ایک ذرہ بھی معدوم نہیں ہوا۔ غرض اسیطرح سورج کی گرمی سے نہر جھیل تالاب اور بڑے بڑے ذخار سمندروں کا پانی بھاپ بن کر اُڑتا ہے اور ہوا میں

موجود رہتا ہے جب تک یہ بھاپ ہوا کی صورت میں رہتی ہے ہم اسکو نہیں دیکھتے ہیں لیکن میں تم کو آگے چلکر بتاؤں گا کہ یہی بھاپ پھر ابر۔ کہرا۔ پانی اوس یا برف کی صورت میں نمایاں ہوتی ہے۔ ہوا میں پانی کی بھاپ نہ ہو تو کوئی چیز تازہ اور شاداب نہ رہے۔ نباتات خشک ہوجائیں اور حیوانات کی زندگی محال ہوجائے۔

پانی کی بھاپ جو ہوا میں ملی ہوئی ہے اسکا حال تو تم کو معلوم ہو چکا اب کاربونک ایسڈ گاس کو ذہن نشین کر لو یہ اک زہریلی ہوا ہے جو کاربن (دھواں) اور آکسیجن کے ملنے سے بن جاتی ہے۔ قدرت نے اسی ہوا کو نباتات کی پرورش کے لیئے پیدا کیا ہے۔ درخت پودے ساگ پات اسی ہوا سے اپنی غذا پاتے ہیں۔ پتوں میں ہوا سے کاربن یعنی دھوئیں کو جذب کر لینے کی قدرت ہے۔ پتیاں درختوں کی زبانیں ہیں جنسے وہ اپنی غذا کھاتے ہیں سورج کی حرارت سے جب ہوا گرماتی ہے تو پتیاں کاربونک ایسڈ کے کاربن کو چوس لیتی ہیں جو درختوں کا جزو بدن ہوکر پھل پھول چھال اور لکڑی کی ترکیب کیمیاوی میں داخل ہوتا ہے۔ لیکن جب درخت یا پودے مرجاتے ہیں اور اُن کا جسم گل سڑ جاتا ہے تو ہوا کا کاربن پھر ہوا میں ملجاتا ہے لیکن تم جانتی ہو کہ حیوانات کی غذا نباتات پر موقوف ہے۔ جانور درختوں کی پتیاں گھاس پات کھاتے ہیں اور آدمی پھل ترکاری اور غلہ کھاکر زندگی بسر کرتے ہیں اور اس طریقہ سے کاربن عالم نباتات سے عالم حیوانات میں داخل ہوتا ہے لیکن حیوانات کے مرجانیکے بعد جب اُن کے جسم کی ترکیب کیمیاوی

بگڑ جاتی ہے تو کاربن ہزاروں پُر حیرت تبدیلیوں کے بعد آزاد ہو کر ہوا میں واپس آتا ہے اور یہ سلسلہ برابر جاری ہے۔

ہم لوگ جسوقت سانس لیتے ہیں تو آکسیجن جسم میں داخل ہوتا ہے اور خون میں ملکر روح بن جاتا ہے مگر جب سانس باہر آتی ہے تو اس سے کاربونک ایسڈ گاس نکلتی ہے جو ہمارے لیئے ایک زہریلی ہوا ہے۔ اسلیئے مکانات کے پاس درخت یا پودوں کا ہونا ایک نہایت مفید بات ہے جسقدر زہریلی ہوا ہمارے سانس سے خارج ہوتی ہے درخت اُسکو نوش کر جاتے ہیں۔ تم نے دیکھا کہ کاربونک ایسڈ گاس کی درختوں کو کتنی ضرورت ہے۔ لیکن باوجود اسکے قدرت نے اس زہریلی گاس کی مقدار بلحاظ ضخامت کے ہوا میں نہایت کم رکھی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ شاید دس ہزار حصوں میں ایک حصہ ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ ہوا کی ترکیب میں چار گاس یعنی آکسیجن نائٹروجن پانی کی بھاپ اور کاربونک ایسڈ داخل ہیں جو خصوصیت کیساتھ قابل ذکر ہیں ان اجزا کے ایک ساتھ ملنے سے ہوا بنی ہے۔ ہر ایک جز جُدا جُدا ہے کوئی کسیکے ساتھ ترکیب کیمیاوی کی ڈھب سے نہیں ملا ہے۔ علاوہ ان کے اور چیزیں بھی ہوا میں ملی ہوتی ہیں۔ جنکو تم دیکھ سکتی ہو۔ اور وہ مٹی۔ نمک۔ پتھر یا دھات کے ننھے ننھے ذرے ہیں جو ہوا میں اُڑتے پھرتے ہیں۔ سورج کی کرن جب کسی تاریک کمرے میں آکے داخل ہوتی ہے تو ان چھوٹے چھوٹے ریزوں کا تماشا نظر آتا ہے۔

(باقی دارد)

سید لمعت حسین بی اے۔

سوکن کا جلاپا

گزشتہ اشاعت سے آگے

ارمان یہ تھا کہ کسیطرح میرے بھیتیجے جی ذاکر کا گھر بس جائے۔ تقدیر کی کیا خبر تھی کہ وہ بدنصیب اس مصیبت میں پھنس جائیگا۔ رات بھر پڑا روتا ہے۔ بہتیرا سوچتی ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کیا کروں کیا نہ کروں۔ آدھا بھی تو نہیں رہا۔ کسی دن اُسکے بیان سنو کلیجہ کٹتا ہے! اِن بیوی کو سب طرح سمجھا ہاری انکی طرف سے جواب صاف ہے۔ اپنی زندگی کا بھروسہ نہیں آدمی آدھی رات اسی جھگڑے میں گزرجاتی ہے۔ بلا سے اَور کچھ نہیں تو اتنا تو کرلو کہ بدقسمت کے پیٹ میں دونوں وقت پکی پکائی تو پڑ جایا کرے یہ تو نہ ہو دن بھر کا تھکا ہارا شام کو گھر آیا تو چراغ بھی جلا نصیب نہیں!

بے ایمانی ہوگی اگر یہ نہ بتایا جائے! گمانی لاکھ بھوکی دشمن خون کی پیاسی سہی مگر وہ بیٹیوں کی ماں بڑوں سے سُنتی آئی "مت کر ساس بُرائی تیرے بھی آگے جائی"۔ یہ ارادہ اُسکے دلمیں کبھی نہیں ہوا کہ بیٹے کا دوسرا نکاح کر بہو پر سوکن لا بٹھاؤں! مگر خدا کی مار ایسی ماتا پر۔ اِس ذاکر کمبخت کے کارن جو کچھ نہ کرنا تھا سب ہی کچھ کرگئی! وہ تو نفس کا بندہ تھا۔ کوئی مرے یا جیئے اُسکی بلا سے۔ شاکرہ کی بھانجی نصیرہ کی لڑکی امینہ ذہن میں تھی سلطانہ کی معرفت ماں سے کہلوا دیا۔ میری زندگی چاہو تو جس طرح بھی ہو نکاح کی سبیل اُس سے ایک کردو!

گمانی کیسی ہی بے رحم کتنی ہی سنگدل کیوں نہو۔ پھر بھی جاندیدہ عورت زمانہ کا نشیب فراز دیکھے برتے خوب سمجھتی تھی کہ نصیرہ کے ہاں پیغام دینا مُنہ پر جوتیاں کھانا ہے! اگو کچہری عدالت ہوئی۔ آپسمیں چپقلش ہی۔ مگر رتی بھر ناتا نہ گاڑی بھر آشنائی ایسے کیا خون سفید ہوگئے کہ نصیرہ محمودہ پر بیٹی دیدے گی! کچھ دن تک تو ٹالتی رہی مگر ذاکر کی یہ کیفیت دیکھ کہ جب اندر آیا۔ اٹوائی کھٹوائی لے پڑرہا۔ اُسکی جان پر بنی ہوئی تھی جھنا مکار رہنا یا سونا۔ بس یہی دو کام تھے۔ ماں کے بیحد اصرار بہن کے بہت سر ہونے سے دستر خوان پر بیٹھ گیا۔ دو چار نوالے کھائے اور اُٹھ کھڑا ہوا! میر شریف اور گمانی دونوں میاں بیوی ذاکر کی اس حالت سے دل ہی دل میں سہمے جاتے تھے اِسکے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور یہ ہی کیا کہ بی گمانی بیٹے کا پیغام لیکر نصیرہ کے ہاں گئیں!

یہ خبر ہمکو بھی ہے کہ امینہ دو برس کی بیاہی رانڈ ہو چکی تھی اور اب اُسکو کوارا لڑکا ملنا آسان بات نہ تھی! جوان جان اور پہاڑ سی زندگی کا کاٹنا مصیبت کا سامنا تھا! برس سوا برس سے نصیرہ نے بتیری ہی تلاتوپ ڈالی مگر بر نہ جُڑنا تھا اور نہ جُڑا! تاہم مُنہ پر آنکھیں بھی تھیں تھوڑی بہت عقل بھی دیکھ سکتی تھی کہ اس چیونٹیوں بھرے کباب اور سمجھ سکتی تھی کہ اس خانہ خراب سے جب محمودہ ہی جیسی بیٹی کو فلاح نہوئی تو کسکو ہوگی۔ اور اگر ہوئی بھی تو ایک ادھ ایک بھی اپنا گود پیٹ اُسکو مصیبت میں ڈال آپ خوش ہونا کس خدا نے بتایا ہے! مگر وہ پھلپھلی تو ادھ ہی کھانے بیٹھی تھی [illegible]

سوکھے دھانوں میں پانی پڑ گیا! جوڑے چڑھاوے کا فیصلہ ہو گیا تاریخ ٹھہر گئی!

مصیبت زدہ محمودہ ایسی بدنصیب نکلی اور کچھ ایسی منحوس گھڑی کی بیاہی گئی کہ ایک دن بھی چین کا نہ گزرا! ساس نندوں کی زیادتی۔ میاں کا ظلم۔ سسر کا غصہ۔ پانچ چھ آدمیوں کے ستم اور ایک اکیلا دم رات بھر اپنی تقدیر کو روتی مگر کیا صبر کی بندی اور شکر کی بیٹی تھی کہ ایک حرف شکایت کا زبان پر لائی دل میں درد اٹھتا کلیجہ میں ہوک اٹھتی۔ زور تھا تو آنکھوں پر۔ روتی اور چپ ہو رہتی۔ سوا ڈیڑھ ہی سال میں نصیب نے ایسا پلٹا کھایا کہ یا لالوں کی لال تھی۔ یا وبال جان ہو گئی۔ محمودہ کی یہ حالت دیکھ کر خدا کی قدرت یاد آتی تھی۔ ایک وہ وقت تھا کہ گھنٹوں خوشامدیں ہوتیں! شاکرہ کھانا لیے لیے پیچھے پھرتی اور آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتی۔ ایک آج کا دن تھا کہ روکھی سوکھی چٹنی اُبالی سب امرت تھی جو ملگیا نعمت سمجھا۔ شکر کیا اور کھا لیا! نوبت یہاں تک پہنچی کہ کپڑوں میں پیوند لگ گئے! دس دس پندرہ دن سر ہوئے ہو جاتے اور ایک پیسہ کا تیل نصیب نہ ہوتا۔ پے در پے رنج اور متواتر صدمات نے مردہ بنا دیا۔ سوکھ کر کانٹا ہو گئی۔ آنکھوں میں گڑھے پڑ گئے! جاڑے کا موسم بخار کی شدت کوئی پھٹی پرانی رضائی ملگئی اوڑھ کر پڑ رہی! دو دو تین تین وقت صاف گزر جاتے اور کھیل کا دانہ اڑ کر منہ میں نہ جاتا! وہ رات جس کی صبح کو ذاکر کا دوسرا نکاح تھا آخر بدنصیب محمودہ کے سر پر آ پہنچی! آدھی رات تڑپ تڑپ کر گزاری! سوچتی تھی کہ مجھ سے زیادہ

بدنصیب کون ہوگا جو تھوڑا بہت سہارا تھا وہ بھی آج ختم ہوتا ہے جیسے ہی ناراض کتنے ہی فرنٹ تھے پھر بھی میاں تھے۔ کبھی نہ کبھی تو میل جاتا آتاہی۔ آج ساری امیدوں کو آگ لگی۔ اب یہ کہاں اور میرا خیال کہاں۔ ایک بجے کے قریب اٹھی۔ وضو کیا۔ نماز پڑھی۔ جانماز پر بیٹھے بیٹھے آپ ہی آپ باتیں کرنے لگی! خدا نہ کرے ایسی بدنصیب بیٹی ہو جیسی میں۔ کسی کو دو چار دن کا رنج صدمہ ہوتا ہے۔ میری ساری عمر ہی برباد ہوئی۔ الٰہ العالمین آج مجھ بے گناہ کی حمایت لینے والا تیرے سوا کون ہے۔ اماں کہانی میں کہتی تھیں ستا سنسار جاگتا۔ پاک پروردگار آج وہ مثل مجھ پر اصل ہے! رات کا سنسان وقت ہے۔ گھر بھر پڑا سوتا ہے اور یہ تیری لونڈی محمودہ تیرے دربار میں حاضر ہے۔ اے میرے پروردگار میری التجا قبول کر۔ میری فریاد سن میرا پردہ ڈھانک۔ مجھے موت دے!

آنسو پہلے ہی زار و قطار بہ رہے تھے۔ اتنا کہتے ہی ہچکی بندھ گئی! ساتھ ہی خیال آیا۔ میں مر گئی تو اس میرے لال کی مٹی کیسی ویران ہوگی خبر نہیں کس کس کی جوتیاں اسکی تقدیر میں ہیں! ماتا کا جوش بھرا ہوا دل! اٹھی بچے کو گود میں لیا۔ پیار کیا۔ لپٹ گئی۔ اُسکے ننھے ننھے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاکر کہنے لگی! اے بے نیاز مصیبت ماری کا بچہ کلیجہ کا ٹکڑا آنکھوں کا تارا تیرے سپرد ہے۔ تجھ سے اچھا نگہبان تجھ سے بہتر پالنے والا کون ہوگا! آہ زندگی کی کمائی دنیا کا حاصل عمر بھر کا اثاثہ یہ ایک ننھی سی جان ہے جو تیرے سپرد کرتی ہوں تو ہی اسکا وارث تو ہی اسکا مالک ہے

خدا قبول کر میری دعا منظور فرما!

محمودہ بچہ کو سینے سے لگائے گڑگڑا رہی تھی کہ پھوپھی اور بی گمانی نے جوڑا چڑھاوا تیار کیا۔ پہلو میں دل اور دل میں درد رکھنے والے سمجھ سکتے ہیں محمودہ بے گناہ پر اسوقت کیا گزر رہی ہوگی۔ گم سُم۔ اپنے کمرہ میں آبیٹھی اور سوچنے لگی اسوقت خدا کے سوا کون ہے جو میری مدد کرے۔ امّاں کی تو ہڈیاں بھی گل کر خاک ہو گئیں۔ زندہ ہوتیں تو دیکھتیں کہ بھائی بھاوج کے ہاتھوں مجھپر کیسی بپتا پڑی! ہائے کسکو بلاؤں کس سے کہوں کلیجہ اُمڈا چلا آتا ہے!

محمودہ یہ ہی سوچ رہی تھی کہ ماما نے آکر کہا ذرا اپنے پتے اُتار دو! یہ وہ پتے تھے جو محمودہ کو ماں اور نانی دونوں کی نشانی جان سے زیادہ پیارے تھے نانی نے شاکرہ کو اور شاکرہ نے محمودہ کو دیئے! دل کے ٹکڑے پہلے ہی اُڑ رہے تھے۔ ماما نے اتنا کہکر کلیجہ ہی توڑ دیا! ماما صورت دیکھکر چُپ ہو گئی!

کیسی بیکسی کا وقت تھا۔ پاؤں تلے کی چیونٹی بھی جان کی دشمن تھی ماما اتنا حکم دے واپس چلی گئی۔ اور کہدیا وہ نہیں دیتیں!

ماما کا اتنا کہنا تھا کہ ذاکر چیختا ہوا اُٹھا اور پھنپھناتا ہوا بیوی کے سر پر آکر کہنے لگا!

تیرے بدن میں کیوں آگ لگی ہے پتے کیوں نہیں دے دیتی۔ کیسی نیک لڑکی کی بیٹی تھی حسرت سے میاں کو دیکھا اور بالیوں کی گونجیں کھولنی شروع کیں۔

(باقی آئندہ) راشد الخیری

بیکس لڑکی

خزاں کے موسم میں صبحدم کچھ عجیب حسرت برس رہی تھی
گھرے تھے بادل تمام عالم پہ اور بجلی چمک رہی تھی
ہوا کچھ ایسی تھی سرد چلتی کہ لرزہ دیتی تھی دل کو پیہم
پرند پتوں میں چھپ رہے تھے پھوار کچھ کچھ برس رہی تھی
تمام راہیں پڑی تھیں خالی خموشی عالم پہ چھا رہی تھی
حسین نوعمر ایک لڑکی قدم سڑک پر بڑھا رہی تھی
دل اُسکا غم سے بھرا ہوا تھا عجیب حسرت سے رو رہی تھی
نمی تھیں آنکھیں گلاب کا پھول اور آہ سینے سے اُٹھ رہی تھی
وہ عالم بیخودی میں سرمست ایک مدفن کی سیدھ باندھے
اور اس بھیانک جگہ میں تنہا عجب نڈر پن سے جا رہی تھی
ہر ایک تربت پہ سبز چادر گیاہ و گل کی بچھی ہوئی تھی
کہیں پہ لالہ اگا ہوا تھا کہیں پہ نرگس جھکی ہوئی تھی
وہ ڈر سے ہانپتی لرز رہی تھی مگر دلیری سے چل رہی تھی
جہاں پہ سروؤں کی صف کھڑی تھی ہاں وہ جلد ہی جا کے پہنچی
اور اپنی حسرت بھری نگہ سے تمام کتبوں کو پڑھ کے دیکھا
پر ایک کتبہ کو اُسنے پڑھ کے بہت ہی حسرت سے آہ کھینچی
عجیب رقت تھی اُس پہ طاری کھڑی وہ یوں بین کر رہی تھی
کہ جسکی آہ و فغاں کو سُن کر سر ہلا کے نرگس بھی رو رہی تھی

عالمِ نسواں

بہن سلطان بیگم صاحبہ پشاور چھاؤنی سے اطلاع دیتی ہیں کہ پہلی فروری کو یہاں ایک اسلامیہ زنانہ انجمن قائم ہوئی ہے اور اسکے متعلق ایک ریڈنگ روم بھی کھولا گیا ہے۔ ہر جمعہ کو بیبیاں ریڈنگ روم میں جمع ہو کر اخبار رسالے اور کتابیں پڑھتی ہیں۔ مذہبی کتابیں بھی پڑھی جاتی ہیں۔ اس انجمن کے چندہ سے ۱۱ جنوری ۱۹۰۹ء کو ایک زنانہ سکول بھی کھل گیا ہے۔ جہاں تھوڑے ہی عرصہ میں خاصی تعداد میں لڑکیاں جمع ہو گئی ہیں۔ روز دو چار آجاتی ہیں۔ اگر اس طرح سلسلہ جاری رہا تو انشاء اللہ تعالیٰ اسلامیہ زنانہ سکول جلدی ترقی کرے گا۔

حال میں لیڈی کاؤس جی جہانگیر نے پرنسس میری وکٹوریا جمخانہ بمبئی میں جہاں مستورات کیلئے ورزش کے تمام سامان مہیا کیے گئے ہیں مس کلارک صاحبہ کو ایک ایٹ ہوم (پارٹی) دی۔ کوئی ڈھائی سو کے قریب یوروپین۔ پارسی۔ ہندوستانی بیبیاں مدعو تھیں۔ حاضرین میں لیڈی ہیور سیکنڈری ہر ہائینس بیگم صاحبہ آف سچین دلشاد بیگم صاحبہ ہر ہائینس لیڈی آغا خاں لیڈی پٹیٹ۔ لیڈی کریم بھائی مسز ناٹا رانی لکشمی بائی۔ لیڈی مہتا۔ مس کرسٹ جی اور دیگر معزز خواتین تھیں لیڈی جہانگیر اور مس کرسٹ جی نے تمام ممبروں سے تعارف کرایا مس کرسٹ جی نے مختصر الفاظ میں مس کلارک کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہمیں امید ہے کہ مس کلارک ہمارے اس جمخانہ میں ضرور دلچسپی لینگی۔ کیونکہ اس جمخانہ کو قائم

کرنیسے یہ مقصد ہو کہ نہ صرف یورپین اور ہندوستانی بیبیوں میں میل ملاقات کو بڑھایا جائے بلکہ ہندوستان کی مختلف اقوام کی بیبیوں سے بھی راہ و رسم زیادہ ہو اور یہ بھی غرض ہو کہ اس محفوظ مکان میں ان کھیل اور ورزشوں کو بھی رواج دیا جائے جو عموماً کھلے میدانوں میں کھیلے جاتے ہیں۔ مس کلارک نے جواب میں اس تقریب تمام حاضرین بیبیوں سے ملنے پر خوشی ظاہر کی اور آیندہ بھی کبھی کبھی تشریف لانیکا وعدہ فرمایا ؛

زنانہ نمایش دستکاری کے متعلق جو گزشتہ دسمبر میں بمقام امرتسر ہوئی جن خواتین کو اُنکی محنت کے صلہ میں طلائی اور نقرئی تمغے تقسیم کیے گئے اُنکی فہرست ذیل ہے۔ ایک افغان خاتون کو ریشم کی کڑھائی پر۔ مسز ایس بی رضا اللہ (پشاور) کو کلابتون کے کام پر۔ مسز عزیز الدین (کوئٹہ) کو بلوچی کرتے کی کڑھائی پر۔ زنانہ اسٹور دہلی کو اُسکے نفیس اور قابل قدر نمونوں پر۔ آرٹ سکول جام نگر کو ریشم کی کڑھائی اور سوزن کاری کے نمونوں پر اور مس سردار مشیر احمد خاں کو سوزن کاری طلائی تمغے دیے گئے۔ اور مس نور محمد (حیدرآباد سندھ) کو ریشم کی کڑھائی پر۔ مسز ایم یوسف (حیدرآباد سندھ) کو کلابتون کے کام پر۔ مس ایچ ایس وائی (حیدرآباد سندھ) کو سفید کلابتون اور سلمے کے کام پر۔ ایک سندھی خاتون کو سفید کلابتوں کی کڑھائی پر۔ مس میاں عبدالعزیز امرتسر کو سوزن کاری کے مجموعی پر۔ نارمل گرل سکول علیگڈھ کو متعدد نمونوں پر۔ الکزنڈرا گرلز ہائی سکول امرتسر کو متعدد نمونوں پر۔ میونسپل بورڈ گرلز سکول امرتسر کو متعدد نمونوں پر۔ گرلز اسکول کپور تھلہ کو متعدد نمونوں پر۔ گرلز انڈسٹریل سکول دہلی کو کار آمد زنانہ کفش پر۔ بھنڈ گرلز اسکول ساچیورہ کو متعدد نمونوں پر

فہرستِ مضامینِ رسالہ عصمت

مارچ سنہ ۱۹۰۹ء

عصمت

صبح سویرے اُٹھنا

ہم ناقص العقل عورتوں میں جہاں اَور بہت قابلِ اصلاح نقص ہیں وہاں دن چڑھے سو کر اُٹھنا بھی ہے گو یہ عادت مردوں میں بھی موجود ہے "تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو"۔ یہ تو ظاہر ہے کہ خداوند کریم نے ہم کو دن کام کاج کے واسطے اور رات آرام کے واسطے عطا فرمائی کیونکہ اگر دن بھر کی سخت محنت اور مشقّت کے بعد دماغ کو آرام نہ پہنچتا تو چند ہی روز میں بالکل بیکار ہو جاتا لیکن ضرورت سے زیادہ آرام کرنا جسم کے اُس بڑے حصّہ کو جو بدن کا سردار سمجھا جاتا ہے یعنی دماغ بالکل انیدکر دیتا ہے۔ موٹی سی بات ہے کہ تمام دِن ہمارے دلوں میں اور دماغوں میں ہزاروں قسم کے تفکّرات اور پریشانیاں موجود رہتی ہیں۔ لیکن رات کو جب نیند قلب و دماغ کو راحت پہنچا دیتی ہے تو صبح کو دونوں چیزیں بالکل تر و تازہ ہوتی ہیں۔ پچھلے خیالات منتشر ہوتے ہوتے ہیں اور جب تک

پھر دوبارہ آکر نہ سما جائیں دماغ میں اچھے کاموں کے کرنے کی قابلیت موجود ہوتی ہے۔ مگر نیند جو ایک طرف تازگی دماغ کا بہت اچھا ذریعہ ہے دوسری طرف تمام خوبیاں زائل کر دینے کے واسطے نہایت بدتر مرض۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک بہت اچھی غذا کیسی ہی لذیذ کیوں نہ ہو مگر جب مقدار سے زیادہ کھائی جائے تو سخت تکلیف دہ ہے۔ حکما نے صحت برقرار رکھنے کے واسطے زیادہ سے زیادہ آٹھ گھنٹے تجویز کئے ہیں۔ اس سے زیادہ سونا نہایت مضر ہے۔ ایک اور بات غور کرنے کے قابل ہے۔ اگر دماغ زیادہ رنج و غم میں آلودہ نہیں ہے تو جائز استراحت کے بعد خود ہی انسان کو چونکا دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے اکثر سویرے اٹھ بیٹھتے ہیں۔ لیکن اُن ماں باپ کے سایۂ عاطفت میں جو دھڑلے کے سونے والے ہیں رفتہ رفتہ بچے بھی نیند کے متوالے ہو جاتے ہیں۔ مذہب جو نیکیوں کا سرچشمہ ہے اگر غور کرو تو ہم کو ایسی اچھی اچھی باتیں بتا رہا ہے جسکے میٹھے پھل اسی دنیا میں ہمارے واسطے موجود ہیں میرا خیال تو یہ ہے کہ دنیا بھر میں جتنے مذہب ہیں سب میں صبح سویرے اُٹھنے کی تاکید ہو گی۔ کیونکہ دن بھر کی زندگی کی بھلائی اور برائی کا دارومدار اسی پر ہے۔ اسی واسطے ہمارے ہاں صبح کی نماز مقرر کی گئی۔ گرمی کے موسم میں گرمی گھمس مچھر پسو وغیرہ کی وجہ سے گھنٹوں نیند نہیں آتی۔ بڑی مشکل سے خدا خدا کر کے جب کہیں ذرا ہوا سرسرائی تو آنکھ لگ گئی۔ ایسی حالت میں علی الصباح اُٹھنا

بہت ہی ناگوار معلوم ہوتا ہے لیکن جو بیبیاں سویرے اُٹھنے کی عادی اور نماز کی پابند ہیں اگرچہ کسی تو انکو بھی ہوتی ہوگی مگر جس طرح اُن کا دن گذرتا ہے وہ دیکھئے دن بھر چونچال اور خوشحال سُستی الکساہٹ نام کو نہیں۔ ہاتھ پاؤں کام کرنے کو مستعد اور محنت کرنے کو تیار۔ برخلاف ان کے وہ اللہ کی بندیاں جو نو دس بجے کے قریب سو کر اُٹھیں کچھ دیر تک سر جھاڑ مُنہ پھاڑ پلنگ ہی پر بیٹھی نیند کا ماتم کرتی رہیں گھر میں جھاڑ دنہ بہار و فرش پر جھونئے پھر رہے ہیں۔ برتنوں پر مکھیاں بھنک رہی ہیں۔ بمشکل تمام منہ دھویا۔ اب اُن کا دن دیکھو افیمیوں کی طرح پینک میں بیٹھی ہیں۔ عہدیوں کی مانند یہاں پڑ گئیں وہاں بیٹھ گئیں۔ جمائیوں پر جمائیاں انگڑائیوں پہ انگڑائیاں۔ ہاتھ پاؤں ہیں کہ سُن پڑے ہیں! گھر ایسا گھر والی ایسی رے گئے کا کیا خاک بیٹھنے کو جی چاہے۔ آدھ گھنٹہ کا بیٹھتا دن ہی مٹ بیٹھ کر سیدھا ہولیا! یہ تمام خرابیاں فقط دن چڑھے سو کر اُٹھنے سے ہیں۔ یہی بیویاں جو دیر تک سونے کی عادی ہیں۔ ایک دن تو سویرے اٹھ کر بھی دیکھیں کہ دن بھر کیسی طبیعت خوش رہتی ہے۔ اور گھر گھرستی کے دھندے کیسی مستعدی اور چالاکی سے کرتی ہیں۔ خاصکر کنواری لڑکیوں کے واسطے تو یہ مرض بہت ہی بُرا ہے اُنکو ایک ایسی جگہ جانا ہے جہاں کی بُرائیاں تو بُرائیاں بھلائیوں پر بھی نکتہ چینی ہوگی اگر اُن میں ابھی سے یہ عیب پڑ گیا تو بدنامی اور نقصان کے علاوہ سخت تکلیف ہوگی! گرمی میں بھی اور جاڑے میں بھی نماز کے بعد جب بچیاں قرآن شریف پڑھتی

ہیں اور اُنکی آوازیں دُور دُور جاتی ہیں توکیسی اچھی معلوم ہوتی ہیں۔ سُننے والوں کے دلوں میں بھی اس گھر کی ایک خاص وقعت پیدا ہوتی ہے! پیاری عزیز بہنوں! سویرے اُٹھنے میں اگر آلکسی آئے تو یہ سوچا کرو کہ جس چیز کا نام رات تھا وُہ تو سوکر گذار دی اب تھوڑی سہی دیر اُس کا بھی ذکر کریں جسکے بیشمار احسان ہمارے اوپر ہیں اور جو دین و دُنیا کا مالک اور ہمارا پیدا کرنے والا ہے!

آے دل اُٹھ! اور

کوئی گھڑی تو ہوش و خرد سے بھی کام لے
وقتِ سحر قریب ہے اللہ کا نام لے

بلقیس

برٹینی کے بعض حصوں میں ایک عجیب شادی کی رسم رائج ہے۔ بعض تہواروں کے دنوں میں شادی کے قابل لڑکیاں سُرخ سائے پہنکر آتی ہیں جنکے گرد سفید یا زرد مغزی لگی ہوتی ہے۔ اس مغزی سے وُہ تعداد جہیز جو باپ اپنی دختر کی شادی میں دینے والا ہے ظاہر ہوتی ہے۔ ہر سفید مغزی سے یکصد فرانک سالانہ کی آمدنی ظاہر ہوتی ہے اور زرد پٹی سے ایک ہزار سالانہ فرانک کی آمدنی معلوم ہوتی ہے۔

فرانس میں یہ شادی کی عجیب رسم ہے۔ خاوند سے اقرار لیا جاتا ہے کہ وُہ بی بی کے ماں باپ کو اُنکے بڑھاپے کی حالت میں روٹی کپڑا دیگا اور اسی طرح بی بی سے کہ وُہ خاوند کے ماں باپ کی پرورش کریگی۔

قیصر

مُہذّب گھر

جنوری کا مہینہ صبح سات بجے کا وقت ہے۔ اُس سڑک کے کنارے پر جو شہر سے سٹیشن کو جاتی ہے ایک چھوٹا سا بنگلہ نظر پڑتا ہے جس کے ساتھ ہی تین چار کوٹھریاں غلام گردشیں شاگرد پیشہ لوگوں کی ہیں ان کوٹھریوں کے بیچ میں ایک بڑا برآمدہ ہے جس میں ایک معمولی درجہ کی عورت جو حیثیت سے ملازمین بنگلہ کی عورات میں سے معلوم ہوتی ہے کھڑی یُوں کہہ رہی ہے :

عورت - ارے حمید پانی گرم ہو گیا ہے بچے اُٹھے ہونگے غُسل کرانا ہے ۔ جلدی پانی لیکر بنگلہ میں جاؤ !

حمید - اماں جاتا ہوں پانی تو ٹب میں ڈالدیا ہے صرف غُسل کرانا باقی ہے ۔

یہ کہکر لڑکا فوراً بنگلہ کے برآمدے کی سیڑھیوں پر چڑھ گیا اور دائیں جانب کے کمرے میں جاکر سفید پلنگڑیوں پر سے تین بچوں کو اُٹھایا جنکی عمر ۳ اور ۷ سال کے درمیان تھی۔ انکو لیکر غسلخانہ کا پردہ اُٹھایا وہاں گیا اور بچوں کو تیار کرنے لگا۔

دیکھیں دُوسرے کمرے میں کیا باتیں ہو رہی ہیں - ایک جنٹلمین سنگار میز کے آگے کھڑے بال بنا رہے ہیں اور ساتھ ہی دُوسری میز

کے سامنے ایک نوعمر لیڈی زیور درستی سے پہن رہی ہے۔

جنٹلمین۔ ماہ جبین تم آج کس وقت مہمان لیڈیوں کو بلاؤ گی؟

ماہ جبیں۔ کل دعوتی رقعہ میں ۴ بجے شام کا وقت دیا تھا آپ بھول گئے۔

جنٹلمین۔ ہاں یہ تو بتاؤ کہ اور سب تو آئینگی کیا ڈپٹی صاحب کی بیگم صاحبہ نے بھی دعوت منظور کی؟

ماہ جبیں۔ پہلی دفعہ تو یہی جواب ملا تھا کہ ہم کہیں نہیں جاتے۔ لیکن خدا خوش رکھے مس عباس علی کو اُنہوں نے کسی نہ کسی طرح راضی کر ہی لیا ہے۔

اتنے میں مُلازم نے اطلاع دی کہ چار تیار ہے۔ یہ دونوں یہاں سے نکل چھوٹے برآمدے میں ہوتے ہُوئے کھانے کے کمرے میں آئے جہاں بچے پہلے ہی موجود تھے سب چار پینے لگے۔ جنٹلمین جنکا نام رفیق احمد تھا۔ تینوں بچوں کو پیار کر کے کہنے لگے پیارے بچو! آج تم سب کو چار کی میز پر دیکھ کر میں بہت خوش ہوا۔ اسی لیے یہاں سرزمین میں آنے کی تکلیف گوارا کی تمہارے ساتھ ملکر چار پیونگا ورنہ حسب معمول وہیں پیتا۔ میں بہت خوش ہوں کہ تم نے اِس گئے ہفتے میں اپنے آپ کو اس قابل کر لیا کہ ساتھ چار پی سکے۔ میں اس لیاقت کے انعام میں آج تمہارے چھوٹے دوستوں کو پارٹی دونگا۔ (ہنسکر بیوی کی طرف دیکھ کر) اور اس لیاقت کے انعام میں کہ تم نے بچوں کی ضدیں اس ہفتے میں کم کر کے اُنہیں لائق بنایا۔ تمہارے لیڈی دوستوں کی ڈنر پارٹی کی اجازت دیتا ہوں۔ تم اپنے بیٹے کی آٹھویں سالگرہ کی خوشی میں سہیلیوں کو کھانا کھلاؤ

بیوی - شکر ہے میں بچوں کو قابل بنا پائی تب اتنا رسوخ تو حاصل ہوا کہ سہیلیوں کو کھانا دوں لیکن انکی خرابی مزاج کی وجہ کیا تھی - آخر یہ بھی تو بتاؤ کیا میں نے کہا تھا کہ دو ماہ کے لئے گھر سے الگ محض جاہل پھوپھی کی تربیت میں رہنے کو بھیجدو جس کا نتیجہ آئندہ مجھے بھگتنا پڑا - اس خرابی سے درست کیا ہے کہ میں ہی جانتی ہوں -

میاں - بیشک درست - یہ قصور سراسر میرا ہے لیکن کیا کریں مجھ سے بدلحاظی نہیں ہو سکتی - تم کو منع کر دینا تھا - ان قسم کی باتوں میں چا ختم ہوئی - مسٹر رفیق تو چا سے فارغ ہو کر دفتر میں جا بیٹھے اور بیوی تینوں بچوں کا ہاتھ پکڑ کر باغیچہ میں چلیں جو بنگلے کے ساتھ ہی چھوٹے سے قطعہ زمین پر اپنی ہنرمندی سے بنایا تھا بڑا لڑکا بولا جس کا نام شفیق تھا - اماں جان اب تو مجھ میں کوئی برائی نہیں نا - جتنے سبق بھول گئے تھے سب یاد ہیں - جو ضدیں اکرام اور محسن نے ہمیں سکھا دی تھیں وہ بھی بھول گئے -

لڑکی صفیہ - اماں : اب ہم کبھی پھوپھی جان کے گھر نہ جائینگے وہاں جاکر بری عادتیں پڑجاتی ہیں - ہم وہاں دن کے ۱۰ بجے اٹھنے لگے تھے -

اماں - بیٹی ! تمہیں خبر ہے آج تمہارے بھائی عتیق کی سالگرہ ہو تمہاری سہیلیاں آئینگی تم تمام دن کوشش کر کے وہ چیزیں تیار کر لو جو بنا رہی ہو تاکہ تمہارا کیا ہوا کام میں وہاں سجا کر تمہاری سہیلیوں کو دکھاؤں -

صفیہ - اچھا اماں جان میں کرلونگی وہ جو چڑیا بنائی ہے تمام بن چکی ہے بئیے کا گھونسلا تھوڑا باقی ہے ابھی کرتی ہوں - بچے لپنے اپنے کام میں

لگے۔ گھر کی لکہ یعنی ماہ جبین بیگم رفیق احمد اپنے گھر کی طرف آئیں۔ کھانے کا بندوبست کرایا۔ کمرے صاف کرا کے درستی سے سامان کیا۔ جس وقت شام کے ۲ بجے خود اپنے کمرے میں ڈریس ہونے گئیں۔ یہ بی بی ساڑھی باندھتی تھیں۔ آج گلابی مرینے کی ساڑھی اور ریشمی بلاڈی پر سیاہ گرم کوٹ پہنا۔ پھر بچوں کو تیار کیا۔ یوں تو لڑکے بھی گرم سوٹوں میں اچھے لگتے تھے۔ لیکن پیاری صفیہ بھوسلے رنگ کے گرم فراک میں بہت اچھی اور پیاری معلوم ہوتی تھی ہاتھوں میں لکڑی کی سلائی تھی اُن سے کچھ بُن رہی تھی۔ بچوں کے لئے بڑے برآمدے میں پارٹی کا سامان کیا تھا جس کے سامنے باغیچہ تھا اور مہمان لیڈیوں کے لئے بھی کرسیاں اسی جگہ رکھی تھیں تاکہ وہ بھی بچوں کی پارٹی کی بہار دیکھیں۔ ٹھیک ۴ بجے مسز رفیق احمد معہ اپنے بچوں کے وہاں آبیٹھیں۔ مہمان بچوں کا انتظار کرنے لگیں یکے بعد دیگرے کئی گاڑیاں آئیں جن سے ننھے بچیاں اُترے کئی ننھے اناؤں کی گودیوں میں آئے قریبا ۲۰ بچوں کے آچکے تھے کہ سامنے سے ایک انگلش لیڈی معہ تین چار بچوں کے پیدل آتی نظر پڑی جونہی قریب پہنچی۔ مسز رفیق کھڑی ہو گئیں۔ ہاتھ ملا کر کہا:

مس ٹیڈگر! یہ کیا؟ آپ پیدل کیوں ہیں۔ کیا گاڑی کہیں راستہ میں چھوڑ دی آپ کا مکان بہت دور ہے۔ اتنا کیسے چلیں؟

مس ٹیڈگر۔ ہاں اسوقت تو پیدل ہی ہوں۔ وجہ یہ کہ میں اور

بچے عرصہ آٹھ دن سے اچھے نہ تھے اِس سبب پھرنے کو نہ جاسکے آج ہی نکلے ہیں کہ ذرا پیدل چلکر پاؤں کھولیں۔

مسز رفیق۔ اور سب کب آینگے ؟ ساتھ نہ آنے کی وجہ ؟

مس ٹیلر۔ آتی ہی ہونگی۔ اوّل چار پر دیر لگ گئی۔ پھر سوچا کہ شاید ڈپٹی بیگم نہ آئیں سب اس طرف چلے گئے کہ اُنکو لاینگے۔ اچھا اب سب کو پیار پیارو بہت بھوکے ہیں۔

مسز رفیق۔ صفیہ چھوٹی صفیہ ! اِدھر آؤ تمہارے سب دوست آگئے ہیں۔ ان سے ملو اور پیار دو۔

صفیہ حاضر ہوئی۔ مَیں اِدھر احمد بی سے مل رہی تھی۔ یہ بیچاری بہت بیمار رہی ہیں۔

صفیہ نے ان سب سے ہاتھ ملائے آپس میں ایک دوسرے سے ملے اور سب کو لیکر چار کی میزوں پاس گئے۔ چھوٹی کرسیاں نیچے میزوں کی گرد لگی تھیں۔ یہ سب بیٹھے ہی تھے کہ گھڑ گھڑاتی ۳-۴ لینڈو گاڑیاں آئیں اور یکے بعد دیگرے معزز مہمان بیبیاں اُترنے لگیں۔ مسز رفیق ہر ایک کو خندہ پیشانی مل کر اندر بھیجتی جاتی تھیں۔ خود برآمدے کے زینہ پر کھڑی تھیں۔ جس وقت سب اُتر پڑیں مس عباس علی نے مسز رفیق کا ہاتھ پکڑ کر کہا : مسز رفیق ! آپ اِدھر آیئے۔ بیگم صاحبہ کو اُتروالیں۔ اُنہوں نے جلد جاکر گاڑی سے اُتروایا۔ سب کو برآمدے میں لے آئیں۔ چونکہ سب واقف تھیں۔ انٹروڈکشن کی ضرورت نہ پڑی۔

خورشید۔ مسز رفیق: دیکھیے ہم انکو لے آئے۔ انعام لوائے۔

مسز رفیق۔ میں تمہاری ذرا مشکور نہیں ہوں۔ اگر یہ نہ آتیں تو تم کیسے لاسکتی تھیں۔ اصلی مشکور انکی ہوں۔ جنہوں نے غریب خانہ پر تشریف لاکر مجھ عاجزہ کو اعزاز بخشا۔

بیگم صاحبہ۔ نہیں اعزاز کاہے کا ہے۔ ملنے ملانے کا دستور ہی ہے۔ ہمارے ہاں ذرا رواج کم ہے اس لئے تامل تھا۔ یہ گاڑی لیگئیں میں بھی چلی آئی۔ اچھا اب بچے کیا کرینگے۔ سالگرہ والا بچہ کہاں ہے؟

مسز رفیق۔ ہاتھ پکڑ کر سب کو بچوں کے حلقے میں لے آئیں جہاں صفیہ اپنے گورے چٹے پتلے (کیونکہ کبھی مٹی سے نہ کھیلی تھی) ہاتھوں سے چاء بنا رہی تھی

بیگم صاحبہ۔ آپ اس کا ہاتھ ہٹائیں۔ بیچاری کے ننھے ننھے ہاتھ بھی تھک جائینگے۔ کہیں چاء گر گرا پڑی تو ہاتھ جل جائیگا۔

مسز رفیق نہیں بیگم صاحبہ میں اسکو مدد نہ دونگی۔ پچھلے سال تک جب اس کی عمر ۶ برس کی تھی میں خود بنایا کرتی تھی۔ اب اس پر تمام بار ڈالتی ہوں۔ تاکہ یہ خود کرنے کی قابلیت حاصل کرسکے۔ اوّل ان سب نے چاء کا سامان دیکھا پھر بچوں کو باغیچہ میں پھرنے کے لئے جانے کو کہا اور صفیہ سے فرمایش کی کہ تم اپنے دوستوں کو یہ بھی بتاؤ کہ آج یہ پارٹی کیوں آئی ہے؟

صفیہ- بہت اچھا- سب بیٹھ گئے تو بیگم صاحبہ نے کہا یہ کس طرح بتائیگی-
مسز رفیق- دیکھیے کیسے بتاتی ہے- بیچاری بیگم صاحبہ حیران ہوتی تھیں- اُن کے بچے اپنے خالہ نانی سے بھی بولتے شرماتے تھے یہ بھرے مجمع میں کھڑی ہوکر یوں بولی- امّاں جان: میں اپنے دوستوں ہی سے کہوں یا بڑی بیگمات سے بھی خطاب کروں-
خورشید- نہیں تم اپنے دوستوں سے کہو-
صفیہ- اچھا-

میرے پیارے بھائی اور بہنوں! میں سب سے پہلے اِن صحبت کا شکریہ ادا کرتی ہوں- آپ سب میرے پیارے بھائی عتیق کی سالگرہ میں شریک ہونے کو اس سردی کے وقت اپنے اپنے گرم کمروں سے نکل کر یہاں آئے ہیں- آج میرے بھائی کی سالگرہ ہے- خیر سے میرے بھائی کی آٹھویں سالگرہ کا دن ہے- خدا کا شکر ہے اُس نے لیاقت کے ساتھ اپنی عمر کے آٹھویں سال میں قدم رکھا- اس خوشی میں شریک ہونے کو آج آپ کو تکلیف دی گئی- آپ سب دُعا کریں کہ یہ میرا بھائی علمی قابلیت کے ساتھ اسی طرح اپنی عمر کے بیسواں سالوں میں قدم رکھتا جائے- آمین-

جب اُس نے آمین کہا سب بچے یک زبان ہوکر بولے آمین جس سے برآمدہ گونج گیا- پھر یہ سب باہر چلے گئے-
بیگم صاحبہ تعجب ہے ذرا سی بچی کیسی ہوشیار ہے-

خورشید۔ جناب! یہ تربیت پر منحصر ہے۔ جیسے اُٹھان اُٹھائی
جائے ویسا ہی ہوتا ہے۔ دیکھئے کل کا ذکر ہے کہ ہمارے بچے
مشن ہسپتال کی طرف چلے گئے۔ وہاں جاکر نرس سے کہا کہ ہمیں بیمار
بچوں کا کمرہ دکھاؤ۔ وہ اُنہیں بچوں کے کمرے میں لے گئی۔ جہاں پندرہ
بیس بچے بیمار پلنگ پر پڑے تھے۔ جن پر ایک ایک کمبل تھا۔ حالانکہ
سردی ایسی سخت ہے۔ ہمارا احمد ایک ایک کے سرہانے گیا اور پوچھتا
رہا کہ تمہیں سردی تو نہیں لگتی۔ جب اُنہوں نے بیان کیا کہ اس ایک
کمبل میں سخت سردی لگتی ہے پر کیا کریں۔ ہمارے ماں باپ نہیں جو اور
دیں۔ بیچارے لڑکے کی حالت دیکھ کر احمد رو پڑا اور دریافت کیا کہ
کیوں نہیں انکو زیادہ کپڑا ملتا۔ اُنہوں نے بیان کیا کہ ہسپتال فنڈ میں
اتنا روپیہ نہیں کہ کمبل خریدے جائیں۔ ہم خود اس فکر میں ہیں۔ یہ بچے
وہاں سے سخت رنجیدہ آئے۔ چار بھی نہ پی۔ سارا حال بیان کیا اور
کہا ہم چار نہ پئینگے۔ جب تک کہ اُن کا بندوبست نہ کرلیں۔ ہم ہنستے
رہے کہ اس جا سے بندوبست نہ ہوگا۔ تم اپنے کپڑے دیدو یا اپنے
گھوڑوں کے کمبل۔ اس پر یہ ناراض ہوگئے۔ فوراً اپنے کمرے میں
چلے گئے اور ایک خط میری والدہ صاحبہ کو لکھ کر نوکر کے ہاتھ بھیجا ہم سب
ایک جگہ ہی بیٹھے تھے۔ اس پرچہ کا مضمون یہ تھا: جنابہ مکرمہ! ہم اجازت
چاہتے ہیں کہ آج ایک ایک چٹھی اپنے دوستوں کو بھیجیں اور کل دوپہر کو
اُنکو بلا کر کچھ صلاحیں کریں یقیناً درخواست منظور ہوگی۔ ہم ہیں آپکے خادم بچے۔

ہم حیران ہوئے۔ امّاں جان نے جواب لکھوایا۔ تمہیں اجازت دیتی ہیں۔ خوشی سے میٹنگ کرو۔ چنانچہ ان سب نے اسی وقت بچاؤں چٹھیاں لکھ کر رات کے کھانے کے وقت سے پہلے پہلے نوکروں کے ہاتھ بھیج دیں۔ رات کے کھانے پر نہ آتے تھے بُلایا تو سب نے کھانا اپنے کمرے میں منگا لیا۔ صبح کو معلوم ہوا کہ کھایا نہ تھا۔ صبح کی چا بھی نہ پی۔ مَیں نے کمرے میں جا کر دیکھا تو ایک پرچہ ملا جس پر لکھا تھا: پیارے دوست! ہم کل ایک صلاح کرنی چاہتے ہیں۔ ٹھیک ۱۲ بجے جو گرمی کا وقت ہے سب یہاں آکر مشورہ کرو۔

مَیں سمجھ گئی یہی وہ پرچہ ہے جس کی نقل دوستوں میں تقسیم ہوئی ہم نے میٹنگ کا بندوبست کر دیا۔ دوپہر کو باغ میں درختوں کے سایہ میں کُرسیاں بچھوا دیں۔ ہم نے اپنی نشست بھی قریب ہی رکھی جب سب دوست بجے آچکے تو میرا احمد اُٹھا۔ بیچ میں کھڑے ہو کر یُوں تقریر کی۔ جس کی نقل میں نے فوراً لکھ لی جو میری جیب میں ہے۔ دیکھئے۔

بیگم صاحبہ۔ پڑھ کر سُنا دو۔

(باقی آئندہ)

ایک نئی انجمن

خوشی کی بات ہے کہ ۱۹ ماہ حال کو بروزِ جمعہ نمازِ ظہر کے بعد زنانہ اسلامیہ
میں ایک جلسہ ہوا۔ یہ جلسہ جس میں خواتین کی تعداد سو کے قریب تھی
نہایت خوبی سے انجام پایا۔ اس موقعہ پر مسز محمد اکرام نے ذیل کا
مضمون لکھکر بیبیوں کے سامنے پڑھا۔

میری معزز بہنوں! آج آپ سب یہاں ایک نہایت مبارک ک
کی بنیاد رکھنے کے لئے جمع ہوئی ہیں۔ یعنی ہم دہلی کی مسلمان مستورا
کی ایک انجمن قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مردوں کے واسطے اس شہر میں بہ
سی انجمنیں موجود ہیں۔ جو اپنی اپنی جگہ بہت عمدہ کام کر رہی ہیں لیکن
عورتوں نے کبھی علم کی کمی کے سبب سے ایسے کاموں کی طرف توجہ نہ
کی۔ کچھ عرصہ ہوا۔ چند روشن خیال بیبیوں کی کوشش سے ایک زنانہ کل
قائم ہوئی۔ جہاں ہم دوسرے مذاہب کی تعلیم یافتہ بہنوں سے ملت
ہیں۔ اس کلب کے کئی کامیاب اور دلچسپ جلسے ہوئے ہیں۔ لیکن اس
بڑا مقصد صرف میل جول کا بڑھانا اور مختلف قوموں کی خاتونوں کو ا
دوسرے کے پہچاننے کا موقعہ دینا ہے۔ یہ کام بہت مفید کا
ہے۔ اور ہم سب کو اس کی تائید کرنی چاہیئے۔ لیکن ہماری بعض ضرور
ایسی ہیں۔ جن کے واسطے مسلمان شریف بیبیوں کا خود آپس میں اکثر
رہنا بہت ضروری ہے۔ اور وہ بغیر اس کے نہیں ہوسکتا کہ ہم ملکر ایک انج

قائم کریں جس میں علاوہ میل ملاپ کے کوئی خاص مفید نتیجہ ہماری مسلمان بہنوں کے لئے نکلے۔ اس سے تو کسی کو انکار نہیں ہوسکتا۔ کہ آجکل تعلیم میں بھی اور دولتِ دنیا میں بھی مسلمان سب سے پیچھے رہ گئے ہیں جس قدر کوشش انکو کرنی چاہیئے اور کسی کے واسطے ضروری نہیں۔ لیکن تعجب کی بات ہے کہ سب سے کم کوشش اُنکے ہاں کی جاتی ہے۔ وقت ایسا ہے کہ کیا مرد کیا عورتیں سب اپنی حالت سنوار لیں۔ اپنی اولاد کی بہتری اور آئندہ نسلوں کی ترقی کی کوشش کریں۔ اور حالت یہ ہے کہ دونوں ہی اپنی جگہ اپنے فرض سے غافل ہیں۔ مردوں میں تو پھر بھی تھوڑی بہت جان نظر آتی ہے۔ اور کبھی کبھی ہم خانہ نشینوں کے کانوں تک بھی اس ترقی کے شور و غل کی آواز آجاتی ہے۔ جو مرد اپنی انجمنوں میں بلند کرنے لگے ہیں۔ اور صرف شور و غل ہی نہیں کچھ نہ کچھ کام بھی ہو رہا ہے۔ جس کی اُڑتی سی خبر اخبارات ہم تک بھی پہنچاتے ہیں۔ لیکن انکا کام ادھورا اور انکی کوششیں بیکار ہیں۔ جب تک ان کے گھر والیاں گھروں کے اندر انکی امداد پر آمادہ نہ ہوں۔ مرد بیچارے اکیلے کیا کیا کر سکتے ہیں۔ فرض کرو انہوں نے ایک جلسہ کیا اس میں بڑے بڑے مولوی اور لیکچرار، دور دور سے بلائے ہوئے لوگ سُننے کو جمع ہوئے بڑے بوڑھے گئے اور واہ واہ کر آئے اوّل تو جو اثر ہوا وہاں کا وہیں چھوڑ آئے اور اگر کچھ ساتھ لائے بھی تو گھر میں آتے ہی اُڑ گیا۔ وہ بیوی کو حال سنانا چاہتے ہیں اور بیوی برادری کے فضول جھگڑے

اور ہمسائیوں کی کمی بُرائیاں اکٹھی کر کے بھری بیٹھی ہے۔ کہ آتے
ہی میاں کو سُنائے۔ بچے اپنے اپنے دُکھڑے لیئے الگ رہ رہے
ہیں کسی نے بہت کیا لڑکوں کو جلسہ میں ساتھ لے گیا۔ کہ وُہ بھی
وعظ سُن آئیں۔ مگر اوّل تو وُہ بیچارے مولویوں کے وعظ کو سمجھ کیا
سکیں۔ دُوسرے لڑکیوں کو کیا خبر کہ مولوی صاحب نے بچوں کو
کیا نصیحت کی۔ اِس کا علاج فقط یہی ہے کہ بیبیاں گھروں میں اُس
خدمت کو اپنے ذمہ لیں جو مردوں نے باہر اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔
وُہ اپنے میاں کے علم اور تجربہ سے فائدہ اُٹھائیں اور اپنے ننھے
لڑکوں لڑکیوں کے لیئے خود مُعلّم بنیں۔ خود مولوی خود واعظ لیکن
موجودہ حالت میں یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اوّل تو پڑھی لکھی بیبیاں ہیں
کتنی دوسرے جو ہیں وُہ زیادہ سے زیادہ خود چُھپکے چُھپکے اپنا جی بہلا
سکتی ہیں۔ اِتنی ہمت تو نہیں کہ چار بہنوں میں بیٹھ کر اپنے خیالات
انہیں سُنائیں۔ اپنے علم سے اُنہیں فائدہ پہنچائیں۔ بہنوں کا
جلسہ کر کے تقریر کرنا یا لکھکر کوئی مضمون پڑھنا اس کا انہیں کوئی موقعہ
ہی نہیں ملا۔ پس اس انجمن کا پہلا مقصد یہ ہوگا کہ دہلی کی تعلیم یافتہ مستورات
کو جمع کر کے اُنکے لکھنے پڑھنے کی لیاقت اور تقریری قوت کو بڑھانا
تاکہ وُہ اُن بہنوں کے لیئے جو خود پڑھ لکھ نہیں سکتیں۔ مفید ہو سکیں۔
ہمیں اوّل اوّل سب چیزوں سے بڑھ کر اپنے پاک مذہب کی تعلیم کیطرف
رُخ کرنا ہوگا۔ کیونکہ مذہب سب نیکیوں کا چشمہ ہے۔ مذہب کی مدد اور خدا

ی توفیق کے بغیر انسان کے لئے نیکی کا راستہ پانا دشوار ہے ۔ اور اسی سے
بچوں کے دلوں میں وہ باتیں بچپن ہی میں ڈالی جاسکتی ہیں جو انہیں ساری
عمر کام دیں ۔ مگر ہم مذہب سے بھی تو پوری طرح باخبر نہیں اس لئے میرا
خیال ہے ۔ کہ ہم کو یہ قاعدہ اختیار کرنا ہوگا ۔ کہ ہماری انجمن میں ہر بہن
کسی نہ کسی مذہبی کتاب کا جو اُردو میں مل سکے غور سے مطالعہ کرکے اسکی
مدد سے ایک وعظ یا تقریر تیار کرے اور اُسے انجمن کے جلسہ میں پڑھے
ہمارا مذہب جس پیغمبر برحق کی بدولت ملا ہے ۔ اس کے حالات پڑھنا
اس کی صفات سے واقف ہونا اور جیسا کہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف
میں فرمایا ہے اور اس پر درود اور صلوات بھیجنا یہ ہمارے جلسوں کی ایک
خاص خوبی اور ابتدائی فرض ہونا چاہئے ۔ آج یہ ہمارا پہلا جلسہ ہے ۔ کیا
مبارک ہوتا اگر ہم ممبروں میں کوئی بہن ایسی ہوتی جو کسی مذہبی مضمون پر تقریر
کرسکتی ۔ یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل بیان کرسکتی ۔ یا کوئی نعت
شریف پڑھکر محظوظ کرسکتی ۔ مگر افسوس کہ ہم میں سے ایک بھی آج کے
جلسہ میں ایسا فرض ادا کرنے کو تیار نہیں لیکن کسی نہ کسی طرح کام شروع کرنا تھا
اس لئے آج کا کام مولود شریف کی مجلس سے شروع کرنا قرار پایا ۔ اور مولود شریف
کا ذکر پڑھنے کے لئے ایک بزرگ بی بی کو بلایا گیا ۔ جو اکثر شریف گھروں
میں مولود پڑھنے کا کام کرتی ہیں ۔ آج ہم انکو سنینگے ۔ اور آئندہ بھی اُمید
ہے کہ وہ ہمارے جلسوں کی رونق بڑھانے کے لئے اپنے بیان اور
اپنی نعت خوانی سے ہمیں مدد دینگی لیکن ہمارے لئے یہ کافی نہیں کہ آپ

اور سن گئی۔ ہمیں خود بھی تو کچھ کرنا چاہیئے۔ خود بھی تو سیکھنا چاہیئے۔ میں سب سے زیادہ اپنے عجز کا اقرار کرتی ہوں۔ مگر میں نے یہ ارادہ کیا ہے کہ اگر آپ اس انجمن کو چلائینگی۔ اور اس نیک ارادہ پر قائم رہینگی۔ تو میں جہانتک میری ناچیز کوشش کام دیگی۔ کوئی نہ کوئی مضمون لکھتی رہا کرکے آپ کی خدمت میں پیش کرتی رہونگی۔ اور اگر سب بہنیں جو یہاں موجود ہیں۔ اسی طرح ایک ایک کام اپنے ذمے لینگی۔ تو تھوڑے عرصہ کی کوشش میں ہمیں بہت فائدہ ہوگا۔ اور پھر ہم اپنے علم اور اپنی قابلیت سے اپنی دوسری بہنوں کی خدمت کے لائق ہوجاوینگے اور اسی طرح ہمارے کاموں کا حلقہ دن بدن بڑھتا جائے گا۔

کیا عجب ہے کہ آخر دہلی کی بہنوں میں ایسی لائق مستورات پیدا ہوں۔ جیسی کہ سننے میں آتی ہیں کہ قدیم زمانہ کے مسلمانوں میں موجود تھیں۔ اور یہاں کے بھی بعض علم والے گھرانوں میں ہوگذری ہیں۔ ہمارے پیغمبر برحق کے کام میں عورتوں نے جو مدد دی ہے وہ سارا زمانہ جانتا ہے۔ سب سے پہلے حضرت بی بی خدیجہؓ ان پر ایمان لائیں اور انہوں نے انکا حوصلہ بڑھایا۔ حضرت بی بی عائشہؓ نے حضرت کے علم کو اپنے سینہ میں جگہ دی۔ اور حضرت کے بعد جب لوگوں کو کسی مسئلہ میں شک ہوتا تھا تو حضرت بی بی عائشہ سے جاکر پوچھتے تھے اور وہ درست درست بتاتی تھیں۔ حضرت بی بی فاطمہؓ کی خوبیاں انکا پرورش اولاد کا طریقہ اُن کا ایمان انکی نیکی کون نہیں جانتا ہم ان نیک اور پاک بیبیوں کے

نام رکھتے ہیں۔ ہمارے ماں باپ تبرّک کے طور پر ان ناموں سے ہمیں عزّت بخشتے ہیں۔ اپنے واسطے نہیں تو ان ناموں کی لاج رکھنے کے لئے جنکی ہم اس قدر عزّت اور تعظیم کرتے ہیں۔ کچھ تو انکی خود بھی ہمیں سیکھنی چاہیئے۔ ایک وہ عورتیں تھیں جنہوں نے اسلام کا نام کر دیا۔ کیا ہم اب اسے بدنام ہی کرنے کے لئے رہ گئی ہیں کیا ہم میں ایسی نہ پیدا ہونگی جو اس زمانہ میں بھی اپنا فرض ادا کریں اور ان کی اُمّت کہلانے کے لائق ہوں جن کے ہم نالائق نام لیوا ہیں +

برلف نے ملکہ ازبتھ کو نصیحت کی "دلوں کو فتح کرو۔ دلوں کا خزانہ جمع کرو" اخلاق و آداب زندگی کے زیور ہیں۔ دُنیا کی ہر ایک بات کے ادا کرنے کے لئے لب و لہجہ ویسا ہی جیسا کہ ہر کام کے لئے ایک طریقہ متعیّن ہے کوئی بات جس میں کینہ و حسد شامل ہوگا مشکل پسندیدگی کی نظر سے دیکھی جائیگی۔ مروّت و خوش خلقی انسانی عروج و ترقی کی شاہراہوں میں کامیاب اجزا ہیں جو دوسرں کی احساس ذاتی اور معاملات کی چھوٹی چھوٹی سی ہمیشہ محترز رہنا یہ اصولِ خوش اخلاقی کا ایک بہت بڑا لازمی جزو ہے۔ شریف آدمی ہر حال میں شریف رہتا ہے۔ اور یہ شرافت ہی ہے جو دلوں پر حکومت کرتی ہے شریف آدمی نہ صرف زبان سے بلکہ اپنے دل سے بھی سچ بولتا ہے۔ وہ اپنے انداز خود داری سے فوراً علیٰحدہ منتخب کیا جا سکتا ہے وہ اپنی خصائل کی قیمت اچھی طرح جانتا ہے اور جب وہ اپنی عزت کرتا ہے تو اسی قانون کا استعمال کر کے وہ دوسروں کی تعظیم میں پیش دستی کرتا ہے۔ اسکی نگاہ میں انسانی ذات مقدس معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے اخلاق وسیع اسکی معافیاں طولانی اور اسکی فیاضیاں و مہربانیاں بیحد و بے حساب ہوا کرتی ہیں۔ (محمد شفیع الدین خاں)

سیر یورپ

(از ہائی نس بیگم صاحبہ جزیرہ جنجیرہ)

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

سنیچر - ۳۰ - مئی ۱۹۰۸ء - سوا دس بجے کے قریب اظہر آیا - قرار پایا تھا کہ پہلے ہم سب مل کر مسز لطیف کے ہاں جائینگے - وہاں نسیمہ بہن کی شادی کی تیاریاں دیکھینگے - چنانچہ ہم گئے اور سب پارچہ جات جو تیار ہو چکے تھے دیکھے - ایک آتشی لہنگا ابھی بن رہا تھا - اس کی قطع بالکل انگریزی تھی مگر ستنبولی لیس جو اس پر ٹکی تھی - ایشیائی مذاق کا بھی حق ادا کر رہی تھی - معلوم ہوا کہ نکاح پڑہانے کے لئے سید حسین صاحب بلگرامی سے کہا گیا ہے - اول صبح کو میاں بیوی دونوں رجسٹرار کے ہاں جاکر شادی رجسٹر میں درج کرائینگے شام کو کسی ہوٹل کے ہال میں مجمع ہوگا اور وہاں سید حسین صاحب اسلامی طریق سے نکاح پڑہائینگے - بعد میں ناشتہ ہوگا - وہاں سے ہم بھائی محسن (مسٹر محسن طیب جی بیرسٹر ایٹ لا) کے ہاں گئے - مگر کسی کو گھر میں نہیں پایا - کارڈ چھوڑ آئے - اور اس کے پیچھے لکھ آئے کہ اتوار کو کیو گارڈن[1] جانے کا قصد ہے آپ بھی پارٹی میں شریک ہوں - کیونکہ ہم نے اپنے خاندان کے سب

[1] لنڈن کا ایک نہایت مشہور و خوش فضا باغ جس میں ہر ملک کے درخت اور پھول لگائے گئے ہیں اور گرم ملکوں کی آب و ہوا گرم خانوں میں مصنوعی طور پر پیدا کی گئی ہے -

عزیزوں کو بلایا ہے۔ اگر مجمع اچھا ہو گیا تو لطف رہیگا۔
لنچ کے وقت ہم ہوٹل میں واپس آئے۔ اس کے بعد بیلون ریس یعنی غبارۂ ہوائی کی دوڑ یا اُن کی رفتار کا مقابلہ دیکھنے حضور اور میں گئے۔ کیونکہ ان کے لئے مسٹر ٹاٹا کی معرفت سرت ڈو ٹکٹ ملنے کی ہمیں امید تھی۔ اس کا افسوس ہا کہ بھائی اور عطیہ اس موقع پر ہمارے ساتھ نہ ہوئے جس کلب کی طرف سے یہ دوڑ ہوتی ہے۔ اس کے ممبروں کی معرفت پہلے چھٹیاں ملتی ہیں اور وہ چھٹیاں دکھانے سے ایک ایک اشرفی کو ٹکٹ ملتا ہے۔ خیر وہ دو چھٹیاں ہمارے پاس تھیں اور ٹکٹ ہم لینے کو تھے۔ لطیفہ یہ ہوا کہ وہاں دروازہ پر نہ ہمیں کسی نے روکا نہ اشرفی مانگی حضور کو دیکھتے ہی پولیس نے کہا۔ جانے دو اور ہماری موٹر اندر داخل ہو گئی۔ مسٹر ٹاٹا آگے بڑھ کے ہمیں ساتھ لے گئے اور پہلی صف میں نہایت عمدہ جگہ پر ہم کو بٹھا دیا۔ اور ہم نے بیلون کا تماشا خوب دیکھا۔ کوئی تین بیلون یکے بعد دیگرے اُڑے۔ ہوا بھی اتفاق سے بہت درست اور موافق تھی۔ ذرا ذرا ابر بھی تھا۔ اور موسم ایسا معتدل۔ کہ باہر ہری ہری گھانس پر بیٹھنا عیش تھا۔ کئی لیڈیاں بیلون میں سیر کو گئیں۔ ایسے بے قابو "جہاز" میں جانا انہی لوگوں کا کام ہے۔ آصف[۱] اور اسلم بہت یاد آئے۔ وہ اس تماشے کو دیکھتے تو بہت خوش ہوتے۔ وہاں بہت سے بچے بھی تماشائیوں میں تھے۔ کیسے خوبصورت اور

---

[۱] بھائی کے بچے۔

تندرست۔ یہاں کے بچوں کی کیا تعریف لکھوں۔ گلاب کے سے رخسار اور بوٹے سے قد۔ ہونہار اور ہوشمند۔ دیکھ کر نہایت خوشی ہوتی ہے۔ سب بیلون اُڑ چکے تو ہم چار کے لئے گئے۔ کرنل لمسڈن صاحب جنکا نام افریقہ کی لڑائی میں مشہور ہو چکا ہے۔ وہاں موجود تھے۔ انہوں نے دس آدمیوں کو چار کی دعوت دی اور اُن میں ہم بھی شریک تھے۔ آخری بیلون نے جاتے جاتے عجب تماشا دکھایا۔ چلتے چلتے کسی درخت میں پھنس گیا۔ لوگ بہت گھبرائے مگر اس میں گاس کا زور تھا۔ وہ دیر تک نہیں رُکا۔ ایک بڑی ٹہنی کو توڑ کر اور اُسے بھی ساتھ لے ہوا میں اڑنے لگا۔ تمام لان[1] پر بڑی بڑی چھتریاں لگی تھیں۔ اور اُن کے نیچے میزیں اور تین تین چار چار کرسیاں تھیں۔ جہاں لوگ چار پیتے تھے۔ مگر اس وقت ہجوم اتنا تھا کہ ہمارے آتے آتے سب جگہ رُک گئی اور ہمیں ایک مکان کے اندر بیٹھ کر چار پینی پڑی۔ چار کے بعد ہم جلد وہاں سے واپس آگئے۔ شام کے وقت ذرا پارک کا چکر لگایا اور کھانا کھا کر سونے کی ٹھہرائی کیونکہ یہاں رت جگوں کی اس قدر کثرت ہے کہ جس دن ذرا سویرے سونے کا موقع مل جائے غنیمت معلوم ہوتا ہے۔

آج ہندوستان کے خطوط اور اخبارات ملے۔ کچھ نہ پوچھئے یہاں یہ اخبار کیسے پیارے معلوم ہوتے ہیں اور ہم انہیں کس شوق سے پڑھتے

---

[1] وہ قطعہ زمین جس پر سبزہ اُگا ہو اور جس کی گھاس کو ہموار کاٹ کر گشت یا کھیل یا تفریح کے لئے موزون بنا لیا گیا ہو۔

ہیں۔ یہاں کا موسم آج کل بہت خوشگوار ہے۔ یہاں کے بعض مزید پھل بھی آجکل آنے لگے ہیں۔ چنانچہ چیری[۵۱] کی بہار ہے۔ کتنا خوبصورت اور لذیذ میوہ ہے۔ عجب اتفاق ہے میں نے ابھی یہاں کی کسی قسم کی مٹھائی یا چاکولیٹ نہیں چکھے۔ جو واقف ہیں کہ سب سے بہتر کہاں ملتی ہے۔ وہ لا کر ہی نہیں دیتے۔

اتوار۔ ۳۱۔ مئی ۱۹۰۶ء۔ یہ مہینہ بھی تمام ہوا۔ صبح سے حبیب کی راہ دیکھی نہ وہ خود آئے۔ نہ خط لکھا۔ میری خوشی تھی کہ ناشتہ اور لنچ ہمارے ساتھ کھا کر وہ ہم سب کے ساتھ باغ کو جاتے۔ کوئی ۱۱ بجے مسٹر گوکھلے اور مس جوشی آئے مس جوشی تو اتنے دن یہاں رہ کر بالکل ولاور ہو گئی ہیں خوب بڑھ بڑھ کے باتیں بناتی ہیں۔ اتنے میں اچھے مسٹر دت آگئے۔ بڑے میاں سے مجھے بہت عقیدت ہے۔ انکی قابلیت۔ گفتگو اور اخلاق نہایت موثر ہیں۔ ہم سب دیر تک مختلف معاملات پر دلچسپ گفتگو اور مباحثے کرتے رہے۔ کوئی ایک بجے یہ سب چلے گئے۔ اور ہم نے لنچ کھایا۔ اور وقتِ معینہ پر نا ٹنگہل سٹیشن پر پہنچے۔ جہاں ازہر مرزا جان وغیرہ سب جوانان سعادتمند کھڑے ہماری راہ دیکھتے تھے۔ اتنے میں بھائی قمرالدین عبداللطیف صاحب کی ساری پارٹی آگئی اور ہم سب اکٹھے کیو باغ کو روانہ ہوئے۔ باغ میں ہم خوب گھومے۔ حضور۔ بھائی قمرالدین اور مسز لطیف تو جلد ایک جگہ بیٹھ گئے۔ مگر باقی سب دیر تک گلگشت چمن میں محوِ حیرت رہے۔ کیا باغ ہے۔ ایک جگہ فورگٹ می ناٹ[۵۲] ایک

[۵۱] ایک خوشگوار انگریزی میوہ۔

[۵۲] ایک پھول کا نام ہے۔ جس کا نام بھی شاعرانہ ہے۔ اور جس کے لفظی معنی ہیں مجھ کو بھولنا نہیں

تختہ کھلا ہوا تھا۔ گویا پھولوں کا بادل ہر کہ چھایا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے کشمیر یاد آگیا۔ طرح طرح کے رنگ باغ میں کھلے ہوئے تھے۔ کیوں نہ ہو انگلستان کا موسم بہار تھا۔ ہر پھول کے مختلف رنگ موجود تھے۔ اُگانے کے ڈھب میں اور بھی کمال دکھایا گیا تھا۔ مثلاً ایک کیاری میں ہر طرح کی نافرمانی کی پھولوں کا بچھونا بنا کر اس پر زرد اور سفید لالہ سے نقش نکالے تھے۔ جیسے کسی حسین کا جوڑا ہو۔ اِن دنوں حسنِ قدرت کا جلوہ زوروں پر ہے اور اِس کے نظارہ سے جو فرحت حاصل ہوتی ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بھی کیا بہشت ہے۔

بہت سے کانچ کے گھر اس باغ میں بنے ہیں۔ جن میں گرم ملکوں میں اُگنے والے درختوں اور پھولوں کو بڑی خوبی سے لگایا ہے۔ کھجور کے درخت ہر قسم کے اِن مکانوں میں موجود تھے۔ مکان کے اندر داخل ہوتے ہی یہ محسوس ہوتا تھا۔ کہ گویا ٹرکی حمام میں جا پہنچے۔ ایک ایسا مکان تھا جس میں صرف تھوہر کے درخت تھے۔ کچھ نہ ہونگے تو سو قسم کے ہونگے۔ حیرت ہوتی تھی۔ کہ اس بظاہر بھدی سی چیز میں قدرت نے اتنی نیرنگی رکھی ہے۔ اور اس کی بدصورتی میں بھی ایک قسم کی خوبصورتی نظر آتی تھی۔ ایک تھوہر واقعی خوبصورت تھا۔ یُوں معلوم ہوتا تھا جیسے تھوہر کی ٹہنیوں کو گلاب کے پھول کی وضع میں کاٹ کر ایک سبز پھول بنا لے۔ ایک پر سفید ریشم کے سے کانٹے اس قدر لگے ہوئے تھے۔ کہ اُن سے بالکل ڈھنپا ہوا تھا۔

آرکنڈ والے مکان میں جاکر تو عقل دنگ ہو گئی۔ ان میں بعض پھول ایسے نازک تھے۔ کہ کانچ کے گھر میں بلور کے کارخانوں میں بند تھے۔ پھر ہم اس مکان میں گئے۔ جس کا حال عطیہ نے ایک دفعہ نہایت عمدگی سے لکھا تھا۔ ایک بی بی نے اپنی زندگی اس میں صرف کی کہ تمام گرم ملکوں کے پھولوں اور میووں کی تصویریں اپنے ہاتھ سے اُتاریں۔ جن کا رنگ اور روغن قابل دید ہے اور یہ ہزاروں تصویریں اپنی عمر بھر کی کمائی۔ ملک کی نذر کر دی ہیں۔ انکے لئے ایک خاص مکان بنایا گیا ہے اور عمدگی سے وہاں سجائی گئی ہیں اور اب باغ کی سیر کرنے والوں کے لئے ایک پائدار خوشی کا موجب ہیں۔ تصویریں ایسی درست اور سچی ہیں کہ دیکھتے ہی فوراً پہچان سکتے ہیں کہ فلاں پھل یا پھول ہے۔ اس بی بی کے کمال اور اس کے مذاق کی پاکیزگی اور شستگی کی کافی طور پر تعریف نہیں ہو سکتی ۔

ایک مشہور آفاق عورت کا کئی سال تک یہ دستور رہا ہے کہ ہر روز صبح کے وقت وہ گرم دودھ سے غسل کیا کرتی تھی۔ اس سے جلد بدن نہایت صاف۔ ستھری اور خوشنما ہو گئی۔ صبح و شام دونوں وقت گرم دودھ سے ہاتھ منہ دھونے سے چہرہ پر عجیب نور برسنے لگتا ہے۔ اسی طرح شبنم جو صبح کے وقت موتیوں کے مانند گھانس اور پودوں پر پڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ خوبصورتی کو بڑھانے کے لئے ایک مجرب نسخہ ہے۔ کیونکہ اس میں آکسیجن بھری ہوتی ہے ۔ قیصر

ا۔ ایک نہایت خوبصورت اور نادر پھول۔ جو انگلستان میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے

بیماری اور تیمار داری

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

راحت بیگم۔ ہاں بیشک ڈاکٹروں کی دوا سے فائدہ ہوتا نہیں ہے تو اتنے لوگ کرتے کیسے ہیں۔ میں نے تو ہمیشہ ڈاکٹروں کی دوا پی لیکن ڈاکٹر رضا علی صاحب کم سن آدمی ہیں انکو تجربہ نہیں۔ ابھی ان کا سن ہی کیا ہے۔ میرے برابر ہونگے۔ **خورشید بیگم**۔ جمیلہ بیگم کی بڑی بھاوج بھی انوری کو دیکھنے آئی ہوئی تھیں۔ کہنے لگیں: جمیلہ! میری تو رائے ہے کہ تم ضرور حکیم محمد خاں کا علاج کرواؤ۔ تمہارے میاں آئیں تو میں خود کہونگی۔

بیگم صاحب۔ مجھے تو یقین نہیں ہے کہ وہ راضی ہوں۔ آپ کہکر دیکھئے میں بلوا بھیجتی ہوں۔ رحمت بی جا انوری بیگم کے کمرے میں سرکار ہیں بلا لا

علی نقی خاں اب زیادہ تر بیٹی کے پاس رہتے تھے۔ اور اپنے ہاتھ سے اس کو دوا پلاتے اور غذا کھلاتے تھے۔ اور اکثر اوقات انگریزی اور اُردو کتابوں میں سے پڑھ کر سناتے تھے۔ کبھی اِدھر اُدھر کی باتوں سے دل بہلاتے تھے کبھی اپنے ماں باپ کے وقت کا یا اپنے بچپن کا حال بیان کرتے تھے۔ علی نقی خاں کو کہانیاں کہنے اور باتیں کرنے جی بہلانے میں کمال حاصل تھا۔ کیسا ہی کوئی دِل ملول ہو ممکن نہیں انکی باتوں پر ہنس نہ دے۔ یا کہانیوں کو دل لگا کر نہ سنے۔ بیمار داری میں بھی اُنہیں بڑا سلیقہ

تھا- ہر کام کو اپنے ہاتھ سے سلیقہ کے ساتھ کرتے تھے - اور ہر قسم کا کھانا پکانے میں بھی اُستاد تھی - اکثر بیٹی کے واسطے مُرغی کا شوربا اپنے ہاتھ سے اسپرٹ کے چُولہے پر بنا کر پلاتے - بیمار بیٹی بیچاری اُنکی خاطر سے کبھی پینے سے اِنکار بھی نہ کرتی بلکہ اپنے اوپر جبر کرکے اور بہت تعریف کرکے پی لیتی تھی - میر علی نقی خاں صاحب باایں ہمہ اوصاف اپنے وقت کے بڑے عالموں میں سے گنے جاتے تھے - عربی فارسی انگریزی میں انکو حد درجہ کی لیاقت تھی - جرمن فرنچ بھی بخوبی بولتے اور لکھ پڑھ سکتے تھے اور سنسکرت بھی جانتے تھے - وُہ انگلینڈ صرف ایک مرتبہ بغرض سیاحت گئے تھے - وہاں کے تعلیم یافتہ نہ تھے لیکن عالی خیالی اور روشن دماغی میں بڑے بڑے انگلینڈ کے تعلیم یافتہ اُنکے سامنے طفل مکتب تھے- اُنہوں نے اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو خاص طور سے تربیت دی تھی اور بالکل نئے انداز سے ان کی دلی اور دماغی تعلیم ہوتی تھی - اُنکی لڑکیاں اکثر انگلینڈ کے تعلیم یافتہ لوگوں سے بہتر انگریزی لکھنی پڑھنی تھیں- اس کے علاوہ مشرقی السنہ مثل عربی فارسی وغیرہ بھی اچھی طرح جانتی تھیں- انوری کی طبیعت زیادہ تر خانہ داری اور دستکاری کی طرف مائل تھی - احمدی کتاب کا کیڑا تھی - اُسے بجز لکھنے پڑھنے کے شغل کے اور کسی کام سے کچھ سروکار نہ تھا - احمدی بیچاری بہت چاہتی تھی کہ بہن کی بیمار داری میں باپ کا ساتھ دے - مگر علی نقی خاں اس کے محبت کے خیال سے اُسے زیادہ بیمار کے کمرے میں بیٹھنے نہ دیتے تھے - غرض ماما علی نقی خاں کو

بیگم صاحب کے کمرے میں بلا کر لے گئی۔

علی نقی خاں ۔ کیوں بی بی کیوں بلایا۔

بیگم صاحب ۔ میں نے نہیں بلایا ہے ۔ بھابی جان نے بلایا ہے۔

علی نقی خاں نے جھک کر خورشید بیگم کو سلام کیا۔

خورشید بیگم ۔ جیتے رہو میاں بچے جیئں۔

علی نقی خاں ۔ آپ نے کس واسطے مجھے بلایا ہے ۔ جلدی فرمائیے۔ مجھے ڈاکٹر صاحب کو انوری کا حال لکھنا ہے۔

خورشید بیگم ۔ میاں ذرا بیٹھ جاؤ تو کہوں ۔ بات اصل یہ ہے کہ ڈاکٹر کی دوا سے تو ابھی تک کچھ زیادہ فائدہ نہیں ہوا۔ ہم سب کی اور جمیلہ کی مرضی یہ ہے کہ اب بسم اللہ کہکر حکیم محمد خاں کی دوا شروع کیجئے ۔ اس سے انشاء اللہ فائدہ ہوگا۔

علی نقی خاں ۔ نہیں بھابی جان حکیم ایسے مرض کی دوا کیا کرینگے حکیموں کے یہاں کوئی ایسی دوا نہیں کہ جس سے بخار اُترے یا کوئی فوری اثر ہو۔

خورشید بیگم ۔ میاں میں اپنے آنکھوں کی دیکھی کہتی ہوں ۔ ماما رحمت کی لڑکی کو بھی یہی بیماری تھی ۔ انہی حکیم نے اچھا کیا اور ہاں ایک بیدی کی بھی اُس نے دوا کھائی تھی۔

حیدری بیگم چپکے سے مغلانی کے کان میں ۔ میں تو نہیں سمجھتی ہوں

اس لڑکی کو کوئی بیماری ہے ۔ کہیں سایہ ہوگیا ہوگا ۔ بے بھی تو دیکھنے میں پیاری پیاری یہاں اُلٹی دَوا ہو رہی ہے ۔ جھاڑ پھونک کا کچھ ذکر نہیں ۔

راحت بیگم ۔ ہاں دُولہا بھائی یہ حکیم محمد خاں بہت اچھے حکیم ہیں اُنکا ہاتھ بھی بہت ہلکا ہے ۔ جس کا علاج کیا وُہ اچھا ہوگیا ۔ ڈاکٹروں کا تو مجھ کو بالکل اعتقاد نہیں ۔ اُنکی جان انہی لوگوں نے لی اور اُنکی بڑی بہن ذکیہ بیگم بھی ڈاکٹروں کی دَوا سے مریں ۔ میں تو سمجھتی ہوں آپ فوراً حکیم کی دَوا شروع کر دیجیے ۔

علی نقی خاں ۔ اچھا دیکھا جائیگا ۔ کہکر باہر چلے گئے ۔

سب بیبیوں نے ملکر حکیم محمد خاں کے یہاں ماما کو بھیجا ماما نے جاکر سب حال کہا اور کہا آپ کو بلایا ہے ۔ حکیم صاحب وقتِ معین پر علی نقی خاں صاحب کے محل اقدس میں پہنچے ۔ پردہ پکڑوایا گیا ۔ ایک کُرسی پردے کے اس طرف حکیم صاحب کے لئے رکھوا دی گئی ۔

حکیم صاحب ایک سن رسیدہ آدمی تھے ۔ چھوٹا سا چہرہ ننھی ننھی آنکھیں چھوٹی سی ناک پتلے پتلے ہونٹ دانتوں سے ہم آغوش ۔ دُبلے پتلے منحنی آدمی لمبی سفید ڈاڑھی ۔ ضعفِ پیری سے کمر جُھکی ہُوئی ۔ ہاتھ میں تسبیح لئے کُرسی پر جلوہ افروز ہُوئے ۔

حکیم صاحب ۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکتہٗ ۔

بیگم صاحب ۔ بندگی عرض ہے ۔ بعد سلام علیک کے بیگم صاحبہ نے شروع سے آخر تک لڑکی کی بیماری کا حال بیان کیا ۔

حکیم صاحب - جی ہاں ڈاکٹروں کو نبض کی پہچان نہیں وہ لوگ آلہ لگا کر دیکھتے ہیں۔ بھلا آلہ سے کیا معلوم ہو سکتا ہے ۔ میرے والد بزرگوار کو اس قدر نبض دیکھنے میں مہارت تھی۔ کہ وہ آدمی کی نبض دیکھتے ہی پہچان لیتے تھے۔ کہ اسے کیا مرض ہے ۔ حتیٰ کہ یہ تک بتا دیتے تھے کہ اس نے کیا کھایا ہے۔ ڈاکٹری کی دوائیں گرم بہت ہوتی ہیں۔ اور گرم دوائیں ایسے بخار کے لئے زہر ہوتی ہیں۔

حیدری بیگم جمیلہ بیگم سے کیوں بھابی میں نہ کہتی تھی ۔

حکیم صاحب۔ آپ کے یہاں کون سے ڈاکٹر صاحب علاج کرتے ہیں؟

بیگم صاحب۔ ڈاکٹر رضا علی صاحب ۔

حکیم صاحب ۔ الحمد للہ۔ کہ آپ مسلمان ڈاکٹر کو انگریز ڈاکٹر پر ترجیح دیتی ہیں۔ رضا علی صاحب تو ضرور علاج میں استخارہ سے کام لیتے ہونگے ۔ میرا تو یہی اصُول ہے کہ بغیر خدا کے حکم کے ایک قدم علاج میں آگے نہیں رکھنا چاہیئے ۔ میں کوئی غذا یا دوا بغیر استخارہ کے نہیں دیتا والد ماجد کا بھی یہی اصُول تھا ۔

(حیدری بیگم جمیلہ بیگم سے) دیکھئے کیا کہتے ہیں۔ میں نہیں کہتی تھی کہ بڑے مومن پرہیز گار آدمی ہیں ضرور ضرور انکی دوا کارگر ہوگی۔ آدمی کی عقل کیا۔ خدا سے ہر ایک چیز میں مدد لینی چاہیئے ۔

راحت بیگم ۔ میں تو استخارہ کی قائل نہیں۔ لیکن بہن بعض وقت اس قدر ٹھیک نکل آتا ہے۔ کہ تعجب معلوم ہوتا ہے ۔ میری ساس کو بھی

استخارہ کا بڑا اعتقاد تھا - جب کوئی کام کرتی تھیں تو استخارہ دیکھ لیتی تھیں ایک دن میں بیمار تھی میرے کمرے میں مجھے دیکھنے آنا چاہتی تھیں - استخارہ تین دفعہ دیکھا - تینوں دفعہ منع آیا - آخر اپنی ماما سے کہا جا ذرا دیکھ آ - بہو بیگم کیسی ہیں - وہ تھوڑی دُور گئی تھی - کہ ایک چیخ مار کر بھاگی - ان سے جاکر کہا بیگم صاحبہ! بیچ کے کمرے میں ایک بڑا سا سانپ پڑا ہوا ہے - میری ساس نے کہا الحمد للہ کہ میں ہر ایک کام میں استخارہ کر لیتی ہوں - نہیں تو آج میری جان جاتی - اگلے زمانہ میں انگریزوں کے یہاں بھی استخارہ اور فال تھا - وہ لوگ نیت کر کے انجیل ہاتھ میں لیکر ایک دفعہ کھولتے تھے - جہاں پر کھل گئی - اُس صفحہ کی پہلی سطر میں پڑھ کر مطلب نکال لیتے تھے - میں بھی بچپن میں بہت استخارہ دیکھا کرتی تھی -

بیگم صاحب (حکیم صاحب سے) ڈاکٹر رضا علی صاحب تو میں نہیں سمجھتی کبھی استخارہ دیکھتے ہونگے - پرسوں میں نے پوچھا تھا کہ استخارہ دیکھ کر مونگ کی کھچڑی انوری کو دیجائے - کہنے لگے میں تو ایسی چیزوں میں استخارہ نہیں دیکھتا -

حکیم صاحب - نعوذ باللہ من شر ذالک - استخارہ سے انکار کرنا کفر ہے - واللہ کفر ہے - یہ انگلینڈ کے رہے ہوئے لڑکے کچھ انگریزوں سے کم نہیں - ہر ایک چیز پر اعتراض کرتے ہیں - مگر ڈاکٹر رضا علی صاحب سے تعجب ہی وہ تو بہت متقی مشہور ہیں -

بیگم صاحب - آپ انوری کے واسطے کونسی دوا تجویز کرتے ہیں -

حکیم صاحب۔ میں ذرا نبض دیکھ لوں پھر بتاؤں گا۔ کل صبح کو ذرا قارورہ بھی میرے یہاں بھیج دیجیگا۔ اس دن بیگم صاحب نے سب کی رائے سے نرس کو چھٹی دے رکھی تھی۔ اور علی نقی خاں صاحب تھوڑی دیر کے لئے کہیں گئے ہوئے تھے۔ اس موقعہ کو غنیمت جانکر سب بیبیوں نے حکیم صاحب کو بلوایا تھا۔ اور انوری کو بھی بہت کچھ سمجھا بجھا کر راضی کر دیا تھا کہ حکیم کا علاج کرنے سے انکار نہ کرے۔

حکیم صاحب بیمار کی نبض دیکھ کر کہنے لگے۔ نبض کسی قدر کمزور ہے معلوم ہوتا ہے کہ بہت دنوں سے سوائے شوپ اور دودھ کے اور کچھ غذا نہیں پہنچی۔

(حیدری بیگم جمیلہ بیگم سے) کیوں بہن کیسا نبض سے پہچانا۔ ان سے کسی نے کہا تھا۔ کہ سوپ اور دودھ دیا جاتا ہے۔ آپ میرا کہنا یاد رکھئے کہ انکے ہاتھ سے ضرور شفا ہوگی۔

حکیم صاحب۔ بخار خفیف ہے مگر انشاءاللہ چند روز میں مصفی خون دوائیں پینے سے جاتا رہیگا۔ شوربا وغیرہ موقوف رکھنا چاہیئے۔ یہ بخار کے لئے اچھا نہیں۔ اس کے بدلے مونگ کی دال کا پانی دیا جائے تو بہتر ہے۔ میوہ دیا جاسکتا ہے۔ انار لیموں وغیرہ مگر دودھ دینا بالفعل مناسب نہیں ہے۔

حیدری بیگم۔ مونگ کی کھچڑی دیجاسکتی ہے۔

حکیم صاحب۔ جی ہاں دیجاسکتی ہے۔ لوکی کا قلیہ روٹی یا خشکے کے ساتھ

بھی دیا جاسکتا ہے۔ کل آپ قارورہ بھیجدیجیگا۔ مَیں قارورہ دیکھ کر دوا خود بنا کر بھیجدونگا۔

(یہ کہکر حکیم صاحب رخصت ہوئے)

باب پانچواں

سب بیبیوں نے ملکر علی نقی خانصاحب کو بھی حکیم کے علاج پر راضی کر لیا۔ حکیم کے حکم سے پیالہ بھر بھر کے ٹھنڈائیاں صبح کے وقت بیمار کو پلائی جاتی تھیں۔ دُودھ شوربا سب موقوف ہو گیا۔ اِس کے عوض میں مونگ کی دال کا پانی لوکی کا قلیہ اور روٹی مونگ کی کھچڑی دیجانے لگی۔ علی نقی خاں نے انار اور میوہ کا انبار لگا دیا۔ انوری لیٹے لیٹے سارے گھر کو میوہ تقسیم کیا کرتی تھی۔ ایک آدھ دانہ انار کا خود بھی کھالیتی تھی۔ حکیم کا علاج شروع ہونے سے اس کی طبیعت بہت کچھ سنبھلی ہوئی معلوم ہونے لگی۔ سب لوگ بہت خوش ہیں کہ حکیم کے علاج سے فائدہ ہے۔ کھانسی بھی کم ہے۔ بخار بھی بالکل خفیف سا ہوتا ہے۔ لیکن کسی قدر کمزوری زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ حیدری بیگم وغیرہ کی رائے ہے۔ جب بیماری دور ہونے لگتی ہے۔ تو کمزوری زیادہ ہوجاتی ہے۔

احمدی بیگم جو ابھی تک حکیم کا علاج شروع ہونے سے بالکل خلاف تھیں اگرچہ سب کے کہنے سننے سے اُنہوں نے بھی رضامندی ظاہر کر دی تھی انکے دل میں جب دن سے حکیم کا علاج شروع ہوا ایک فکر اور نااُمیدی پیدا

ہوگئی تھی۔ مگر اب جو مزاج کو بہتر پایا تو انکو بھی آس ہوئی۔ ایک روز انوری کے پاس احمدی کاظمی دونوں بیٹھی ہوئی تھیں۔ اُس دن انوری کا مزاج بھی بہت بہتر معلوم ہوتا تھا۔

انوری۔ احمدی لو یہ میرے سرہانے سجاد کا خط رکھا ہے۔ ذرا نکال کر مجھ کو سناؤ۔ احمدی نے خط نکال کر پڑھنا شروع کیا:-

میری راحتِ جان انوری[1]! ۔

افسوس کہ اب تک تم نے اپنی بیماری مجھ سے چھپائی ورنہ میں مدت کا تمہارے پاس ہوتا۔ ایک دوست کے خط سے مجھ کو مفصل کیفیت تمہاری علالت کی معلوم ہوئی۔ مجھے پورے طور سے یقین نہ آیا۔ میں سمجھا شاید کوئی اور بیمار ہوگا۔ میرے دوست غلطی سے تم کو سمجھے ہونگے۔ فوراً اوکسفورڈ گیا۔ وہاں تمہارے بھائی امیر علی سے ملاقات ہوئی اُن سے کُل کیفیت معلوم ہوئی۔ میرا امتحان ہوگیا ہے۔ میں نے اپنے والد کو تار دیکر آنے کی اجازت مانگ لی ہے۔ انشاءاللہ بیس روز میں تمہارے پاس ہونگا۔ مجھے دیکھتے ہی تمہاری بیماری سب بھاگ جائیگی۔ مجھے امید ہے کہ اگر اپنی خاطر سے نہیں تو میری خاطر سے تم دوا اور غذا میں کوتاہی نہ کرتی ہوگی۔ پانچ برس میں نے مسافرت میں تمہارے پھر ملنے کی اُمید میں کاٹے اور جو کچھ میں نے یہاں محنت کی اور نام پایا سب تمہاری بدولت۔ تمہارا ہر ایک خط میرے واسطے ایک وحی یا خدا کی طرف

[1] یہ قصہ ایک ایسے خاندان سے متعلق ہے کہ جسمیں انگریزی تمدن کے اثر سے رسم پردہ داری برائے نام باقی رکھی ہے اور عزیز و اقارب بالخصوص بے تکلف ان سے ملتے جلتے ہیں اس تغیر کے ساتھ یہ قاعدہ بھی ان میں رواج پا گیا ہے کہ شادی بغیر لڑکے لڑکی کی رضا پسند و منظوری کے نہیں ہوتی اور اکثر پسند ہو جانے کے بعد ان میں بہ اجازت بزرگان باہم خط و کتابت یا بات چیت ہوتی ہے۔

سے ہدیت معلوم ہوتا تھا۔ خدا مجھے پھر تمہاری پیاری صورت دکھائے۔
کئی مرتبہ جب میں اپنے کمرے میں آتش خانہ کے پاس اکیلا بیٹھا ہوں
تو مجھے تمہارے چھوٹے سے ملاقات کے کمرے میں بیٹھنا اور تم
سے باتیں کرنا یاد آتا ہے۔ اور یہی جی چاہتا ہے کہ میرا رہنما فرشتہ
یہاں آجاتا (وہ اشعار انگریزی جو تم نے میری کتاب پر لکھدئے تھے ہیں ہر روز پڑھتا
ہوں) اتنے بڑے غدار شہر میں رہتا ہوں۔ ہر قسم کی عورتوں اور لڑکیوں
سے ملاقات ہوتی ہے۔ بعض بعض لڑکیاں تو مجھ سے بہت بے تکلف ہیں۔ اور
شوخیاں کرتی ہیں۔ انکو آجتک گمان تھا کہ میں ہندوستان کا شہزادہ ہوں اور میری
شکل اور میری صورت کے بارے میں بھی انکے بہت اونچے خیالات ہیں۔ کئی انکی گفتگو
میں میرے منہ پر میری تعریفیں ہو جاتی ہیں۔ اور بہتیری لڑکیوں نے اپنے اپنے جال میرے
واسطے پھیلائے۔ مگر کسی کو کامیابی نہیں ہوئی۔ اب کے مہینہ سے دو لڑکیاں
لوسی اور ڈورا میرے اوپر بہت فریفتہ ہو رہی ہیں۔ آخر عاجز آنکر میں نے انکو تمہاری
تصویر دکھادی اور کہا کہ میں ایسا خوش نصیب ہوں۔ کہ ایسی پری چہرہ کے ساتھ
میری نسبت ہوگئی ہے۔ جس پر اس پری کا سایہ ہوتا ہے۔ وہاں کسی دیو بھوت کا گذر نہیں
جب سے تمہاری بیماری کی کیفیت سنی ہے۔ ایک لمحہ ایک برس کے برابر کٹتا ہے۔ ایک ہفتہ
صبر کرنا دشوار ہے۔ خدا وہ دن کرے کہ میں تم سے پھر ملوں۔ مجھے دنیا میں نام حاصل کرنے
یا دولت کمانیکی کوئی آرزو اور ہوس نہیں سوائے اسکے کہ اپنی دولت اور نام کو
میں تمہارے قدموں پر رکھ سکوں۔ عزت اور نام حاصل کرنے سے کسی قدر اپنے کو
تمہاری محبت کے قابل بناؤں۔ اے پاک صورت و پاک سیرت راحت جان

میری زندگی کے رہنما ستارے۔ میری تمام خوشیوں کے مرکز۔ میرے سر کے تاج میرے دل کے سرور اور آنکھوں کے نور۔ تیری ذاتِ خجستہ صفات و رُوح بلند پرواز اگر کسی وقت اپنی ذاتِ مقدس کے تصور سے تجاوز کرکے کسی دُنیوی چیز کا دھیان کرے تو میری التجا ہے کہ ایسے وقت میں مجھ ناچیز کی یاد فرماکر مجھے خاک سے پاک بنا دے۔ میری تمام رُوح تیرے خیال میں غرق ہو جاتی ہے۔ اور ہر دو عالم کو فراموش کرکے تیرے ہی تصور میں محو ہو جاتی ہے۔

آنچہ از بارِ غمت در دلِ مسکین منست	نرود دل زمن و از دلِ من آں نرود
در ازل بست دلم با سرِ زلفت پیوند	تا ابد سرنکشد و ز سرِ پیماں نرود

مَیں ازل سے تمہاری محبت لیکر پیدا ہوا تھا اور ابد تک اس کا نور میرے دل میں رہیگا اور میری سعادت کا باعث ہوگا۔

یہ میرا اخیر خط ہے اب کی میل میں مَیں خود روانہ ہونگا۔ سفر بہت دُور دراز کا ہے۔ پر نہیں ہیں جو اُڑکر تم تک پہنچ جاتا۔ آدمی اپنے کو اشرف المخلوقات تو کہتا ہے مگر دیکھنا کیسا بے بس ہے۔ اس بے بسی کی حالت کو کوئی میرے دل سے پوچھے کہ جوں ماہی بے آب تڑپ رہا ہوں اور تم تک نہیں پہنچ سکتا ہوں۔ ہر طرح کے خوفناک خدشے دل میں آیا کرتے ہیں۔ ہر گھڑی ایک سال معلوم ہوتی ہے مُرغِ جاں قفسِ دل میں تڑپ رہا ہے مگر بال و پر کہاں سے لائے جو اُڑ جائے۔ اب میں کہاں تک تم کو اپنا حالِ زار سُناؤں اور تم کو پریشان کروں۔ خدا وہ دن بھی کریگا کہ مَیں تم تک پہنچ جاؤں بس۔

تمہارا مشتاقِ دیدار سجاد

کیا ہم غلام ہیں؟

(۲)

افسوس تہذیبِ نسواں میں ہماری غلامی کا ناگوار سلسلہ جاری ہے۔ پس میں بھی مجبور ہوں کہ غلامی سے اپنا انکار زور کے ساتھ جاری رکھوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جن بہن نے اس سلسلے پر اپنا قلم اُٹھایا ہے۔ کس مقصد سے اُٹھایا ہے۔ اگر اُن کا مطلب فقط ہماری حالت کی اصلاح ہے اور وہ یہ چاہتی ہیں کہ ہم سُستی اور بیکاری کی زندگی کی جگہ مصروفیت اور ہشیاری سے زندگی بسر کریں۔ یا بے ضرورت زیوروں سے نہ لدیں۔ یا جہالت کو علم سے بدلیں تو انہیں ایسی تحریر سے کام لینا چاہئے تھا جس سے کسی کو خواہ مخواہ رنج نہ پہنچے نہ یہ کہ شریف گھروں کی با اختیار اور نیک بیبیوں کا نام لونڈی باندی رکھا جائے۔ اور اُن لوگوں کو بھی جو تعلیم کے موافق ہیں اور اصلاح پر آمادہ ہیں۔ بدظن کر دیا جائے۔ ہاں اگر غلامی سے اُن کی مُراد پردہ اور آزادگی سے بے پردگی ہے۔ اور وہ یہ چاہتی ہیں۔ کہ ہم پردہ سے نکل کر اپنی ہمت دکھائیں تو اس طرح مُنہ میں گھونگنیاں ڈال کر پہیلیاں کیوں بجھواتی ہیں۔ صاف صاف اپنا مطلب کہیں اور صاف جواب سُنیں۔ پردہ مسلمانوں کو اس قدر عزیز ہے۔ کہ وہ چند ایسے نئے خیالات والی بیبیوں کے کہنے سُننے سے

اس کے بدلنے پر آمادہ نہیں ہونگے۔ اور جو لوگ اس وقت نادانی سے پردہ کے خلاف بحث کرینگے۔ وہ تعلیم میں خلل ڈالینگے۔ سب سے بڑا کام عورتوں کی تعلیم ہے۔ جب وُہ عام ہو جائیگی تو ساری ضروری اصلاحیں خودبخود اس کے ساتھ آئینگی۔

۲۷۔ فروری کے اخبار میں جو دُوسرا حصّہ اس مضمون کا شائع ہوا ہے اُس کے چند جملے یہاں نقل کرتی ہوں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے ہماری حالت کی خرابی کو کس قدر بڑھا کے دکھایا ہے اور جو مشورے دیئے ہیں وُہ دُور اندیشی سے کتنے دُور ہیں مثلاً وُہ کہتی ہیں "غایت مہربانی سے ہم کو معاف رکھا جاتا ہے ...... اگر گرم کپڑوں کو احتیاط سے بکس کے اندر بالکل بند کر کے رکھتے ہیں۔ تو انکو کیڑے کھا جاتے ہیں۔ لیکن وُہی کپڑے رگڑ جھگڑ میں اچھے رہتے ہیں" جس سے یہ مراد ہے کہ مرد نہ صرف عورتوں کو زیادہ حفاظت سے معاف رکھیں۔ بلکہ انہیں موقعہ دیں کہ دُنیا کی رگڑ جھگڑ کی سختیاں بھی وُہ اُٹھائیں۔ حالانکہ دنیا بھر میں بڑے بڑے عقلمند لوگ اس پر اتفاق رکھتے ہیں۔ کہ عورتوں کا فرض یہ ہے۔ کہ عورتیں گھر میں ایسی طرح رہیں کہ انکی اولاد دُنیا کے جھگڑوں کے لئے تیار ہو کر باہر نکلے اور اُن کے مرد بھی ان جھگڑوں میں فتحیاب ہوں۔ جس عورت نے اس فرض کو اچھی طرح ادا کر دیا۔ اُس نے اپنی زندگی کا مقصد حاصل کر لیا۔ غور کی جگہ ہے کہ ہم میں سے کتنی ہیں جو ایمان داری سے کہہ سکتی ہیں۔ کہ وُہ اس فرض کو

سمجھتی ہیں۔ اور پورا کرتی ہیں۔ پس جب وہی کام جو ہم گھروں میں بیٹھے کر سکتے ہیں۔ ابھی ادھورے پڑے ہیں۔ تو ہمیں باہر کے کانٹوں میں کیوں گھسیٹا جاتا ہے۔

پھر فرماتی ہیں "شیر ریچھ تو دور رہے جونک اور جھینگر دیکھ کر ہم مارے ڈر کے کانپ اٹھتے ہیں۔ اور بعض تو بیہوش ہو جاتی ہیں" بیہوشی کا فقرہ تو بالکل مبالغہ ہے۔ مگر جونک یا جھینگر کو دیکھ کر ڈر کے مارے کانپ اٹھنے والی عورتیں بھی شاید بہت کم ہونگی۔ یہ دوسری بات ہے کہ کوئی بیوی جونک لگوانے کے ڈر سے کانپے سو وہ ڈر ہمت کی کمی کی دلیل نہیں۔ بہت سے مرد ہیں جو درد یا درد کے خیال سے ڈر جاتے ہیں اور بہت سی عورتیں ہیں جو نہیں ڈرتیں۔ یہ صرف عادت یا طبیعت کی بناوٹ پر موقوف ہے۔ اسکے سوا یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ عورت نازک بنائی گئی ہے اور بعض عورتوں کا چیخنا چلانا صرف نزاکت کا اظہار ہوتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ولایت میں بعض اوقات جب ریل گاڑی بہت تیز چلتی ہے تو میمیں چلا اٹھتی ہیں حالانکہ وہ خوب جانتی ہیں کہ وہ گاڑی میں محفوظ بیٹھی ہیں اور گرنے کا کوئی ڈر نہیں یہ وہ عورتیں ہیں۔ جنہوں نے آزادی میں پرورش پائی ہے اور جو کھیل کود اور تفریح میں مردوں کے ساتھ شریک ہوتی ہیں۔

زیور کے بوجھ سے دبی ہوئی بیگم جس کی تصویر کھینچکر اسکی حالت پر افسوس دلایا گیا ہے۔ اسکی تصویر خیالی ہے۔ جن لوگوں کو دس ہزار کے زیور بنانیکی توفیق ہے وہ ایسے بھدے زیور نہیں بناتے جن کا وزن پانچ سیر اڑتالیس تولے ہو۔ نہ وہ بیگمات کہیں اینچ گھیر کی نتھ پہنتی ہیں۔ نہ گوندھے بھووں پر افشاں چماتی

ہیں۔ اگر کسی نے شادی کے وقت ایسی حد سے زیادہ تکلیف دہ آرائش کر بھی لی تو اس سے کوئی حکم ہمیشہ کے لئے نہیں لگایا جاتا۔ مضمون نگار نے اپنے مضمون نمبر ۲ کے اخیر میں یہ فقرہ لکھا ہی۔ کہ جیسے ہم تک کوٹھریوں میں آفتاب کی روشنی نہیں پہنچتی ہی۔ اسی طرح ہمارے دماغ میں علم کی روشنی نہیں جاتی ہی۔ مگر جیسا کہ میں اوپر کہہ آئی ہوں علم کے شوق دلانے کے لیے یہ کیا ضرور ہی کہ ہمیں اپنے موجودہ مکانوں سے نفرت دلائی جائے۔ غریب سے غریب گھر میں بھی یا چھوٹا سا صحن یا کھلا بالاخانہ ہی۔ جہاں آفتاب روزانہ اپنی روشنی پہنچاتا ہی ایسے کونسے گھر ہیں جنمیں گھروالیاں ہمیشہ اندھیری کوٹھری میں بند رہتی ہوں رہا یہ کہ ہمارے گھر انگریزوں کے بنگلوں کی ریس نہیں کرسکتے۔ سو یہ دولت کے کھیل ہیں۔ ہر کسی کو نہ یہ نصیب ہوئے نہ ہونگے۔ جھونپڑوں میں رہکر محلوں کے خواب دیکھنا۔ خواہ مخواہ اپنے آپ کو پریشان کرنا ہے۔ اور ہمارے لئے یہی بہتر ہوگا۔ کہ جہاں کہیں قسمت نے کسی کا دانہ پانی اوتارا ہے۔ وہیں خوش رہے اور اپنے سلیقے سے سب بڑے چھوٹوں کو ایسا خوش رکھے کہ مکان چاہے چھوٹا ہو چاہے بڑا خوشی کا گھر بنجائے۔ اور ہمیشہ صاف اور اُجلا نظر آئے۔ علم اکثر ایسے گھروں میں رہتا ہے۔ جہاں سادگی بستی ہو اور بہت سے بڑے بڑے آراستہ گھر ہیں جن میں علم کے چراغ سے روشنی نہیں +

ناظرہ

زنانہ دستکاری

(۲)

طبقۂ نسواں اور وقت ۔ قوم کے طبقۂ نسواں کے کثیر حصہ کی زندگی کے اوقات زیادہ تر بیکاری میں گذرتے ہیں ۔ طبقۂ اُمرا کی بیگموں میں دستکاری اور انتظامِ خانہ داری کی لیاقت کم ہے ۔ اُن کا دارومدار مغلانیوں اور ماما اصیلوں پر ہے ۔ متوسط گھرانے کی بیبیوں میں بھی بہت کم ایسی ہوتی ہیں جو انتظام خانہ داری ۔ دستکاری وغیرہ میں پُوری ماہر ہوں ۔

معزز بہنوں ! کیا تمہیں یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تم آٹھوں پہر ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہو ۔ یا کُنبہ کی دیگر رشتہ داروں یا ماما اصیلوں کے ساتھ فضول باتوں میں اپنے دماغ کو پژمُردہ اور دِل کو رنجیدہ کرو ۔ یا بے سروپا قصّہ کہانیاں کہہ سُنکر اپنے عزیز اوقات کا خون کرو ۔ خیال کرو ۔ یہی دو ہاتھ دو پاؤں مَردوں کے بھی ہیں پھر تم دیکھو وُہ اُن سے کیا کچھ کرتے ہیں بیچارے تمہارے لئے زمین کا گز بجاتے ہیں ۔ اُنہیں کی محنت مزدوری کی کمائی ہے جس سے تم عیش کر رہی ہو ۔ اگر تمہیں اس بات کا یقین نہ آئے تو خدا کے لئے اپنی اُن لکھو کھا اسلامی بہنوں کی حالتِ زار کو دیکھو جو یا تو رنڈاپے کی زندگی بسر کر رہی ہیں یا اُن بے غیرت اور بے حمیّت مَردوں کے دستِ تظلم میں گرفتار ہیں ۔ جنکا وجود قوم کے لئے باعثِ ندامت ہے ۔

اسلام کی روشن تعلیم عَلَیْکُمْ بِالتِّجَارَۃِ فَاِنَّ فِیْہَا تِسْعَۃَ اَعْشَارِ الرِّزْقِ (یعنی مسلمانوں تم پر تجارت کرنی لازم ہو کہ اس میں رزق کے دس حصوں میں سے نو ہیں) دوسری مشہور حدیث ہو الکاسب حبیب اللہ (یعنی کسب حلال کرنیوالا خدا کا دوست ہو) انکے علاوہ ہزاروں انبیا و صفیا کے حالاتِ زندگی ہمیں بتا رہے ہیں کہ وہ خود اقسام صنعت و حرفت کے موجد تھے جسکا ثبوت جناب مولانا شاہ محمد اکبر صاحب سجادہ نشین دانا پوری مدفیوضہم کی مندرجہ ذیل نظم میں ہو:-

قوم کے واسطے سامانِ ترقی ہو ہنر بادشاہوں کے لئے جانِ ترقی ہو ہنر
اہلِ حرفت کے لئے کانِ ترقی ہو ہنر باغِ عالم میں گلستانِ ترقی ہو ہنر
قدر جس ملک میں اس کی نہو برباد ہے وہ
جس جگہ اہلِ ہنر ہوتے ہیں آباد ہے وہ

انبیا جتنے تھے سب اہلِ ہنر تھے یکسر نوحؑ نجار تھے یہ جانتے ہیں جملہ بشر
تھے جو داؤدؑ انھیں کہتے ہیں سب آہنگر نہیں خیاطی میں ادریسؑ سے کوئی بڑھکر
عیب پیشوں کو سمجھتے ہیں جہالت سے ہم
دور ہو جاتے ہیں گویا کہ شرافت سے ہم

عالم و عارف و منصورِ زماں قطب فرید فقرا جن کو سمجھتے ہیں امامِ توحید
کوئی ابتک تو نہ پہنچا تھا جہاں انکی رسید سخنِ حق تو یہ ہو ہوتے ہیں ایسے ہی سعید
ہمیں ہاتھ آئے جو کفش انکی کریں ہم سرتاج
نام پاک انکا حسینؒ اور تھا پیشہ حلاج

تھے سیہ فام یہ مشہور ہے لقمان حکیم — حسن میں صورت و سیرت کے تھا اک فرق عظیم
رنگ وا انکا تھا ہر چند سیہ مثل کلیم — نور ادراک تھا پر ہمسر انوار کلیم

باعث عقل و ہنر قوم میں ممتاز تھے وہ
سربلند اپنے زمانہ میں سرافراز تھے وہ

آدمی جتنے ہیں بے شبہ بنی آدم ہیں — بشریت میں ہم اُن سے نہ وہ ہم سے کم ہیں
متحد صورت و سیرت میں سبھی ہم میں — پر ہنرمند جو فرقے ہیں وہی اعظم ہیں

کالے گورے کی نہیں اہل ہنر میں ہے تمیز
آدمی شے نہیں کوئی یہ ہنر سے ہے عزیز

جتنی قومیں ہیں ہنری سے ہیں وہ مالامال — جتنے نوکر ہیں وہ چھوٹے کہ ہوئی بس کنگال
یہ ہنر وہ ہے کہ جسکو کبھی آئے نہ زوال — فلسفی ہونے کا کچھ بھی نہیں حاصل فی الحال

مالداری جو ہو مطلوب ہنر کو سیکھو
ہو جو ثروت تمہیں مرغوب ہنر کو سیکھو

بے ہنر شاہ بھی ہو تو نہیں وقعت اُسکی — سامنے باہنروں کے نہیں عزت اُسکی
روز کے ٹیکس کی ہے ساری یہ ثروت اُسکی — صدقہ اہل ہنری ہے وہ دولت اُسکی

ہفت اقلیم قلمرو ہے ہنرمندوں کی
سلطنت ہے تو ہے اللہ کے ان بندوں کی

صنعتی تعلیم۔ صنعت کا سکھانا اِس لئے بھی از بس ضروری ہے کہ اس سے دماغ میں غور و فکر اور ایجاد کا مادہ پیدا ہوتا ہے جس طرح دماغ ریاضیات پر صرف ہوتا ہے اُسی طرح صنعت سیکھنے میں بھی صرف ہوگا۔ حالانکہ

مردوں کی کثیر تعداد کو باقی زندگی میں معمولی حساب وغیرہ کے علاوہ ریاضی سے زیادہ کام نہیں پڑتا۔ پس جو قوت اس پر طالبعلموں کی صرف ہوتی ہے وہ محض دل و دماغ کی اصلاح کے لئے تاکہ دل میں صبر اور استقلال کا مادہ اور دماغ میں سوچنے کی قوت پیدا ہو۔ موجودہ زمانہ کے ماہران فن تعلیم یورپ کی یہ رائے کہ بعینہٖ یہی غرض دستکاری علمی اصول کو سکھانے سے حاصل ہوتی ہے۔ بلاشک قابل تسلیم ہے۔ کیونکہ جب صنعت علمی اصول کے ساتھ ہو تو عین تعلیم ہے۔

مشین کا استعمال اور اسکے فوائد۔ جس ملک میں صنعت وحرفت زیادہ ہوگی وہ ملک زیادہ دولتمند ہوگا۔ اہل یورپ کے ہاں محنت اور صنعت و حرفت کی بدولت دولت کا چراغ روشن ہے۔ وہ ہاتھوں کے علاوہ مشین سے کام لیتے ہیں جو ایک ان میں سیکڑوں ہاتھوں کا کام دیتی ہے اور اسی لئے انکا ملک مالا مال ہے۔ ہندوستان جنت نشان بھی کبھی صنعت و حرفت کا مخزن تھا۔ لیکن ہندوستانیوں کی عادت ہے لکیر کا فقیر ہونا اس لئے مشین وغیرہ ایجاد کرنے یا استعمال کرنے کی انکو کبھی توفیق نہ ہوئی۔ اور اس طرح انکی مصنوعات اہل یورپ کا مقابلہ نہ کرسکیں اور رفتہ رفتہ انکی نادر صنعات کا چراغ گل ہوگیا۔

اہل یورپ کی مستورات اور علم صنعت۔ یورپ میں بڑی بڑی جلیل القدر بیگموں سے لیکر ادنیٰ درجہ تک کی عورتیں فنون لطیفہ کے اعلیٰ سے اعلیٰ کام اپنے ہاتھوں سے کرتی ہیں اور اپنے مناسب حال مشینیں بھی استعمال کرتی ہیں۔

لا کپڑا سینے کی مشین - موزہ سینے کی مشین - پھول پتے بنانے کی مشین وغیرہ
ین کی تیار کردہ چیزوں کے مقابلہ میں ہاتھوں کی تیار کردہ چیزیں بسبب
ی نفاست - مضبوطی - اور باریکیوں کے زیادہ قابلِ وقعت اور بیش قیمت
صور ہوتی ہیں - دوسری وجہ ہاتھوں کی تیار کردہ چیزوں کے زیادہ قابل
لیف اور قیمتی ہونے کی یہ ہے کہ ان میں جوڑ یا تو ہوتے ہی نہیں اور
ہوتے ہی ہیں تو بہت کم - تیسری وجہ یہ ہے کہ ہاتھوں کی تیار کردہ
زیں اگر استعمال کے بعد کہیں سے خراب ہو گئیں تو بہ آسانی مرمت
کر دوبارہ مثل نئی کے استعمال ہو سکتی ہیں - مثلاً ایک اونی یا ریشمی
ڑہ جراب مشین کا تیار کیا ہوا پھٹ گیا - اوّل تو وہ بمشکل مرمت ہوگا -
اگر اس کی مرمت بھی گئی تو ظاہر ہو جاویگی - دوسرا - جوڑہ جو
تھوں کا تیار کردہ ہے اس خوش اسلوبی سے مرمت ہو سکتا ہے
اس کی مرمت بمشکل شناخت ہو سکیگی اور وہ دوبارہ اسی مدت تک
ستعمل ہو سکیگا - چوتھی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص اپنے حسب خواہش - موٹی - باریک
نی - چھدری - مضبوط - کمزور چیزیں خود تیار کر سکتا ہے یا دوسروں سے تیار
سکتا ہے مشین سے یہ باتیں اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہیں - پانچویں
جہ یہ ہے کہ مستعمل چیزیں جب میلی یا بدرنگ ہوں تو وہ ادھیڑ کر نہایت
سانی سے حسب خواہش رنگ روپ تبدیل کر کے از سر نو مثل نئی کے
وبارہ تیار ہو سکتی ہیں - ان وجوہ کے علاوہ بہت سی باریکیاں - جدت
ر نفاست جو ہاتھوں کے کام میں پیدا ہو سکتی ہیں مشین سے غیر ممکن ہیں

علاوہ ازیں بہت سی مشینیں ایسی ہیں جنکو پردہ نشین شریف بیبیاں استعمال نہیں کرسکتیں مثلاً بنیائن بُننے کی اور تولیہ بُننے کی مشینیں وغیرہ سیکڑوں ہنر ایسے ہیں جنکے لئے اسوقت تک مشینیں ایجاد نہیں ہوئیں - مختصر یہ کہ ہاتھوں کی تیار کردہ چیزیں اپنی خوبیوں کی بدولت نہایت قابلِ قدر اور بیش قیمت ہوتی ہیں اور مشین کی تیار کردہ چیزوں کے مقابلہ میں تگنی وچوگنی قیمتوں پر فروخت ہوتی ہیں مشینوں کے استعمال کا بڑا مقصد چیزوں کا کم لاگت سے تجارتی طریقہ پر جلد جلد تیار کرکے ملک کے اندر اور باہر عوام کے ہاتھوں تک پہنچا کر تجارت کو فروغ دینا ہے -

معزز بہنوں! تم اگر کوشش اور محنت سے شروع میں نہ گھبرائیں اور خوب دل لگاکر کوشاں ہوئیں تو یہ میرا ذاتی تجربہ اور دعوی ہے کہ ضرور کامیاب ہوگی ✣ (باقی آیندہ)

محمد تمیزالدین خاں عظیم آبادی

سچی خوشی دنیاوی زندگی میں معدوم ہے

نادار سمجھتے ہیں امیروں کو خوش — زردار سمجھتے ہیں فقیروں کو خوش
لیکن رنجور! میں نہیں کہہ سکتا — ہرگز قفسِ تن کے اسیروں کو خوش

سوکن کا جلاپا

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

کیا چیز ہے جسکی وجہ سے یہ مصیبت ماریاں باوجود اس تنگی وہلاکت کے بہت بڑی عزت اور تعظیم کی مستحق ہیں وہ صرف انکی خاندانی آن بان اور باپ دادا کی لاج ہے! فاقہ فقر تنگی ترشی کچھ بھی ہو مگر یہ دکھیاریاں بڑوں کے نام کو ہاتھ سے نہیں دیتیں! مرتے مرجائیں پیوند زمین ہوجائیں مگر یہ ممکن نہیں کہ بزرگوں کی عزت پر حرف آجائے! سچ پوچھو تو گدڑی میں لعل انسان کا یہی مظلوم فرقہ ہے۔ ان بے زبانوں پر کتنا ہی ظلم کیسی ہی زیادتی کیوں نہ کرو ہر حال میں صابر ہر دکھ میں شاکر! محمودہ لاکھ بے بس ہو پھر بھی انسان تھی! مزاج! مزاج میں تھا طبیعت! طبیعت میں غصہ سب ہی کچھ موجود تھا! یقین اور یقین بھی کیسا کہ پورا پورا! اچھی طرح سمجھتی تھی کہ گھر چلا اور گھر کے ساتھ عمر برباد ہوئی! سوکن کا خیال کلیجہ مسوس رہا تھا! بڑی بات نہ تھی اگر میاں کے ایسے حکم کی تعمیل نہ کرتی مگر صد آفرین اُس مظلومہ کو اوپر کی بالیاں اُتار گھٹنے پر رکھیں۔ لوگوں کی یہ سمجھ کر چھوڑ دیں کہ کان بالکل ہی ننگے ہوجائینگے۔ پھر خیال آیا مجھ ننگی بُچی کو اب دیکھنے پوچھنے والا کون بیٹھا ہے اتارنی تو ہیں ہی کیوں جھک جھک پٹ پٹ کی مگر نہیں آخر میں بھی تو بیوی ہوں۔ برس سوا برس کی بیاہی ایک بچہ کی

ماں کچھ تو خیال کریں گے بالیاں ہاتھ میں لیں اور سوچنے لگی۔ امّاں نے اسی
دن کو سینت سینت کر رکھی تھیں کہ آج میں اپنے ہاتھ سے سوکن کو دیدوں!
اُٹھی میاں کے پاس آئی ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے رنگ سپید
پڑا ہوا تھا بھرائی ہوئی آواز سے جو اچھی طرح نکل بھی نہ سکی۔ منت سے کہا
کہو تو لوگوں میں پہنے رہوں"۔

ذاکر جفا کار سے یہ توقع کہ بیوی کی اس حالت کا اسکے دل پر کچھ اثر ہوتا
محض غلط اور بالکل فضول! اُسکو بیوی کے پاس اسوقت دم بھر بھی کھڑا ہونا
وبال اور ایک ایک لمحہ ایک ایک سال تھا! کمبخت نے بیوی کی تکلیف
ذرا محسوس نہ کی اور کھڑے کھڑے وُہ بالیاں بھی اُتروا چمپت ہوا!
میاں کے سامنے تو نہایت صبر اور استقلال سے بالیاں دیدیں مگر اسکا
پیٹھ موڑنا تھا کہ بالکل ہی دِل ٹوٹنے لگا! کچھ دیر تک بیٹھی روتی رہی پھر
اُٹھی اور اُٹھ کر دروازے پاس آئی۔ جھانک کر دیکھا تو میاں دُولہا بن چکا
تھا سارے کپڑے بدل چکی تھیں سُلطانہ ہاتھ میں جوڑا لئے کھڑی تھی! سر
مُنہ لپیٹ آپڑی! سوچنے لگی اب کیا کرنی جو ہونا تھا وُہ ہوگیا! جو دیکھنا
تھا وُہ دیکھ چکی! مگر نہیں ابھی تو بہت کچھ دیکھنا ہی! اللہ! کیسی پھوٹی تقدیر
تھی کہ ساری عمر ہی روتے گذری! آہ! میری ہی بالیاں میرا ہی جوڑا!
اور دیکھوں کیا کیا لکھا آگے آتا ہے! دُنیا مر رہی ہے مجھ بدنصیب کو
مَوت بھی نہیں کہ کسی طرح اِن جھگڑوں سے چھوٹوں! مصیبت کی کوئی حد
ظلم کی کوئی انتہا کیسی بے غیرت زندگی ہے ختم ہی نہیں ہوچکتی! بلا سے کچھ

کھا ہی لوں کہ پاپ تو کٹے۔ مگر نہیں خدا کو بھی منہ دکھانا ہے یہاں تو خیر جیسے گذرنی تھی گذری اور جیسی گذرنی ہو گی گذریگی۔ میاں سے تو اچھی نبھی اس پر تو اچھے ہیں جس کا دربار سچا جس کی سرکار اچھی! حرام موت مروں تو وہاں بھی عذاب بھگتوں! خیر جو اُسکی مرضی جس طرح گذر رہی ہے گذرے جائے! دوپہر تک اسی جھگڑے میں اُلجھی رہی! ظہر کا وقت آیا نماز کو کھڑی ہوئی۔ پڑھ چکی۔ سجدہ میں گری! گرنا تھا کہ قادرِ مطلق کی قدرت کا دھیان آیا اور دل نے صدا دی کہ اے بدنصیب! اُس ذاتِ پاک کے اب تیری فریاد سننے والا کوئی نہیں روئی اور اتنا روئی کہ روتے روتے ہچکی بندھ گئی! ابھی سر نہ اٹھایا تھا کہ نئی دلہن کی سواری آپہنچی۔ آگے آگے ذاکر شادان و فرحان پیچھے پیچھے سلطانہ ہنستی کھلکھلاتی دائیں طرف ساس بائیں طرف بڑی نند۔ دلہن سمیت گھر میں داخل ہوئے! جس گھر میں اب سے دو گھنٹے پہلے سناٹا چھایا ہوا تھا گہما گہمی ہو گئی! بڈھے منہ مہاسے لوگ چلے تماشے۔ دنیا بھر کی رسمیں ادا ہوئیں مشکل ہے کہ محمودہ کی حالت الفاظ میں بیان کی جائے۔ ہاں اتنا ضرور تھا کہ دو دو چار چار لمحہ بعد آکر جھانکتی اور پھر جا بیٹھتی! عصر کا وقت ہو گا کہ بھائی بہنوں میں چپکے چپکے کچھ باتیں ہوئیں اور سلطانہ بھائی سے یہ کہتی ہوئی "لو ابھی لو" بھاوج کے پاس ہنستی ہوئی آئی اور کہا:۔ "بھابی! تم اماں والے دالان میں چلی جاؤ! کمرہ خالی کر دو"۔ (باقی آئندہ)

النخیری

تصویر امام باڑہ آصف الدولہ کے متعلق اس مرتبہ ایک ضروری مضمون کی وجہ سے کچھ نہ لکھا جا سکا لیکن اس کی بابت مفصل مضمون آئندہ رسالہ میں درج کیا جائیگا +

آفرینش الٰہی کی حکایات

زمین کی تیسری حکایت

زمین کہتی ہی کہ اَے لڑکیو! مَیں اب اِس تیسری حکایت میں ایسے عجیب و غریب اپنے شعبدے اور انسان کے عقل کے کرشمے بیان کرتی ہُوں جنکو سُنکر تُم دنگ رہجاؤگے کہ مَیں نے صدہا برسوں تک انسان کی قوّت باصرہ کو مُغالطہ پر مُغالطہ دیتے مگر وُہ عقل کا پُتلا میرے مغالطہ میں نہ آیا۔ جب میری ڈِٹ بندی سی اُسکی آنکھیں دھوکہ کھانے لگیں تو اُس نے اپنی عقل کی عینک لگا کے مجھے جان لیا کہ میں کیا کر رہی ہوں۔ ہرچند مَیں نے چاہا کہ لپنے ہاتھوں سی اُسکی آنکھوں پر پٹّی باندھوں مگر اُس نے میرے ہاتھوں کو اپنے پاس نہیں آنے دیا۔ اب میں اپنی ہر شعبدہ بازی کی تفصیل کرتی ہُوں۔ اوّل مَیں محدود تھی مگر مَیں نے آدمی کو اپنے تئیں غیر محدود دکھایا۔ اور قاعدہ ہی کہ کسی غیر محدود چیز کی صُورت شکل قد و قامت کا تصوّر آدمی کے ذہن میں ایسا نہیں سکتا کہ وُہ اُسکی تصویر بنالے۔ اِس لئے انسان نے مجھے غیر متناہی سمجھکر میری صُورت شکل ڈیل ڈول کے دریافت کرنے میں کوشش نہ کی۔ مجھ پر جہاں اُس نے کھڑے ہوکر دیکھا کبھی مَیں نے اُسکو اپنا کنارہ دیں دکھلایا کہ جس سے وُہ سمجھا کہ اب آگے کچھ نہیں ہر زمین ختم ہوئی لیکن وہ عقل کا اندھا نہیں تھا۔ وُہ اپنی چشم سر کی بینائی کے ساتھ عقل کی بصارت کو ایسا کام میں لایا کہ میرے دھوکہ میں نہیں آیا۔ اُس نے دیکھا کہ آفتاب اُفق پر مشرق سے

طلوع ہوتا ہی۔ دن بھر آسمان پر سیر کرتا ہی شام کو افق کے نیچے غروب ہو جاتا ہی اب اس میں کسی احمق کو بھی شبہ نہ ہوگا کہ یہ سورج تمہارا پیارا دوست ہمیشہ ایک ہی رہتا ہی صبح کو جب تم اسکو دیکھتے ہو تو تم کو شبہ نہیں ہوتا کہ یہ وہی آفتاب ہی جو شام کو تم سے سدھارا تھا اور رات بسیرا لیکر پھر سویرے تم سے آن ملا۔ اب سوال یہ ہی کہ رات کو بسیرا کہاں لیا۔ اور رات کو تم سے غائب ہو کر کہاں رہا۔ اب اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں کہ کیا وہ زمین کے نیچے کسی فضا میں رات بھر پھرتا رہا یا زمین کے اندر کوئی بڑا گہرا غار تھا اُسکے اندر گھس کر رات بھر پھرتا رہا۔ بھلا اس پچھلی بات کو کب عقل باور کرسکتی ہی ہمیشہ افق پر آفتاب اپنے طلوع وغروب کے مقامات بدلتا رہتا ہی۔ اگر تم چند روز یا سال بھر تک نظر غور سے دیکھو تو تم کو معلوم ہوگا کہ افق ظاہری کا ایک بڑا حصہ ہی جس پر یہ تغیر مقاماتِ طلوع وغروب واقع ہوتے رہتے ہیں۔ پس اگر آفتاب کا زمین کے کسی غار میں جانا مانا جائے تو زمین کیا ٹھہری ایک کھکھل بے شمار غاروں کا گھر ٹھہرا جو زمین کے مادہ کی صفات کو باطل کرتا ہی۔ پس اس سے معلوم ہوا کہ زمین کا دل غیر محدود نہیں ہے اور جہات فوق اور تحت میں تو چاند سورج ستارے سیارے پھرتے نظر آتے جنسے زمین کی جہاتِ فوق او رتحت میں محدود ہونا عیاں ہی پس زمین کا چاروں طرف محدود ہونا ثابت ہوا اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے سب طرف خلا ہی جسکو آکاش کہتے ہیں جس میں یہ تمام اجرام فلکی گردش کرتے ہیں کوئی اس میں ایسی شے نہیں کہ جس پر زمین بندھی اور جمی ہوئی ہی نہ کوئی مضبوط اڑواڑ لگی ہوئی ہی جسکے سہارے سے وہ ٹھہری ہوئی ہی۔ وہ معلق ہے کوئی چیز

خارج ایسی نہیں ہے جس سے وُہ بندھی جکڑی ہو۔ پس انسان نے اپنا ایک
مغالطۂ نگاہ جو میں نے اسکو دیا تھا اِس طرح سے رفع کرلیا۔ اب دُوسرا
میں نے اسکو یہ دیا تھا کہ میں گول تھی اور اُسکو سپاٹ اپنے تئیں دکھاتی
اور اپنی گولائی کو چھپاتی تھی۔ توریت میں ایک آیت تھی کہ خدا نے زمین کو
فرش بنایا اور اس پر آسمان کا خیمہ لگایا۔ وُہ میری دھوکہ بازی سے اس آیت
کے معنے بھی مدتوں تک غلط سمجھتا رہا اور زمین کو فرش اور آسمان کو خیمہ
ایسا ہی جانتا رہا جیسا کہ اپنے فرش اور خیمہ کو جانتا ہے۔ یہ غلطی انسان کی جبتک
دُور نہ ہوئی کہ حکیم فیثا غورث نہ پیدا ہوا اُس نے زمین کا گول ہونا ثابت کیا
ورنہ انسان کے دل میں یہ نقش جما رہا کہ زمین ایک بہت بڑا ایک کاگ مسطح
(گول نہیں) ہے جسکو سب طرف سے گرداگرد بحر بے پایاں گھیرے ہوئے ہے
جس کا ساحل کسی کو نہیں معلوم ہوا لیکن جب ۱۵۲۰ء میں لیک لین صاحب نے یورپ
سپین کے مغربی کنارہ سے مغرب کی طرف جہاز چلایا اور جنوبی امریکہ کے جنوب
میں گذر کر ایشیا کے کنارہ پر پہنچا یا اور یہاں سے پھر کر جہاں سے جہاز چلایا تھا
۱۲۴ روز میں پہنچایا اور سارے راہ میں جہازوں کے منہ جس طرف تھے
اُس طرف برابر رہے کسی طرف موڑے نہیں تو اس سے ثابت ہوا کہ روئے زمین پر جو اسکی راہ
تھی وُہ مدور تھی۔ اب بہت سے جہاز زمین کے گرد پھر کر اسی طرح گردش کرتے ہیں
بالکل یقین ہو گیا ہے کہ زمین گول ہے۔ تم زمین کے گول ہونیکا مشاہدہ اس طرح کر سکتے
کہ کسی وسیع میدان میں جاؤ اور اپنے چاروں طرف درختوں کو دیکھو تو انکی پھننگ
نظر آئیگی اور انکی باقی حصے چھپے رہینگے اور جتنے قریب جاؤ گے اتنی ہی وہ بتدریج ا

نیچے کی طرف دیکھنے میں آئینگے اگر زمین مسطح ہموار ہوتی تو درخت سر سے پاؤں تک سارے نظر آتے گو فاصلہ کے سبب سے انکے قد چھوٹے معلوم ہوتے۔ زمین کی گولائی ہماری نظر اور درختوں کے درمیان حائل ہو گئی ہے جو درختوں کو پورا نہیں دیکھنے دیتی۔ شاید تم لڑکیاں اس گولائی کے حائل ہونے کے معنی نہ سمجھی ہو تو اس کے سمجھنے کے لئے یہ تجربہ کرو کہ ایک ہموار میز لاؤ اور اس پر دو مکھیاں بٹھاؤ اگر مکھیاں بٹھا نہ سکو تو انکو بیٹھا ہوا خیال کر لو اور انکو یہ سمجھ لو کہ وہ ایک دوسری کیطرف چلتی ہیں پس جب تک وہ میز کی سطح پر رہیں ایک دوسری کو اچھی طرح تمام و کمال دیکھ سکینگی گو اُن میں ایک دوسرے کو چھوٹی نظر آئینگی مگر جب قریب آئینگی تو بڑی دکھائی دینے لگینگی مگر درختوں کی طرح یہ نہ ہوگا کہ انکا ایک حصہ دکھائی دیگا اور دوسرا غائب معلوم ہوگا جس سے معلوم ہوا کہ زمین کی سطح ایسی ہموار مسطح نہیں ہے جیسی کہ میز کی سطح۔ اب دوسرا تجربہ یہ کرو کہ ایک نگترا یا لڈو لو اور اسکے سرے پر اوپر کیجانب ایک مکھی بٹھاؤ اور اس کی نیچے کی جانب دوسری مکھی۔ تو ایک مکھی دوسری مکھی کو نہیں دیکھ سکتی کیونکہ انکے بیچ میں نگترے یا لڈو کی گولائی حائل ہے۔ اگر مکھیاں ایک دوسری کیطرف چلنا شروع کرینگی تو اول وہ ایک دوسری کا سر دیکھینگی اور سوا سروں کے اور کوئی حصہ ایک مکھی دوسری مکھی کا نہ دیکھیگی۔ کیونکہ انکے درمیان نگترے یا لڈو کی گولائی حائل ہے وہ اُبھری ہوئی آڑ میں آ جاتی ہے وہ نہیں دیکھنے دیتی۔ پہلے بھی سطح کی گولائی ایک مکھی کو دوسری مکھی سے بالکل چھپائے ہوئی تھی۔ اب وہ مکھیوں کے ایک حصہ کو دکھاتی ہے اور دوسرے حصہ کو چھپاتی ہے۔ پھر آگے وہ بڑھینگی تو آپس میں ایک دوسری کو بالکل دیکھ لینگی پس اس تجربہ سے یہ ثابت ہوا کہ زمین نگترے کی طرح گول ہے میز کی طرح مسطح نہیں +

ذکاءاللہ

بچپن کی یاد

ایک سہیلی کا خط پڑھکر

بچپن کی کھیلی صادقہ میری سہیلی صادقہ — پیاری سہیلی صادقہ خط کا تمہارے شکریہ
مدت کے بچھڑے مل گئے برسوں کے روٹھے من گئے — سب لفظ دل میں گڑ گئے چوما اسے آنکھوں پر رکھا
میں دور تھی مجبور تھی رنجوں میں چکنا چور تھی — ورنہ بگڑ اتیں لاکھ تم میں آپ ہی لیتی منا
کواری سی بیاہی ہو گئیں صندل سی دلہن بن گئیں — بھولے ہوئے یاد آگئے شادی سے اتنا تو ہوا
بچپن گیا گذرا ہوا اچھی چار دن کی چاندنی — وہ رات آخر ہو چکی اب سر پہ سورج آگیا
تاروں بھری راتیں گئیں جانے کہاں وہ چھپ گئیں — دن کھیل کے رخصت ہوئے اب وقت ہے کچھ کام کا
پیپل کی چھاؤں یاد ہے دن بھر ہوتا تھا جہاں — مدت ہوئی دیکھا نہیں وہ گھونسلا اس چیل کا
اماں کا غصہ اور میں خالہ کی خفگی اور تم — کیا وقت تھا کیا بات تھی مطلق اثر ہوتا نہ تھا
چھوٹے کھنڈر میں لیٹنا مٹی پہ دھم دھم کودنا — وہ لوٹنا اور پوٹنا اور آگے پیچھے بھاگنا
پھر چھائیں مائیں کھیلنا کوڑی کی ڈوری میں کودنا — کیسا سماں رخصت ہوا کچھ دھیان بھی ہے صادقہ
کاری کے گھر سرکی کے در لیٹے ہوئی تھی جن پر — اب پھر نہ آوینگے نظر جو کچھ وہ دیکھا خواب تھا
گر عید آتی تھی کبھی ہوتی تھی دل کو کیا خوشی — جھم جھم کی ہونگی چوڑیاں اس دھن میں راتوں جاگنا
کیا فائدہ اس ذکر سے لگتی ہے دل پر چوٹ سی — وہ سیر آخر ہو گئی اب راگ ہے ہر وقت کا
بے فکر ہوتی تھی بس غم کا نہ تھا دل پر گذر — رخصت ہوا بچپن مگر پھل ہمیں دیتا گیا
جھک جھک میں دنیا کی پڑیں ہیں کٹ گئیں سب راتیں — رنج والم سر پر رہیں ہر دم ہو غم کا سامنا
اب ختم ہوتا ہے یہ خط پھولو پھلو سکھ سے رہو — بیلیں پھلیں گودی بھرے بیٹا ہو پیدا چاند سا
جھولی کا گانا یاد ہے؟ سچ مچ ہی وہ دن آگئے — جا پہنچیں! پیاری صادقہ! لینے کو ساون آگیا

راشد الخیری

قرآن کا شوق

جو مجھ کم کا ہے اس کا جزدان اماں — تو ہے جلد کی بھی عجب شان اماں
میں اسکو پڑھوں گی اِک آن اماں — یہی اپنا ہے دین۔ ایمان اماں
دِکھا دو ذرا اپنا قرآن اماں

یہ بس دھانی جزدان کیا ہی کِھلا ہے — بسا میری آنکھوں میں دل میں کھبا ہے
نہ ہے جھول اس میں نہ سلوٹ ذرا ہے — بنا ٹھیک اور زینت۔ اچھا سِلا ہے
دِکھا دو ذرا اپنا قرآن اماں

غضب جلد بھی اسکی اچھی بنی ہے — گلوں اور بوٹوں سے کیسی سجی ہے
سُنہری رُپہلی جو جدول کھنچی ہے — چمک میں وہ ہیرا نمک میں کنی ہے
دِکھا دو ذرا اپنا قرآن اماں

مجھے پیاری آواز سے اب سُنا دو — جو میں تم سے پوچھوں مجھے وہ بتا دو
اسی طرح مجھ کو بھی اچھی پڑھا دو — میرے ننھے مُنّے سے جی کو بڑھا دو
دِکھا دو ذرا اپنا قرآن اماں

مجھے اس کے معنے بتا دینا اچھی — جو مطلب ہو وہ بھی جتا دینا اچھی
غرض اس طرح سے پڑھا دینا اچھی — کہ بس گھول کر ہی پلا دینا اچھی
دِکھا دو ذرا اپنا قرآن اماں

میں دیکھوں گی انمول بولوں میں کیا ہے — کہ جن کی تلاوت میں یہ کچھ مزا ہے
عجب اس کے لفظوں میں جادو بھرا ہے — کہ دل لوٹتا ہے جگر لوٹتا ہے
دِکھا دو ذرا اپنا قرآن اماں

میں منہ ہاتھ دھو کر فجر جب اُٹھونگی — تو کھولوں گی قرآں ہوا اس کی لونگی
بہت ہی ادب سے خوشی سے پڑھونگی — نہ بولوں گی جب تک نہ باتیں کرونگی
دِکھا دو ذرا اپنا قرآن اماں

میں قرآن پڑھ پڑھ کے دم جب کرونگی — تو رحمت کے پھولوں سے گودی بھرونگی
خوشی سے نہ کیونکر اہلی پہلی پھرونگی — خدا کی عنایت سے پھولوں پھلونگی
دِکھا دو ذرا اپنا قرآن اماں

میرے سید ابا بھی خوش ہونگے سُنکر — کہ اتنی سی جان اور قرآن ازبر
دُعائیں مجھے دینگے دل سے وہ اکثر — چڑھے نئی پروان عزّت ہو گھر گھر
دِکھا دو ذرا اپنا قرآن اماں

سید احمد دہلوی مؤلف فرہنگِ آصفیہ

عالم نسواں

معمر لیڈی ڈاکٹر۔ مس الزبتھ بلیک ویل نے جس نے پہلا ڈاکٹری امتحان امریکہ میں پاس کیا۔ ابھی اٹھاسی سال کی سالگرہ منائی ہے۔ مس موصوف نے کامیابی امتحان کے بعد اپنا نام سرکاری رجسٹر میں بزمرۂ ڈاکٹران درج کرایا اور اب اپنے ملک میں سب سے بڑی عمر کی ڈاکٹر ہے۔ مس گیریٹ جو اب مسز گیریٹ اینڈرسن ہے۔ اس سلسلہ میں مس بلیک ویل کے گیارہ برس بعد یعنی ۱۸۷۰ میں شریک ہوئی تھی۔ تین برس کے قریب گذرے کہ ڈاکٹر بلیک ویل دوبارہ امریکہ میں آئیں جہاں انکا خاندان ۱۸۳۲ء میں آباد ہوا اور یہاں اپنے چھوٹے بھائی سے ملیں جسکی عمر تیراسی برس کی ہے اور بالکل تندرست ہے ❊

بانکی پور میں مسز ارل صاحب کمشنر نے گذشتہ مہینہ میں بہار ٹریننگ کالج یعنی مدرسہ نسواں کا افتتاح کیا جس کے واسطے خان بہادر نواب بادشاہ نواب رضوی نے وقف کیا ہے مسز واٹر کی رپورٹ سے معلوم ہوا کہ اب بھی یہاں تیرہ لڑکیاں تعلیم پا رہی ہیں۔ افتتاح کے وقت مسز ارل نے کہا مجھ کو اس شرکت سے بہت مسرت حاصل ہوئی جب عورتوں کو کامل تعلیم دی جائیگی تو مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کی تعلیم و اخلاق میں بہت ترقی ہوگی فی الحقیقت ایک عمدہ تعلیم یافتہ عورت پچاس تعلیمیافتہ مردوں سے زیادہ دنیا کو فائدہ پہنچا سکتی ہے بہار کو اس بات کا فخر حاصل ہے کہ اس صوبہ میں پہلا کالج اسی جگہ قائم ہوا۔ چونکہ ابتدا تم سے ہوئی اب سے آگے بڑھنا بھی تمہارا کام ہے۔ رپورٹ سے معلوم ہوا کہ تم سب تعلیم میں دل سے شریک ہو۔ امید ہے کہ یہ شرکت ہمیشہ ترقی کریگی۔ ہم سب اپنے وطن انگلستان کو جا رہے ہیں وہاں ہم تمہارے کالج کی ترقی کی خبریں سنا کرینگے میری دعا ہے کہ اس نئی زندگی میں تم خوش رہو

مہدانی کالج میسور۔ مسز اینی بیسنٹ مہدانی کالج میسور کی بابت لکھتی ہیں کہ یہ گرامیقدر انسٹیٹیوشن ہے اور اسکی شہرت دور دور تک پہنچ گئی ہے۔ پرنسپل کی درخواست پر میں نے بڑی عمر کی لڑکیوں سے مخاطب ہو کر چند الفاظ کہے۔ یہ لڑکیاں نہایت ذہین و فہیمہ نظر آتی تھیں ❊

پرچہ کا رسالہ مکمل ہو چکا تھا جب ہمیں اس ضروری جلسہ کی روئداد ملی اسکی اہمیت اور دلچسپی کا لحاظ کرکے یہ گوارا نہ ہوا کہ ہم اسے اگلے مہینہ میں شائع کریں۔ اوراسلئے ہم نے چند زائد اوراق لگا کر اسی مہینہ میں ہدیۂ ناظرین کرنا مناسب سمجھا۔

لیڈی منٹو اور مسلمان خواتین

(ایک عالیشان اور دلچسپ پردہ پارٹی)

تیسری مارچ چہارشنبہ کا دن اس اعتبار سے مدت تک یاد رہیگا کہ مسلمان خواتین کی طرف سے ہزایکسلنسی لیڈی منٹو صاحبہ یعنی ہمارے ہر دلعزیز نائب السلطنت کشور ہند کی خاتون محترمہ کو ایک ایڈریس کلکتہ میں دیا گیا اور انھوں نے اسکا ہمدردانہ اور حوصلہ بڑھانے والا جواب دیا۔ کلکتہ میں غالباً یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں کے اعلیٰ گھرانوں کی بیبیاں اس کثرت سے ایک مقصد کے لئے جمع ہوئیں اور یہ تو یقیناً ہندوستان بھر میں پہلی مرتبہ ہوا کہ دور دراز مقامات سے ان کی تعلیم یافتہ بہنوں نے تار اور خطوط کے ذریعہ سے اس ایڈریس کے پیش کرنے میں شرکت کی دہلی لاہور اور پٹنہ وغیرہ سے۔ جناب سہروردیہ بیگم صاحبہ نے جن کے اہتمام سے یہ جلسہ کامیاب ہوا۔ خواتین کے نام دعوتی خطوط بھیجے تھے اور یہ درخواست کی تھی کہ اگر دور دراز سفر کی وجہ سے ذاتی طور پر شریک نہ ہوسکیں تو ایڈریس میں ضرور شریک ہوجائیں۔ دہلی سے تین معزز لیڈیوں کے دستخط ہو کر گئے تھے۔ اسی طرح مختلف مقامات سے اس تحریک کی زبردست تائید ہوئی۔

منجملہ دیگر دستخطوں کے خاندان اودھ میسور و مرشد آباد کی شہزادیوں اور

بیگمات اور دہلی کے خاندان تیموریہ کی بیگمات کے دستخط اس ایڈریس پر ثبت تھے۔ مسٹر عبدالرحیم صاحب کی بیگم صاحبہ نے مدراس سے۔ مسز فضل حسین صاحبہ نے لاہور سے اور سلطان جہاں بیگم صاحبہ نے پشاور سے تائیدی خطوط و تار بھیجے۔ خاص کلکتہ سے علاوہ مسلمان خواتین کے بہت سی ذی رتبہ اور معزز ہندو اور یوروپین لیڈیاں بطور مہمان مدعو تھیں اور شریک جلسہ ہوئیں جن میں ذیل کے نام قابل ذکر ہیں:۔

لیڈی سیکر صاحبہ مہارانی صاحبہ کوچ بہار۔ مہارانی صاحبہ مورنہنج۔ مہارانی صاحبہ نٹور۔ لیڈی آدم سن۔ لیڈی ہملٹن۔ مسز سنا۔ مس ڈنلپ سمتھ۔ مسز ٹیلر۔ مسز گھوسال۔ مسز مکرجی اور مس شہراب جی ہنگر فورڈ سٹریٹ میں ایک خوش فضا مکان اس موقعہ کے لئے انتخاب کیا گیا تھا اور اس کے سبزہ زار کو اس دفعہ کے لئے خصوصیت سے آراستہ کیا تھا پردہ کا انتظام نہایت احتیاط کے ساتھ تھا اور مہمانوں کے سامنے چار پانی پیش کرنے کے واسطے آیا اور دیگر خادمائیں اُجلے کپڑے پہنے موجود تھیں۔ دروازہ پر یونین جیک یعنی برطانیہ کا جھنڈا لہرا رہا تھا اور اس کے ایک طرف ہلال اور دوسری طرف شیر و خورشید ترکی اور ایران کے ساتھ برطانیہ کے اتحاد کا پتہ دے رہے تھے۔ یعنی تینوں بڑی اسلامی سلطنتوں کے اتفاق کا نشان تھے (برطانیہ عظمیٰ کو بھی اکثر سب سے بڑی اسلامی سلطنت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ تاج برطانیہ کے تحت حکومت سب سے

زیادہ مسلمان آباد ہیں) وسطِ صحن میں ایک کارچوبی سنہرا شامیانہ چاندی کے ستونوں پر استادہ تھا اور اُس کے نیچے ایک بلند جگہ بنائی گئی تھی جس پر ہز ایکسیلنسی کے واسطے ایک تخت بچھا تھا اور اس کے دونوں طرف لیڈی بیکر اور لیڈی ایلین ایلیٹ کی کرسیاں تھیں۔ لیڈی صاحبہ ٹھیک ساڑھے پانچ بجے تشریف لائیں۔ اور مسز سٹیفن مسٹر کولن۔ مسز لوکس اور مس سُہراب جی نے پردہ نشین میزبان کی طرف سے دروازے کے باہر اُن کا استقبال کیا اور انہیں اندر لائیں۔ جہاں اندرونی دروازہ پر خاندان اودھ کی شہزادیاں میسور اور مرشد آباد کی بیگمات مسز محمود گیلانی۔ مسز عارف اور سہروردیہ بیگم صاحبہ اُن کے استقبال کو کھڑی تھیں۔ ملاقات کے بعد لیڈی منٹو صاحبہ لیڈی بیکر صاحبہ۔ لیڈی ایلین ایلیٹ صاحبہ کو نہایت خوبصورت گلدستہ پیش کئے گئے جو ننھی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں نے نہایت پیاری ادا سے پیش کئے۔

اِس کے بعد لیڈی صاحبہ تخت پر جلوہ افروز ہوئیں۔ سہروردیہ بیگم صاحبہ نے جو کلکتہ کے مشہور وکیل مسٹر کے۔ اے زاہد صاحب کی بیوی اور ڈاکٹر عبداللہ المامون سہروردی بیرسٹر کی بہن ہیں انگریزی میں ایڈریس پڑھا۔ جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"ہم مسلمان مستورات جو آج یہاں جمع ہیں اور جو مسلمانانِ ہندوستان کے ہر فرقہ کی بالعموم اور ہندوستان کے موجودہ دارالسلطنت کلکتہ

کی بالخصوص قائم مقام ہیں نہایت ادب سے حضور اور لیڈی ایلین ایلیٹ صاحبہ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں کہ آپ نے ہماری ایک ہمقوم بہن کی عاجزانہ درخواست منظور فرمائی اور آج یہاں رونق افروز ہوئیں۔ ہمارا خیال ہے کہ جو عزت آج آپ نے ہمیں بخشی ہے وہ بےنظیر ہے اور یہ تاریخ ہندوستان میں پہلا موقع ہے کہ قیصر ہند کے نائب السلطنت کی خاتون محترم اور دختر نیک اختر مسلمان خواتین کی ایسی بڑے اور لاجواب جلسہ میں تشریف لائیں۔

آج حضور کے روبرو جو خواتین موجود ہیں اُن میں ایسے گھرانوں کی خاتونیں ہیں جو ایک وقت میں شاہی اور شہنشاہی خاندان تھے یعنی شہنشاہانِ دہلی کی اولاد شاہانِ اودھ کی اولاد۔ سلاطینِ میسور کی اور نواب ناظم مرشدآباد کی یادگاریں۔ ان کے سوا ایسے ایسے نامور و ممتاز بزرگوں کی نشانیاں ہیں جنہوں نے علمِ مذہب اور لشکر کے میدان میں نام پیدا کیا تھا۔ صحیح النسب سادات کی بیٹیاں اور ایسے علمائے کرام اور گوشہ نشین صوفیہ کی نشانیاں ہیں جن کے ناموں سے اوراقِ تاریخ مزین ہیں۔ بڑے بڑے مسلمان تجار کی عورتیں جن میں کوئی ہندی کوئی ایرانی اور کوئی عربی نژاد ہیں اور یہ ہی بڑے بڑے تاجرِ اسلام کی موجودہ عمارت کے رُکنِ اعظم ہیں۔ اور ان سب کے علاوہ بڑے بڑے عہدہ دارانِ سرکاری

اور صاحبان آزاد پیشہ کی بیگمات ہیں۔

حضور کو معلوم ہوگا کہ نیشنل انڈین ایسوسی ایشن کی زنانہ شاخ ہندوستانی اور یوروپین اقوام میں میل جول بڑھانے اور باہمی دوستی اور اعتماد پیدا کرنے میں ایک بڑا سیاسی ذریعہ ہے۔ اگر مشرق اور مغرب کبھی اپنی جُداگانہ دُھندلی روشنیوں کو مِلاکر بنی نوع اِنسان کے فائدہ کے لئے روزِ روشن کی طرح چمکائینگے تو یہ نتیجہ صرف مغربی خواتین اور اُن کی مشرقی بہنوں کے آزادانہ میل مِلاپ سے حاصل ہوگا۔ اُن کے آپس میں ملنے سے تمام مصنوعی قیود دُور ہوجائینگی۔ اور وُہ رشتۂ ہمدردی جو قدرتی طور پر ایک عورت کو دوسری عورت کی طرف کھینچتا ہے مضبُوط ہوجائے گا۔ اُس ایسوسی ایشن کی زنانہ شاخ کے ممبروں کو کئی دفعہ حضور سے مُلاقات کا موقعہ ہُوا ہے۔ مگر بدقسمتی سے مُسلمان مستورات کو یہ موقعہ نہیں ملا تھا کیونکہ بوجہ اپنے رواج اور اصُول قدیم کی پابندی کے وُہ عموماً اُن مواقع سے جو انڈین ایسوسی ایشن کو ایسے سوشل میل جول سے وقتاً فوقتاً حاصل ہوتے رہتے ہیں فائدہ نہیں اُٹھا سکتیں۔ اِس لئے ہم نہایت تہ دِل سے حضور کے ممنون ہیں کہ حضور نے یہ خاص موقعہ ہمیں دیا کہ پردہ کی پُوری پابندی کے ساتھ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور اپنے سچّے اور دِل سے نکلے ہُوئے خیالاتِ شُکر گذاری

آپ کی خدمت میں پیش کریں۔ کیونکہ آپ اُن تمام تحریکوں میں جو ہندوستان کے طبقۂ نسوان کی ترقی سے متعلق ہیں گہری اور عملی ہمدردی رکھتی ہیں"۔

لیڈی منٹو صاحبہ کا جواب

ہز ایکسیلنسی نے ایڈریس کے جواب میں جو تقریر فرمائی اُس کا ترجمہ یہ ہے :—

میری بہنوں اور دوستو! میں بیان نہیں کرسکتی کہ میں آج آپ سب سے ملنے کی کس قدر شوق سے منتظر تھی۔ تاہم مجھے مطلق خیال نہ تھا کہ میں ایسا پُرلطف مجمع اُن کی طرف سے ایسی پُرجوش آؤبھگت یہاں دیکھونگی۔

میں صدقِ دل سے آپ کی مہمان نوازی کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ خاصکر آپکے ایڈریس کی نہایت موزون الفاظ اور نفیس خیالات سے میں بہت متاثر ہوئی۔ کیونکہ میں اُن کارناموں سے جو ہندوستان کی عجیب و غریب تاریخ میں آپ کے بزرگوں سے ظہور میں آئے کسی قدر واقف ہوں۔ نیز میں اُس شرکت سے جو آپ اپنے ملک کی زندگی میں کرتی ہیں کسی قدر واقف ہوں اور گو آپ اپنے بزرگوں کی رسمِ پردہ کی مؤدبانہ پابندی برابر کرتی ہیں اس پر بھی میں یہ تسلیم کرتی ہوں کہ آپ اندرونی اور

بیرونی معاملات پر بہت زبردست اور جائز اثر ڈالتی ہیں۔ ہر مُلک اور ہر قوم کی اپنی اپنی رسمیں اور اپنے اپنے رواج ہیں مگر آج کا جلسہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ہماری رسموں کا اختلاف ایسا بڑا نہیں کہ ہم کو ایک دُوسرے سے جُدا رکھے۔

ہم آج جس رشتہ سے یہاں جمع ہیں وہ عورت ہونے کا رشتہ ہے اور عورتیں دُنیا بھر میں ایک ہیں۔ یہ سچ ہے کہ مادرِ ہند کی اولاد آپ ہی سے اپنی ابتدائی عادتیں اور خصلتیں حاصل کریگی اور یہ ہی ابتدا اُن کی آئندہ حالت اور قسمت کی صُورت گر ہوگی۔ سب سے زیادہ یہ آپ کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ آپ فیصلہ کریں کہ آپ کی اولاد کا چلن کیسا ہے۔ اور اُس چلن پر نہ صرف خود آپ کی اولاد بلکہ کل نسل کا انحصار ہوگا۔ بچپن میں صرف آپ کا اثر ہی ایک اثر ہے جو اُن پر پڑسکتا ہے اور وُہ ایک ایسا اثر ہے جو کبھی خالی نہ جائے۔ ہندوستان کی تاریخ ان مثالوں سے پُر ہے جہاں عورتوں نے نہ صرف اولاد پر اثر ڈالا بلکہ اپنے عہد کی سیاسی اور قومی زندگی کو بھی اپنے اثر سے خالی نہ چھوڑا اُن میں سے بعض عورتیں آپ لوگوں کے بزرگوں میں سے تھیں۔ اب زمانہ بدلتا جاتا ہے اور مواقع بدلتے جاتے ہیں۔ مگر مجھے یہ سُنکر خوشی ہُوئی کہ آپ نے یہ ارادہ کرلیا ہے کہ اپنی قوت اور مواقع کو مُلک کے اعلیٰ ترین اور نیک ترین مقاصد کے واسطے صرف کرینگی۔ میں دوبارہ اپنی طرف سے اور اپنی بیٹی کی طرف سے

اس عزت کا جو آپ نے مجھے بخشی ہے شکریہ ادا کرتی ہوں اور اس کی یاد ہمارے دلوں سے ہرگز محو نہ ہوگی۔

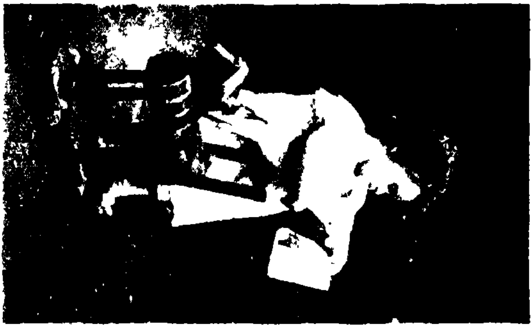
میں وائسرائے بہادر کو آپ کا پیغام وفاداری پہنچا دونگی اور وہ جس قدر جلد ہو سکیگا اُسے ہز مجسٹی قیصر ہند اور ملکہ معظمہ کی خدمت میں پہنچا دینگے۔

ہم سہروردیہ بیگم صاحبہ کو اور اُن تمام خواتین کو جو اس تقریب سعید میں شریک تھیں مُبارکباد دیتے ہیں کہ انہوں نے مُسلمان خواتین کی طرف سے ایسا مناسب ایڈریس پیش کیا اور اس پہلے کام کو جو مستورات کی طرف سے ایسے وسیع پیمانہ پر کیا گیا۔ اس قدر خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا اور یہ ثابت کر دیا کہ جن خواتین کی تربیت اور تعلیم میں اُنکے بزرگوں نے دل سے کوشش کی ہو وُہ پردہ کے اندر بھی کہاں تک ترقی کر سکتی ہیں اور کس قدر روشن خیال ہو سکتی ہیں۔ اس خیال سے یقیناً دیگر مقامات میں مستورات کی ہمت بلند ہوگی اور جو خواتین اپنی بہنوں کو نئے حالات زندگی کے مطابق ترقی کی طرف مائل کر رہی ہیں اُنکے حوصلے اس کامیابی سے بڑھ جائینگے۔

جناب سہروردیہ بیگم صاحبہ نے نہایت مہربانی سے اس موقعہ پر عصمت کو اپنی یاد سے فراموش نہیں کیا اور جائنٹ ایڈیٹر کے نام ایک خط شرکت جلسہ کے لئے لکھا تھا۔ باوجود دور دراز سفر کے ممکن تھا کہ اس بڑے قومی جلسہ کی کشش ذاتی شرکت کی ترغیب دیتی مگر گھر میں اُن ہی دنوں میں ایک عزیز سخت بیمار تھے اور اس سبب سے جانا ناممکن ہو گیا تاہم تار کے ذریعہ کلکتہ کی بہنوں کو پیام تائید شرکت بھیجا گیا تھا ✦

فہرست مضامین رسالہ عصمت

اپریل ۱۹۰۹ء







جلد ۱ - نمبر ۱۰

عصمت

قناعت

خوشی کی بات ہے کہ طبقۂ نسوان کو بھی ترقی کی طرف روز بروز زیادہ توجہ ہوتی جاتی ہے۔ دہلی کی معزز جماعت سیکو سمن نے یہ انتظام کیا ہے کہ ہر ہفتہ خواتین شہر کا ایک مجمع ہو جس میں مختلف مضامین پر لیکچر دیئے جائیں۔ پچھلے جلسہ میں اہلیہ جناب حکیم طبیب جی یعنی حمیدہ بیگم صاحبہ نے قناعت پر ایک پُر مغز اور سودمند لیکچر دیا اور اس خیال سے کہ وہ بہنیں جو اس جلسہ میں شریک نہ تھیں مستفید ہوں انہیں بغرض اندراج ہمارے پاس بھیجدیا۔ ہم حمیدہ بیگم صاحبہ کی اس عنایت کے ممنون ہیں اور مضمون کو نہایت خوشی سے درج کرتے ہیں۔

میری معزز بہنو! میں اس وقت جس مضمون پر کچھ کہنا چاہتی ہوں اس کی سرخی اور عنوان کا نام قناعت ہے اور اگرچہ اس کے وسیع اور طول طویل معنے مجملاً شیخ سعدی نہایت صراحت کے ساتھ ایک شعر کے ان دو پُر معنی مصرعوں میں "قناعت بہرحال اولیٰ تر است قناعت کند ہر کہ نیک اختر است" خوب ادا کر چکے ہیں۔ زیادہ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ مگر چونکہ میرا فرضِ وقت مجھے مجبور کرتا ہے کہ ان عقدوں اور نکتوں کی بھری پڑی گٹھڑی کی گرہ کھولوں اور کچھ اس سے زیادہ بھی مفصل بیان کروں اس لئے صرف دو لفظ پیش

کرکے اپنی غرض کا اظہار کرتی ہوں۔ میری اچھی بیبیو! قناعت اور حرص یہ دونوں لفظ آپس میں ضد ہیں۔ قناعت کے معنی آدمی کا اپنے ہر حال پر خوشی خوشی راضی رہنا کمی زیادتی تنگی ترشی کو صبر شکر سے قبول کرلینا ہے اور حرص ہمیشہ اپنی موجودہ حالت سے زیادہ کی لالچ میں گھل گھل کر بے مزہ مرنے کا نام ہے۔ خداتعالیٰ نے انسان کو زندگی میں دو اصلی جوہر دل دماغ اپنی بڑی بخششوں میں سے عطا کئے ہیں۔ یہ ایسی قوتیں ہیں جن کی ترقی کی کوئی انتہا نہیں۔ اسی طرح انسان کی خواہشوں کی بھی کوئی حد نہیں۔

اگر انسان اپنی خواہشوں کو نہ روکے یا اپنی آرزوؤں کی کوئی حد نہ معین کرلے تو دنیا کی اچھی سے اچھی اور بہت سے بہت چیز پر بھی راضی نہیں ہوسکتا اس کے لئے امیری غریبی فقیری بادشاہی دونوں جان کا عذاب اور وبال ہوجاتی ہیں۔ وہ ہر وقت اسی فکر میں رہتا ہے کہ اس سے بہتر حاصل کرے۔ اور جب وہ بھی حاصل ہوجاتی ہے تو اور اس سے اعلیٰ سے اعلیٰ بہتر سے بہتر کی فکر کرتا ہے غرض اسی طرح اور زیادہ اور زیادہ کے جھگڑوں بکھیڑوں میں پھنس کر چند دن کی مستعار زندگی اور مہمان روح کو فکر اندیشہ میں گنوا دیتا ہے۔ نہ اپنی عزیز زیست سے کوئی لطف اٹھاتا ہے۔ نہ عیش نہ کسی طرح کا چین نصیب ہوتا ہے نہ آرام۔ نہ جسم کو راحت ملتی ہے نہ جی کو اطمینان۔ آنے سے زیادہ بدمزہ ہوکر یہ کہتا ہوا رخصت ہوجاتا ہے: ”حسرتوں کا بوجھ سر پر دھر چلے“

کس لئے آئے تھے اور کیا کر چلے ۔ اگر کاش وہی شخص جس چیز کو جس قدر بھی حاصل کر چکا ہے اسی پر صبر و شکر سے قانع رہتا تو وہی قناعت اس کی راحتوں کا سبب اور اس کی زندگی کی رفیق بنجاتی ۔ خوشی غمی سے بیزار رہوتی ۔ نہ کمی کا غم اس کی زندگی کو تلخ کرتا نہ زیادتی کی فکر نہ اپنی رات کو محتاج ہوتا ۔ نہ خواہشوں سے پریشان ۔ ہندوستان کے کسی اردو شاعر نے کیا خوب اسی خیال کو ظاہر کیا ہے :۔

حرص کے پھیلتے ہیں پاؤں بقدر وسعت تنگ ہی رہتے ہیں دنیا میں فراغت والے

اس سے بھی یہی پایا جاتا ہے کہ قناعت ہی زندگی کے خوش گذارنے کا ایک گہرا راز ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ ہماری قوم اور ملک کے بعض خواہش پرست نفس کے بندے اپنی بے انتہا خواہشوں کے دھوکے اور لالچ میں آکر ایسے حریص ہوجاتے ہیں کہ زیادہ حاصل کرنے کی فکر میں منہ تک آئی ہاتھ پیر کی کمائی چیز کو بھی گنوا دیتے ہیں ۔ ان کی تنگدلی انہیں تنگدست بنا دیتی ہے اور وہ محروم و ناکام رہکر اپنی زندگی کو بلا میں پھنسا دیتے ہیں ۔ مجھے اس وقت ایک چھوٹی سی کہانی یاد آگئی ہے :۔ ایک کتا کسی دریا کے کنارے کھڑا تھا اور اس کے منہ میں روٹی کا ٹکڑا تھا ۔ پانی میں اس کا عکس جو پڑا سمجھا کہ کوئی دوسرا کتا ہے اور بہت سی روٹی اس کے منہ میں ہے ۔ جوں ہی چھیننے کو جھپٹا ۔ منہ کھولنا تھا کہ منہ کی بھی دریا میں گرگئی ۔ دیکھو سارے کی لالچ میں آدھی بھی گنوادی ۔ یہی حال ہمارے

حریص اور غیر قانع بھائی بہنوں کا ہے۔

تاریخ کی کتابوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے نامور بادشاہ جو دُنیا کی سٹیج پر فتحمند اور دولتمند مشہور ہو گئے۔ لالچ کے زہریلے مرض میں مُبتلا ہو کر اپنے نام کو بھی خاک میں مِلا گئے۔ عُمر بھر لڑے بھڑے جنگ وجدل کی۔ اپنی زندگی کو بڑے بڑے ملک فتح کرنے میں گذار دیا اور ہمیشہ مُلک اور بادشاہی روپیہ پیسہ فوج خزانہ کی ترقی کی فکر کرتے رہے۔ آخر ایک دِن یونہی خالی ہاتھ دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ نہ چین نصیب ہوا نہ راحت۔ میرے نزدیک اُن بادشاہوں اور فاتحوں سے وُہ غریب مزدور ہزار درجے بہتر ہیں۔ جو قانع ہیں دِن بھر مزدوری کر کے اپنے گھر پیسے لاتے ہیں اور بیوی بچوں کے ساتھ مزے میں رہتے ہیں اپنی نیند سوتے ہیں۔ اپنی نیند جاگتے ہیں۔ نہ چوروں کا ڈر ہے نہ دشمنوں کا کھٹکا۔ نہ حریصوں کی طرح دن کی حیرانی نہ رات کی پریشانی۔ جو کچھ تھوڑا بہت نصیب ہو گیا اُس پر قانع ہیں۔ نہ امیری کے ارمان۔ نہ غریبی کے درمان۔ نہ بڑھوتری کی فکر ہے نہ دھرنے سینتنے کا اندیشہ۔ جو مِل گیا کھا لیا نہ مِلا تو قسمت پر صابر شاکر ہو کر بیٹھ رہے۔ چنانچہ زمانہ کے تجربہ نے اکثر مثالیں ہمارے سامنے پیش کی ہیں جنہوں نے اِس کوتہ اندیشی کی بدولت جانیں گنوا دیں۔ چونکہ وہ قانع نہیں ہوتے ہیں۔ اُنکے دِن رات شیخ چلّی کی طرح سے منصوبوں میں گذر جاتے ہیں۔ وُہ بے صبری سے جب اپنی مرضی کے موافق اُمیدیں اور کامیابیاں نہیں دیکھتے اُنکی خواہشیں پوری

نہیں ہوتی ہیں تو زندگی سے بیزار۔ دوست دشمن سے خفا۔ رشتہ کنبہ سے ناخوش۔ دنیا کے دشمن۔ دنیا انکی دشمن۔ اُن کے متعلقین اُن کے لیے جنجال۔ وُہ دوست دشمن سب کے لئے وبال۔ یہانتک کہ مجبور ہوکر خودکشی کے گناہ میں پھنس کر دین و دنیا دونوں ہاتھ سے کھو دیتے ہیں۔ میری بہنوں! اِس سے آپ خود اندازہ کرسکتی ہیں کہ قناعت میں کیا خوبی اور حرص میں کیا خرابی ہے۔

قناعت والا ہمیشہ خوش اور شادماں رہتا ہے اور لالچی ہمیشہ متفکر اور پریشان۔ قانع کے دِل میں راحت کا نُور اُجالا کئے رہتا ہے لالچی کے دِل میں گمراہی اور بے اطمینانی کا اندھیرا ہر وقت چھایا رہتا ہے۔ قانع ہمیشہ کامیاب رہتا ہے اور لالچی کو ہمیشہ ذلت خواری اُٹھانی پڑتی ہے۔ چنانچہ ایک لالچی کی حکایت مشہور ہے کہ کسی گاؤں میں ناریل خریدنے گئے۔ اُس دُکان پر تین پیسہ کو ناریل ملتا تھا۔ لالچ نے گھیرا اور دوکاندار سے پُوچھا کہیں اس سے بھی کم کو ملتا ہے؟ اُس نے جل کے جواب دیا کہ یہاں سے دو کوس پر دو پیسہ کو ملتا ہے۔ لالچی صاحب ایک پیسہ کے نفع کی خوشی میں وہیں پہنچے۔ وہاں جاکر دیکھا کہ بہت سے ناریل درخت میں لگے ہیں۔ دِل میں سوچا کون پیسہ بھی خرچ کرے؟ لاؤ مُفت توڑلیں۔ درخت پر چڑھ گئے۔ چڑھنا آتا نہ تھا گِر کر مر گئے۔ دیکھو آخر اپنی عزیز جان کو یُوں مُفت ایک ناریل کے لالچ میں گنوا دیا۔ ایک پیسہ کے نفع کا خیال کیا اور جان سی انمول اور قیمتی چیز کے نقصان کا ملال نہ ہُوا۔ بُری نیت

لینا دینا دیکھ دیکھ کر جلتا ہے۔ نہ دولت سے جی سیر ہوتا ہے نہ حلق سے ہنسی خوشی نوالہ اُترتا ہے۔ جب دیکھو لالچ کا پانی مُنہ میں اور رشک و حسد کے ناکام آنسو آنکھوں میں بھرے رہتے ہیں۔ سعدی صاحب نے کیا خوب فرمایا ہے:-

گفت چشمِ تنگ دُنیا دار را   یا قناعت پُر کند یا خاکِ گور

قیصرِ روم سیزر کا حال پڑھو۔ نپولین کی زندگی پر غور کرو۔ نادر کے حالات پر نظر ڈالو۔ قارون کے خزانوں کو دیکھو۔ سکندر کی بے انتہا سلطنت پر خیال کرو اُن لوگوں نے اس کے حاصل کرنے میں کس کس طرح محنتیں اور مشقتیں کیں لیکن جب تک زندہ رہے کیسی ذلتیں تکلیفیں سہتے رہتے۔ رنج دُکھ سب کچھ اُٹھایا مگر طمع نے اُنکے حاصل کرنے سے جی نہیں چھوڑ دیا۔ کیسے کیسے جنجال میں پھنسے مگر اپنی دولت کے لالچ اور دُنیا کی بادشاہی کے بڑھانے کی آرزو نے پاؤں نہ ہٹانے دیا۔ آخر کیا ہوا؟ نہ کچھ کھا پی گئے نہ کسی کو دے لے گئے اور نہ کچھ اپنے ساتھ لے گئے۔ باوجود ہر قسم کی عیش نصیب ہونے کے بھی ساری عمر تکلیفوں میں گذری۔ جب تک زندہ رہے پریشان اور بے اطمینان رہے جب مر گئے خالی ہاتھ گئے۔ وُہی مثل ہے:-

ع سکندر جب چلا دُنیا سے دونوں ہاتھ خالی تھے

میری بہنوں! ہم کو چاہیئے کہ قناعت کا جوہر ہم اپنے میں پیدا کریں خود سیکھیں دوسروں کو سکھائیں تاکہ ہم ہمارے بچے۔ ہماری قومی اور مُلکی بہنیں اپنی زندگی کا لُطف اپنے جیتے جی اُٹھا سکیں۔ اپنی زندگی چین آرام سے بسر کریں۔

اپنے فرائض کو اطمینان سے ادا کریں۔ اپنے اور دوسروں کے کام آئیں دوسروں کو اپنے کام میں لائیں۔ ہر بات میں اُمید ہمارا ساتھ دے۔ کامیابی ہمارے ہر کام کا نتیجہ ہو۔ نا اُمیدی اور ناکامی محض سُننے اور کہنے کے لفظ ثابت ہوں اگر ہم قناعت سے کام نہیں لیں گے۔ تو ہمارے گھر کبھی خوشی اور آرام بےفکری اور اطمینانی کے گھر نہیں ہوں گے۔ بلکہ گھر دوزخ ہوگا۔ دوست عزیز دشمن ہوں گے اپنے پرائے سے جان کا کھٹکا ہوگا۔ گھر باہر سوتے جاگتے ہر وقت بے اطمینانی رنج۔ دُکھ غم۔ فکر۔ یہ سب بلائیں جان کی دشمن بنی موت کا زہریلا پیالہ لیے کھڑی رہیں گی۔ نہ کوئی زندگی کا مقصد حاصل ہوگا نہ کوئی دُنیا کے ارمان نکلیں گے۔

میری بہنو! اگرچہ اس فلسفۂ قناعت سے ہر ایک بنی آدم برابر حصہ لینے کا مستحق ہی۔ مرد اور عورت سب یکساں ہیں مگر میں دعوے سے کہتی ہوں کہ ہم عورتوں کو اس قناعت کی مردوں سے زیادہ ضرورت ہی۔ کیوں کہ اس مرض کا نتیجہ بے صبری اور ناشکری ہی۔ اور بے صبری اور ناشکری محض خیال سے تعلق رکھتی ہی۔ اور خیال تنہائی اور بےکاری کا عملی نتیجہ ہی۔ عورتوں کو بہ نسبت مردوں کے تنہائی اور بیکاری سے زیادہ سابقہ پڑتا ہی۔ کیوں کہ ہمارے تعلقات گرہستی سے زیادہ خوش رہتے ہیں۔ مرد باہر نکل بیٹھ کر اپنے کاروبار روزگار دھندے سے اپنا دل بہلا اور غم بھلا لیتے ہیں۔ مگر ہمیں اپنے اس غریب گھر سے جی لگا لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ اس لیے ہمیں لازم ہی کہ اس مرض سے بچنے کے لیے اپنے خدائے شافی المطلق کی دی

ہوئی دوا یعنی قناعت کو اپنا مددگار بنالیں اور اس نعمت و دولت سے فائدہ اُٹھائیں۔ ورنہ ہماری دُنیا، دین۔ زندگی کی کامیابیوں سے مرد دل کی نسبت زیادہ محتاج رہیں گے۔ ہمیں اپنی چھوٹی دنیا یعنی گھر کے کام انتظام میں مطمئن رہنے کے لیے قناعت کو اپنا اتالیق بنانے کی زیادہ ضرورت ہی۔ کیونکہ ہمارے گھروں کی گرہستی خانہ داری کی فکریں بچّوں کی پرورش و تربیت چیز بست کی دیکھ بھال رکھ سنبھال اپنے غریب امیر گھروں کی سیوا یہ سب ہم ہی پر موقوف ہی۔ اس لیے اگر ہم میں قناعت نہ ہوئی تو کوئی کام درست نہیں ہوسکتا اور نہ قلب کو اطمینان ہوسکتا ہی۔ اور جب اطمینان نہیں تو پریشانی ہوگی اور پریشانی میں سارے کام خراب ہوجاتے ہیں۔ ساری رات سوچتے بچارتے اور تمام دن رنج و فکر میں گزرتا ہے پریشانی میں کوئی کام جی سے نہیں ہوسکتا گھر قیامت اور ہر گھر کے آدمی کی زندگی آفت ہوگی۔

میری معزز بہنو! قناعت کی خوبیاں اتنی حد سے زیادہ ہیں کہ نہ اُن کے بیان سے جی بھر سکتا ہی اور نہ یہ ختم ہوسکتی ہیں۔ مگر چونکہ میں اپنے وقت سے بہت زیادہ وقت لے چکی ہوں۔ اس لیے اس سمع خراشی کی سچے دل سے معافی چاہتی ہوں اور امّید کرتی ہوں کہ میری بہنیں اس مسئلے کو بطور خود غور سے دیکھیں گی اور جب نظر ڈالیں گی تو انھیں معلوم ہوجائیگا کہ ہر شخص پر اپنی زندگی کی بہت سی ذمّہ داریاں ہیں اور اُن ذمّہ داریوں کا بوجھ صرف اسی قناعت سے ہلکا ہوسکتا ہی اور قناعت کامل بغیر صبر شکر کے نہیں

ہوئی۔ دنیا کا سب سے بڑا ریفارمر جسے ہر ملک اور ہر قوم کے لوگ بڑا مان چکے ہیں اور مانتے جاتے ہیں۔ اور جو ہماری قوم کا سردار ہماری غریب اُمت کا والی وارث ہماری ڈوبتی ہوئی ناؤ کا کھینے والا ہی تھا۔ اُس کے رات دن محض اسی دعا میں صرف ہوتے تھے کہ " اے خدا مجھے صبر و شکر دے۔ اور دین و دنیا دونوں کی نیکیاں بخش۔ تو بس ہمیں بھی چاہیے کہ اپنے سچے مالک خدا سے اگر دعا مانگیں تو قناعت کی اور اپنا عمل رکھیں تو صبر و شکر پر۔ اپنے عقیدے اور ارادت کو اس مقولے کا مصداق اور حسب بنا لینا چاہیئے ؎

آں کس کہ تونگرت نمی گرداند　　او مصلحت تو: تو بہتر داند

اور یہی ہمارا یقین ہو اور یہی ایمان تو میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ ہم آپ ہر وقت اور ہر کہیں اپنی ادنے اور اعلےٰ مرادوں کی کامیابی کے مستحق اور مجاز ہو سکیں گی۔

اب میں اپنی ایسی مطلوب اور محبوب قناعت کو اپنا مخاطب بنائے ہوئے اس دُعا اور التجا پر مضمون کو ختم کرتی ہوں۔

اے قناعت تونگرم گرداں
کہ ورائے تو ہیچ نعمت نیست
کنج صبر اختیار لقمان است
ہر کرا صبر نیست حکمت نیست

خدا حافظ

ہمدردی

مسز خدیو جنگ صاحبہ کے نام نامی سے جن کا مضمون ہماری اور تیمارداری عصمت میں نکل رہا ہی اور نہایت پسندیدگی سے دیکھا جا رہا ہی۔ عصمت کی پڑھنے والی بہنیں اچھی طرح واقف ہیں۔ خاتون موصوف نے حیدرآباد کے ایک زنانہ جلسے میں طغیانی موسیٰ کی مصیبت ماروں کی مدد پر یہ لکچر دیا جس کے ہر لفظ سے کلیجے پر چوٹ لگتی ہی۔ ہم مسز خدیو جنگ صاحبہ کے ممنون ہیں کہ انھوں نے یہ لکچر عصمت کو عنایت کیا۔

یا الٰہی یہ مینہ ہی یا طوفاں ۔۔۔ غرق ہونے لگا تمام جہان
ہر طرف سوجھتا ہی عالم آب ۔۔۔ آب پر ہی جہان مثل حباب
کوئی دن مینہ کی جو یہ شدت ہی ۔۔۔ سارا عالم غریق آفت ہی
خانماں سب کے ہو گئے مسمار ۔۔۔ کشتیوں پر سبھوں کا ہی گھر بار

اے میری عزیز بہنو! اے میری خداترس رحم دل سخی بہنو! رود موسیٰ کی طغیانی نے چشم زدن میں حیدرآباد عروس البلاد و فرخندہ بنیاد کے گلزار تختے کو الٹ کر خشت و خاشاک کا ڈھیر بنا دیا۔ اس پیارے شہر پر جس کی محبت ہماری رگ رگ میں بسی ہوئی ہی۔ اور جس کی واہ واہ شہروں شہروں ہو رہی ہی۔ کسی کی نظر بد نے اثر کیا۔ جو خوش نصیب ندی کے کنارے سے دور رہتے تھے۔ اُن کو اس روز کی آفت کی کچھ خبر نہ تھی۔ جس روز رود موسیٰ اژدہا بنکر اپنے اطراف و جوانب کے محلوں کو نگل رہی تھی۔

تڑاقے کی آواز کے ساتھ کسی عزیز یا دوست کا مکان مسمار ہو رہا تھا۔ مائیں بچوں۔ اور بچّے ماؤں سے بچھڑے ہوئے تھے۔ پردہ دار بے پردہ پھر رہے تھے کہیں جائے پناہ نہ ملتی تھی۔ اس طرف کے رہنے والے جو بلائے ناگہانی میں پھنسے ہوئے تھے انھی کے دل اُس روز کی مصیبت سے تھے کچھ خوب واقف ہیں "شنیدہ کے بود مانند دیدہ" کہ ایک آن واحد میں مفلس رہ گئے۔ تمام عمر کی گرستی وہ بھی عسرت اور محنت کی جوڑی ہوئی چشم زدن میں نیست و نابود ہو گئی۔ بعض باقی ماندہ ایسے بھی ہیں کہ حسرت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاش ہم بھی بہ گئے ہوتے۔ مفلسی سے بچتے۔ بھلے آدمی ہیں کہیں مانگنے کو جا نہیں سکتے۔ عورتیں ہیں کہ آرزو کرتی ہیں اور کہتی ہیں کاش زمین کا پیوند ہو گئے ہوتے۔ آسمان کی جور و جفا سے تو ہمیشہ کے لیے نجات پا جاتے۔ مفلسی کے ہاتوں سے چھوٹ جاتے۔ کہیں مانگنے جا نہیں سکتے۔ کسی کو مونھ دکھا نہیں سکتے جھٹکے کا کرایہ تک میسر نہیں کہ کسی ہمدرد کمیٹی کی حضور میں حاضر ہو کر حالِ زار سنائیں یا کسی کے گھر مدد مانگنے جائیں۔ اگرچہ سرکار فیض آثار کی طرف سے کوئی دقیقہ وارستگان کی مدد کا اُٹھا نہیں رہا۔ تاہم انسانی ہمدردی اسکی مقتضی ہے کہ ایسے موقع پر ہر فرد اپنا فرض ادا کرے اور اپنی ہمدردی کا اظہار کرے۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک مصیبت کے موقعے پر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چشم مبارک سے اشک رواں ہوئے۔ اصحاب میں سے کسی نے پوچھا یا حضرت! یہ کیا؟ تو حضرت نے فرمایا ھٰذِہٖ رَحْمَةٌ وَصَفَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى فِیْ قُلُوْبِ مَنْ شَاءَ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَا یَرْحَمُ اللّٰهُ مِنْ عِبَادِهِ اِلَّا الرُّحَمَاءُ

یعنی کسی کی مصیبت پر آبدیدہ ہونا یہ بھی خدا کی طرف سے ایک رحمت ہی جس کو وہ صرف اپنے برگزیدہ بندوں کے دلوں میں جاے دیتا ہی اور خدا بھی صرف اپنے ایسے ہی بندوں کو لائق رحم سمجھتا ہی جو خود اپنے ابناے جنس کی حالت پر ترس کھاتے ہیں۔ پس اے عصمت مآب و پردہ نشین خاتونو! ایسے موقعے پر اظہار ہمدردی کرو جس سے یہ ثابت ہو جائے کہ پردہ نشینی سے ہماری انسانیت و ہمت و ہمدردی میں کچھ فرق نہیں آتا نہ ہماری روحانیت سلب ہو جاتی ہی۔ اور نہ ہمکو عام خیال کے موافق بہائم محض بنا دیتی ہی۔ اگر ایک ایک کرتا آپ سیئں تو کتنے کرتے سل جائیں اور کتنے ننگے بچوں کے تن ڈھپ جائیں۔ یہ یاد رہے کہ عید الفطر قریب ہی بہت سے عید منانے والوں کو تو موسے بہالے گئی اور باقی ماندہ بوجہ تہید ستی اپنے ننھے ننھے بچّوں کا دل خوش کرنے سے محروم رہیں گی۔ ہم سب اپنے اپنے بچّوں کے کپڑے سی رہے ہیں اور وہ بیچارے جو ہر طرح سے ہمارے برابر ہیں۔ مونھ دیکھتے رہیں گے۔ پس اگر آپ لوگ زحمت اُٹھا کر کچھ سلائی غربا کے لیے سیئں تو اس محنت کے اجر میں منعم حقیقی آپ کے ہاتوں کی طاقت اور آنکھوں کے نور کو زیادہ کرے۔ ہر پیسہ جو آپ کسی غریب کے لیے خرچ کرتے ہیں خدا کے گھر اُس کا دہ چند آپ کے لیے جمع ہوتا ہی۔ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ ذرہ برابر بھی نیکی برباد نہیں جاتی۔ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ۝ میں اب کہاں تک آپ کی سمع خراشی کروں صرف اتنا اور کہنا چاہتی ہوں :۔

میں حاضرین محفل کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ صاحبوں نے تشریف

لاکر معزز پردہ نشین خواتین کے نام کو بے دردو بے مییت ہونے کے عار سے بچا لیا۔ بقول سعدی علیہ الرحمہ

بنی آدم اعضاء یک دیگر اند — کہ در آفرینش ز یک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار — دگر عضوہا را نماند قرار
تو کز محنت دیگراں بے غمی — نشاید کہ نامت نہند آدمی

یعنی بنی آدم کو ایک دوسرے سے وہ تعلق ہے جو انسان کے جسم کے ہر عضو کو کل جسم کے ساتھ ہے۔ اس لیے کہ اُن کی پیدائش ایک ہی جد سے ہے جب اتفاق زمانہ سے کسی عُضو میں انسان کے کوئی مرض لاحق ہوتا ہے تو کُل اعضا اور تمام جسم بےچین ہو جاتا ہے۔

اے انسان اگر تو دوسروں کی مصیبت و غم سے بے خبر ہے اور ان کی تکلیف سے تجھے تکلیف نہیں پہنچتی تو تو دائرۂ انسانیت سے خارج ہے اور تجھ کو آدمی نہ کہنا چاہیئے۔

پس اے عزیز بہنو! میری یہ دعا ہے کہ کُل حاضرین مجلس کو اللہ تعالےٰ خوش و خرم رکھّے اور ہمیشہ نیکی کی توفیق دے اور ہمارے اس شہر حیدرآباد فرخندہ بنیاد کو پُرآشوب و بلائے ناگہانی سے محفوظ و مصوُن رکھّے اور ہمارا کریم النفس شہریار دریا دل اپنی رعایا کے ساتھ شفقت پدری رکھنے والا بادشاہ

فلک رفعت قمر طلعت خدا کا ابر رحمت ہے
بشر صُورت ملک سیرت جو خود صانع کی قدرت ہے

ہے۔ جب وُہ برداشت کرتے ہیں تو مَیں بھی بُھوک کی برداشت کرونگی۔ اب آپ سب امداد کریں۔ تاکہ ہم آج ہی اُنکو ایک ایک کمبل اَور خرید دیں سب سے پہلے مَیں اپنی طرف سے پانچ روپیہ میز پر رکھتا ہوں جو ماہانہ مجھے ملتا ہے خرچ تو کبھی نہیں کرتا۔ بنک میں رکھواتا ہوں۔ اِس ماہ کا اس فنڈ میں دیا۔ اب میرے بہن بھائی دینگے۔

اِس کے بعد میری بہنوں نے پانچ پانچ روپیہ رکھے۔ تیس ہمارے گھر کے ہو گئے۔ وُہ بچے جو تھے کسی نے ایک کسی نے دو اسی طرح بیس اُن سے وصُول ہُوئے۔ غرض پچاس روپیہ ایک آن کی آن میں اُن بچّوں نے جمع کر لئے۔ یہ بات ہم بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ جب کارروائی ختم ہو چکی احمد نے پچاس کی رقم لا کر امّاں جان کے آگے رکھدی۔ مَیں نے کہا تم نے کس کی اجازت سے یہ ۵-۵ روپیہ ہسپتال فنڈ میں دیدیئے تو احمد بولا رات ہی ہم سب نے ابّا جان سے سوتے وقت جا کر اجازت لے لی تھی کہ ماہ دسمبر کی رقم ہم کسی نیک کام میں لگا دیں۔ اُنہوں نے منظور کر لیا۔ سو بیگم صاحبہ! یہ حالت ہے ہمارے بچّوں کی۔ مَیں تعریف نہیں کرتی بلکہ سچ کہتی ہوں۔ شروع ہی سے ہمدردی کا بیج اُن کے دِل میں بویا ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہے۔ پچاس روپیہ آجکل بڑے جلسوں میں وصُول نہیں ہوتے

بیگم صاحبہ۔ تو کیا ہُوا تیس گھر کے تھے۔

خورشید۔ بیس تو باہر کے تھے۔ بچّوں سے یہ ذرا مشکل ہوتا ہے۔ اُن سے بیس وصُول کیے۔ جن بچّوں پاس نہ تھا اُنہوں نے وعدہ لکھدیا

اُن سے فوراً ہی گھر جاکر وصول کر لیا۔

بیگم صاحبہ۔ پھر اُس روپیہ کا کیا ہوا ؟

خورشید۔ دُوسرے دن میں اُن سب بچوں کو لیکر جنھوں نے چندہ دیا تھا ہسپتال گئی اور ایک چھوٹی تقریر کے ذریعہ تمام کارروائی مِس والٹر صاحبہ کو سُنائی۔ بہت خوش ہوئیں۔ آحمد کو اُٹھا اُٹھا کر چومتی تھیں۔ ہسپتال میں خوشی مچ گئی۔ سب نے اُسکو بہت پیار کیا اور اُسی دِن مِس صاحبہ نے ۱۰ کمبل اور خرید کئے جن پر سُرخ دھاگے سے آحمد لکھ کر بیماروں کو اُڑھا دیئے۔ باقی روپیہ بھی اسی کام میں لگایا یعنی گرم کُرتے وغیرہ بنے۔ جس وقت آحمد اپنے بچوں کے ساتھ ہسپتال میں گیا ہر ایک بیمار جھک جُھک کر دیکھتا تھا۔ اور وہ بچے اتنی دُعائیں دیتے تھے کہ حد نہیں۔ آخر چھوٹی مِسوں نے ملکر اُن کے اظہارِ شکریہ میں خوشی کے گیت گائے۔ مِس والٹر نے کہا آج سے اس فنڈ کا سکرٹری آحمد قرار پایا۔ انکو اور چندہ کرنے کی فکر ہے۔

بیگم صاحبہ۔ اوفوہ بچے کیا کیا کرتے ہیں۔ بالکل انگریز ہو گئے۔

خورشید۔ (مُسکراتے ہُوئے) مسز رفیق سے انگریزی میں واہ واہ کیا قدردانی ہُوئی۔ یہ کارروائی سُنکر خطاب ملا بالکل انگریز ہیں۔ سب انگریزی مَین لیڈیز ہنس پڑیں۔

خورشید کے چُپ ہوتے ہی مسز رفیق کھڑی ہوئیں اور بآوازِ بلند کہا معزز لیڈیز! بعد از وقت (کیونکہ آپ کو آئے ہُوئے بہت دیر ہوئی)

بعد اندر کے کمرے میں داخل ہوئے - وہاں لیڈی صاحبہ نے بڑی گرمجوشی سے استقبال کیا - مہاراجہ کوچ بہار کی پارٹی بھی موجود تھی - راجہ جام نگر بھی وہیں تھے - نہایت معقول اور مہذب آدمی ہیں - مہاراجہ کوچ بہار نے لیڈی لینس ڈوُن صاحبہ سے اور ہم سے ملاقات کروائی - کیونکہ اُنھوں نے ہم سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا تھا - اب ان کا بڑھاپا شروع ہے - اس پر بھی کسی قدر خوبصورت ہیں - گلے میں موتیوں کا ہار نو لڑیوں کا پہنے ہوئے تھیں - مجھ سے دیر تک بہت مہربانی کی باتیں کرتی رہیں اتنے میں بال شروع ہونے کا وقت ہوا - اور بادشاہ اور ملکہ معظمہ اور شاہزادیاں سب بڑے کمرے میں گئے - ملکہ اور صاحب خانہ یعنی لارڈ لانڈ بروسب سے آگے تھے ہمارے قریب آئے اور مُسکرا کر ہاتھ بڑھایا اور ہم دونوں سے مصافحہ کیا - اُن کے پیچھے بادشاہ اور لیڈی لانڈ برو تھے - بادشاہ نے بھی بڑی ملنساری سے مُسکرا کر ہاتھ ملایا - پہلے مجھ سے اور پھر حضور سے پُوچھا کہ مزاج تو اچھا ہے - ہم نے شکریہ ادا کیا اور وُہ آگے چلے - اسی طرح سب شاہزادے اور شاہزادیاں یکے بعد دیگرے گذریں سب جا لئے تو ہم جا کر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے - اور بال شروع ہوا - کوئی بارہ ساڑھے بارہ بجے تلک یہ تماشا دیکھتے رہے - پھر اپنے گھر چلے آئے -

منگل ۲-جون سنہ ۱۹۰۸ء | صبح مَیں اور عطیہ کچھ خرید نے کو گئے - اور شام کو وُہ لیڈی ماڈ سے ملنے بمقام رائی جو لندن سے سوا دو گھنٹہ کا رستہ ہے گئیں از ہر جا کر اُنہیں گاڑی میں بٹھا آیا اور وہ باآرام جا پہنچیں -

کیونکہ پی دو بیبیاں اور وہیں جانیوالی مل گئی تھیں۔ تیسرے پہر میں بھائی کے ہمراہ لندن کا مشہور عجائب خانہ کنسگٹن میوزیم دیکھنے گئی۔ یہ ہمارے ہوٹل کے قریب واقع ہی مگر ابھی تک جانیکا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ ہم صرف اسی حصہ میں گئے۔ جس میں ہندوستانی صنعت کی چیزیں رکھی ہیں۔ کونسا ہندی ہنر ایسا ہوگا۔ جس کا نمونہ یہاں موجود نہیں۔ بعض چیزوں کو دیکھکر میرا دل بھر آیا۔ دُنیا بھی کیا عجیب جگہ ہے۔ ایک شیشے کی الماری میں اودھ کے اخیر بادشاہ کی بیگم کا پُورا لباس رکھا ہُوا تھا۔ غرارے کا پاجامہ آتشی رنگ کا جس پر تمام الماس کا کام کیا ہُوا ہے۔ اور اُریب گوٹ لگی ہُوئی ہے۔ دوپٹہ پر بھی اسی طرح کا کام ہے۔ باقی چیزیں بھی اسی طرح الماس سے لدی ہُوئی اس لباس کو دیکھ کر دُنیا کی ناپائداری کا نقشہ میری آنکھوں میں پھر گیا۔ اس کے بعد اُوپر کے علاقہ میں گئے۔ جہاں تمام دھاتوں کی چیزیں رکھی ہُوئی تھیں۔ مثلاً تانبے پیتل کے قسم قسم کے برتن جن پر طرح طرح کے بیل بُوٹے بنے ہُوئے تھے۔ آگے چلکر ایک کمرے میں پہنچے۔ جس میں صرف سونے چاندی اور جواہرات کا سامان تھا۔ ٹیپو سلطان کا سونے کا تخت برہما کے بادشاہوں کے عجیب وغریب لباس اور زیور جواہرات جنکی قیمت کا اندازہ مشکل ہے۔ غرض ایک چیز ہو تو بیان کروں سیکڑوں دلچسپ چیزیں تھیں۔ مگر ہم تنگیٔ وقت کی وجہ سے سرسری نظر سے دیکھ سکے۔ کیونکہ ساڑھے پانچ بجے مسٹر عبداللہ یُوسف علی صاحب ہمارے ہاں آنے والے تھے۔ عطیہ اُنکی قابلیت کی تعریف کرگئی تھی اور یہ کہگئی

تھی کہ اُن سے ضرور ملنا۔ چنانچہ ہم واپس آئے۔ تو وُہ موجود تھے۔ اور گول کمرے میں حضور سے باتیں کر رہے تھے۔ مسز لطیف اور انکی پھوپھی آئی ہوئی تھیں۔ مَیں بھی جا پہنچی اور بہت دیر تک خوب باتیں ہوتی رہیں۔ اِتنے میں حضور بھائی کے ساتھ باہر گئے۔ اور تھوڑی دیر بعد یہ لوگ بھی رخصت ہُوئے۔ حضور شام کے کھانے کے وقت واپس آگئے۔ اور کھانا کھاتے ہی ہم سب نے سونے کی فکر کی۔ چونکہ آرام کی بہت ضرورت تھی۔ دِن غضب کا لمبا اور رات تین چار گھنٹے کی کوئی کرے تو کیا کرے۔

بُدھ ۳۔جون ۱۹۰۹ء | صبح کا کھانا کھاکے کوئی گیارہ بجے ہم گھر سے نکلے اور ایک ایسی چیز دیکھی۔ جس پر انگلستان کو ناز ہے۔ بنک آف انگلینڈ۔ مسٹر کرزن نے ہمارے لئے یہ انتظام کر دیا تھا اور وہاں کے عُہدے داروں نے اچھی طرح سب چیزیں ہم کو دکھائیں۔ کئی کمرے ایسے تھے کہ وہاں نوٹوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ اور اشرفیوں کی تھیلیوں کے انبار لگ رہے تھے۔ ایک کمرے میں سونے کی بڑی بڑی اینٹیں گاڑیوں میں بھری ہُوئی پڑی تھیں۔ اِسی طرح چاندی کی۔ وہاں کے مہتمم نے ایک مُٹھی بھر نوٹ دِکھلانے کے لئے مجھے دیئے۔ جن کی قیمت ڈیڑھ کروڑ روپیہ تھی۔ بس یہاں تو لاکھوں اور کروڑوں کی بات ہے۔ اِس کے بعد ہمیں ایک اَور کمرے میں لیگئے۔ جہاں پُرانے نوٹ پانچ برس تک رکھے جاتے اور پھر باری باری ہفتہ وار جلائے جاتے ہیں۔ ہر ہفتے کوئی ساٹھ ہزار نوٹوں کی راکھ بنتی ہے۔ جو ایک چھوٹی سی بوتل میں رکھی جا سکتی ہے + (باقی دارد)

بیماری اور تیمارداری

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

باب چھٹا

انوری ایک فرشتہ خصلت سلیم الطبع اور کمسن لڑکی تھی جس نے دُنیا میں سوائے بھلائیوں کے کوئی بُرائی نہیں دیکھی۔ کبھی سوائے اس کے کہ ہر ایک شخص کو اچھا سمجھے۔ اور ہر ایک کی بات کو بے کم و کاست راست سمجھے دُوسری بات ناممکن جانتی تھی۔ جس کو دُنیا میں آئے ہُوئے صرف اٹھارہ برس ہوئے تھے۔ جس نے اٹھارہ برس والدین اور بھائی بہن کی محبت میں گذارے تھے۔ اور اب کوئی دو برس سے جب سے سجاد حسین انوری بیگم کے منجھلے چچا کے بیٹے بیمار ہوکر انگلینڈ سے واپس آئے تھے۔ اور ڈاکٹر رضا علی صاحب اور اپنے والد سید کاظم حسین صاحب کی رائے سے اپنے بڑے چچا کے گھر میں جن کا مکان ایک نہائت پُر فضا اور خوش آب و ہوا محلہ میں واقع تھا۔ مقیم ہُوئے تھے۔ اس وقت سے انوری کے واسطے تمام دُنیا اور عُقبیٰ کی خوشی صرف سجاد حسین کے نام سے وابستہ تھی۔ اس کی بیماری اور آہستہ آہستہ طبیعت کے سنبھلنے کے زمانہ میں اُس کی دونوں چچیری بہنیں اسکی تیماردار اور مونس و غمگسار تھیں۔ انوری کی نیکی اور خاکساری و جفاکشی پر سجاد ہزار

لئے گئے تھے وہیں اُترے۔ چائے پی کر پھرنے گئے۔ اُن بیچارے کو معلوم نہ ہوتا تھا کہ کہاں سیر کر رہے ہیں۔ اور کیا دیکھ رہے ہیں۔ انوری کی شکل آنکھوں میں پھرتی تھی۔ سر نیچا کئے چلے جا رہے تھے۔ کانوں میں اُس کی آواز آرہی تھی۔ کبھی کبھی کوئی بات یاد کرکے مُسکراتے تھے۔ کبھی افسردہ ہو جاتے تھے اور اپنے دل میں کہتے تھے۔ مَیں نے کیا بیوقوفی کی یہاں چلا آیا۔ کاش کہ ایک مہینہ وہیں رہتا تو انوری کا دیدار نصیب ہوتا۔ مَیں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے کو اس مُصیبت میں پھنسایا ایک ایک لمحہ ایک ایک برس ہو گیا ہو۔ کاٹنا دشوار ہے۔ جی تو چاہتا ہو۔ آج مَیں واپس چلا جاؤں۔ باوا جان سے کہدونگا کہ ہُوا مجھ کو موافق نہیں آئی۔ مگر جب یہاں مجھے رہنا دشوار ہے تو انگلینڈ کیونکر جاونگا۔ وہاں سے تو ہر گھڑی آ نہیں سکتا اور جانا بھی ضرور ہے۔ ورنہ سب کی کرائی محنت خراب ہوتی ہے۔ ؎

یہ سچ ہے ایسے مرض کا کوئی بیمار نہو لاکھ آزار ہوں پر آہ یہ آزار نہو

پھرتے پھرتے رات ہو گئی۔ کھانے کے وقت ہوٹل میں سیدھے اپنے سونے کے کمرے میں چلے گئے۔ مُنہ ہاتھ دھو کر کپڑے اُتار کر پلنگ پر لیٹ رہے اپنے آدمی کے ہاتھ ہوٹل کے منیجر کے پاس کہلا بھیجا کہ کھانا کمرے میں بھیجدو۔ کھانا تو اُن سے کچھ کھایا نہ گیا۔ دو چار چمچے سوپ پی لیا پھر پلنگ کے پاس چھوٹی میز پر قلم دوات لاکر رکھی اور خط لکھنا شروع کیا :۔

(باقی آئندہ)

تربیت کی ابجد

بچوں کی تربیت پر بہت کچھ کہا جا چکا ہی اور بہت کچھ کہا جائیگا۔ مگر تربیت ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے قاعدے تعلیم کی طرح مقرر نہیں کئے جا سکتے اور اسکا مدار اس بات پر ہی کہ بچوں کی مائیں خود تعلیم بھی پائے ہوئے ہوں اور تربیت بھی۔ اور اس پر اپنی عقل خداداد سے بھی کام لیں۔ اور ہر بچے کے لئے اُسکے مزاج اور طبیعت کے مناسب طریق سوچتی اور کام میں لاتی ہیں۔ کچھ تعلیم سے اور کچھ گردوپیش کے مہذب اثرات سے انگلستان میں اکثر عورتوں میں وہ صفتیں جمع ہوگئی ہیں جن سے وہ اپنے بچوں کے لئے اچھی مائیں بن سکتی ہیں۔ میں نے اُنکا جو طریق اپنی آنکھوں سے دیکھا اسکا مختصر سا بیان کرتا ہوں اور اسکو زیادہ واضح کرنے کے لئے میں نے تین دلچسپ تصویریں انتخاب کی ہیں۔ جن سے حسن تربیت کا ایک پر لطف نقشہ پیش نظر ہوتا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ انگریزوں کے بچے گورے چٹے ہوتے ہیں صاف اور اُجلے رہتے ہیں اور اس لئے بہت ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ مگر جو چیز انہیں اور بھی پیارا بناتی ہی۔ وہ اُنکی عمدہ تربیت ہی جو گہوارے سے لیکر جوانی تک انہیں انسانیت سکھاتی ہے جو باتیں ہمارے ہاں ڈرا کر دھمکا کر یا مٹھائی اور پیسوں کا لالچ دیکر بچوں کو سکھلاتے ہیں۔ وہ وہاں ہنستے کھیلتے باتوں باتوں میں بتادی جاتی ہیں۔ اسی سبب سے میں نے اس مضمون کا عنوان "تربیت کی ابجد" رکھا۔ گویا وہ ابتدائی باتیں جو مائیں بچوں کے ذہن نشین کر دیتی

ہیں۔ تربیت کی کتاب کی ا ب ت ہیں۔ دیکھئے اس تصویر میں جو سرورق کے قریب لگی ہے۔ بائیں ہاتھ کی طرف ایک ننھا سا بچہ جس کے چہرے سے صحت اور تندرستی برستی ہے۔ کس مزے سے کھیل رہا ہے۔ ایک کاٹھ کا گھوڑا جس میں پہیے لگے ہوئے ہیں۔ پاس کھڑا ہے اور ایک طوطا (وہ بھی کھلونا) بغل میں ہے۔ اور سامنے ایک مقوّہ سا ہے۔ جس پر موٹے حروف میں اے۔ بی۔ یعنی انگریزی کے ابجد کے حروف لکھے ہیں۔ گھوڑے سے جی بہلاتے بہلاتے طبیعت اکتائی تو طوطے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ماں نے ننھے سے دماغ میں یہ شوق پیدا کر دیا ہے کہ طوطے کو پڑھائے۔ اور اے۔ بی کا سبق پڑھانے کو دیدیا ہے۔ حرفوں پر انگلی رکھ کر بھولے بھالے منہ سے طوطے سے یہ کہنا۔ دیکھ یہ اے ہے۔ یہ بی ہے۔ کتنا بھلا معلوم ہوتا ہوگا اور لطف یہ ہے کہ اے اور بی کی صورت آنکھوں کے راستے چپکے چپکے خود اس کے دماغ اور دل میں اترتی جاتی ہے۔ طوطا تو کیا پڑھتا اس انسانی طوطے کی زبان کھیل ہی کھیل میں صاف ہوتی جاتی ہے۔ ماں کہیں قریب ہی بیٹھی اپنا کام کاج کر رہی ہوگی۔ مگر دھیان اس آواز پر ہوگا۔ اگر کل تک بچے کی اے۔ بی صاف ہو گئی تو کوئی دوسرا مقوّہ جس پر اگلے حروف لکھے ہوئے ہوں۔ اسے دیدیگی۔ اور کہدیگی کہ آج میاں مٹھو سی۔ ڈی پڑھیگا اور اس ترکیب سے بچہ سب حروف پہچان جائیگا۔ اگر اس ننھی سی عمر میں اس پر یہ بوجھ ڈالا جاتا کہ تم یہ پڑھو۔ وہ پڑھو۔ تو شاید جی چراتا۔ مگر اب اس خوشی میں کہ اپنے طوطے کو پڑھا رہا ہے۔ باآسانی پڑھتا جاتا ہے۔ ایسی ہی تدبیریں ہیں جن سے انگلستان کے درمیانی درجہ کے لوگوں میں عورتیں خانہ داری کے فرائض بھی انجام دیتی ہیں۔ اور میل جول بھی نبھاتی ہیں۔ اور اس کے سوا پڑھنے لکھنے

کے لیئے بھی وقت نکال لیتی ہیں۔ یہ نہیں اولاد ہوئی اور اولاد کی خبر گیری کیواسطے نوکر رکھنے کی توفیق نہ ہوئی۔ توماں کی زندگی مشکل ہوجائے اور دن رات سوائے بچے کو لئے لئے پھرنے کے اور کوئی کام اُس سے ہو ہی نہ سکے۔ کپڑے چکٹ ہوں تو بلا سے۔ دُوسرے بچے بے غوری میں رہیں تو رہیں۔ اُس کے لیئے یہ عُذر کافی ہو کہ منہا کچھ کرنے نہیں دیتا۔ وہاں ننھے ننھے بچوں والی مائیں اِتنا کام کرتی ہیں کہ حیرانی ہوتی ہو۔ بچے کو شروع سے اکیلے سونے کی عادت ڈالتی ہیں۔ اپنی چارپائی کے پاس ایک جھولا سا لٹکا دیتی ہیں۔ اور اُسے بحفاظت لِٹا دیتی ہیں۔ خدا جانے آب وہوا میں کچھ تاثیر ہے یا ماں باپ کی توجہ کا اثر کہ بچہ جاگتے وقت بھی چُپ پڑا کھیلتا ہو۔ بچوں کے رونے کی آواز بہت کم سُنائی دیتی ہو۔ ماں باپ بھی بچوں کے سامنے اپنے رویہ میں خاص احتیاط برتتے ہیں۔ چیخنا چلّانا زیادہ غصے ہونا لڑنا۔ جھگڑنا ان سب باتوں سے بچوں کی موجودگی میں پرہیز کرتے ہیں۔ اِس سے بچوں میں بھی نرمی اور متانت کی خُوبو پیدا ہوتی ہے۔ اور وُہ بڑوں میں بیٹھنا اور ہوشمندی سے برتاؤ کرنا سیکھتے ہیں۔ جب کبھی کسی بچے سے ذراسی بات اس قسم کی سرزد ہو جو ماں کے نزدیک نامناسب ہو۔ اُسی وقت چُپکے سے اُسے بلا کر سمجھا دیتی ہو۔ اور کبھی اس فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرتی۔

لڑکیوں کی تربیت میں لڑکوں سے بھی زیادہ کوشش کی جاتی ہو۔ اور اِسکی دو وجہ ہیں۔ اوّل تو یہ کہ تعلیم کے جتنے اور جیسے موقع لڑکوں کو حاصل ہیں۔ لڑکیوں کو نہیں اور انگلستان میں بھی جو تعلیم عام طور پر عورتوں کو دیجاتی ہے۔

وُہ محض ابتدائی تعلیم ہو۔ اس لئے لڑکوں کے متعلق تو ماؤں کو تسلی ہوتی ہی۔ کہ جو کمی اُنکی ترقی میں رہجائیگی۔ وُہ شاید مدرسہ یا کالج میں پوری ہو جائیگی۔ مگر وُہ خوب جانتی ہیں کہ لڑکیوں کی تربیت کا دارومدار زیادہ تر انہیں پر رہیگا دُوسری وجہ یہ ہو۔ کہ وُہ اس بات کا بھی لحاظ کرتی ہیں۔ کہ گھر کی خبرگیری اور گھر کے کام کاج لڑکیوں کو کرنے پڑینگے۔ اور اس لئے وُہ شروع ہی سے اُنکو اس کا عادی بناتی ہیں۔ درمیانی تصویر کو دیکھئے اِس میں دو چھوٹی چھوٹی لڑکیاں چھوٹے چھوٹے کپڑے سُکھلا رہی ہیں۔ بات یہ ہو۔ کہ گھر میں کپڑے دھونے کا دن ہے۔ ہفتہ میں ایک دن اس مطلب کیلئے مقرر ہوتا ہو۔ اس دن سب عورتیں کپڑے دھوتی ہیں۔ اکثر زنانہ کپڑے اور بچوں کے کپڑے معمولی درجے کے لوگوں میں گھر ہی میں دھوئے اور گھر ہی میں سیئے جاتے ہیں۔ ہوشمند مائیں ننہی ننہی بیٹیوں کو اپنے کام میں شریک کرلیتی ہیں۔ ایک پنتھ دو کاج لڑکیاں بہلی بھی رہتی ہیں۔ اور کام بھی سیکھتی جاتی ہیں۔ رُومال اور چھوٹے چھوٹے کپڑے جو الگنی پر لٹک رہے ہیں وُہ اِن ہی ننھی لڑکیوں نے دھوکر لٹکائے ہیں۔ ایک کا ہاتھ گو رسّی تک نہیں جاتا مگر ایک ٹوکرے کو اُلٹا رکھکر اس کے اوپر چڑھ گئی ہو اور رسّی کو ہاتھ لگا لیا۔ بس یہی عادتیں آگے چلکر کام دینگی۔ ہر مشکل کے حل کرنے کی تدبیر سوچی جائیگی اور ہر کام میں اپنی ہمّت پر بھروسہ کرنے اور اُسے اپنے ہاتھ سے کرنے کا ڈھب آجائیگا

اب ذرا تیسری تصویر ملاحظہ ہو۔ کتنی پیاری تصویر ہے۔ شام ہو چکی ہے۔ اور لڑکی کے سونے کا وقت آگیا ہے اور وُہ زینے پر

جاتی ہوئی سب کو سلام کہہ رہی ہو۔ اور حسرت کی نگاہ سے پیچھے مڑکر دیکھ رہی ہے۔ نیچے نشست کے کمرے میں ماں باپ بڑی بہنیں اور بھائی اور ملنے جلنے والے لوگ سب گپ میں بیٹھے ہونگے۔ لڑکی کا جی چاہتا ہوگا۔ کہ میں بھی بیٹھ کے باتیں سنوں اور رونق دیکھوں لیکن ماں کا بلاکر کان میں کہدینا۔ کہ اب جاؤ تمہارے سونے کا وقت ہوگیا ہے۔ ایسا حکم نہ تھا کہ اُس میں چون وچرا ہو سکے۔ اُٹھی اور سب کو گڈ نائیٹ یعنی شب بخیر کہتی ہوئی اوپر کو چلی۔ سونے کے کمرے میں جاکر چپکے سے لیٹ جائیگی۔ چاہے نیند تھوڑی دیر ہی میں آئے۔ اور عجب نہیں کہ آنکھیں بند کرتے ہی خواب کا غلبہ ہوجائے کہ آخر بالین کی نیند ہے۔

بچوں کے سونے کے متعلق انگلستان میں حد سے زیادہ احتیاط کیجاتی ہے۔ یہ مسلّم ہے کہ بچوں کو بڑوں سے زیادہ نیند درکار ہے۔ اور سرِشام سونا اور سویرے اُٹھنا انکی صحت کے لئے بہت مفید ہے۔ پس عموماً انہیں آٹھ بجے سے سُلادیا جاتا ہے۔ اس رواج سے کئی فائدے ہیں۔ اوّل بچے تندرست رہتے ہیں۔ دُوسرے اُنکو باقاعدگی کی عادت ہوتی ہے۔ تیسرے جب وُہ سوجاتے ہیں۔ تو بڑوں کو بات چیت ہنسی کھیل میں ایک قسم کی آزادی رہتی ہے۔ چوتھے وُہ اکیلے سونا سیکھتے ہیں اور اس بات کے عادی نہیں رہتے کہ جب تک ماں چارپائی پر نہ لیٹے انہیں نیند نہ آئے۔ یا ڈر لگتا ہے۔ اس کے سوا میں نے بچوں پر اس عادت کا عجیب اثر دیکھا۔ بارہا یہ موقعہ ہوا کہ شام کے قریب کسی بچے نے ذراسی ضد کی اور ماں نے کہا ابھی سونیکو بھیجدونگی۔ اور بچے نے ضد چھوڑدی گویا وُہ تمام کام جو ہمارے ہاں ہوّے اور بچھاسے لیا جاتا ہے۔ اور بچوں کو ڈرپوک اور بزدل بنایا جاتا ہے۔ وُہ مطلب ماں کی اک ذراسی خوش تدبیری سے حاصل ہوگیا۔ اور بچے کی عادات بھی درست ہوگئیں۔ ایسی بہت سی تدبیریں جنمیں سے چند مثالیں بیان

آفرینش الٰہی کی حکایات

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

زمین کی چوتھی حکایت

اے لڑکیو! میں نے تمہارے سامنے اپنی تیسری کہانی میں بیان کیا تھا کہ میں نے انسان کی نگاہ سے اپنا محدود اور گول ہونا چھپایا تھا اور غیر محدود اور سپاٹ ہونا دکھایا تھا مگر وہ عقل کا پتلا کب میرے دھوکہ میں آتا تھا وہ سمجھ گیا کہ میں اسکی نظر کو دھوکہ دیتی ہوں۔ وہ میرے محدود اور گول ہونے سے ایسا واقف ہو گیا کہ اُس نے میرا قطر و محیط میری سطح میری ضخامت کو ناپ لیا میرا وزن تول لیا۔ اب ایک اور بات عجیب و غریب سنو کہ میں نے ہزاروں برس تک ساری دنیا کی آنکھوں پر یہ پردہ ڈالے رکھا کہ اُس نے میرے متحرک ہونے کو نہیں دیکھا اور ساکن جانا اور ابتک آدھی دنیا کے آدمیوں سے زیادہ پر میں نے یہ جادو کر رکھا ہے کہ وہ مجھے ساکن ہی جانتے ہیں اور میرے سکون پر ایمان کی طرح عقیدہ رکھتے ہیں۔ اگر کوئی شخص اُن سے کہے کہ زمین حرکت کرتی ہے تو وہ کہینگے کہ ہمارے گھر میں تو زمین حرکت کرتی نہیں تمہارے گھر میں زمین حرکت کرتی ہوگی۔ جب تمہارا سر چکراتا ہوگا تو زمین بھی چکراتی ہوئی تم کو نظر آتی ہوگی۔ اگر سنہ ۱۴۷۳ء میں کوپرنی کس پروشا میں نہ پیدا ہوا ہوتا تو ساری دنیا

ہی آنکھوں کے دیکھنے کی شہادت پر مجھے ساکن ہی سمجھتی اور یہ نہ جانتی کہ میں روز
لٹو کی طرح اپنے گرد پھرتی ہوں اور ایک سال میں آفتاب کے گرد پینسٹھ ہزار پانچسو
تینتیس میل کی رفتار فی گھنٹہ سے پورا چکر کرتی ہوں تم یہ میری بات سُنکر کہوگی کہ
بس غضب جھوٹ کا گولہ لڑھکایا اگر زمین کا گولہ لڑھکتا ہوتا تو پھر ہمارے مکتب اور
مکان اور درختوں کا کہاں ٹھکانا تھا۔ معلوم نہیں کہ وہ کدھر کے کدھر مارے
پھرتے اور کہاں سے کہاں پہنچے ہوتے۔ اس کے جواب میں میں کہتی ہوں
کہ یہ دلیل تو تمہاری بچوں کی سی ہے اس کو میں ابھی باطل کئے دیتی ہوں۔ ایک نارنگی
یا کوئی جالی دار گیند لو اور اس کے ایک خانہ میں سوئی گاڑدو اور اس کو یہ سمجھو
کہ وہ تمہارا مکتب ہے اور پھر اور خانوں میں سوئیاں پروکر یہ جانو کہ وہ تمہارے
درخت اور آس پاس کے مکانات ہیں۔ اب گیند کو خواہ ساکن رکھو خواہ متحرک
دونوں صورتوں میں سوئیاں اپنی اپنی جائے پر قائم رہینگی انکے مقامات میں کچھ
الٹا پلٹی نہیں ہوگی۔ بس یہی حال میرا ہے کہ درخت اور مکانات ایسے مجھ میں
جڑے ہوئے ہیں۔ جیسے کہ گیند میں یا نارنگی میں سوئیاں تھیں وہ اپنی جگہ
جمی رہینگی خواہ میں ساکن رہوں یا متحرک ہوں تم خود اپنے ہی تئیں دیکھو کہ
تمہارے اعضا ایک دوسرے سے جُڑے ہوئے ہیں۔ تم خواہ چلو پھرو
اُٹھو بیٹھو سب صورتوں میں وہ اپنی جگہ پر قائم رہتے ہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ جب
تم چلو تو تمہارا سر کہیں جائے اور دھڑ کہیں۔ پاؤں سر کے اوپر اور سر پاؤں
کے نیچے ہو جائے۔ قاعدہ ہے کہ جو حرکت کامل اور یکساں موزون ہو اس میں
آدمی شریک ہو وہ اسکو محسوس نہیں ہوا کرتی۔ اس کی مثالیں روزمرہ مشاہدہ

میں آتی ہیں۔ اگر تمہارا جی چاہے تو اُس کا خود تجربہ کر لو اور اپنے مدرسہ کی چھت میں ایک رسی لٹکاؤ اور رسی میں کرسی باندھو اور کرسی میں ایک لڑکی کو بٹھاؤ اور اُسے کہو کہ بُوا آنکھیں بند کئے بیٹھے رہنا پھر اس کرسی کو حرکت دو اور اپنی بُوا سے پُوچھو کہ تم کو حرکت محسوس ہُوئی ہے تو وہ کہیگی کہ نہیں۔ بس اِس سے تم کو معلوم ہوگا کہ میری حرکت کا تم کو محسوس نہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ میں ساکن ہُوں۔ بیلون میں جو لوگ اُڑتے ہیں اُنکو اپنی حرکت محسوس نہیں ہوتی۔ اب یہ تم سُنکر اور متحیر ہو گی کہ یہ آسمان پر جو چاند سُورج ستارے پھرتے ہُوئے نظر آتے ہیں اس کا سبب میری ہی حرکت ہے۔ ایسی مثالیں روزمرّہ دیکھنے میں آتی ہیں کہ ہم خود تو حرکت کرتے ہوں اور وہ ہم کو محسوس نہ ہوتی ہو اور گرد کی ساکن چیزیں جو ہمارے آس پاس ہوں وُہ متحرک دکھائی دیں۔ مثلاً ریل گاڑی ہے جب ہم اُس میں جا کر سوار ہوتے ہیں اور انجن کیطرف پیٹھ کر کے تکیہ لگا کے بیٹھتے ہیں تو سامنے گاڑی کے دروازہ یا اس کے شیشوں میں سے یہ تماشا نظر آتا ہے کہ اسٹیشن کے مکانات اوّل پیچھے ہٹتے ہُوئے نظر آتے ہیں اور درخت مکان جانور کھیت جو چیز ہمارے پاس آتی جاتی ہے وُہ دوڑتی ہُوئی جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ یہ سیر ہوتی ہے۔ کہ ابھی ادھر چیزوں کا ایک مجموعہ نظروں کے تلے آیا تھا کہ اُدھر وُہ غائب ہو گیا اور دُوسرا مجمع چیزوں کا اس کی جگہ آموجود ہوا۔ غرض سارے رستہ میں نوبت بہ نوبت یہی تماشا آتا جاتا ہے۔ اگر کسی اسٹیشن پر دو ریل گاڑیاں کھڑی ہوں اور اُن میں سے ایک ہولے ہولے چلنی شروع ہو تو دُوسری گاڑی

والے جب تک پٹیوں کو نہ دیکھیں اور اسٹیشن پر تاک نہ لگائیں انکو یہ نہ معلوم ہوگا کہ کونسی گاڑی چل رہی ہے۔ یہ حال تو خشکی میں ہے۔ اگر دریا میں ایک کشتی چل رہی ہو اور اس میں آدمی پڑا سوتا ہو اور خود کشتی لنگر ڈال کر ٹھہرا دی جائے اور ایک دوسری کشتی بہاؤ پر چل رہی ہو اور یہ آدمی سوتے سے جاگے تو اسکو یہ نہیں معلوم ہوگا کہ کونسی کشتی چل رہی ہے۔ بس اسی طرح ہم اپنی حرکت سے آسمان پر تم کو یہ تماشا دکھاتی ہوں کہ دن کو سورج آسمان پر پھرتا ہو اور رات کو چاند اور تارے پھرتے ہوئے تازہ بہ تازہ نو بہ نو دکھاتی ہوں۔ مجھے افسوس ہے کہ تم علوم ریاضیہ کی الف بے تے بھی نہیں جانتیں جس کے بغیر نہ کوئی زمین کی نہ کوئی آسمان کی علمی بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ اس لئے میں اپنی پانچویں حکایت میں اپنے ایسے اوصاف بیان کرونگی کہ ان میں علوم ریاضیہ کی کوئی اصطلاح نہیں استعمال ہوگی۔ اب تم کو نصیحت کرتی ہوں کہ تم میری گولائی کی یقینی کرنے کی دلائل کو جن میں سے بعض کی وجوہ کے سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتی ہو ذہن نشین کرلو۔ گو ان کا ثبوت نہ جانتی ہو۔

(۱) بہت سے جہازران ایک ہی سمت چل کر اسی بندرگاہ میں آن پہنچے جس سے چلے تھے۔ یہ سمت خواہ مغرب کی ہو یا مشرق کی۔

(۲) جہاز ران جب خشکی کے قریب آتے ہیں تو انکو پہلے پہاڑوں کی چوٹیاں دکھائی دیتی ہیں اور پھر جتنے قریب آتے جاتے ہیں اتنے ہی نیچے کے حصے پہاڑوں کے زیادہ نظر آتے جاتے ہیں۔

(۳) کنوؤں کے کھودنے میں اس سبب سے کہ سب جگہ پانی کا عمق

ایک ہی۔ یہ ضرور ہی کہ زمین کی کرویت یعنی گولائی پر لحاظ کرکے ایک میل میں آٹھ انچ کا ڈھلان رکھنا ضرور ہے۔

(۴) ہم جتنا اونچے ہوتے ہیں اتنا ہی زمین کا حصہ زیادہ نظر آتا ہی۔ پہاڑ کے اوپر چڑھ کے زمین کا حصہ دیکھیں تو زیادہ نظر آئیگا اور اگر اس کی جڑ میں سے دیکھیں تو کم حصہ دکھائی دیگا۔

(۵) آفتاب کے طلوع و غروب کے فرق دیکھنے سے اور قطبی تارے کے صعود و انحطاط کے تجربہ سے اور شمال و جنوب کی جانب میں جانے سے نئے نئے ستارے نظر آتے ہیں۔

(۶) چاندگرہن میں زمین کا سایہ گول چاند پر پڑتا ہے۔

(۷) نظامِ شمسی کے اور ارکان چاند سورج اور سیارے وغیرہ کروی ہیں زمین بھی اس کا ایک رکن ہی اس لئے وہ بھی کروی ہیں۔

(۸) سطح ارض پر جو مثلث بنایا جائے اس کے تینوں زاویہ کا مجموعہ دو قائموں سے بڑا ہوتا ہی جو مثلث کروی کا خاصہ ہے۔

(۹) خطوط جو مقامِ مشاہدہ اور سمت الراس میں مختلف مقامات پر خیالاً کھینچے جاتے ہیں وہ متوازی نہیں ہوتے۔ ان نو دلیلوں سے تو میری کرویت یعنی گول ہونا ثابت ہوتا ہے۔

میری حرکت کے سبب سے دن رات ہوتے ہیں اور وہ چھوٹے بڑے برابر ہوتے ہیں موسم بدلتے رہتے ہیں۔ گرمی کے بعد برسات اور برسات کے بعد جاڑا آتا ہی۔ اور بہت سے تغیرات وقوع میں آتے ہیں۔ ان سب باتوں

کی وجوہ سمجھنے کے لئے ضرور ہے کہ علمِ ہندسہ سے واقفیت ہو جو تم کو نہیں ہے - اس لئے میں اس قسم کے حالات کو بیان کر کے تمہارے ذہن کو منتشر نہیں کرتی - بلکہ اپنا حال آئندہ ایسا بیان کرونگی کہ تم کو یہ معلوم ہوگا کہ میری حکایت ایک افسانہ ہے مگر تم کو سُلائیگا نہیں بلکہ تمہارے عقل و دانش کو بیدار کرے گا۔

ذکاء اللہ

مبارک خاتون - کتاب مولوی حافظ سید منظر علی صاحب نے مستورات کے مطالعہ کیواسطے قصہ کے پیرایہ میں لکھی ہے اور تعلیم نسوان کو بدلائل ضروری ثابت کرنیکی کوشش کی ہے - ضمناً ایک مختصر سی بحث رسوم پر بھی ہے - کتاب کے بیشتر مقامات کے سود مند ہونیمیں کلام نہیں اور خواتین ان کے پڑھنے سے ضرور فائدہ حاصل کرینگی لیکن کیا اچھا ہوتا اگر مولوی صاحب یہ بھی لحاظ رکھتے کہ ہر شخص کی گفتگو اسکی حیثیت اور لیاقت کے مطابق ہوتی ہے - زبیدہ کی تقریر جہاں پُر مغز اور مفید ہے وہاں یہ بات بھی بلبن ضرور کھٹکتی ہے کہ ابھی اُسوقت کے آنے میں بہت دیر ہے کہ اصغر حسین جیسے متوسط الحیثیت آدمیوں کے گھروں میں ایسی لڑکیاں پیدا ہوں جو اپنی تقریر میں فلاسفروں کے اقوال نقل کریں اور ابن جوزی اور امام ربیعۃ الرائے کے حالات زندگی کا حوالہ دیں - یہ جتا دینا بھی ہمارا فرض ہے کہ جب یہ کتاب کوئی دینی رسالہ یا مذہبی کتاب نہ تھی تو احکام الٰہی کو ایسی صراحت سے خصوصاً اس کتاب میں جو مستورات کے مطالعہ کے واسطے لکھی گئی ہو) بیان کرنا مناسب نہ تھا چنانچہ صفحہ ۴۸ کی پہلی سطر میں ہے اصلاح رسوم کے متعلق مصنف کی کوشش ضرور قابل داد ہے مگر افسوس اس میں بھی مولوی صاحب نے کفر کا فتوی دینے میں عجلت کی - بہنوں کا دولہا کے سر پر آنچل ڈالنا

اِمام باڑہ نوّاب آصف الدّولہ

وزیر الممالک نواب آصف الدولہ مرزا یحییٰ علی خان بہادر عرف مرزا امانی ہزبر جنگ حضرت خلد منزل سخاوت اور فیاضی میں اپنے وقت کے دوسرے حاتم تھے۔

لکھنؤ کا ہر خوانچہ والا یا آصف الدولہ ولی کہ کر خوانچہ اُٹھاتا ہے۔ صبح کو ہر کانداً جسے دلائے مولا اُسے دے آصف الدولہ" کہکر اپنے کاروبار میں مشغول ہوتا ہے یہ اس لئے کہ حضرت خلد منزل بھولے سخی تھے۔ شام کے وقت ہوادار پر سوار ہو کر چوک کی سیر کو نکلتے تھے۔

عمارت کا شوق بھی انتہا سے زیادہ تھا اُنکے ادنیٰ سے ایک دیوان مہاراجہ ٹکیت رائے کی تعمیر کی ہوئی عمارتیں تالاب ٹکیت رائے بخشی کا تالاب باغات کوٹھیاں پختہ انبارے ابتک لکھنؤ میں موجود ہیں۔

اس وقت آپ کی عمدہ یادگار عمارتوں میں شیش محل گیند خانہ۔ اصطبل یحییٰ گنج فرح بخش۔ چارباغ کے علاوہ سب سے زیادہ قابل ذکر کے بڑا امام باڑہ ہے۔

اِس عالیشان عمارت میں اُنکی خاص محل نواب شمس النسا بیگم عرف نواب بہو بیگم صاحبہ نواب انتظام الدولہ خانخانان کی بیٹی اور نواب قمر الدین خاں وزیر اعظم دہلی کی پوتی رہتی تھیں۔ اُنکی جاگیر ساٹھ ہزار کی تھی اور ساٹھ روپیہ روز کا خاصہ حضور سے مقرر تھا۔

امام باڑہ آصف الدولہ جسکو مچھی بھون اور بڑا امام باڑہ کہتے ہیں شہر کے بیچوں بیچ میں بنا ہی- چوک اور گول دروازے سے سیدھے بولٹ ریلو کی سیر کرتے ہوئے چلے آیئے- عین سڑک پر ایک نالہ کا پل ہے جو دریا سے ملا ہے اس کے بعد مغربی رخ کا حسین آباد کے مقابلہ میں ایک وسیع عالیشان پھاٹک نظر آتا ہے جسکو رومی دروازہ کہتے ہیں- اس کی بغل میں چھ چھ دہرے درجہ کی دوکانیں اور گول گنبد کی چوکھی صحنچیاں ہیں- قریب ہی گومتی ندی موجیں مار رہی ہے-

رومی دروازہ عجب خوبصورتی سے ہشت پہل بنایا گیا ہی- قریب اسی فٹ کے اونچائی ہی- گلکاریاں اور استرکاری کچھ ایسی پختہ ہی کہ کہیں سوا ایک گرہ نہیں اکھڑی ہی- بعینہٖ یہ معلوم ہوتا ہے کہ پتھر تراش کر رکھدیا ہی- اسی پھاٹک کے اندرونی عرض میں تین بہت بڑے بڑے در ہیں جن کے اوپر سہ منزلہ عمارت ہی جس میں دونوں طرف ہوادار کمرے اور صحنچیاں ہیں رومی دروازے کی چھت پر بہت سے کنگورے اور بیچ میں ایک چورخی مہتابی سنگی نہایت خوبصورت بنی ہی- پھاٹک کے اندر قدم رکھتے ہی دونوں طرف رومی دروازے کی عمارت کے اوپر جانے کا سنگی زینہ بنا ہوا ہی-

پھاٹک کا حصہ ختم ہونے کے بعد بیس قدم کے فاصلہ پر دہنی طرف بائیں باغ کا پھاٹک ہی- باغ سہ گوشہ ہی اور اس میں ہندوستانی پھل پھول کے درخت لگے ہیں- باغ کے پھاٹک سے پچاس قدم کے فاصلہ پر تین عظیم الشان پھاٹک ہیں- انکا دروازہ شمال رخ کو واقع ہی- یہ امام باڑہ کے اولین پھاٹک ہیں ان کے

سامنے جواب کے لئے ویسے ہی نقلی تین پھاٹک بنے ہوئے ہیں جنکے عقب میں ایک وسیع عمارت ہے۔ اسکو جلوخانہ کہتے ہیں۔ امام باڑہ کے پھاٹک کے باہر کے رُخ دونوں طرف دوکانیں دوہرے درجہ کی بنی ہوئی ہیں۔ پھاٹک کی بغلوں میں چار چار فیٹ اونچے بڑے بڑے فیل پائے بنے ہیں۔

پھاٹک کے عرض میں اندر ہی اندر دونوں طرف چھوٹے چھوٹے دومنزلے کمرے اور صحنچیاں بنی ہیں۔ پھاٹک کی پشت پر دو خوشنما گول بُرجیاں بنی ہیں اور بیچ والے پھاٹک کے اوپر کنگوروں کے بیچ میں ایک سنگی مہتابی بنی ہے جو خوشنمائی میں اپنی آپ نظیر ہے۔ اندر اس عمارت پر جانے کا زینہ ہے۔

اندر قدم رکھئے تو آنگنائی میں سبزہ لگا ہے۔ مشرق کی طرف دوہرے درجہ کی دوکانیں ہیں۔ مغرب کی طرف ایک دیوار کھنچی ہے۔ سامنے کُرسی دیکر اُنیس سنگی سیڑھیوں کی بلندی پر صدر دروازے کے مقابلہ میں تین پھاٹک ویسے ہی عالی شان ہیں۔ پھاٹکوں کے اوپر دو بُرجیاں چار دریچے تین کمرے ہیں۔ پھاٹک کے دروازے لوہے کے ہیں۔ پھاٹک کے اندر ہی اندر دونوں طرف کمرے اور خوبصورت گمٹیاں ہیں جن میں پہرہ والے سپاہی رہتے ہیں۔ پھاٹک کو طے کیجئے تو ایک طرف دومنزلہ دوکانیں اور ایک خوشنما باولی اوپر نیچے چاروں طرف نفیس نفیس ہوادار دالان اور کمروں اور صحنچیوں سے دُلہن بنی ہوئی آبِ رواں کی دلکش کیفیت دکھارہی ہے۔ اس کی عمارت اگرچہ شکستہ ہے لیکن کاریگر کی اُستادیوں اور صناعیوں کو کھول کھول کر بیان کررہی ہے۔

دوسری طرف دہنے ہاتھ کو مغرب کی رُخ ایک نہایت عالیشان مسجد ہے

جو اپنی خوبی اور نفاست میں پھولی نہیں سماتی۔

مسجد کی عمارت اٹھائیس سیڑھیوں کی کرسی پر واقع ہے پہلے سنگِ خارا کا فرش صحن میں ہے۔ وسیع صحن کے بیچ میں ایک کنواں ہے۔ یہ کنواں حضرت خلد منزل کے بعد مرزا آغاجان نے بنوایا ہے۔ جس پر یہ تاریخ کندہ ہے:۔

پیشِ صحنِ مسجدِ شاہِ زمن چاہِ لطیف	چوں ز آغاجان نیک خبر ہویدا آمدہ
نغمۂ معنی دلم گفتہ کہ نسخ سالِ او	گو بہ کعبہ چشمۂ کوثر ہویدا آمدہ

چہ بمسجد کند آغاجان

کنوئیں کے متصل پختہ حوض بعد کا بنا ہے۔ پھر دو فٹ کی کرسی دیکر مسجد کا صحن ہے جس پر لوہے کا فیروزی کٹہرہ لگا ہے۔ صحن کی بغل میں دونوں طرف دور رُخے ہوادار کمرے اور حجرے بنے ہوئے ہیں جنکے سرے پر دو بُرجیاں ہیں دوہرے درجہ کی مسجد ہے۔

پہلے درجہ میں گیارہ در وسیع ہیں بیچ کا در سب سے زیادہ ممتاز ہے۔

دوسرا درجہ بھی گیارہ در کا ہے اُسی قدر وسیع ہے۔ چھت پر تین بُرج اور دو عالیشان منارے ہیں سب پر سُنہری کلس ہیں۔ منارہ پر جانے کا پیچدار زینہ ہے جس پر سے تمام شہر کا نظارہ ہوسکتا ہے۔

دونوں طرف کی عمارت کے حصہ ختم ہونے کے بعد کرسی دیکر شمال رُخ کو امام باڑہ کی بارہ دری ہے اِس عمارت کے باہر سے تین حصہ میں بیچ کے حصہ میں سات بلند اور شاندار دروازے ہیں اِدھر اُدھر کے دونوں حصوں میں تین تین در ہیں سب تیرہ در ہیں۔ درمیانی حصہ کے تین پھاٹک

کھلے ہیں باقی سب پر جالی لگی ہوا ور لوہے کا کٹہرا ہے۔ درمیانی حصہ کے پہلو پر دو برجیاں بنی ہیں۔ پھاٹک کے اوپر کنگورے اور کلغیاں بنی ہیں۔ آخری در کے پہلو میں بھول بھلیاں کا پیچدار زینہ ہے زینہ کی بغلوں میں ہزاروں در اور چھت کے نیچے سنگی گیلریاں ہیں جنکے ہیر پھیر میں ہشیار آدمی بھٹک کر راستہ بھولجاتا ہوا ور نیچے کرنہ خانے کے دروازے تک اُترتا ہوا چلا جاتاہے۔ جس کے دروازے بند ہیں اور جہاں سے راستہ ملنا دشوار ہو جاتا ہے۔ امام باڑہ کے اندر قدم رکھئے تو اس کے تین درجہ ہیں۔

پہلے درجہ کا درمیانی حصہ ایک سو آٹھ فٹ لمبا ہے۔ اس میں ایک چوبی ممبر رکھا ہوا ہے۔ اس کی دونوں بغلوں میں ستائیس ستائیس فٹ کی طویل صحنچیاں ہیں۔ دوسری بارہ دری اس سے بھی زیادہ وسیع ہے اس کے صدر میں نواب آصف الدولہ بہادر خلد منزل اور نواب بہو بیگم شمس النساء صاحبہ کی قبر ہے۔ دونوں قبروں پر ایک سبز کمخواب کی چادر پڑی ہوئی ہے۔ چاروں طرف چاندی کا خوشنما کٹہرہ ہے ایک زری کا مغرق شامیانہ چاندی کی چوبوں پر کھنچا ہوا ہے۔ دونوں طرف سبز کنول کے جھاڑ سنہری چوکیوں پر رکھے ہوئے ہیں۔ قبر کی دہنی طرف ایک مکلف ضریح ہے جس کی دہنی طرف ایک خوشنما بلوری بہت بڑا جھاڑ ہے۔ دوسری طرف ایک تعزیہ رکھا ہوا ہے۔ اور ایک خوشنما جھاڑ ہے۔ چھت میں جابجا ہانڈیاں اور جھاڑ لٹکے ہوئے ہیں۔ اس دالان میں چاروں طرف سُرخ سنگی کٹہرہ کی گیلریاں ہیں جو چھت کے قریب قریب بہار دکھاتی ہیں۔ یہ بھول بھلیوں

کی دریچیاں ہیں۔ عہد شاہی میں جب محرم میں مجلس ہوتی تھی اور سات سات توڑے کے خوان تقسیم ہوتے تھے تو خاص محل اور دوسری بیگمیں اپنے اپنے قرینے سے انہیں سنگی گیلریوں پر فروکش ہو کر مجلس میں شریک ہوتی تھیں۔

اس بارہ دری کی بغل میں دو گول برجیاں دونوں پہلو پر ۴۵ فٹ کی عریض بنی ہیں۔ تیسرا درجہ شہ نشین کا ہے۔ اس کی کرسی چار فٹ بارہ دری سے بلند ہے اس کی کروٹوں میں دونوں طرف ۴۵ فٹ کی صحنچیاں بنی ہیں پشت کے دروازوں میں جنگلا لگا ہے۔ جہاں سے شاہ مینا کے مزار اور وکٹوریہ پارک کا نظارہ دلچسپی دکھاتا ہے۔

تین چھتوں میں نصفی دائرہ کی چھ فٹ کی موٹی ڈانٹ ہے۔ دس دس گز کی چوڑی چھتیں ہیں۔ تمام عمارت میں کہیں لکڑی کا نام نہیں دیوار کا آثار ۸ فٹ کا ہے عشرۂ محرم میں تار برقی کی روشنی ہوتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ایسی بلند اور طویل عمارت کے لئے موجودہ روشنی ناکافی ہے۔

شاہی زمانہ میں یہاں بڑی چہل پہل رہتی تھی۔ رومی دروازے سے گول دروازہ تک دو طرفہ دوکانیں۔ پشت پر مینا بازار بہشت کا جواب بنا ہوا چوک سے شاہ مینا کے مزار تک جوہری بازار جس میں دن رات لاکھوں روپیہ کا جواہرات بکتا تھا۔

جوہری بازار سے شیشنا دروازے تک مکانات کی کچا کچ آبادی سے زمین سونے کے مول ہو رہی تھی۔

امام باڑہ کی تعمیر میں پچاس لاکھ روپیہ صرف ہوا۔ دس برس میں عمارت ختم ہوئی

شیخ کفایت اللہ شاہجہان آباد کے مشہور معمار کی نگرانی میں اُنہیں کے تجویز کئے ہوئے نقشہ کے مطابق ۱۸۵۷ء میں تیار ہوئی۔

استرکاری اس وقت تک ایسی پائدار ہے جسکو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام عمارت پتھر کی ہے۔ افسوس آج اُسی مکان کے اندر اس کی شان وشوکت والا مکین میٹھی نیند اس طرح بیخبر سو رہا ہے کہ بس اب حشر ہی کے دِن اُٹھے تو اُٹھے +

خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی

ایک اندھی لڑکی (یعنی ہیلن کیلر کی سوانح عمری) یہ کتاب مس ہیلن کیلر کی مختصر سرگذشت ہے۔ جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمت اور استقلال سے کیسے کیسے مشکل کام جو ناممکن سمجھے جاتے ہیں ممکن ہوجاتے ہیں۔ ہیلن کیلر اُنیس مہینہ کی عمر میں ایک ایسے مہلک مرض میں گرفتار ہوئی کہ بینائی گویائی سامعہ تینوں قوتیں جاتی رہیں۔ ایسی لڑکی کا جس کے پاس قدرت کے انعام میں سے صرف قوت لامسہ باقی رہ گئی ہو دنیا میں ترقی کرنا بہت مشکل تھا۔ مگر حسن اتفاق سے مس کیلر ایک ایسی اوستانی کے سپرد ہوئی جو عرصہ تک بصارت سے محروم رہنے کی وجہ سے اس تکلیف سے اچھی طرح واقف تھی۔ اوستانی کی تربیت نے کیلر کی طبیعت میں کچھ ایسا شوق پیدا کردیا کہ وہ رفتہ رفتہ تمام علوم فنون سے اچھی طرح واقف ہوگئی۔ طبعیات الجبرا علم ہندسہ فلکیات غیرہ وغیرہ کوئی چیز ایسی نہ تھی جس میں اسکو کامل دستگاہ نہ ہو۔ اس کتاب کے پڑھنے سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جن لڑکیوں کے مزاج میں ضد اور ہٹ اسقدر زیادہ ہو کہ انکی اصلاح لاعلاج سمجھی جائے وہ بھی تربیت سے راہ راست پر آسکتی ہیں۔ قیمت ۲ر فری اینج جنرل ایجنسی۔ انارکلی لاہور سے مل سکتی ہے

فرائضِ نسواں

ہے فرض میری بہنو! اللہ کی عبادت — پیدا کیا ہے ہم کو خالق نے [illegible]
دنیا میں کیسی کیسی دیں نعمتیں خدا نے — واجب ہے ہم پہ ہر دم ہر لحظہ شکرِ نعمت
ماں باپ کی ہے تعظیم بعد اسکے فرض ہم پر — پالا انھوں نے ہم کو کی [illegible] خدمت
دکھ جھیلے رنج کھینچے شکوہ نہ لب پہ لائے — تکلیف خود اٹھا لی دی ہم کو [illegible]
امکان میں ہو جتنا مقدور جس قدر ہو — ہے فرضِ عین ہم پر انکی [illegible] خدمت
اب اسکے بعد تم کو شوہر کو دیکھنا ہے — اس فرد کی بھی تم پر ہے فرضِ عین اطاعت
بہنو وہ ہے ساتھی جو تم کو زندگی بھر — دینا ہے ساتھ اسکا عسرت ہو یا ہو عشرت
شوہر کو رنج دوگی تکلیف تم کو ہوگی — شوہر کو خوش رکھوگی تم کو ملے گی راحت
وہ خوش رہے تو سمجھو خوش تم بھی رہ سکوگی — ناخوش جو وہ رہیگا ہوگی تمہیں کو زحمت
فرمائشوں سے اپنی بیزار اسے نہ کرنا — ہوتی ہے اس سے پیدا نفرت بجائے الفت
کرنا نہ مبتلائے افکار اس کو ہرگز — اپنی جو چاہتی ہو تم عمر بھر کو راحت
ساتھ اس کا مفلسی میں تم دو ہنسی خوشی سے — رہتی نہیں ہے بہنو یکساں کسی کی حالت
جو واسطے تمہارے سو زحمتیں اٹھائے — تم رنج دے کے اسکو توڑو نہ اسکی ہمت
ہاں فرضِ عین تم پر تحصیلِ علم بھی ہے — اس سے تمہاری ہوگی دنیا و دیں میں عزت
تعلیم دوگی اپنے بچوں کو بھی بخوبی — بگڑے گی پھر نہ ہرگز بچپن میں انکی خصلت
معلوم ہوگا تم کو کرنا ہے تم کو کیا کیا — اللہ کی عبادت ماں باپ کی اطاعت
شوہر کے کیا ہیں آداب اور کیا حقوقِ فرزند — ہوتی ہے کیسی عزت کہتے ہیں کسکو ذلت

بہنو! ذہین کے ساتھ مانگو دعا خدا سے
ہادی ہمارے ہم کو نیکی کی دے ہدایت

سید غلام مصطفیٰ ذہین

جگانے کی گھڑی

وقتِ سحر ہے سونے والو! دھیان کدھر ہے سونے والو!
جاگو نیند کے اے متوالو! لطفِ سحر کو کھونے والو
جاگ اٹھا ہے پتّا پتّا غفلت کیسی۔ سونا کیسا
بادِ سحر کے جھونکے آئے نکہتِ تر کے جھونکے آئے
جاگو پہلو بدل کر دیکھو اٹھو آنکھیں مل کر دیکھو

صلِّ علیٰ یہ نور کا عالم!
ہر ذرّے پر طور کا عالم!

تازہ نوا مرغانِ چمن ہیں نغمے جنکے بانِ چمن ہیں
میٹھی بولی بول رہے ہیں اڑنے کو پر کھول رہے ہیں
وجد میں ہیں سب آئے جاتے مدحِ خدا کے گیت ہیں گاتے
گلشن میں جو نہر ہے جاری کرتی ہے سجدہ خالقِ باری
حمدِ خدا کے ترانے گاتی اپنی جبیں کو ہے گھستی جاتی
نخل کھڑے ہیں سر کو جھکائے دستِ دعا شاخوں نے اٹھائے
ذکرِ خدا میں چمن کی زباں ہے خار کہ ہم کو جس پہ گماں ہے
محوِ یادِ خدا ہے سبزہ سر بہ سجود پڑا ہے سبزہ
شاخ پہ بلبل زمزمہ خواں ہے خاک پہ سنبل سجدہ کناں ہے

جاگو یادِ خدا کی گھڑی ہے
وقت نماز۔ دُعا کی گھڑی ہے

شور اُٹھا ناقوس و اذاں کا — وقت نہیں یہ خواب گراں کا
عابد۔ شیخ۔ برہمن جاگے — جانب مسجد و مندر بھاگے
عارف۔ زاہد اور پجاری — نیند نہیں ہے جنکو پیاری
نیند سے پیاری یادِ خدا ہے — یادِ خدا میں انکو مزا ہے

محفل راز میں جا کر بیٹھے
دل کو جہاں سے اٹھا کر بیٹھے

کیونکہ یہ عالم دارِ فنا ہے — اس میں سدا کب کوئی رہا ہے
تو ہے مسافر اس دُنیا میں — جیسے رہرو اترے سرا میں
وقتِ سحر گر رہرو سوئے — غفلت میں گر وقت کو کھوئے
چلنے سے ہو گر وہ غافل — کھوٹی ہوگی اس کی منزل

تجھ کو بھی درپیش سفر ہے
جاگ اُٹھ! جاگ اُٹھ! وقتِ سحر ہے

دن کو بہتر اور باطمینان بسر کرنے کا سب سے اچھا طریقہ سویرے اُٹھنا ہے۔ ایک حکیم کی رائے ہے کہ علی الصباح اُٹھکر دل کو عبادت کی طرف متوجہ کرنا اُس دن کے آنے والے رنج و افکار کے اثر کو کم کرنے کا بہترین نسخہ ہے ۔

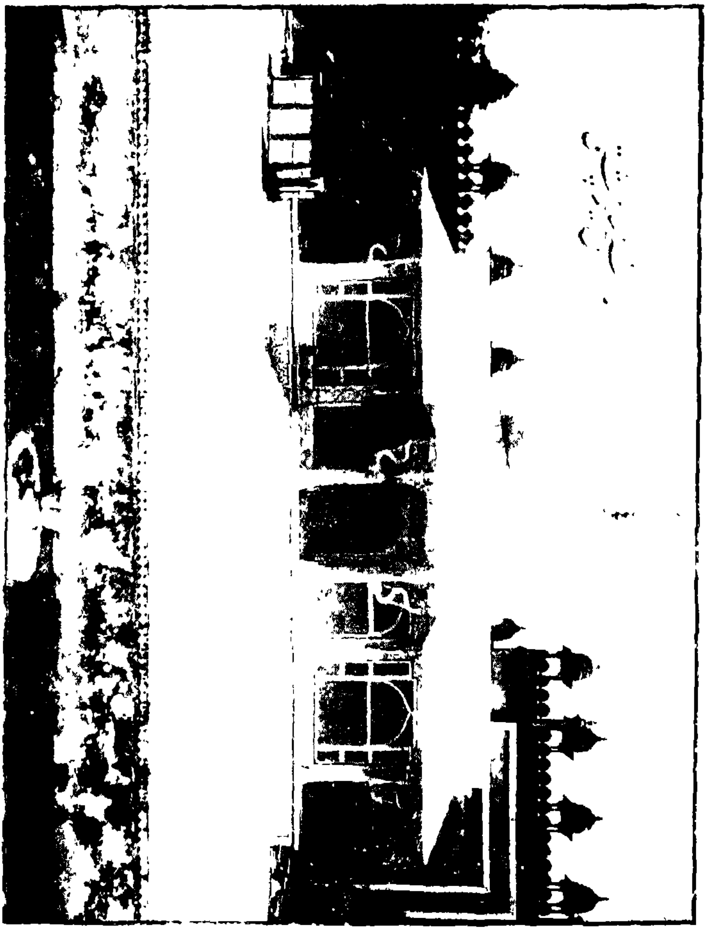
بحث کی۔ آپ کی تقریر کا خلاصہ یہ تھا کہ ہمدردی کے آثار ہندوستان میں بھی نمایاں ہیں ۔ اور اگر اس سے جائز طور پر کام لیا گیا تو ملک میں ایک نئی زندگی پیدا ہو جائیگی +

گورکھپور کا مدرسہ تعلیم نسواں۔ ریلوے انسٹیٹیوٹ علی نگر میں ۱۱۔ مارچ کی شام کو بصدارت مسز میلونی صاحبہ ایک نہایت عظیم الشان جلسہ ہوا۔ روسائے شہر کی شرکت نے اس جلسہ کو اور بھی خوشنما کر دیا تھا۔ لڑکیوں کو مٹھائی پھل اور کتابیں انعام میں تقسیم کی گئیں۔ سب سے پہلے بابو نرسنگھ پرشاد صاحب نے مدرسہ کی کیفیت پڑھ کر سنائی اور حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد لڑکیوں نے بہت ہی اچھی طرح نظم و نثر کے مضامین پڑھے +

ایک ہندوستانی خاتون کی دلیری۔ بمبئی بڑودہ ریلوے ۱۹۔ مارچ کی صبح کو دماؤں کے قریب پہنچی ہوگی کہ دفعتًا ایک شخص معقول پوشاک پہنے دوسرے درجہ کی زنانہ گاڑی میں آگھسا۔ جہاں ایک ہندو لیڈی کچھ عبادت میں مصروف تھی اور اسکے تینوں بچے برابر میں پڑے سوتے تھے۔ ایک غیر آدمی کی صورت دیکھ کر لیڈی کو بہت ہی تعجب ہوا اور نہایت دلیری سے پوچھا تم کون۔ خوش پوشاک شخص بجائے جواب دینے کے جھپٹا اور جلدی سے لیڈی کے بچوں کے پاؤں سے زیور اتار لیا۔ بدمعاش چاہتا تھا کہ زیور لیکر کود ے مگر عورت نے نہایت دلیری اور استقلال سے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ کچھ دیر تک یہ کشمکش رہی اور آخر کار چور نے اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ زیور چھوڑ کر چلتی گاڑی سے کود پڑا۔ جب دماؤں کا اسٹیشن قریب آگیا تو لیڈی نے اطلاع دی۔ پولیس نے جاکر دیکھا تو یہ شخص زخمی تھا جو ہسپتال میں جاتے ہی مر گیا +

فہرست مضامین رسالہ عصمت

مئی سنہ ۱۹۰۹ء

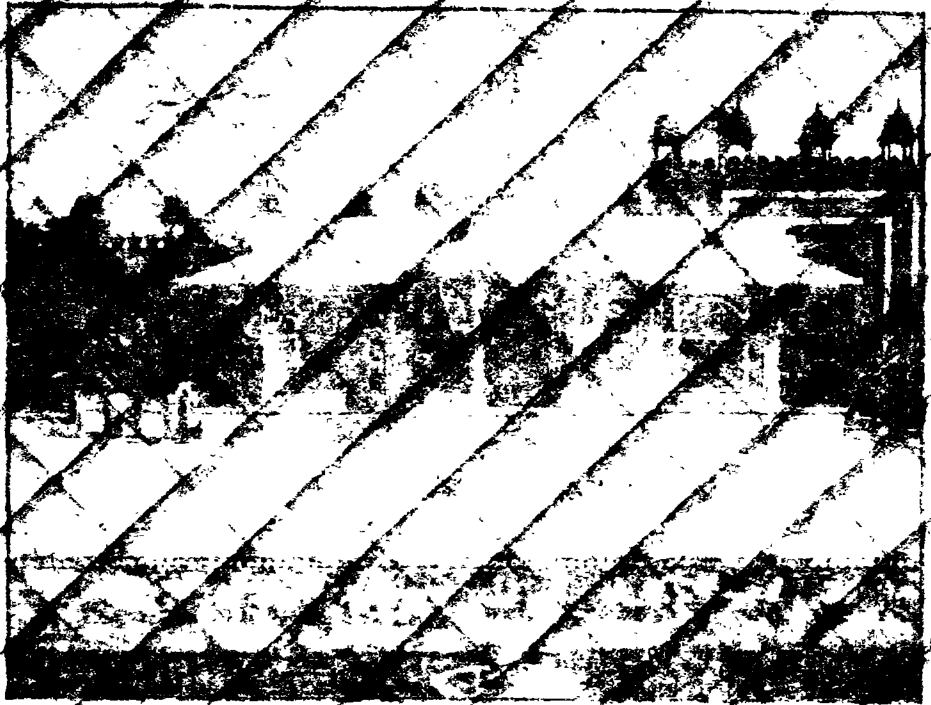


عرض [illegible]

قوم پارسی

[illegible] کی قوم [illegible] دنیا میں [illegible] سے چھوٹی [illegible] ان کی تعداد
[illegible] ہماری ہاں [illegible] اگر [illegible] نسبت [illegible] لوگوں کے سب سے [illegible]
ستان [illegible] ہوئے ہیں [illegible] ہندستان سے [illegible] مغرب [illegible]
[illegible] اس کے اطراف [illegible] اس قوم نے اپنا
[illegible] سو برس [illegible] ہو گئے [illegible]
[illegible] ہندوستان [illegible] آ کر [illegible]

[illegible] ہندوستان میں اور قوموں کی نسبت [illegible] پارسی [illegible]
[illegible] دنیا میں [illegible] مگر اپنی [illegible] صفات [illegible] کوشش [illegible] لیاقت سے
[illegible] نے اپنے آپ کو ترقی کے اس درجے پر پہنچایا [illegible] ہر کام میں [illegible]
[illegible] کے سر [illegible] ان لوگوں کا [illegible] مختصر [illegible] حال [illegible] کرتی ہوں
[illegible] ان [illegible] اور ہندوستان تک آنا کیوں کر ہوا
[illegible] اصل میں فارس کے رہنے والے ہیں [illegible] ان کو [illegible] بات کا



عصمت

قوم پارسی

پارسیوں کی قوم تمام دنیا میں سب سے چھوٹی ہے۔ ان کی تعداد ایک لاکھ شمار کی جاتی ہے۔ یہ لوگ بہ نسبت اور ملکوں کے سب سے زیادہ ہندوستان میں بسے ہوئے ہیں ہندوستان کے جنوب مغرب میں انکی بودوباش ہے۔ بمبئی اور اُس کے اطراف و نواح کو اس قوم نے اپنا مرکز بنایا ہے۔ قریباً سو برس کا عرصہ ہوا کہ یہ یہاں قیام پذیر ہیں یعنی خاص بمبئی میں مگر ہندوستان میں آئے صدیاں گزر گئیں۔

گو ہندوستان میں اور قوموں کی بہ نسبت تعداد میں پارسی ایسے ہی ہیں جیسے دریا میں قطرہ۔ مگر اپنی ذاتی صفات کوشش اور لیاقت سے انھوں نے اپنے آپ کو ترقی کے اس درجے پر پہنچایا ہے کہ ہر کام میں اولیت کا سہرا انھیں کے سر رہا۔ ان لوگوں کا ایک مختصر تاریخی حال درج کرتی ہوں کہ یہ دراصل کون تھے۔ اور ہندوستان تک آنا کیوں کر ہوا۔

یہ لوگ اصل میں فارس کے رہنے والے ہیں۔ اور ان کو اس بات کا

بہت بڑا فخر ہی کہ یہ ایک بہت ہی زور آور قوم کی نسل سے ہیں۔ جو کہ سنہ عیسوی سے صدیوں پیشتر ایران میں بسے ہوئے تھے اور جن کے بادشاہ ایسے ایسے کام کر گزرے ہیں کہ تاریخ میں کسی اور ملک کا اُس قدیم زمانے میں ایسا حال نہیں معلوم ہوتا ہی۔ پہلوان۔ شجاع۔ دلاور۔ اور عقلمند تھے۔ علی ہذالقیاس اس وقت کی کل ایشیائی اقوام میں سب سے آگے بڑھے ہوئے یہی تھے۔

پارسیوں کے آبا و اجداد ہر قسم کی شستہ و شائستہ زندگی کے طریقے سے پورے واقف تھے۔ بچوں کی تعلیم میں ہمیشہ تین چیزیں سمجھائی جاتی تھیں۔ اول راست گوئی۔ ثانیاً سواری گھوڑے کی۔ ثالثاً کمان کشی۔

ان کی عورتیں اتنی ہی دلیر تھیں جتنی خوبرو۔ اور امور خانہ داری سے پوری واقف۔ یہ اس زمانے میں بھی بہت ہی آزادانہ زندگی بسر کرتی تھیں

ایرانیوں کی تاریخ ابتدا ہی سے پُرلطف ہی۔ ان میں بہت بڑے بڑے نامی گرامی بادشاہ ہوگئے ہیں جو کہ اُس وقت کی معلومہ دنیا کے بہت بڑے حصے پر قابض تھے۔

جمشید کے متعلق مؤرخ بڑی ثنا سے لکھتے ہیں کہ انتہا درجہ کا عالی دماغ اور عاقل بادشاہ تھا۔ وہ بنی نوع انسان کا بہت بڑا مربّی تھا اور خیالات اور روشن دماغی میں اپنے زمانے سے بہت آگے تھا۔

ایک بڑا تاریخی واقعہ ان کے زمانے میں یہ ہوا کہ حساب سنین کا باقاعدہ آغاز ہوا اور جنتری طیار ہونے لگی۔ اور سال نو کا بڑا بھاری جلسہ منعقد

ہونے لگا جو جشن جمشید نوروزی کہلاتا ہے۔ اور حال کے زمانے میں بھی اسی کرّ و فر سے ایران و ہندوستان میں ہوتا چلا آتا ہے
فردوسی کے نامی شاہ نامے میں ناموران ایران کے بیشمار قصے ایسے خوش اسلوبی سے مندرج ہیں کہ جن کے پڑھنے سے آنکھوں میں تصویر پھر جاتی ہے۔ کیسے کیسے شجاع جوان تھے جنھوں نے ایسے ایسے معرکے میدان جنگ میں کیے ہیں۔ زال اور رستم کے قصے پشتہاپشت سے انکے خاندانوں میں چلے آتے ہیں۔ اور بچوں کو بطور مثال وہی قصے مائیں سناتی ہیں۔
زمانۂ حال کے پارسیوں کا یہ دعوی ہے کہ ایرانی پہلوانوں کی شہ زوری اور فوجی بہادری آج تک ہمیں جوش دلانے اور ہمارے خون میں حرکت پیدا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ اگرچہ ہماری قوم آج کل بجائے جنگی کارناموں کے تجارت اور سوداگری کے پُرامن میدان میں یکہ تازی کر رہی ہے۔
حضرت عیسیٰ سے تیرہ سو برس پیشتر گشتاسپ بادشاہ کے زمانے میں پارسیوں کا پیغمبر زردشت پیدا ہوا۔ اور ان کا دین قائم ہوا۔ یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ اس زمانے کو پارسی حرمت سے یاد کرتے ہیں۔ اس کے بعد جس بادشاہ نے ایران کی ریاست کو فروغ دیا وہ ہے جسے انگریزی تاریخوں میں سائرس اعظم کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ یہ شخص ۵۵۸ قبل مسیح میں گزرا ہے۔ اس نے بہت بڑی فتوحات سے دنیا کے بہت سے ملک لیے حتیٰ کہ بابل کے زرخیز ملک کو بھی اپنے قبضے میں کر لیا۔ اُس زمانے کی کُل دنیا سائرس کے نام سے ڈرتی تھی۔ لیکن تعریف کے سوا کبھی نہیں

رہ سکتی تھی۔

سائرس کے بعد ایران میں سب سے بڑا بادشاہ دارا ۵۲۱ قبل مسیح میں ہوا۔ یہ بادشاہ نہ فقط سائرس کے مفتوحہ ملکوں کی درستی میں مشغول رہا بلکہ اور بہت سے ملک فتح کر کے اپنے قبضے میں لایا اور سلطنت کو ترقی دی۔ یہاں تک کہ مشرق کی طرف ہٹ کر ہندوستان تک پہنچ گیا اور پنجاب اور تمام وادی سندھ کو اپنے قبضے میں لیا۔ اس طرح سے ایران کو بہت ہی متمول بنایا۔ اس آخری فتح کا انجام یہ ہوا کہ ایک سلسلہ ہندوستان اور ایران کے درمیان تجارت کے پیرایہ میں جاری ہو گیا۔ جہاز مقرر ہوئے جو خاص طرح دریائے سندھ اور خلیج فارس کے درمیان اپنا کام کرنے لگے۔ دارا کے متعلق مؤرخ تعریف سے لکھتے ہیں۔ کہ اس کی مستعدی ہمت و پیش بینی مہم جنگ کی معقول تیاری۔ انتظامی قابلیت وغیرہ صفات قابل تعریف ہیں جن کی بدولت اس نے اس عظیم الشان سلطنت کو جو سائرس فتح کر کے چھوڑ گیا تھا مستحکم اور مضبوط کیا۔

نوشیرواں آخری بادشاہ ایران تھا جس کی ذاتی صفات عدل گستری اور ہوشیاری سے صفحات تاریخ ایران پر چمکے ہوئے ہیں۔ اس کی خوبیوں کا بے حد بیان کیا جاتا ہے۔ کوئی بات اپنی ریاست کو ترقی دینے میں باقی نہیں رکھی۔ رعیت کی بہبودی میں سرگرم اور مصروف تھا۔ پرانے شہر از سر نو بنائے اور بسائے۔ پل۔ سڑکیں۔ نہریں اور اس قسم کی سب چیزیں جو باعث ترقی ملک تھیں بنائی گئیں۔ نوشیرواں کے اوصاف کی شہرت

طرف وجوانب کے ملکوں میں پھیل گئی تھی چین کے شہنشاہ بھی اُس کی دوستی کے محتاج تھے اور انھوں نے اُس کو بیحساب تحفے پیش کیے تھے انصاف تو طبیعت میں ایسا تھا کہ لقب عادل مشہور تھا۔ ورہے

زندہ ہست نام فرخ نوشیرواں بعدل گرچہ بسے گزشت کہ نوشیرواں نماند

مگر ہر عروج کو زوال ہوتا ہے۔

نوشیرواں کے بعد یکے بعد دیگرے ایسے رئیس حکمراں ہوئے انھوں نے اپنی بدنظمی کی وجہ سے اس لہلہاتی سلطنت کو صرف چھتیس برس کے قلیل عرصے میں ایسا تباہ و برباد کر دیا کہ جب عرب یہاں تک پہنچے ہیں تو ان کے ہاتوں بہت ہی آسانی سے شکار ہو گئی۔ عیش و آرام طلبی نے ایک زمانے میں جو شجاع قوم تھی اُس کو بالکل بے جان اور بے رُوح بنا ڈالا۔

بادشاہ وقت اردشیر تیسرا بادشاہ تھا کہ جس کے زمانے میں اہلِ عرب نئے اسلامی جوش و خروش میں ایران تک پہنچے۔ اور ایسی ایسی فتوحات حاصل کیں کہ تمام ایران کو اپنے قبضے میں کر لیا۔ بہت سے معرکے میدان جنگ میں کیے۔ اور خلفائے عرب کے ماتحت یہ ریاست آگئی۔

اس وقت ایران کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ آپس میں جھگڑے لڑائی، فساد نے بہت کچھ تباہی کر دی تھی یکے بعد دیگرے کئی بادشاہ مار ڈالے گئے۔ یہاں یہ ہوا اور وہاں ایران کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک مختلف اسباب سے لوگ مذہب بدلنے لگے۔ یہاں تک کہ زردشت کا

دین تقریباً مفقود ہوگیا۔ اور سب مسلمان ہوگئے سوائے چند لوگوں کے کہ جو اپنے اہل و اولاد کو لیکر خراسان آئے اور کوئی سو برس تک اس ملک میں پناہ گزین رہے لیکن خراسان کو یہاں سے بھی بھاگنا پڑا۔ یہ مصیبت زدہ جب بھاگے تو خلیج فارس میں ایک چھوٹے جزیرے میں رہنا اختیار کیا مگر چونکہ یہ بھی اسلام کی پہنچ سے دور نہ تھا۔ یہاں سے بھی جانے کا قصد کیا۔ اور ہندوستان چلکر ہندو راجہ کی پناہ میں بسر کرنے کے ارادے سے جہاز پر سوار ہو کر نکلے۔

ہندوستانیوں اور ایرانیوں میں زمانۂ سلف سے سلسلۂ آمد و رفت جاری تھا۔ وقتاً فوقتاً یہاں کے لوگ وہاں گئے تھے اور وہاں کے لوگ یہاں آئے تھے تو یہ کوئی پہلا موقعہ نہیں تھا کہ ایرانیوں نے ہندوستان کا قصد کیا۔

یہ مصیبت کی ماری قوم کاٹھیاوار کے کناروں پر ایک چھوٹا سا جزیرہ دیو نامی واقع ہے۔ یہاں وارد ہوئی اور کوئی انیس برس تک یہ آرام یہاں رہی۔ روایت ہے کہ ان کے دستور (ایرانی ملّا) کو ایک رات کو الہام ہوا کہ بس اب تم لوگ یہاں سے کوچ کرو۔ اور کسی اور ملک میں جاکے بسو۔ فوراً بیچارے اپنا کُل مال و متاع سمیٹ کر کشتیوں پر سوار ہو لیئے اور کسی کنارے کی تلاش میں چلے۔ اثنائے سفر میں ایک ایسے غضبناک طوفان نے ان کے جہاز کو گھیرا کہ زیست کی اُمیدیں کُل منقطع ہوگئیں۔ یہ بالکل یہی سمجھے کہ اب خاتمہ ہے۔ کوئی چیز نہیں ہے جو اس آفت سے بچا سکے اور دریا کی تہ میں

جلانے کے سوا کوئی علاج نہیں۔

اس نا اُمیدی کی حالت میں بھی عقل اور ہوش کو سنبھالا اور دوزانو ہو کے اپنے معبود کے پاس بہت ہی عاجزی سے التجا کی کہ تو سب کا مہربان اور مدد کرنے والا ہے سوائے تیرے کوئی نہیں۔ اور اگر پھر ہندوستان کا کنارا ہمارے ہات آئے گا تو ہم اپنی پاک آگ کو پھر جلائینگے۔ خدا نے انکی دعائیں سُن لیں اور اُسی وقت سے ہوا اور طوفان کم ہونے لگا۔ آخر کار گجرات کے کنارے پر ۷۱۶ء میں وارد ہوئے۔

اس زمانے میں سنجان کا مُلک ایک بہت ہی عاقل ہندو راجہ کے ماتحت تھا جس کے پاس انھوں نے اپنا ایک بہت ہی سنجیدہ دستور تحفوں اور نذرانوں کے ساتھ بھیجا۔ اُس نے بہت ہی نرم اور چرب زبانی سے خوبی کے ساتھ ان کا تمام دُکھ بھرا قصہ سُنایا۔ اول سے آخر تک کی واردات بیان کی اور یہ کہا کہ ہم آپکی پناہ کے محتاج آپ کے پاس آئے ہیں

جب یہ لوگ دیو میں رہتے تھے تو ہندوؤں کی رسوم و عادات سے ایسے واقف ہو گئے تھے کہ جب ہندو راجہ نے تفتیش سے پوچھا کہ تم کون ہو کیا ہو تو ایسے خاطر خواہ جواب دیئے کہ راجہ کو بالکل اطمینان ہو گیا کہ دشمن نہیں ہیں دوست ہیں۔ دین کے متعلق بھی ایسے ہی جواب دیئے کہ راجہ کو پورا یقین ہو گیا کہ یہ غیر نہیں ہیں اور نقصان نہیں پہنچائینگے۔ سنجان میں رہنے کی اجازت دیدی مگر اس شرط سے کہ عورتوں کے لباس ہندوؤں کی قطع کے ہوں۔ اور رسوم و رواج بھی اُن ہی کے اختیار کریں۔ یہ سب باتوں پر

راضی ہو گئے۔ نہ راضی ہو کر بھی کیا کرتے اس قدر مشقتیں غریبوں نے اٹھائی تھیں۔ کہ اب تو ایک ہی خیال مدنظر تھا وہ یہ کہ کسی صورت سے بآرام زیست بسر کریں۔ سنجان کے قریب ایک بہت بڑا حصہ زمین کا لے لیا۔ ۱۰ سو برس تک یہاں رہے اور اس عرصہ میں یہاں اپنا پاؤں بہت مضبوط جما دیا۔

وہ دعا جو مصیبت کے وقت جہاز میں کی تھی وہ نہیں بھولے اور جب سنجان میں رہنے لگے تو پہلا کام یہ کیا کہ اپنا دیول بنایا جس میں پاک آگ جلائی۔ آسائش سے رہنے کا موقع آخر ملا اور بہت سی صنعتوں اور بیوپار کے کاموں میں مشغول ہوئے۔ اطراف وجوانب کے ملکوں میں سفر کیا اور بسنے لگے۔ وقتاً فوقتاً ہندوستان کے شمالی حصوں میں بھی سفر کیا۔ جہاں اُن کے دُخمے اور دیول پائے جاتے ہیں۔ جہاں گئے وہاں بیوپار کاشت کاری اور حرفت وصنعت میں مصروف رہے اور برابر ہندوؤں سے اس طرح مل جلکر رہے کہ ان لوگوں کو کبھی شکایت کی جگہ نہیں دی۔

اس عرصے کے بعد اُن کے نصیبے نے پھر پلٹا کھایا مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان لڑائی ہوئی۔ علاؤالدین خلجی نے اپنے ایک بہادر افسر الپ خاں نامی کو فوج کے ساتھ بھیجا اور ہندوؤں نے سخت شکست کھائی۔ ہندوؤں کی ایرانیوں نے وعدہ کے مطابق لڑائی میں بہت مدد کی۔ ان کی طرف ہوئے اور شجاعت اور ہمت سے لڑے۔ جب مسلمانوں نے اس ملک کو فتح کیا تو ان کا یہاں رہنا اتنا ہی دشوار ہوا جیسا ہندوؤں کا۔ یہاں سے کوچ کیا۔ اور چودھویں صدی عیسوی میں سورت اور

نوساری کے ضلعوں میں جا کے رہنے لگے۔ حسب معمول یہاں بھی پہلا کام یہی کیا کہ دخمے اور دیول تعمیر کیے۔

سترھویں صدی عیسوی میں جنوبی سفر کرتے کرتے بمبئی تک پہونچے اُس وقت سے یہاں بود و باش اختیار کی۔ ہیرجی واچھا نامی ایک ممبر پارسی تھے جنھوں نے یہاں ٹاوز اوف سائلینس[له] (دخمہ) بنا کیے مالابار ہل پر جو کہ ایک خوبصورت نقطہ شہر بمبئی کا ہے یہ موجود ہیں۔

عطیہ فیضی

قناعت

دل کا ہوں میں سکندر وجدان ہی نام اپنا — ہے دولت قناعت باج و خراج اپنا
فرط نشاط سے دل رہتا ہے تازہ ہر دم — آئے مجال کیا ہے پاس اپنے رنج یا غم
ازبس دل ہے اپنا ہیں خواہشیں بھی ایسی — معمولی کوششوں سے ہو سکتی ہیں جو پوری
ہم دیکھتے ہیں جتنی اپنے میں تاب و طاقت — خواہش کے دائرے کو دیتے ہیں اتنی وسعت
ظاہر اپنے کوئی ملتا ہے۔ وہ غنی قانع — یاں ہے شکستہ حالی سے افتخار و ناز
ہے کوئی طالب زر کوئی فدائے شہرت — اس کی مجھے نہ چاہت اسکی نہ کچھ محبت
مانا کہ زر سے آساں ہوتی ہیں مشکلیں بھی — دیکھا تو یہ ہی اکثر ہے جڑ فساد و شر کی
دولت کی کج ادائی کا دل پہ کیا اثر ہو — ہر حال میں مگن ہوں جس حال میں بسر ہو

جب مسکرا کے دولت کرتی ہے مجھ سے باتیں
کہتا ہوں دل سے جلد ہی دکھلائیگی یہ آنکھیں

له لفظی معنی مینار ہائے خاموشی ان کا بمبئی کی مشہور چیزوں میں شمار ہے اور لوگ کثرت سے انہیں دیکھنے جاتے ہیں

فن ناول نگاری

مسز خدیو جنگ صاحبہ نے اس مختصر سی تقریر میں جو انھوں نے حیدرآباد کے ایک زنانہ جلسے میں کی فن ناول نگاری کے متعلق مفید خیالات ظاہر کیے ہیں اور یہ بتایا ہی کہ اس فن سے کیا کیا فائدے حاصل ہو سکتے ہیں اور ہمارے ملک میں ابھی کس قدر ترقی کی گنجائش اس صیغہ میں ہی۔

میری معزز بہنوں! مسز واکر صاحبہ کی خواہش ہی کہ میں آپ لوگوں روبرو چند لفظوں میں بیان کر دوں کہ صغرا بیگم مسز ہمایوں مرزا کو جو آج دیا گیا اُس کا کیا باعث ہی۔

کئی سال کا عرصہ ہوا کہ مسز ہمایوں مرزا نے ایک دلچسپ ناول تصنیف کیا جس میں عورتوں کے جاہل رکھنے کے نقصانات اور اس کے بدنتائج کہانی کے پیرائے میں بیان کیا ہی۔ ناول نویسی ایک ایسا کام ہی جس کی ضرورت آج کل بے انتہا محسوس ہو رہی ہی۔ ہمارے یہاں کے قصے جن لغو و خرافات مضامین پر مبنی ہیں محتاج بیان نہیں۔ جن کے پڑھنے سے سوائے تضیع اوقات کے کچھ حاصل نہیں اور بجائے اس کے کہ کوئی معلومات اُسکے پڑھنے سے بڑھے یا کوئی اخلاقی و تمدنی فائدہ حاصل ہو صریحاً مخرب عادات و اخلاق ہیں۔ امیر حمزہ کی داستان فسانہ عجائب اور کل اس طرح کی تصانیف صرف مبالغے کا پہاڑ ہیں اور جو صفتیں کہ ایک ناول میں آج کل کے مذاق

کے موافق مرغوب ہیں ان میں سوائے عبارت آرائی کے سب مفقود ہیں۔

یہ صرف ہماری اُردو زبان نہیں بلکہ عربی و فارسی کا بھی یہی حال ہے۔ عربی زبان میں تواریخ و تفاسیر تو بیشمار ہیں اور اشعار و قصائد بھی بے نظیر ہیں مگر قصے کی کتابوں کی جگہ پر ایسی کتابیں ہیں جیسے مقامات حریری و مقامات بدیعی۔ عنترہ وغیرہ۔ مگر اب اس طرف توجہ ہو رہی ہے۔ کونٹ ڈی مونٹی کرسٹو کا ترجمہ عربی میں کیا گیا ہے اور ہمارے میر مجلس میر فضل حسین صاحب مرحوم کے صاحبزادے سید حسن صاحب نے ماسٹرمان اڈی کا ترجمہ انگریزی سے سلیس عربی میں کیا ہے۔ فارسی میں بھی اب نئی کتابیں قصہ کی ہو چلی ہیں اُردو میں بھی بہت سے ترجمے انگریزی ناولوں کے موجود ہیں۔ جیسے۔ گولڈ اسمتھ کے ناول وکراف ویکیفلڈ کا ترجمہ۔ مگر مجھے افسوس ہے کہ اُردو زبان میں اکثر ایسی کتابیں بھی ترجمہ ہوتی ہیں جن کو خود انگریز پڑھنا ناپسند کرتے ہیں کاش کہ ایسی کتابوں کا ترجمہ ہو جیسے ڈیوڈ کاپرفیلڈ ہے البتہ مولانا مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی کی کتابیں قابل تعریف ہیں۔ مرزا ظاہردار بیگ کو کون نہیں جانتا۔ ماما عظمت کے ہتکنڈے کس کو نہیں رجھاتے۔

برخلاف مشرقی زبانوں کے مغربی زبانوں نے اس فن کو کمال تک پہنچا دیا ہے۔ انگریزی ناول ایک خزانۂ بے بہا ہیں اور کُل علوم وفنون کا معدن ہیں جن کے پڑھنے سے نہ صرف علمی بلکہ اخلاقی فائدے بیشمار ہیں۔ اور دلچسپ پیرائے میں ہونے کی وجہ سے اُس کا پڑھنا بھی بار خاطر نہیں گزرتا۔ اسکاٹ کی ناول مڈل ایجز کی تاریخ سے بڑھ کر کام دیتے ہیں اور

اُس زمانے کا ایک سچا فوٹو ہیں۔ جس سے وہاں کی طرز معاشرت رسومات تعصبات کُل چیزوں کا پتہ چلتا ہی۔ علاوہ اسکاٹس کے مشہور و معروف افسانوں کے ڈکنس لارڈ لٹن تھاکرے۔ یہ سب اپنے اپنے رنگ میں نرالے ہیں اور اس فن کے ماہر ہیں جن کے مقابلے میں ہم اپنی زبان میں کوئی نظیر پیش نہیں کر سکتے یہ مرد نا ولسٹ ہیں۔ مگر عورتوں میں دیکھیئے ایسی ہیں کہ ان کو بھی مات کر دیا اور اگرچہ وہ دوسری قوم کی ہیں مگر بوجہ ہم جنسیت ہم کو بھی اُن کے کمال پر فخر کرنے کا موقع ہی۔ مثل اُس فاضل بے بدل کے جس کا لوہا مرد مصنف باکمال بھی مانتے ہیں یعنی جارج ایلیٹ جس کی تصانیف ایک بے بہا خزانہ انگلش لٹریچر کا ہی۔ جس کی ہر ایک کتاب ایک جواہر بے بہا و دریکتا ہی۔ جس کی جادو نگاری و سحر بیانی عقل سلیم کو گرداب حیرت میں غلطاں و پیچاں کر دیتی ہی۔ خیال کرنے اور فخر کرنے کا مقام ہی کہ رومیولا کے سے ناول کی مصنف ایک عورت ہی جس کی عظمت و شان کے آگے عقل حیران ہی۔ اور انگشت حیرت در دہاں ہی۔ کل عالم و نکتہ فہم و نکتہ داں اس قدرت و جبروت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

اسیطرح رابرٹ السمیر مسز ہمفری وارڈ کی کتاب ہوش ربا ہی جس کی جادو بیانی، نکتہ سنجی اور دوربینی قابل تحسین ہی۔ شالٹ برانٹی بھی اسی ہندر کی ایک دیبی ہیں جنکی نفس روح بخش نے جین آیر شالری ٹننٹ آف دی اُلڈ فُل ہال میں روح پھونکی ہی اور ایک جادو کا پُتلا ایسا بنا کر کھڑا کر دیا ہی کہ انسان کے سب جذبات و خیالات کا ڈہانچہ نظر آجاتا ہی اور بے اختیار مرحبا

زبان سے نکل جاتا ہے۔

کسقدر ہمارے لیے خوشی کا موقع ہے کہ پردہ نشین بی بیاں بھی اسی میدان میں قدم رکھیں اور قصے کے پیرائے میں اپنے ابنائے جنس کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں۔ ہم اس موقع پر اپنی اُن سب عالی ہمت اور بلند حوصلہ بہنوں کو مبارکباد دیتے ہیں جو اپنی نوشت و خواند سے دوسروں کو بہرہ مند کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور اُمید رکھتے ہیں کہ وہ اپنی توجہ ہمیشہ اس کار خیر کیطرف مبذول رکھیں گی۔

مزار حضرت شیخ سلیم چشتی جس کی تصویر زیب رقاوں ہے آگرے سے تقریباً تیس میل ہے۔ سیکری حضرت مرحوم کی بود و باش سے پیشتر اجاڑ جنگل اور درندوں کا مسکن تھا۔ لیکن بعد میں اس قطعہ زمین کے ایسے بھاگ کھلے کہ اس کا نام صنادید زمانہ کی فہرست میں درج ہو گیا۔ حضرت شیخ سلیم خاندان چشتیہ کے چراغ تھے۔ والدین قبل آپ کی ولادت کے لودھیانے میں رہتے تھے۔ پھر دہلی کو وطن بنا لیا۔ اور اسی جگہ حضرت علاؤالدین کی سرائے میں یہ آفتاب طلوع ہوا۔ اسکے بعد آپ کے والدین دہلی سے سیکری چلے گئے اور وہیں اقامت اختیار کر لی چودہ برس کی عمر میں آپ بغرض تحصیل علم ظاہر مولانا مجدالدین کیخدمت میں سرہند حاضر ہوئے کامل تین سال علوم ظاہر کی تحصیل کی پھر تعلیم باطن کی تحصیل کے لیے اپنے جد امجد کے مزار پر پاک پٹن پہنچے اور مجاز بیعت ہوئے اور پھر عرب کا سفر کیا۔ تیس برس کی عمر تک بلاد عرب شام بغداد کی سیر کرتے رہے۔ واپسی مدینہ منورہ پر اکبر کا دور تھا۔ اور اکبر اولاد کی تمنا میں کثیر بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر سُنکر بکمال عقیدت و ارادتمندی حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض مدعا کیا۔

چند روز کے بعد حصول مراد کے آثار نمایاں ہوئے بادشاہ نے بیگم کو سیکری ہی میں بھیجدیا جب بچہ پیدا ہوا تو اُس کا نام شیخ نے اپنے نام پر سلطان سلیم رکھا۔ جو نورالدین عرف جہانگیر کے نام سے مشہور ہوا۔ اب تک بہت سے آدمی بلا تفریق مذہب ہندو، مسلمان، عیسائی، شیخ کی درگاہ پر اپنے حصول مدعا کے لیے التجا کرتے ہیں۔ اس عمارت کی خوبصورتی۔ نرالی تراش خراش وضع قطع زبان حال سے اپنے صناعوں کی مداح ہے۔ خاندان چشتیہ کا یہ ستارہ جو ۸۸۴ھ میں طلوع ہوا تھا۔ ۹۵ برس تک اہل دنیا کو اپنے نور سے منور کر کے ۹۷۹ھ میں جھلملا جھلملا کر غروب ہو گیا۔ تاریخ بنا خانقاہ اکبر ہے۔ (نعمت علی ازل)

سیر یورپ

(از ہرہائی نس بیگم صاحبہ جزیرہ جنجیرہ)

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

اکثر نوٹوں کی زندگی اس ہی بنک میں بسر ہوتی ہی۔ گویا پیدائش بھی یہیں ہی اور موت بھی ہندوستان کے نوٹ بھی اب یہیں چھپتے ہیں۔ بڑے سے بڑا نوٹ ایک ملین کا بنا تھا۔ گورنمنٹ سے کچھ معاہدہ ہوا تھا اس کے لیے خاص طور پر چھاپا گیا تھا۔ اب فریم میں لگا کر عجوبے کے طور پر رکھا ہوا ہی۔ ایک اور نوٹ اسی طرح فریم کرا کر رکھا ہوا ہی۔ کیونکہ وہ سو سال تک چکر میں رہا یعنی بنک سے نکلنے کے بعد سو سال ادھر اُدھر گھوم کر پھر واپس آیا۔ ہمیں ایک چھپا ہوا کاغذ دیا گیا جس سے یہ اندازہ ہوسکتا تھا کہ کس قدر لاتعداد نوٹ یہاں رہتے ہیں اور کسقدر بے شمار دولت کے وہ قائم مقام ہیں۔ اُس عبارت کا ترجمہ یہاں دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ "پانچ سال کے اداشدہ نوٹوں کا ذخیرہ تعداد میں اکیانوے ملین یعنی نوکروڑ دس لاکھ کے قریب ہوتا ہی۔ اگر وہ صندوقوں میں رکھے جاویں تو سولہ ہزار صندوق ان سے بھریں۔ اور اگر ان صندوقوں کو پاس پاس رکھیں تو تین میل میں آویں اور اگر ان نوٹوں کو اوپر تلے رکھا جائے تو سات میل کی بلندی تک پہنچیں اور اگر اُن کو سرے سے سرا جوڑ کر پھیلایا جائے تو

لہ ملین انگریزی میں دس لاکھ کو کہتے ہیں جس سے یہاں دس لاکھ اشرفی مراد ہی۔

گیارہ ہزار آٹھ سو سینتالیس میل لمبا فیتہ بن سکتا ہے۔ انکی قیمت ۱۳۸۸۴۷۷۲۰۰
ایک عرب انتیس کروڑ چوراسی لاکھ چھتر ہزار چار سو پونڈ اور وزن تقریباً
ترانوے ٹن[1] ہے۔

بنک سے فارغ ہو کر ہم نے کچھ کپڑا خریدا اور اُس کے بعد لنچ کھا کر گھر چلے گئے شام کو مسٹر سا موئل کے ہاں کھانا تھا وہاں جانے کو طیار ہونے اور کوئی آٹھ بجے اُن کے ہاں پہنچے۔ بہت اچھے اچھے لوگ وہاں جمع تھے ان سے ملاقات ہوئی۔ کھانے کے کمرے میں گئے تو ان کے ہاں ٹیبل کور (میز پوشس) بچھانے کا نیا طریقہ دیکھا چاروں طرف ڈیڑہ ڈیڑہ فٹ چوڑا کور بچھا ہوا تھا اور بیچ کے حصے میں اصل میز کا گہرا رنگ نظر آتا تھا جس پر چاندی کی قیمتی اشیا سجی ہوئی تھیں میز پر میرے قریب جو صاحب بیٹھے تھے اُن کا نام مسٹر زفال تھا وہ مسٹر سا موئل کے داماد ہیں۔ ان سے بہت دلچسپ باتیں رہیں۔ انھوں نے ہمیں شوق دلایا کہ ہم لندن ہسپتال ضرور دیکھیں اور یہ بھی کہا کہ میں آپ کے لیے معقول انتظام کر دوں گا۔ ان کے ایک چچا نے لندن ہسپتال کا ایک حصہ اپنے صرف سے بنوایا ہے اور لندن کا دوسرا مشہور ہسپتال جو گائز ہسپتال کے نام سے مشہور ہے ان کے دوسرے چچا کے نام سے موسوم ہے۔ ان لوگوں کا متول بھی بہت زیادہ ہے اور خیرات بھی۔ مگر میں کھانے کے کمرے کی سجاوٹ کے ذکر سے دور جا پڑی۔ گرمی کا موسم تھا اور کمرے کو ٹھنڈا رکھنے کی ضرورت تھی اس واسطے اُس میں جا بجا برف کے ٹکڑے رکھے ہوئے تھے جن کو نازک پتوں اور بیلوں سے چھپایا تھا۔ پھول اس کثرت سے جمع کیے تھے کہ میزیں گلاب سے

[1] ایک ٹن اٹھائیس من کا ہوتا ہے ۱۲

کیا ہی جب میں اوٹ گیا تھا تب آپ کو زکام تھا

انوری۔ میرا مزاج اب بالکل اچھا ہی صرف ذراسی کھانسی ہی۔

سجاد۔ آپ بڑی بے احتیاطی کرتی ہیں اور دوسروں کے احتیاط کرنے میں بڑے بڑے وعظ کیا کرتی ہیں۔ دیکھیے توکسقدر ہلکے کپڑے پہنے ہیں

انوری۔ اُنھہ۔

سجاد۔ اگر آپ اپنے والدین سے محبت رکھتی ہیں تو کبھی ایسی بے احتیاطی نہ کریں۔ اور اگر۔ خیر۔ اب میں رخصت ہوتا ہوں۔ چچی جان سے کہہ دیجیے گا کہ مجھے جلد گھر جانا تھا۔ ابا جان سے ملنے کو ورنہ وہ کچہری چلے جائینگے۔ نہیں تو میں ٹھہرتا۔ اُن سے مل کر شام کو پھر آؤں گا۔ اگر آپ لوگوں کو میرے آنے سے تکلیف نہ ہو۔

انوری۔ تکلیف کی کیا بات یہ بھی آپ کا گھر ہی۔ اچھا خدا حافظ کہکر سجاد روانہ ہوئے۔ رستہ میں سوچنے لگے۔ اگر میں ابا جان سے کہوں گا۔ ہوا ناموافق آئی اس لیے چلا آیا تو وہ یقیناً ناراض ہوں گے اور کہیں گے کہ ایک دن میں ہوا کی موافقت یا ناموافقت کیونکر ثابت ہوئی۔ اور اگر یہ کہوں کہ کچھ چیز بھول گیا تھا لینے آیا ہوں تو بھی خفا ہوں گے کہ یہ کیا حماقت ہی ایک تو مجھے وہ سب سمجھتے ہیں فضول خرچ بے پروا۔ دوسرے اور بھی اُن کو میری نسبت بُرے خیال ہو جائینگے۔ سمجھیں گے میں بالکل خالی از عقل ہوں کہ چیز لینے کو اتنی دُور سے دوڑا آیا۔ جو کہ تار سے خبر دینے سے بھیج دی جاسکتی تھی۔ چیز یہ کہوں گا کہ وہاں ہوٹل میں تمام معمولی نیچے درجے کے لوگ بھرے تھے

ں لیے گھبرا کر بھاگ آیا۔ ایک دن میں میرا دم ناک میں آگیا۔ کوئی اس قابل نہ تھا کہ جس سے بات کرسکتا اس لیے چلا آیا۔ کہ شاید تنہائی سے اور اکیلے پڑے رہنے سے کوئی نئی بیماری نہ کھڑی ہو جائے۔ گھر میں ڈرتے ڈرتے قدم رکھا۔ باپ کو دیکھا ایک فرش پر بیٹھے ہوئے حقہ سامنے رکھا ہی چاء کے برتن بھی رکھے ہوئے۔ ایک کتاب بھی کھلی ہوئی سامنے رکھی ہی جسکے پڑھنے میں مشغول ہیں، چاء ٹھنڈی ہو رہی ہی۔ اور حقہ بھی بجھ نے پہ ہے۔ سجاد حسین چپکے سے جا کر سامنے کھڑے ہو گئے۔ کسی کی آہٹ پا کر مولوی کاظم حسین صاحب نے جو سر اٹھا کر دیکھا۔ سجاد نے سلام کیا۔ سلام کا کچھ جواب نہ ملا۔ کاظم حسین صاحب ان کو دیکھکر ہکا بکا رہ گئے۔ کچھ دیر کے بعد کہنے لگے خیر تو ہی صاحب۔ اتنی جلدی تشریف آوری کا کیا باعث ہوا۔ مزاج کیسا ہی

سجاد۔ جی ہاں الحمدللہ مزاج تو اچھا ہی۔ مگر وہاں ایک دن میں ایسا گھبرا گیا۔ کہ سوائے چلے آنے کے اور کچھ نہ سوجھی۔ ہوٹل میں تمام نیچے درجے کے لوگ بھرے ہوئے تھے اس طرح کے مغرور بے تمیز کہ میرا ناک میں دم آگیا۔ میں اس خیال سے چلا آیا کہ تنہائی سے پھر کہیں کوئی بیماری نہ کھڑی ہوجائے مجھے ہمیشہ لوگوں کے ساتھ رہنے اور بات چیت کرنے کی عادت ہی وہاں کوئی شخص اس قابل نہ تھا کہ اُس سے کوئی بھلا آدمی بات کرے۔ میں گھر ہی میں رہونگا۔ اتنے دنوں سب سے جُدا رہ چکا ہوں۔ اب گھر میں آن کر باہر جانیکو جی نہیں چاہتا۔

سجاد حسین گھر میں رہنے لگے اور زیادہ وقت اپنے چچا کے یہاں گزارتے

تھیں اور جھولے ڈالا کرتی تھیں۔

باڈمن ٹن کورٹ کے واسطے بہتیری جگہ تھی ایک مناسب جگہ پر داروغہ نے ایک پر تکلف کورٹ بنوا دیا۔ سجاد حسین ہر روز آن کر بذات خود کورٹ کی نگرانی کیا کرتے۔ دو تین دن میں ایک پختہ کورٹ تیار ہو گیا۔ سجاد حسین نے اپنے ہات سے دو بانس دھر اُدھر گاڑ کر جالا باندھا اور باڈمن ٹن ہونے لگا ایک طرف سجاد اور انوری دوسری طرف احمدی اور کاظمی۔ کبھی کبھی راحت بیگم بھی شریک ہو کر کھیل بگاڑا کرتی تھیں۔

اب سجاد حسین کے واسطے ساری دنیا کا لطف باڈمن ٹن کھیلنے میں آ گیا تھا اور کسی چیز میں ان کا جی نہ لگتا تھا۔ تمام دن شام کے انتظار میں گزرتا تھا۔ کھانا کھاتے ہی کپڑے بدل کر بیٹھ رہتے تھے۔ پڑھنا وڑھنا سب طاق پر رکھا۔ کبھی پڑھتے بھی تو انگریزی اشعار پڑھا کرتے مثل سوشنر ٹینسن وغیرہ کے۔ اور اپنے حسب دلخواہ اشعار پر پنسل سے نشان کرتے جاتے تھے۔ کہ لیجا کر لڑکیوں کو سنائیں گے۔ انگلینڈ جانے کے نام سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور اپنے دل میں کہتے تھے۔ اگر مجھ کو یہ یقین ہو جائے کہ انوری بھی مجھ سے محبت رکھتی ہے۔ اور میں اُس سے بخوبی خط و کتابت کر سکوں تو میں خوشی سے چلا جاؤں گا۔ مگر اس مشکوک حالت میں جانا غضب کا سامنا ہے۔ خدا غارت کرے ہمارے یہاں کی رسموں کو مجھ کو لیکر ایک جاہل لڑکی سے منسوب کر دیا پھر ساس بھی ایک کوہ آتش فشاں ہیں خدا پناہ میں رکھے میری نانی جان بیچاری کی خدا مغفرت کرے اُنھوں نے میرے گلے۔ یہ

ند ب باندھ دیا نہیں تو بلا کسی دقت کے انوری ایسی بی بی مجھے مل سکتی چچا ں قبول کرتے مجھے بہت چاہتے ہیں۔ اور انوری ابھی تک کہیں منسوب ں ہیں ہی۔ باوا جان بھی ماشاءاللہ ایسے پرانے خیال کے آدمی نہیں کہ زبان مارتے ہی ٹھکرا دینگے۔

انگریزوں میں کیا اچھا دستور ہی کہ لڑکے لڑکیاں سن شعور کو پہنچکر پی پسند سے شادی کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں تو ظلم ہی پیدا ہونے کی ر ہی کہ منگنی بھی ہوگئی۔ تعجب تو مجھے یہ ہی کہ نانی جان نے میرا نکاح چھٹی کے روز نہیں پڑھوا دیا۔ بیچاری بیماری میں برابر یہی کہا کرتی تھیں کہ ایک آرزو ں اپنے ساتھ لیجاؤں گی۔ کہ سجاد اور قدرت کا سہرا میں نے نہ دیکھا۔ ان دونوں کی شادی ہوجاتی تو میری سب آرزوئیں بر آتیں۔ خدا بہشت نصیب کرے اماں جان بیچاری کا اس میں کوئی قصور نہیں ہی۔ اُن کو اپنی بڑی بہن کا مزاج پسند نہ تھا۔ اور نہ اُن کی مرضی تھی کہ میری نسبت اُن کی لڑکی کے ساتھ ہو۔ مگر نانی جان نے راضی کرلیا۔ یہ کہہ کر کہ تم کو ایسی لڑکی کہاں ملیگی بہن کی بیٹی گھر کے گھر ہی میں ہونا اچھا یا تیرے میرے دروازے جانا اچھا۔ اگر تم نہ کروگی تو میں حشر میں تمھاری دامن گیر ہوں گی۔ غرض بہت سی عورتوں نے ملکر خوب ڈھول بجائے۔ اور مزے مزے کی مٹھائیاں کھائیں۔ یہ خیال تک نہ کیا کہ کس بیچاری کی گردن کاٹ رہی ہیں۔ یہ کسی کو خیال بھی نہ گزرا کہ بڑے ہونے پر لڑکی بھی شاید ماں پر پڑے۔ اور میاں سے رات دن جھگڑا بکھیڑا رہے۔ یا یہ کہ لڑکا بدمزاج اور شہد نکلے لڑکی سے نہ بنے

بریں عقل و دانش بباید گریست

اب خدا ایسا کرے کہ خالہ جان خود مجھ پر نامہربان ہو کر اپنی دامادی سے مجھے معاف رکھیں"

باب ساتواں

یہاں سجاد حسین بیچارہ اس فکر میں مبتلا تھا۔ وہاں جب سے سجاد حسین بیمار ہو کر آیا تھا۔ اس کی خالہ کو یہ فکر پڑی تھی کہ اب کسی طرح سے اسکی شادی کر دینی چاہیے۔ کہاں تک بیٹی کو بٹھال رکھوں شادی ہو جائیگی تو آپ ہی پھر انگلنڈ جانے کا نام نہ لیگا۔ یہ سوچ کر انھوں نے سید کاظم حسین صاحب کو بلا بھیجا لیاقت النسا بیگم ان نیک بخت بی بی صاحبہ کا نام تھا جو کوسنے میں مشاق اور ضد میں کمال لیاقت رکھتی تھیں۔ ان کا مکان پرانے طریقے کا بنا ہوا تھا۔ ایک بڑا سا دالان اُس میں اوپر دو کوٹھریاں ایک دو سیڑھیاں اُتر کر ایک گز کا چوڑا پانچ گز کا لمبا صحن جس کے سامنے کوٹھریاں چیزیں رکھنے کے واسطے بنی ہوئی تھیں انگنائی کی دیواریں قید خانے کی دیوار کی طرح بلند۔ دالان میں ایک پرانا نعمت خانہ رکھا ہوا تھا۔ اُسپر جھوٹے برتن چینی کے بیچھے پڑے ہوئے تھے ایک طرف کو ایک پلنگ بچھا ہوا جسپر میلی کثیف چادر بچھی ہوئی تھی۔ دستر خوان جو کسیوقت میں باریک سفید کھاروی کا ہوگا۔ اب ایک باورچی خانے کی صافی کی شکل ہو رہا تھا بیچ انگنائی میں حوض کی منڈیر پہ پڑا ہوا تھا۔ بہت سی مرغیاں آنگن میں پھر رہی تھیں ایک قاز کا جوڑا حوض میں تیر رہا تھا۔ حوض کے پاس ایک تاڑ کا درخت تھا اور ایک

امرود کا درخت تھا جس کے نیچے پتوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ باورچی خانے کے سامنے ایک لونڈی بیٹھی برتن مانجھ رہی تھی۔ دو اور چھوکریاں اور ایک چھوٹا چھوکرا جو انھوں نے اپنی بیٹی کے جہیز میں دینے کو لیے تھے۔ بیٹھے رکابیوں کو چاٹ چاٹ کر صاف کر رہے تھے اور کبھی کبھی ایک دوسرے کو چپت وغیرہ بھی جھکا دیتے تھے۔ چھوکری کہتی تھی کہ یہ رکابی مٹھائی کی میں لائی ہوں میں جانوں گی تو کیوں چاٹتا ہے۔ چھوکرا کہتا تھا چپ ری باندی تیری رکابی نہیں ہے۔ یہ تو میں نے اٹھا کر رکھدی تھی۔ پھر تو نے اٹھائی۔ دوسری چھوکری کہہ رہی تھی۔ میری رکابی کو تو موہنھ لگائیگا تو میں بیگم صاحب سے کہدونگی۔ خوب تیری مار ہوگی۔ کتے نے سب مٹھائی زبان سے چاٹ لی۔ مجھے کچھ ندی اب مجھ سے مانگے تو میں تجھ کو بھی نہ دوں گی۔ اس مکان میں سید کاظم حسین صاحب داخل ہوئے۔ لیاقت النسا بیگم کو سلام کرکے نیچے فرش پر بیٹھ گئے۔

ملٹن کی رائے ہے کہ منجملہ اور صفات کے جو عورت کی ذات میں موجود ہیں کوئی صفت کسی حالت میں اس سے بہتر نہیں ہوسکتی کہ وہ اکثر اوقات امور خانگی کی اصلاح پر غور کرتی رہے۔ نقائص کے دفعیہ کی تجاویز سوچے اور بہتری کی ممکن تدابیر عمل میں لائے اسکا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ اپنے خاوند کے واسطے اس قسم کا سامان پیدا کرنے کی فکر میں رہے اور ایسے اسباب مہیا کرے جو اس کو نیکی کے رستے پر چلنے کی ترغیب دیں اور بدی کی طرف جانے سے بچائیں۔

پاؤں پڑنے کی رسم

زینب صاحبہ مکینہ نے جس رسم کی شکایت اس مضمون میں کی ہے اُسکے تکلیف دہ ہونے میں کلام نہیں مگر الحمدللہ کہ ان اطراف میں یہ رسم موجود نہیں تاہم جہاں کہیں بھی ہو قابل اصلاح ہے اور ہمیں راقمۂ مضمون کے خیالات سے پورا اتفاق ہے۔

ہم عورتیں آپس میں بوقت ملاقات یا بوقت وداع ایک دوسرے کی قدمبوسی۔ یا دوسرے لفظوں میں پاؤں پڑتے ہیں۔ یہ رسم کب سے شروع ہوئی اس کی سبجھے بیشتر حیرت ہے حالانکہ ہم سب کے۔ ہمارے رسول مقبول آپس میں سلام علیک کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آیا یہ حکم فقط مردوں ہی کے لیے ہے یا اس میں عورتیں بھی شامل ہیں؟ میں اس کا جواب یہی دوں گی کہ عورتیں بھی شامل ہیں۔ کیونکہ مسلمان ہونے میں جیسے مرد ہیں ویسی عورتیں۔ کیونکہ وہ اُمتی مرد ہیں تو ہم اُمتی عورتیں پھر کیوں ہم سلام علیک کے خلاف پاؤں پڑنے کے لیے جھکیں۔ اے میری پیاری بہنو! پاؤں پڑنے کے بارے میں دو تین مشکلیں بھی درپیش ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ کوئی بیوی عمر میں کم لیکن مالدار ہیں اور ایک بیوی بڑی عمر والی مگر غریب ہیں۔ اب بڑی بیوی چاہتی ہیں کہ وہ مالدار چھوٹی بیوی پاؤں پڑے یہ چھوٹی بیوی کہتی ہیں کہ میں کبھی پاؤں نہ پڑوں گی۔ یہ طرفین کا حجاب ذل پہ

ایک صدمہ گزرتا ہے۔ اسی طرح ایک زیور علم سے آراستہ ہے ایک جاہل
ایک رشتے میں بڑی ہے ایک چھوٹی۔ مختصر یہ کہ ان تمام تعلقات میں حجاب
دامنگیر ہوجاتا ہے۔ میں اکثر بیبیوں کو دیکھا کرتی ہوں کہ کوئی بہن پاؤں
نہ پڑ کر سلام کرتی ہیں تو ازحد غصہ آتا ہے۔ اُس کی غیبت و گلہ کرتی ہیں۔ اور
ان کو مغرور ٹھہراتی ہیں۔ افسوس یہ کیسی بری رسمیں ہیں۔ ہم عورتیں اگر ان
سب رسوم کے ترک کرنے کی طرف توجہ کریں تو بآسانی چھٹکارا ہوسکتا ہے
چنانچہ کل مردوں میں کیا پیارا قاعدہ و قانون جاری ہے۔ سبحان اللہ خدا
ہم عورتوں کو بھی یہ نیک توفیق دے۔ جب کئی مرد ایک جگہ جمع ہوتے ہیں
تو ایک دوسرے سے سلام کر لیا کرتے ہیں۔ خواہ بڑے ہوں خواہ چھوٹے
ادب اور تہذیب و تعظیم کے ساتھ سلام و پیام سب ادا ہوجاتا ہے۔ کیسے
افسوس کی بات ہے کہ مرد اپنے مذہبی اُصول پر قائم رہیں اور عورتیں برعکس کریں
جب سلام کرنا جائز ہے تو پھر سلام سے چڑتی کیوں ہو؟۔ یہ ہماری توقع کہ
دوسرے ہمارے پاؤں پڑیں صریح غلطی اور سخت بے تہذیبی ہے۔ بعض عورتیں
ایسی بھی ہیں کہ پاؤں پڑوانے کے انتظار میں بیٹھی رہتی ہیں۔

میری پیاری اور معزز بہنو! امید ہے کہ اس میرے ناچیز مضمون پر مہربانی
فرما کر آپ سب میں سب سلام علیکم و علیکم السلام کہہ لیا کریں۔"

زینب۔ ملکیہ

تندرستی اور گھر گرہستی کے اصول

نیچی اور پست جگہ میں جہاں پانی یا کسی قسم کی رطوبت جمع رہتی ہو مکان مت بناؤ! گھر کے لیے اونچی اور کشادہ جگہ انتخاب کرو! دلدل، کیچڑ، تالاب جھیل کے قریب رہنا صحت بگاڑ دیتا ہی! سبزی اور پتوں کا گھر میں پڑے پڑے سڑنا بخار کو دعوتی رقعہ ہی، اچھا گھر وہی ہی جو ہوادار ہو، جہاں روشنی خوب آتی ہو صحن، برآمدہ وسیع ہو، جس کی چھتیں اونچی، صاف و ستھری ہوں، فرش پاک و صاف، در و دیوار دھلی دُھلائی ہوں! گھر ایسا تنگ و تاریک نہو کہ اُس میں دھواں گُھٹنے سے دم گُھٹنے لگے۔ دھوئیں کے فوراً نکلنے کی جگہ خوب کافی ہو غسل خانہ وغیرہ بھی درست ہو۔ صفائی اور ستھرائی کا پورا انتظام ہو! مکان کی کرسی کم سے کم دو تین بالشت سے کم نہو! چھت کی خوبی یہ ہی کہ پانی بہت جلد نیچے اُترجائے اس کے لیے پرنالے چھت کی حیثیت بموجب ہوں! تازی ہوا، صاف روشنی بلا روک ٹوک ہر وقت آتی رہے ہم گھر میں کھڑکی دروازے اُس کے طول و عرض کے مناسب رہنے چاہئیں تاکہ ہر وقت ہوا اور روشنی کافی طور سے آتی رہے! دھوئیں سے بہت بچو یہ صحت کا دشمن ہی۔ ایک دالان میں زیادہ آدمیوں کا بھر جانا ہوا کو خراب کر دیتا ہی۔ یہ بھی یاد رکھو کہ سونے کے کمرے میں اسباب کا زیادہ انبار لگا دینا بھی ہوا پر بُرا اثر کرتا ہی۔ اچھی ترکیب یہ ہی کہ کمرے کی دیواروں میں کھڑکیاں

آمنے سامنے ہوں تو ہر وقت تازی ہوا آتی رہے۔ ہر آدمی کا سانس جو باہر نکلتا ہے وہ ہوا میں زہر ملا رہتا ہے اس سے بہت بچو اور کھانے پینے کی چیزوں کو تو اس سے بالکل جدا ہی رکھو۔ صحت کا دار و مدار اب وہ ہوگی دستی، گھر کی صفائی پر ہے! گھر کے اسباب کو سلیقہ اور صفائی سے مقررہ جگہوں میں رکھا کرو! جھاڑو بہارو کم سے کم روز ایک دفعہ ضرور دیا کرو! سال میں کم سے کم ایک دفعہ ضرور گھر میں سفیدی ہو۔ بیکن جانوروں کا گوبر ہرگز مت ملاؤ کبھی کبھار گھر کو پانی سے بھی دھو دیا کرو۔ مگر دیکھو گھر نمدار نہ ہو جائے! فرش کے علاوہ در و دیوار اور گھر کے اسباب کو بھی برابر جھاڑنا چاہیے۔ گرد و غبار میل وغیرہ کو ہمیشہ صاف کرتے رہنا تندرستی اور پاکیزگی کے لیے بہت ضروری ہے! کوڑا کرکٹ، سبزی کے ٹکڑے ترکاریوں کے چھلکے گھر میں کبھی پڑے نہ رہنے دو۔ گھر میں غلیظ و میلا پانی نہ سوکھنے دو یہ بیماری کی جڑ ہے! پانی صحن و دالان میں گرنے ہی نہ دو۔ ضرورت ہو تو نالیوں میں گراؤ یا کسی بڑے برتن میں جو اسی غرض سے ایک کنارے رکھا ہوا ہو جمع کرکے نالی میں پھینک دو! ہر طرف خانے کو بہت صاف رکھو اس غرض کے لیے مٹی کا کونڈا جو روزمرّہ صاف ہوتا اور پانی سے دُھلتا رہے بہت اچھی چیز ہے لیکن بڑے خاندان کے لیے بلکہ اکثر حالتوں میں پتھر کا فرش اور پتھر ہی کے قدمچے بہتر ہوں گے۔ مگر زمین کا کچا فرش تو کسی حال میں مناسب نہیں۔ یہ ستھرائی اور تندرستی سب کے خلاف ہے، سوکھی مٹی، راکھ، چونا بدبو کو خوب دُور کرتا ہے۔ اسے بہت برتنا چاہیے اور خاصکر اس کی نالیوں کو ایسا

صاف رکھو کہ پانی ذرا بھی رُکنے نہ پائے! گھر کے اسباب کو نہایت سجا کر قرینے سے اپنی اپنی جگہ رکھنا چاہیے۔ سلیقہ اور قرینہ عجیب چیز ہی کوئی مجھسے پوچھے تو میں انسان و حیوان میں اتنا ہی فرق سمجھتی ہوں کہ وہ تمیزدار ہی اور یہ بے تمیز۔ وہ خوش سلیقہ ہی یہ بے سلیقہ، بس ورنہ اپنے نفع و نقصان اور دوست و دشمن کے پہچاننے میں تو شاید حیوان ہی بڑھا ہوا ہی! ایک خوش سلیقہ غریب لڑکی اپنے معمولی جھونپڑے میں مٹی کے باسنوں، موٹے ٹکڑوں کو ایسے سلیقے سے سجا رکھے گی، ایسی تمیز سے صاف و ستھرا رکھے گی کہ دیکھنے والیوں کا دل باغ باغ ہو جائے اور امیر لڑکی مگر بے سلیقہ اپنی قیمتی قیمتی چیزوں کو ایسی بدسلیقگی سے کوڑے کرکٹ کی طرح تتر بتر رکھے گی کہ ہزاروں کا اسباب کوڑی کے تین، نقصان مایہ شماتت ہمسایہ! رونے کا موقع تو جب ہوتا ہی کہ وہ امیر لڑکی جس کے گھر میں ہزاروں کا اسباب پڑا ہی اُسے وقت پر سوئی دھاگا ڈھونڈے نہیں ملتا! اس کا ایک گر میں عرض کروں اپنی حیثیت بموجب اپنے مکان کے چند حصّے فرض کر لو اور ہر حصّے کو اس کے مناسب چیزوں، کاموں کے لیے مقرر اور خاص کر دو۔ جیسے تم نے کسی حصے کو سونے یا کھانے یا پکانے کے لیے خاص کر لیا ہی۔ تو اب اُس حصے میں سینے پرونے یا لکھنے پڑھنے یا سہیلیوں سی باتیں کرنے کا کام ہرگز مت کرو مگر یہ جب ہی کہ تمھاری حیثیت اس حد بندی کی اجازت بھی دیتی ہو اور ہر چیز کے لیے ایک خاص جگہ مقرر کر دو بس جس چیز کو وہاں سے جب اٹھاؤ وہیں کا وہیں پھر رکھ دو یہ کیا اچھا جملہ ہی کہ "ہر چیز کے لیے ایک جگہ اور ہر جگہ کے لیے ایک چیز" ہر وقت

کے لیے ایک کام اور ہر کام کے لیے ایک وقت۔ بے شک اس پابندی میں تکلیف بھی ہوگی لیکن یہ ہزار درجے اچھی ہے اُس تکلیف سے جو عین وقت پر چیزوں کے نہ ملنے سے یا خراب ہو جانے سے ہوتی ہے اور سخت الجھن میں ڈال دیتی ہے۔ بہت اچنبھے کی بات ہے کہ کوئی دور کی بہن مہمان آتی ہیں تو اُنکے لیے ہمیشہ تکلف کیا جاتا ہے۔ مکان میں صفائی اور سفیدی ہوتی ہے، گرد و غبار کوڑا کرکٹ صاف کیا جاتا ہے، ساری چیزیں سلیقے اور تمیز سے سجائی جاتی ہیں۔ ہر چیز میں ستھرائی کا خیال ہوتا ہے۔ مگر افسوس کہ روح اور تندرستی ایسے معزز اور شریف مہمانوں کا جو اتنے دور دراز ملک آسمانی سلطنت سے ہمارے خاکی گھروں میں اتنے بڑے آسمان و زمین کے شہنشاہ کے سفیر بنکر تھوڑے دنوں کے لیے آئے ہیں ان کی کچھ آؤ بھگت نہیں کی جاتی۔ صفائی ستھرائی کا انتظام نہیں ہوتا۔ حالانکہ اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے! بہنو! یاد رکھو کہ ایک تندرستی ہزار نعمت"۔

(سیدہ از پٹنہ)

خصائل میں جو نقص ہے اُس کے دور کرنے کی کوشش کرو اور یاد رکھو ایمانداری کبھی دہوکا نہ دے گی جن لوگوں کے قول و فعل یکساں نہیں ہوتے وہ کبھی معزز نہیں ہو سکتے سچی اور اچھی خصلتیں پوشیدہ ہوں یا ظاہر کبھی نہ کبھی ضرور پھولے پھلیں گی۔

برنارڈ

شمرو کی بیگم

سردھنہ ضلع میرٹھ میں ایک گرجا ہی جو اُس نواح میں مشہور اور قابل دید مقام سمجھا جاتا ہی۔ یہ گرجا شمرو کی بیگم کا بنوایا ہوا ہی اور اسی کے نام سے مشہور ہی۔ اس بیگم کی زندگی کے دلچسپ حالات حامدہ بیگم صاحبہ الخیریہ نے جو اپنے شوہر کے ساتھ سردھنہ میں مقیم ہیں بہت تلاش سے جمع کیئے اور لکھے ہیں۔ جو ہم بڑی خوشی سے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

شمرو کی بیگم کی سوانح عمری سمجھنے کے واسطے شمرو کے حالات سے واقفیت پیدا کرنی ضروری ہی۔ کیونکہ اس کے بغیر شمرو کی بیگم کا حال سمجھ میں نہیں آسکتا۔

شمرو کا حال شمرو کا اصلی نام والٹراین ہارڈ تھا۔ یہ شخص فرانس کا رہنے والا تھا جس زمانے میں انگریز اور فرانسیسی ہندوستان کی سلطنت حاصل کرنیکے واسطے آپس میں لڑ رہے تھے، اُسی زمانے میں شمرو فرانسیسی فوج میں بطور ایک معمولی سپاہی کے بھرتی ہو کر ہندوستان آیا تھا۔ جب لارڈ کلایو نے ۱۷۵۷ء میں انگریزوں کی طرف سے فرانسیسیوں کو کامل شکست دی اور اُن کی فوجیں تتر بتر ہو گئیں، تو شمرو نے مع اپنے چند ہمراہیوں کے مرشد آباد میں جا کر میر قاسم صوبہ دار بہار کی فوج میں نوکری کر لی۔ اور جب انگریزوں نے میر قاسم کو بھی شکست دی تو شمرو نے وہاں سے بھاگ کر بھرت پور کی ریاست میں پناہ لی

یہ ریاست اس زمانے میں انگریزوں کے اثر سے باہر تھی۔ یہاں شمرو نے اپنے پاس سے ایک فوج بھرتی کی جو کرائے پر لڑا کرتی تھی یعنی جس نواب یا راجہ کو ضرورت ہوتی وہ اُجرت دیکر اُس کو اپنے غنیم سے لڑنے کے واسطے بھیجتا جب شمرو ۱۷۶۰ء میں راجہ بھرت پور کی طرف سے دھلی کے محاصرے میں مصروف تھا تو اُس کو کسی طرح ایک مسلمان لڑکی کا حال معلوم ہوا جس سے اُس نے شادی کر لی۔ اس زمانے میں ملکہ غدر تک یورپینوں اور ہندوستانیوں میں باہم ایسی مغائرت نہیں تھی جیسی آج کل ہے۔ کثر یورپین ہندوستانی عورتوں سے شادی کر لیتے تھے اور اُن سے جو اولاد ہوتی تھی اُسکو ہندوستانیوں میں انھیں کے رسم و رواج کے موافق بیاہتے تھے۔

۱۷۷۲ء میں شاہ عالم بادشاہ دھلی نے نجیب الدولہ نواب سہارنپور کے لڑکے نواب ضابطہ خاں کو وزارت سے معزول کر کے قلمدان وزارت نواب نجف خاں کے سپرد کیا ضابطہ خاں کو یہ امر نہایت ناگوار گزرا اور اس میں اپنی حقارت سمجھ کر بادشاہ سے علانیہ بغاوت اختیار کی۔ اور کوہ شوالک میں جا کر قلعہ غوث گڑھ کے اندر پناہ گزیں ہوا۔ نجف خاں نے جو شمرو کی فوج کا حال سُن چکا تھا فوراً اُس کو طلب کر کے باغی نواب کو مغلوب کرنے کے واسطے بھیجا۔ شمرو نے جا کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا ضابطہ خاں نے بھی بہت دلیری سے مقابلہ کیا مگر آخر کار تاب مقاومت نہ لا سکا اور مع چند رفقا کے دریائے گنگ کو عبور کر کے ملک اودھ میں بھاگ کر پناہ لی۔ اُسکے اہل و عیال اور خزانہ جو پتھر گڑھ میں تھا وہ شمرو کے ہاتھ لگا۔ اس وقت نجف خاں نے

بادشاہ کو صلاح دی کہ شمرو کی فوج کو مستقل طور سے نوکر رکھ لینا چاہیئے بادشاہ نے یہ صلاح منظور کر لی۔ اور نواب مذکور کی ریاست کے متصل ایک وسیع زرخیز جاگیر چھ لاکھ روپیئے سالانہ کی فوج کے گزارے کے واسطے شمرو کو عطا کی۔ یہ جاگیر طول میں مظفرنگر کے آگے سے علی گڑھ کے قریب تک اور عرض میں گنگا سے جمنا تک پھیلی ہوئی تھی۔ شمرو نے جاگیر کے وسط میں سردھنہ کو جو اُس زمانے میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا اور اب وسط دوآبہ کا قصبہ ہے اپنی سکونت کے واسطے پسند کیا اور وہیں فوج کی چھاؤنی بنائی اس کے بعد شمرو نے بادشاہ کی طرف سے اور کئی لڑائیاں لڑیں نجف خاں نے اس کو آگرہ کی حفاظت کے واسطے وہاں کا حاکم مقرر کر کے مرہٹوں کے مقابلہ میں بھیجا۔ اس خدمت کو اُسنے بہت جانفشانی اور خوش انتظامی سے انجام دیا۔ ہنوز اسی خدمت پر مامور تھا کہ ۴۔ مئی ۱۷۷۸ء کو انتقال کیا اور آگرہ کے کیتھولک قبرستان میں مدفون ہوا۔ کیونکہ وہ رومن کیتھولک مذہب رکھتا تھا۔ آگرہ میں اس کا مقبرہ اب تک اچھی حالت میں ہے۔

شادی کے بعد شمرو نے جتنی لڑائیاں لڑیں اور جسقدر معرکے اُس کو پیش آئے اُن سب میں اُس کی بی بی اُس کے ساتھ رہی۔

بیگم کا حسب۔ یہ مشہور عورت لطف علیخاں کی لڑکی تھی۔ اس کا نام زیب النسا تھا۔ لطف علیخاں ایک شریف درخاندانی آدمی تھا اس کے بزرگ عرب سے آکر موضع کتانہ میں آباد ہوئے تھے جو شہر میرٹھ کے گوشہ شمال و مغرب میں تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

زیب النسا کی ولادت کی صحیح تاریخ تو ملی نہیں مگر تحقیقات سے یہ معلوم ہوا ہے کہ سنہ ۱۷۵۰ء کے قریب پیدا ہوئی تھی۔ چھ برس کی تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ سوتیلے بھائی نے اُس کے اور اُس کی ماں کے ساتھ بدسلوکی کا برتاؤ کیا تو وہ اُسکو لیکر دلّی چلی گئی۔ اور وہیں سکونت اختیار کر کے بہت اچھی تعلیم و تربیت اُس کو دی۔

یہ وہی لڑکی ہے جس سے سمرو نے دہلی میں شادی کی تھی۔

زیب النسا ایک حسین عورت تھی اُس کا قد چھوٹا جسم گداز رنگ گندمی نقشہ خوبصورت اور اعضا بہت نازک و متناسب تھے فارسی میں فصاحت کے ساتھ تحریر و تقریر کر سکتی تھی۔ شوہر کی وفات کے تین برس بعد یعنی سنہ ۱۷۸۱ء کو عیسائی ہو گئی۔ عیسائی نام جوانا رکھا گیا۔ زیب النسا کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ سمرو کی پہلی بی بی سے جو مسلمان تھی ایک لڑکا ظفریاب خاں تھا جس کی ماں کو جنون ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سمرو کی وفات کے بعد اس کی فوج نے بادشاہ سے درخواست کی کہ سمرو کی جگہ زیب النسا کو فوج کا افسر مقرر کیا جائے۔ شاہ عالم نے جو زیب النسا کے جوہر ذاتی اور لیاقت سے بخوبی واقف تھا یہ درخواست منظور کی اور زیب النسا کو فوج کا افسر مقرر کر کے سردھنہ کی جاگیر اس کو عطا کی۔

اس وقت سے زیب النسا سمرو کی بیگم کے نام سے مشہور ہوئی اور اُسکی شہرت کا زمانہ شروع ہوا سردھنہ اور اُس کے گرد و نواح میں اب بھی کہیں کہیں سمرو کی بیگم کے دیکھنے والے زندہ ہیں۔ عام طور پر اس کو یہاں صرف

بیگم کہتے ہیں۔ میں بھی اس مضمون میں آیندہ اُس کے واسطے صرف لفظ بیگم ہی استعمال کروں گی۔

بیگم کی وفاداری | سنہ ۱۷۸۸ء میں نواب ضابطہ خاں کے لڑکے غلام قادر نے سلطنت مغلیہ کی پُرآشوب حالت سے فائدہ اُٹھاکر اپنے باپ کا عہدہ امیرالامرائی زبردستی حاصل کرنے کی غرض سے مع اپنی فوج کے دلّی کی طرف کوچ کیا۔ مگر جب اس ارادے میں کامیابی ہوتی نظر نہ آئی تو علانیہ بغاوت کرکے مرہٹوں کی فوج کو شکست دی اور قلعہ پر قبضہ کرکے بادشاہ کو قید کرلیا۔ اس زمانے میں مرہٹے دلّی کے اصلی فرمانروا تھے۔ اور وہاں ان کی طرف سے فوج کا ایک دستہ رہتا تھا۔ بیگم نے جو اس وقت پانی پت میں سکھوں کے ساتھ جنگ کر رہی تھی۔ اس خبر وحشت اثر کے سُنتے ہی فوراً کوچ کیا اور دلّی پہنچکر قلعہ کے لاہوری دروازے کے سامنے ڈیرے ڈالدیئے۔ غلام قادر نے بیگم سے درخواست کی کہ ہم دونو سلطنت مغلیہ کو آپس میں تقسیم کرلیں۔ مگر بیگم نے نہایت حقارت کے ساتھ اس درخواست کو نامنظور کیا۔ اسپر غلام قادر نے قلعہ میں سے بیگم کی فوج پر گولہ باری شروع کردی۔ بیگم نے بھی اپنا توپ خانہ قلعے کے سامنے جماکر ترکی بترکی جواب دیا۔ یہاں تک کہ غلام قادر اُس کی وفاداری اور استقلال کو دیکھ کر قلعہ چھوڑنے پر مجبور ہوا۔ اور جمنا کو عبور کرکے چلا گیا۔ بادشاہ نے اُسی روز بیگم کو دختر عزیز سلطنت مغلیہ کا معزز خطاب عطا فرمایا۔

بیگم کی بہادری و ہوشیاری | سنہ ۱۷۸۸ء میں بادشاہ نے نجف قلی خاں جاگیردار گوکل گڑھ کو جو ریواڑی کے قریب ہے مطیع کرنیکا قصد کیا۔ اُس کی جاگیر کا ایک حصہ ضبط کرلیا گیا تھا

اس سبب سے باغی ہوگیا تھا۔ بادشاہ خود گوکل گڑھ تشریف لے گئے اور باغیوں کا محاصرہ کرلیا۔ بیگم بھی مع اپنی فوج کے ہمرکاب تھی۔ یہ فوج بیگم کے ایک بہادر آئرش افسر مسٹر جارج ٹومس کے زیر فرمان تھی۔ ۵۔ اپریل ۱۷۸۸ء کو علی الصباح محصورین بڑی دلیری سے شاہی خیمہ گاہ پر آپڑے اور قریب تھا کہ بادشاہ سلامت مقید ہو جائیں کیونکہ ان کا لشکر اس وقت طیار نہیں تھا اتنے میں بیگم کو خبر لگی تیر کی طرح موقعہ پر پہنچکر اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر بادشاہ کو دشمنوں کے نرغے میں سے صاف نکال لیا اور بہ حفاظت تمام اپنے لشکر میں لے آئی۔ اس وقت جارج ٹومس نے دشمنوں پر آگ برسانی شروع کردی اور اُن کو آگے بڑھنے سے باز رکھا۔ اسی اثنا میں شاہی لشکر بھی آگیا اور بڑی زبردست جنگ ہونے لگی۔ بیگم بھی بادشاہ کو اپنے لشکر میں پہنچا کر پھر موقعۂ جنگ پر پہنچی اور تا اختتام جنگ اپنی پالکی میں وہیں موجود رہی آخر کار غنیم کو کامل شکست ہوئی اور اسکا قلعہ مفتوح ہوگیا۔

مبصرین جنگ کی رائے ہے کہ صرف بیگم کی ہوشیاری اور بہادری نے بادشاہ کو بچایا ورنہ ان کا بچنا ناممکن تھا۔ بادشاہ نے دربار عام میں بیگم کے حسن خدمات کی تعریف کی اور اس کا شکریہ ادا کرکے ایک بیش قیمت خلعت اور پرگنہ بادشاہ پور جو دہلی سے جانب غرب جمنا کے ساحل راست پر ہے بطور جاگیر عطا فرمایا۔

بیگم نے بادشاہ سے نجف قلی خاں کی سفارش کرکے اس کا قصور بالکل معاف کرادیا۔

(باقی دارد)

سوکن کا جلاپا

گزشتہ اشاعت سے آگے

ایک اکیلی جان اور یہ دنیا بھر کے ظلم کوئی دیکھنے والا ہوتا تو کلیجہ کھول کر دکھاتا کہ کیا گزر رہی ہی مگر پڑی کس کو تھی۔ جلے پرانی دھی اور ہنسیں ٹاؤ لوگ۔ ساس نندوں سے لیکر لونڈی ماما تک سب ٹھٹے مارتے پھرتے تھے! محمودہ کیسی ہی اُبڑی اُجڑائی پڑی ہو پھر بھی گٹھری بقچی اختر بختر بیس چیزیں تھیں ادھر حکم اُدھر تقاضا۔ کیا کیا اُٹھاتی کس کس کو سنبھالتی۔ سب چھوڑ چھاڑ دالان میں آبیٹھی!

دنوں کو آتے جاتے کیا دیر لگتی ہی بات کی بات میں پندرہ دن نکل گئے شام کا وقت تھا صبح کو عید! امینہ کے واسطے ذاکر سلمے ستارے کی سلیم شاہی ڈلاسی جوتی اور دوپٹے کے واسطے کاسنی کریب لایا! دِقت یہ تھی کہ وقت تھوڑا اور کام بہت، تین پاٹ کا دوپٹہ سینا اور ٹانکنا کس کے بوتے کا تھا اور کس کو غرض تھی جو اپنی نیند حرام کرتا! مغلانی تھی یا سوکن جو کچھ بھی تھی لی دے کر محمودہ ہی سب کی نگاہ پر چڑھی اور اُسی کو حکم ملا کہ راتوں رات تیار کردے

زندگی سے بیزار تو کبھی کی تھی سوکن کا آنا تھا کہ بالکل ہی جی چھوٹ گیا۔ اُس پر یہ پندرہ دن تو کچھ ایسے گزرے کہ اندر ہی اندر گھولتی۔ دل تڑپتا۔ کلیجہ ململاتا ساری ساری رات انگاروں پر لوٹتی! سڑنوں کی طرح پھرتی پاگلوں کی طرح

رہتی! امینہ کا آنا ایک ایسا زخم تھا جو دل اور پھیپڑا۔ تلی اور کلیجہ سب ہی ٹوٹے بیٹھا! مواد کا اخراج ہوا نہیں گھاؤ رہے لگتے کیسا دل اور کہاں کا کلیجہ بدن بھر پھوڑا تھا۔ کاسنی دوپٹے کا تیر ایسا آکر لگا کہ بالکل ہی آر پار ہو گیا مرہا سے بے بسی جس طرح ہوا اور جس دل سے ہوا کیا اور کرنا پڑا۔ گھر بھر پڑ سوتا تھا اور وہ بدنصیب مظلوم بیٹھی دوپٹہ کر رہی تھی۔ بارہ گھنٹے کی پیاڑ سی رات صاف آنکھوں میں نکل گئی! ٹانک چکی دوپٹہ تہ کیا اور سرہانے رکھ آئی!

امینہ گھنی، سمسی، گو بظاہر محمودہ سے بالکل الگ تھلگ تھی مگر یہ ٹانا اُس کے دل میں پہلے ہی دن سے کھٹک رہا تھا دن رات اسی فکر میں غرقاب اور اسی خیال میں غلطاں پیچاں تھی کہ کسی طرح اس کا پاپ کٹے! مان لیا کہ زخم بھر چکا آرام ہو گیا۔ مگر پھر بھی پرانا ناسور ہے ایسا نہ ہو ہرا ہو جائے! اس کا گھر میں رہنا ٹھیک نہیں یہی غارت ہو کہ پھر نام تک نہ سنوں! میاں تو سوتے کا سوتا ہی رہا۔ دوپٹے پر مٹی کے تیل کی ڈبیا اوندھا آگے پھیلا ہو بیٹھی! ماما بھیج سلطانہ کو بلایا اور دوپٹہ پھینک کہنے لگی!

لو بوا یہ دوپٹہ! تیل میں سڑ رہا بو میں بس رہا! جلن تھی تو مجھ سے تھی بھلا یہ کس خدا نے بتایا تھا کہ دوپٹہ اُٹھا غارت کر دیا! دیکھو تو سہی تمام چک بہ چک ہے! پچیس تیس روپے کا نقصان تقدیر میں ہونا تھا ہو گیا۔!

اگلے زمانے کی عورتیں کہتی ہیں۔ ساس کلیجے کی پھانس سدا کھٹکے ہی جائے نند بجلی بسنت سدا چمکے ہی جائے! اس سے بحث نہیں کہ صحیح کہتی ہیں یا غلط مگر سلطانہ نے تو اسوقت بجلی کو بھی مات کیا۔ دوپٹہ ہاتھ میں لے ماں کے پاس آئی

اور دور ہی سے اس طرح کھینچ مارا کہ ماں بھی مُونھ دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی تیل کی بُو بھکر بھکر آرہی تھی۔ دالان بھر سڑ گیا! گمانی بیٹی کی اس حرکت پر جانماز ہی پر بیٹھی بیٹھی جلنے بھُلنے لگیں تیوریاں چڑھائے؛ کبھی دوپٹہ اُٹھاتی تھیں کبھی بیٹی کو دیکھتی تھیں جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو بیٹی سے پوچھا۔ آخر یہ ہوا کیا"

سُلطانہ۔ ہوا کیا! جیسا تم نے کیا ویسی اُس کی سزا ملی! تمھارا تو کچھ نہیں گیا نقصان جس کا ہونا تھا ہو گیا۔ کیسے شوق سے بیچارے شاموں شام جاکر کپڑا لائے تم نے اُٹھا کر اُن بیگم کو دیدیا۔ بھلا انھیں تاب کہاں تھی کہنا یہ تو بس نہ چلا گدھیا کے کان اینٹھے دوپٹے ہی کو جان سے کھویا۔ تو کو نہ موکولے چولھے میں جھوں کو۔ بلا سے مجھی کو دیدیتیں جس طرح ہوتا اچھا بُرا کر کراکے الگ کرتی! بڑا بہو کا سہاگ اُچھلا تھا۔ پہلی عید برس کا برس دن اب جہیز میں سے دوپٹہ نکال اوڑھا دو! کٹ تو پہلے ہی چکی اور رہی سہی کٹ جائیگی!

محمودہ بیچاری کے فرشتوں کو بھی خبر نہیں کہ یہ آفت ہی کیا۔ چبوترے پر بیٹھی بچے کا مُونھ دُھلا رہی تھی۔ سلطانہ کی ہنکار سُنکر ادھر متوجہ ہوئی تو رات بھر کی محنت اور رتجگا سب وصول! بی گمانی کا تیہا۔ الٰہی تیری پناہ۔ اُس پر پچیس تیس روپے کا نقصان ہوائیاں اُڑنے لگیں! اُدھر سے ذاکر بھی بہن کی آواز سُنکر آنکھیں ملتا ہوا آیا دوپٹہ کو دیکھا ہی، تو اوڑھنا کیسا ہات لگانے کے لائق نہیں یہ سلطانہ، ذاکر، گمانی، تینوں کے تینوں جھاڑ کا کانٹا بنکر لپٹ گئے! محمودہ کے پاس لے دے کے اگر کچھ تھا تو قسم مگر وہ تو پہلے ہی جھوٹی مکار مشہور تھی، اُس غریب کی بات سُنتا کون تھا ایک قرآن کیا اگر پچاس قرآن اُٹھاتی تو وہ

جھوٹی اُس کا باپ جھوٹا! کنجریوں کی زبان تو سُنی ہی تھی۔ گمانی اور سُلطانہ نے اُن کو بھی مات کیا۔ دونوں ماں بیٹیوں کی آواز پر محلّے پہنچ رہی تھی! ذاکر تھے کہ قطعی فیصلہ کر ماں سے کہہ گئے "اب اس گھر میں یا یہ ہی رہیگی یا میں ہی ہونگا"۔ میر شریف۔ کچھ دیر تک تو چُپکے بیٹھے دیکھتے رہے۔ مگر دیکھا یہ کہ جبتک بیٹے کی ضد نہ پوری ہو نماز کو جانا حرام! اُٹھے تھوڑی دیر تک ادھر اودھر ٹہلے اور پھر بھانجی یا بہو جو کچھ بھی تھی اُس کو حکم دیا کہ "ابھی چھوٹے مکان میں چلی جاؤ"
محمودہ سوچی یہ تھی کہ صبح ہی بچّے کا ہاتھ موہنہ دُھلا، اُجلے ثابت جیسے نکلیں کپڑے پہنا ساس کی گود میں دے آؤں گی۔ برس کا برس دن ہی شاید کچھ ممتا کا جوش آجائے اور ربا اس کو بھی آنکھ بھر کر دیکھ لے مگر بدنصیب کا سوچ بچار سب رکھے کا رکھا ہی رہ گیا۔ کپڑے بدلنے کی نوبت بھی نہ آئی موہنہ ہی دُھلا رہی تھی کہ چاروں طرف سے بوچھاڑ پڑنی شروع ہوگئی! چُپکی بیٹھی ایک ایک کا موہنہ تک رہی تھی کہ اتنوں میں ایک اللہ کا بندہ تو ایمان کی بولیگا سب سے نا اُمید ہوگئی تو ماموں کی منتظر رہی۔ بچّہ گود میں تھا سامنے آئی اور کہنے لگی یہ معصوم میری گود میں ہے اور میرا خدا دیکھ رہا ہے کہ میں تیل کے آس پاس بھی نہیں بھانجی کی اس قسم کا جواب یہ تھا کہ "ابھی چھوٹے مکان میں چلی جاؤ"

خدا ایسی بپتا کسی پر نہ ڈالے۔ برس کا برس دن عید کا روز دنیا اپنے گھر کو جھاڑ بہار رہی تھی اور محمودہ بدنصیب کا گھر اُجڑ رہا تھا! کیسے شقی القلب لوگ تھے کہ مظلوم کی فریاد پر ایک کا دل نہ پسیجا اور کھڑے کھڑے نکال باہر کیا! گھس لگانے کو آدمی نہیں۔ ادھی کی کوڑیاں پلّے نہیں بچّے کو لے چھوٹے مکان

میں چلی آئی۔ جل بھن کر دن گزارا رو دھو کر رات کاٹی۔!

اچھا ہوتا کہ محمودہ پر آسمان ٹوٹ پڑتا یا زمین نگل جاتی! کچھ ہی ہوتا مگر کسی طرح اس مصیبت سے چھٹکارا ہوتا! بہتیرا روئی۔ ہر چند پیٹی! رو رو کر سجدے کیے گڑگڑا گڑگڑا کر دعائیں مانگیں، مگر موت نہ آنی تھی اور نہ آئی۔ تقدیر کا لکھا کسی طرح نہ ٹلا! صبح کا سہانا وقت ہوتا تھا! قرآن شریف آگے رکھ دوپٹہ پھیلا پھیلا کر کہتی! ارحم الراحمین میری مشکل میں کام آ، میرا پردہ ڈھانک! اے اللہ مصیبت کی کوئی حد، ظلم کی کوئی انتہا"

چاہیے کہ محمودہ بدنصیب بے گھری بے دری کی طرف سے اب تو امینہ چین سے بیٹھ جاتی! بالکل نہیں! کچھ ایسی آگ پڑی تھی کہ شب و روز یہی کوشش تھی اور یہی کام کسی طرح اس کی آواز تو آواز نام تک نہ سنوں! سلطانہ کے بچہ کا چھوٹا دودھ! دو دن کی ہوئی مہمانداری! دوسری رات گیارہ بارہ بجے تک تو ڈومنیاں گاتی رہیں۔ دو بجے کے قریب نیند میں تو سب غین ہو ہی رہے تھے جس کو جہاں جگہ ملی پڑ کر ڈھیر ہو گیا۔ چار بجے ہونگے کہ دفعتہً امینہ اٹھی چاروں طرف دیکھا۔ سلطانہ کے دالان میں آئی بچے کا بھاری مصالحے سے بنا ہوا کرتہ کھونٹی پر سے اُتار اپنے کمرے میں لائی مصالحہ ادھیڑا دیا سلائی جلائی اور کرتے پر رکھ دی! ریشمیں کرتہ دم بھر میں بھر بھر ہو گیا۔ ایک آستین باقی رہ گئی! جلا بھسا کرتا، اُدھڑا اُدھڑایا مصالحہ لے چھوٹے گھر میں پہنچی اور محمودہ کی ایک پھٹی سی بقچی میں اُڑس دیا۔ پانچ بج رہے تھے، پو پھٹ رہی تھی مؤذن اذان دے رہا تھا۔ ادھر اذان ختم ہوئی اُدھر امینہ اپنے کام سے فراغت پا اُلٹے پاؤں لوٹ آئی!

سسرال کا آیا کرتا ٹوپی اور وہ بھی اتنا بھاری۔ سارے گھر میں ڈھنڈیا پڑی مگر ہو تو ملے۔ محمودہ کی مصیبت پر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں وہ بیگناہ آس نہ یاس، اتنی گنہگار تو ضرور تھی کہ لونڈیوں کی طرح آئی ناماؤں کیطرح بیٹھی اور غیروں کی طرح اُٹھ کر چلدی۔! امینہ کم بخت نے بھرے مہمانوں میں کہدیا کہ آہٹ تو میں نے سُنی تھی چھوٹے گھر سے کوئی آیا اور پھر چلا گیا۔!

اتنا سُنتے ہی سلطانہ، نصیرہ اور پانچ سات بیبیاں چھوٹے گھر پر چلیں اُڑسا ہوا کرتہ الگ دکھائی دے رہا تھا! بُقچی کھولی مصالحہ بھی رکھا ہوا تھا! اب چور بننے میں کیا کسر رہ گئی تھی۔ جان پہچان اور انجان سب ہی موجود تھے بھرے مہمانوں میں عزت پر پانی پھر گیا۔!

کھانسی تو شروع ہی سے تھی آٹھویں دسویں بخار بھی آجاتا تھا مگر بیغیرت تھی وہ آپ اور بےحیا تھی اُس کی زندگی کہ کسی طرح اس کا خاتمہ نہ ہوتا تھا دو چار دن کو پڑی اور پھر اُٹھ کھڑی ہوئی! چوری کا داغ کا ایسا بیٹھا کہ پھر نہ نپی! کیفیت یہ تھی کہ ایک جگہ بیٹھے بیٹھے گھنٹوں گزر جاتے! کوئی لمحہ ایسا نہ جاتا تھا کہ ان مصیبتوں کے خیال پر آنسو نہ بہاتی ہو۔ جدھر نگاہ دوڑاتی تھی سب جان کے دشمن نظر آتے تھے۔ کھڑی ہے تو تصویر بیٹھی ہے تو پتھر۔ لیٹی ہے تو ساکت! مہینوں گزر جاتے اور چہرہ پر نام کو مُسکراہٹ نہ آتی! کبھی بچہ ہمک کر گود میں آیا تو کلیجہ سے لگا ہنس لی ورنہ وہ تھی اور نئی نئی مصیبتوں کا سامنا۔ اُمنگ اور ترنگ خواہش اور ارمان سب جا کر ایک موت کا انتظار باقی رہ گیا! ہجوم افکار مہینوں کی بیمار! مصیبتوں کی بھرمار رفتہ رفتہ اسقدر ضعیف و ناتوان ہوگئی کہ کھڑی ہوتی تو چکر آتے۔ ایک دن دوپہر

کا بکس ڈھونڈ رہی تھی ! دفعتاً بچے کی تنہائی کا خیال آیا۔ دوڑ کر آئی اور پاس بیٹھ گئی ! کچھ وقت یوں ہی گزرا ! خاصا اچھا بڑا مکان چاروں طرف سناٹا اور اندھیرا گھپ چور چکار کا کھٹکا، بھوت پلید کا اندیشہ دل دھڑ دھڑ کر رہا تھا۔ ذرا پتا کھڑ کا اور جان نکلی ! بچے کو لے دیا سلائی مانگنے کھڑکی میں آئی ! پسینے میں شور بور انتظار میں لگی دیر ہوا اڑ گئی ! فالج تھا یا نزلہ جو کچھ بھی ہو بائیں طرف درد شروع ہوا، جوں توں چراغ جلایا۔ گردے میں کسک معلوم ہوئی سانس لیا تو لینا مشکل ! یقین ہو گیا کہ اب موت سر پر آ پہنچی اور ان تمام قضیوں کا خاتمہ کر دیگی ساتھ ہی خیال آیا کہ خاوند خوش نہ رہا ایسا نہ ہو خدا کے ہاں پکڑی جاؤں۔ ایک دفعہ سامنے آجائیں تو پاؤں پر گر کر قصور معاف کرا لوں۔ مگر انھیں تو میری صورت دیکھنی قسم ہے ! سانس کی تکلیف لحہ بہ لحہ بڑھتی جاتی تھی قلم دوات اٹھا کر یہ پرچہ لکھا۔

ناشاد و نامراد محمودہ کا آخری پرچہ غور سے پڑھنا ! دنیا کا سفر ختم ہوا زندگی کے دن پورے کیے، بھلی بری جیسی پڑی گزر گئی ! مگر تمھاری ناخوشی کا کلیجے پر داغ ہی یہ قبر تک ساتھ لیجاؤں گی ! ارمان تھا کہ ایک دفعہ پاؤں پر گر کر قصور معاف کرالوں ! لیکن چلنے کا وقت سر پر آ گیا اور صورت دیکھنی نصیب نہ ہوئی ! آہ ! بدنصیب تھی میں خود اور بے غیرت تھا میرا جینا۔ شرمسار رہی گنہگار چلی ! تم جیو تمھاری عمر دراز ہو عیش کرو آرام کرو میں کم بخت اسی قابل تھی کہ اس ڈھنڈھار گھر میں تمھاری شکل کو ترستی رخصت ہو جاؤں، اماں کے گھر سے وداع ہو کر تمھارے ہاں آئی۔ آج تمھارے گھر سے بھی رخصت ہے اب میں کہاں اور تم کہاں ! آرزو تھی کہ تمھارے سامنے پیوند زمین ہوں اپنے ہات سے دباؤ اور مٹی دو ! خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے میری خواہش

پوری ہوئی میرا مطلب بر آیا! تکلیفوں سے بچی مصیبتوں سے چھوٹی! البتہ صدمہ یہ ہے کہ تمھاری خدمت نہ کی اور تمکو رضامند نہ رکھ سکی بڑا خطرناک سفر درپیش ہے اور ایک زبردست شہنشاہ کے حضور میں جا رہی ہوں میرے قصوروں کو معاف کرنا کہ میں تمھارے گناہ میں نہ پکڑی جاؤں! چوری کا شبہ میرے اوپر بہتان تھا خدا گواہ ہے میں بے گناہ ہوں تقدیر کی خوبی تھی کہ اس تھوڑی سی زندگی میں چور چھوٹی، لپاٹن سب ہی کچھ بن گئی! آہ! کلیجہ کٹتا ہے جب خیال کرتی ہوں کہ بھرے مہمانوں میں چور بنی! خیر! ایک آخری درخواست ہے اور منت سے ہے اس مصیبت بھری زندگی کی یادگار میری امانت سمجھو یا نشانی یہ کلیجے کا ٹکڑا تمھارے سپرد ہے! دیکھنا مصیبت ماری کا لال ہے اسکا خیال رکھنا! جی بچا تو شاید چھوٹے بنگلے قبر پر آجائے! تمھارے طفیل اور روح خوش ہو جائیگی! جو کانٹا کھٹک رہا تھا وہ نکل گیا! میں چلی اور نامراد چلی فرصت ہو تو اپنے ہات سے زمین کے سپرد کر دینا! [illegible] دنیا کے معاملے یوں ہی رہینگے دن آئینگے راتیں جائینگی عیش ہوگا آرام ہوگا۔ تم پھولو پھلو چین کرو سکھ سے رہو چند روز میں میری ہڈیاں بھی گل کر خاک ہو جائیں گی! اور لکھتی منت کرتی، خوشامد کرتی، سامنے ہوتے ہات جوڑتی پیروں پڑتی! سرخرو جاتی عزت آبرو سے رخصت ہوتی مگر کیا کروں ہات نہیں چلتا! میرے قصور معاف! میری خطاؤں سے درگذر! اچھا اللہ حافظ۔

محمودہ اس خط کو ختم کر چکی تو ہات پاؤں کانپ رہے تھے بچے کو گود میں لیا حسرت سے دیکھا جھکی اور جھک کر بچے کے موہنہ پر موہنہ رکھا آنکھ سے آنسو بہنے لگے کچھ کہنا چاہتی تھی کہ دفعۃً ایک ہچکی آئی موہنہ پر موہنہ رہا ہات گلے میں پڑے اور ہمیشہ کیواسطے رخصت ہوئی:۔

راشد الخیری

زنانہ دستکاری

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

معزز بہنو! اب میں تمھیں تمھارے حسب حال دستکاریوں کے نام او
اُن کی مختلف شاخوں کا مختصر احوال بتاتا ہوں۔ اس کی مندرجہ ذیل دستکار
جُداجُدا سلسلے میں ہیں ہر دستکاری اور اُس کی شاخوں کے اوزار اور اشیا بھی
ایک دوسرے سے کم و بیش مختلف ہوتے ہیں اور ان کی تیاری کے اسباب
(اون۔ ریشم۔ ٹسر۔ سوت وغیرہ) میں بھی بہت سی حیثیتوں سے اختلاف ہ
ہی جنکے درست احوال نہ جاننے سے سخت پریشانیوں کا سامنا اور اصراف
کا شکار ہونا پڑتا ہی۔ جیسا کہ میں اپنے شوق اور جوش کے ہاتوں فضول اخرا
اور دردسری میں پڑ چکا ہوں جس کی وجہ یہ ہی کہ بجز کتابوں کی قیاسی با
کے اور کوئی دوسرا جاننے والا رہنما نہ تھا۔

فائدہ اُسی صورت میں ہوگا جب ہر دستکاری کے ابتدائی اُصول و
نہایت وضاحت سے بیان ہوں تاکہ کُل بہنیں آسانی سے سمجھ سکیں اور مشق کر
جائیں۔ بہنوں کو اب اندازہ ہو سکتا ہی کہ ان دستکاریوں کا ترجمہ ہوجانا
میری درماندہ قوم کی بیبیوں کے لیے ازحد مفید ثابت ہوگا۔ بلکہ ملک کی د
قوموں کی مستورات بھی یکساں مستفید ہوں گی۔

انگریزی نام	اُردو ترجمہ
نٹنگ	سلائیوں سے بُننے کا کام
نِٹڈ گارمنٹس	سلائیوں کے بُنے ہوئے لباس
نِٹڈ ایجنگس	سلائیوں کی بُنی ہوئی کناری
نِٹڈ جرزیز اینڈ گلوز	سلائیوں کی بُنی ہوئی بنیائیں اور دستانیں
نِٹڈ سوکس اینڈ اسٹوکنگ	سلائیوں کی بُنی ہوئی جرابیں اور موزے
نِٹڈ شالس	سلائیوں کی بُنی ہوئی شالیں
نِٹڈ سلیپرز اینڈ بوٹس	سلائیوں کی بُنی ہوئی زیرپائیاں اور جوتے
نِٹڈ ٹائیز اینڈ ویسٹ کوٹ	سلائیوں کی بُنی ہوئی ٹپیاں جو کالر کیساتھ باندھی جاتی ہیں اور واسکٹ کی بنیاں
کروشہ ورک	کروشیا (کانٹے) کا کام
کروشہ گارمنٹس	کروشیا کے بُنے ہوئے لباس
کروشہ کالرس	کروشیا سے اُون، ریشم، تِلّہ وغیرہ کے کالر بُننا
کروشہ ایجنگس	کروشیا سے ہر قسم کی کناری بُننا
کروشہ بونیٹ اینڈ گلوز	کروشیا سے ہر قسم کی زنانی ٹوپیاں اور دستانے بُننا
کروشہ ڈوائلیز	کروشیا سے رومال و شال وغیرہ کے گرد خوشنما جالدار جھالریں بُننا
کروشہ سلیپرس اینڈ بوٹس	کروشیا سے زیرپائیاں اور جوتے بُننا۔
کروشہ ویسٹ کوٹ اینڈ ٹائیز	کروشیا سے واسکٹ یعنی صدریوں کی پٹیاں بُننا اور ٹپیاں بننا
کروشہ لیسز اینڈ کارنرس	کروشیا سے لیس اور کناری دار جھالریں بُننا
کروشہ جرزیز اینڈ بلاؤزیز	کروشیا سے بنیانیں اور زنانے ڈھیلے کرتے انگریزی قسم کے بُننا۔

انگریزی نام	اُردو ترجمہ
کروشہ میکرام	کروشیا سے خوشنما گانٹھ دار جھالریں بُننا
کروشہ شالس	کروشیا سے شالیں بُننا۔
کروشہ ڈران تھریڈ	نازک ریشمی و سوتی کپڑوں سے ڈورے کھینچکر کروشیا سے نہایت نفیس کڑھت کا کام کرنا۔
ہیئرپن کروشہ	وہ کام جو سر کے بالوں میں لگانے کی دوہری سلائیوں پر کیا جاتا ہے۔
فلورل کروشہ	لیسوں کے وہ پھول پتے بیلیں جو کرشیا سے بنائی جاتی ہیں۔
کروس اسٹیچ ورک	ترچھی لکیروں والی بوٹیاں بیلیں تصویریں وغیرہ اُون، ریشم، سوت وغیرہ سے بنانا۔
پلین نیڈل ورک	ہر قسم کا سینا پرونا۔
ڈیکوریٹو نیڈل ورک	سوزن کاری کا اعلیٰ کام
ڈینٹی نیڈل ورک	سوئیوں کا نہایت نازک اور نفیس قسم کا کام۔
ڈران تھریڈ ورک	ہر قسم کے نازک کپڑوں سے ڈورے نکال کر نہایت نفیس کڑھت کا کام کرنا۔
کرویل ورک	ریشمی کپڑوں پر منقش کام کرنا۔
پیچ ورک	مختلف رنگ کے کپڑوں کے ٹکڑوں کو جوڑ کر آرایشی چیزیں بنانا جسے ہمارے یہاں پٹاپٹی کا کام کہتے ہیں
ربن ورک	فیتوں سے بیل بوٹے۔ پھول پتے بنانا۔
ربن پلیٹنگ	فیتے بنانے کا کام
ایمبرائڈری ورک	کارچوبی کے کام وغیرہ
اپلکا ایمبرائڈری	ریشمی کپڑوں پر نہایت خوبصورت اور نازک تصویریں یا بیل بوٹے بنانا۔
کینوس ایمبرائڈری	کرمچ وغیرہ جیسے کپڑوں پر چکن دوزی کرنا۔
ہارڈینجر ایمبرائڈری	ملک ہارڈینجر جو ممالک ڈنمارک اور سویڈن میں واقع ہے وہاں کی چکن دوزی۔

انگریزی نام	اُردو ترجمہ
بلگیرین ایمبروائیڈری	ملک بلغاریہ کے کسانوں کی ایجاد کردہ چکن دوزی
ہنگیرین ایمبروائیڈری	ملک ہنگری کے اطراف کے کسانوں کی چکن دوزی
آئیوری ایمبرائیڈری	کرمزی جالی پر چکن دوزی
جواِیلڈ ایمبروائیڈری	مرصع کاری تلے ستارے کا کام۔
لیلن ایمبروائیڈری	لیلن یعنی سن کے بنے ہوئے کپڑوں پر جیسے کتان بھی کہتے ہیں چکن دوزی کرنا
پکچر ایمبروائیڈری	نہایت لطیف و نفیس کپڑوں پر مصورانہ رنگین چکن دوزی۔
ڈینیش ہیڈیو ایمبروائیڈری	ڈنمارک کی ملکہ الکزینڈرا کی ایجاد کردہ چکن دوزی۔
ایمبروائیڈری شیڈنگ	خاکہ بھرنا یعنی ہر قسم کے نقش و نگار کو پختہ رنگوں سے بھرنا۔
ایمبروائیڈری سٹیچز	ہر قسم کی چکن دوزی۔ زردوزی وغیرہ کے ٹانکے بھرنا۔
لیس ورک	لیس۔ ڈوری کلابتون وغیرہ مقیش کا کام
کیرک میکراس لیس	آئرلینڈ کے قصبہ کیرک میکراس کی ایجاد کردہ لیس۔ یہ تنزیب شبنم اور دیگر باریک ململ پر بنائی جاتی ہے اور پیچدار گرہوں کی ہوتی ہے۔
المیرک لیس	مختلف میوے کے پھولوں کی پتیوں کی طرح لیس بنانا
نیٹیرف لیس	برِاعظم نیٹرف کی کسان عورتوں کی ایجاد کردہ لیس
پوائنٹ لیس	وہ باریک لیس بُننا جو ٹوپیوں میزپوش وغیرہ میں لگائی جاتی ہیں،
آئرش لیس	کروشیا کی وہ لیس بُننا جو ملک آئرلینڈ سے ایجاد ہوئی ہے
پلو لیس	وہ لیس جو باریک سوئیوں سے تکیوں کے غلاف پر بنائی جاتی ہے
اپلیکا لیس	کپڑوں پر لیس سے بیل بوٹے پھول پتے وغیرہ بنانا۔

انگریزی نام	اُردو ترجمہ
گرین ورک	اُون ریشم۔ اور نرم و باریک گھاسوں سے دروازوں کے پردے بنانا۔
بیڈ ورک	موتیوں کی کڑھائی کا کام
نٹ ٹنگس	ہر قسم کے کھلونے اُون ریشم، سوت وغیرہ سے بنانا۔
ماؤنٹ میلک ورک	ساٹن، زمین پر سُوت کی پکی کڑھت کرنا
مونوگرمس اینڈ انیشیل	طغرجات اور ناموں کے اول حروف بنت میں نکالنا۔
نٹنگ ورک	عمدہ آرائشی چیزیں بُننا اسکی کئی اقسام ہیں۔
اسموکینگ ورک	چُنت دار بندی دار کام جو بیمیں اپنے اندر کے لباس والے کپڑوں پر بناتی ہیں
ٹیٹنگ ورک	وہ جھالر دار بیلیں جو کف کالر اور بچوں کے کپڑوں پر بنائی جاتی ہیں۔
چپ کارونگ اینڈ پوکر	نرم لکڑیوں کو تراش کر یا کھود کر ہر طرح کے پھول پتی یا بیلدار فریم بنانا
فینسی ورک	نہایت خوشنما آرائشی چیزیں۔
بازار آرٹکلس	ہر قسم کی عام اشیا اور تصویریں بنانا
فیلٹ لیس	جالدار لیس بُننا
نٹ ڈارننگ ورک	جالی کا کام یعنی جالی پر ہر طرح کے بیل بوٹے وغیرہ۔ سوت یا ریشم سے بنانا۔

باقی آیندہ

محمد تمیز الدین خان عظیم آبادی

ماں کی لوری

نہ وہ گول گول سورج۔ نہ وہ کرنیں ہیں سنہری نہ شفق کی ہے وہ سرخی نہ وہ گہری گہری رنگت
سر بام چاندنی کی ہے عجب بہار دلکش جو ہوا ہے بھینی بھینی۔ تو نسیم ٹھنڈی ٹھنڈی
ہوئی شام چھپ گیا دن۔ نکل آئے چاند تارے

ہے عجب سکوت افزا۔ شب ماہ کا بھی منظر یہ سماں ہے پیارا پیارا کہ طلسم سحر افسوں
نہ وہ گیت قمریوں کے۔ نہ صدائے بلبلوں کی نہ سرود خواں ہیں چڑیاں۔ نہ غزل سرا کبوتر
کہ پرندگاں کے نغمے۔ سوئے آشیاں سدھارے

کبھی دن بہار کے ہیں کبھی ہیں سہانی گرمیاں کبھی جھڑ رہے ہیں پتے کبھی ہے خزاں کا موسم
کبھی خاک اڑ رہی ہے۔ کبھی گرمیوں کی رت ہے کبھی دل ہیں بادلوں کے۔ کبھی مینھ کی ہیں جھڑیاں
ہے عجب بہار قدرت کہ ہیں نت نئے نظارے

یہ کرے جو نور کے ہیں۔ نہیں خالی ان کی بستی کہیں ہیں پہاڑ ان میں۔ کہیں ان میں دشت و صحرا
کہیں بہہ رہے ہیں دریا۔ کہیں وادیوں کا منظر کہیں اگ رہا ہے سبزہ۔ کہیں ہے گھٹا برستی
کہیں ننھے ننھے پودے۔ کہیں پھول پیارے پیارے

ابھی شام ہو رہی تھی۔ ابھی تھی افق پہ سرخی ابھی ڈھل رہا تھا سایہ۔ ابھی آسماں تھا نیلا
ابھی دن ہوا ہے ختم۔ ابھی پڑ رہی تھیں کرنیں ابھی چھپ رہا تھا سورج۔ ابھی چاندنی ہے چھٹکی
ابھی آگ کا تھا گولا۔ ابھی چھوٹے چھوٹے تارے

ہوئی گم وہ مکھیوں کی تھی جو دن میں بھنبھناہٹ نہیں اب وہ غل غپاڑہ کہ ہے ہر طرف خموشی
نہ صدائے زاغ کی اب۔ نہ وہ فاختہ کی کوکو نہ وہ تیز تیز جھونکے۔ نہ ہوا کی سنسناہٹ
کہ ہے محو خواب سبزہ لب نہر کے کنارے

نہیں محویت یہ اچھی۔ مرے نور دیدہ سو جا کہ ہے رات بھر کی مہماں۔ یہ بہار بزم قدرت
نہ یہ آسماں رہیگا۔ نہ یہ انجمن رہے گی کبھی تاروں کی ہے حسرت کبھی چاند کی تمنا
یہ بتا رہے ہیں مجھ کو۔ تری آنکھوں کے اشارے

میں تھپک تھپک کے کب سے تجھے دے رہی ہوں لوری کبھی چومتی ہوں ماتھا۔ کبھی لیتی ہوں بلائیں
مری چھاتی سے لپٹ جا۔ نہ ہو بے قرار اتنا مری آنکھ ہے جھپکتی۔ کہ گزر گئی شب آدھی
ترے صدقے جاؤں سو جا! مری انکھڑیوں کے تارے

(بالک رام شاد بجواڑیہ)

بزم عصمت

مکرمہ مسز محمد اکرام صاحبہ جائنٹ ایڈیٹر عصمت۔ ! عصمت کے آٹھ پرچے بذریعہ وی پی عین انتظار میں پہنچے۔ ماشاء اللہ آپکا پرچہ عصمت اسم بامسمیٰ ہے۔ کیا بلحاظ مضامین کیا بلحاظ چھپائی کیا بلحاظ کاغذ غرض ہر بات میں اپنا آپ ہی نظیر ہے خدا اسکو عمر طبعی نصیب کرے اور نظر بد سے بچائے۔ اگرچہ بہت سے رسالے میری نظر سے گذرے ہیں مگر کوئی رسالہ اس آب و تاب کا اس ناچیز کے دیکھنے میں نہیں آیا۔ مضامین کی دلچسپی اس سے زیادہ کیا ہوسکتی ہے کہ جب تک میں نے آٹھوں پرچے از ابتدا تا انتہا دیکھ نہ لیے مجھے چین نہ آیا اب دوسری جلد کے چوتھے نمبر کی منتظر ہوں کہ کب وصول ہوگا۔

نیاز مند (مسز محمد شمس الدین)

جناب ایڈیٹر صاحب ! تسلیم۔ میں آپ کو اس سے پہلے اطلاع دے چکی ہوں کہ عصمت کے خریدار بڑھانے کے لیے بہنوں کو خط لکھے ہیں۔ ایک بہن کا خط مجھے بائیس ۲۲ اپریل کو پہنچا وہ خود خریدار ہوں گی اور خریدار بڑھانے کی کوشش بھی کریں گی اپنے خط میں لکھتی ہیں کہ "میں آپ کو اجازت دیتی ہوں کہ زمرۂ خریداروں میں مجھے بھی شامل کر لیجیے قلمی امداد سے میں غافل نہ رہوں گی۔ خریداروں کی تعداد بڑھانے میں بھی انشاءاللہ کوشش کروں گی"
خدا کرے یہ خیال اور بہنوں کے دل میں بھی جگہ پائے اور وہ بھی فرصت میں اپنے دست و قلم کو عصمت کی اشاعت کے لیے اٹھائیں فقط والسلام

(راقمہ خاتون بدایونی)

مکرمہ مسز محمد اکرام زاد مجدکم ! مجھے آپ کا رسالہ ایک بہن کے پاس دیکھنے کا سرسری طور سے اتفاق ہوا۔ لہذا ملتمس ہوں کہ ایک رسالہ بطور نمونہ ارسال فرما کر مشکور فرمائیں۔ فرقہ نسواں میں علمی روح پھونکنے کا اعلیٰ ذریعہ ہے۔ میں بہت خوش ہوں کہ ایسے رسالے جاری ہوں اور طبقۂ نسواں کو علمی معلومات کا ذخیرہ حاصل ہو۔ اگر فرصت ملتی رہی تو اپنے ٹوٹے پھوٹے خیالات اور مضمون سے آپ کے رسالے کی امداد ہوتی رہیگی۔

(مرسلہ مسز حکیم رفیق احمد)

مکرمہ بہن صاحبہ ! السلام علیکم۔ مارچ کا پرچہ پہنچا۔ دیکھکر دل باغ باغ ہوا۔ خداوند کریم آپ کی کوششوں میں کامیابی دے میں عنقریب ایک مضمون ارسال کروں گی۔ (بلقیس از دہلی)

عالم نسواں

۱۵۔ اپریل کو ہز آنر سر لوئیس ڈین لفٹنٹ گورنر پنجاب سکھ گرلز ہائی سکول راولپنڈی میں تشریف لائے۔ سکول بورڈنگ ہاؤس خوبصورتی سے سجایا گیا تھا۔ دروازے کے دونوں طرف ویلکم کے جھنڈے لہرا رہے تھے۔ ہز آنر کی تشریف آوری پر سکول کی لڑکیوں نے پردے کے پیچھے سے دعائیہ گیت گائے اور اس کے بعد ایڈریس پیش کیا گیا جسکے جواب میں ہز آنر نے سکول کے انتظام پر خوشنودی کا اظہار کیا اور فرمایا امر واقعی یہ ہے کہ جبتک ملک میں خواتین اچھی طرح پڑھی لکھی نہ ہوں کسی قسم کی ترقی نہیں ہوسکتی میں یہ دیکھکر نہایت خوش ہوں کہ سکھ قوم نے ملک کے اس حصہ میں مستورات کو تعلیم دینے میں خاص کوشش کی ہے اور سکول کے لیے پچاس ہزار روپیہ فراہم کر لیا۔ اسکے بعد ہز آنر نے لڑکیوں کی دستکاری ملاحظہ فرمائی اور اظہار پسندیدگی فرماکر تشریف لے گئے۔

اپریل کے رسالے میں لکھا جا چکا ہے کہ قسطنطنیہ میں تعلیم نسواں کے واسطے شاہی محل اس غرض سے عطا ہوا ہے کہ کالج بنایا جائے تازہ خبروں سے معلوم ہوا کہ جو کمیشن اس سکیم کو عمل میں لانے کے لیے تجویز ہوئی ہے اسکے پریسیڈنٹ احمد رضا بک نے علی الاعلان بیان کیا کہ گو میں نے آج تک کسی سے کچھ نہیں مانگا مگر اس کام کے واسطے میں شہر کے ہر حصے میں جاؤنگا اور گھر گھر مانگوں گا۔

مسز راناڈے کا یہ انتظام قابل تحسین ہے کہ انھوں نے پونہ میں ایک انجمن اس غرض سے قائم کی ہے کہ ہندوستانی خواتین اپنی حالت کا اندازہ کریں اور ترقی کی کوشش کریں مسز راناڈے نے اپنا مکان سکول کے واسطے دیا۔ جہاں مرہٹی۔ انگریزی۔ اور علم ہندسہ

کی تعلیم دیجاتی ہے۔ ہفتہ میں دوبار خود مسز راناڈے لکچر دیتی ہیں اور شب و روز اسکول کی ترقی میں ساعی ہیں۔

حضور نظام نے اس حکم کے بموجب کہ سیلاب کی رات جو ملازم وکٹوریہ زنانہ ہسپتال میں ڈیوٹی پر تھے انکو ترقی دیجائے مس نیوادمن کو ریذیڈنٹ سرجن کے گریڈ میں ترقی ملی۔

خوشی کی بات ہے کہ وکٹوریہ گرلز سکول لاہور سے جو چھ لڑکیاں مڈل میں شریک ہوئی تھیں وہ سب کامیاب ہو گئیں۔

کلکتہ میں تحریک ہوئی ہے کہ بعض ہونہار لڑکیاں ضروری تعلیم کے واسطے جاپان بھیجی جائیں اور وہاں فرائض و امور خانہ داری میں تعلیم پائیں۔

ہر ہائی نس بیگم صاحبہ مرحومہ مرشدآباد کی برسی پر مجلس عزا قائم ہوئی جس میں شہزادگان میسور اور مرشدآباد کی بیگمات اور معزز اصحاب و علما شریک تھے۔

احسن منزل ڈھاکے میں ایک میٹنگ بصدارت آنریبل سر خواجہ سلیم اللہ بہادر منعقد ہوئی جس میں مدرسۂ نسواں کے واسطے ایک ہزار روپیہ جمع ہوا۔

بمبئی کی انجمن محافظ حجاج نے ہر ہائی نس بیگم صاحبہ بھوپال کی اس فیاضی کا شکریہ ادا کیا کہ بیگم صاحبہ نے حاجیوں کی اعانت کے لیے ایک رقم عطا کرنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔

بہار کی نیک دل اور فیاض خاتون بی بی صغریٰ فاطمہ جنھوں نے اپنی تمام جائداد رفاہ عام کے لیے وقف کی تھی عالم جاودانی کو رخصت ہوئیں۔ اُن کے مدرسے کے احاطے میں ایک بڑا جلسۂ تعزیت ہوا اور حاضرین نے قرآن خوانی کر کے مرحومہ کے نام ایصال ثواب کیا۔

مسلمانان بمبئی نے مس کلارک کی یادگار میں ایک مدرسۂ نسواں قائم کرنیکا ارادہ کیا ہے

حالات جلسہ وکٹوریہ مے گرلز ہائی سکول لاہور

سی تاریخ کی ہم پہلے لکھ چکا تھا کہ منت محمد عمر صاحبہ نے ہز ایکسیلنسی لیڈی منٹو صاحبہ کی تشریف آوری کی
... وکٹوریہ مے گرلز ہائی سکول کے معائنے کی روداد روانہ فرمائی ناظرات عصمت کی
دلچسپی اور مضمون کی اہمیت کے اعتبار سے ہم ... اوراق زائد لگا کر اس کو
درج کرتے ہیں۔

بتاریخ ۲۸ اپریل بروز شنبہ ہز ایکسیلنسی لیڈی منٹو صاحبہ کمال عنایت خسروانہ سے وکٹوریہ مے گرلز ہائی سکول کے ملاحظہ کے واسطے تشریف لائیں۔ سکول کو نہایت خوبی سے آراستہ کیا گیا تھا صحن باغ میں شامیانہ نصب تھا اور اسکے نیچے وسط میں لیڈی صاحبہ ممدوحہ کے لیے ایک عمدہ کرسی رکھی تھی۔ دائیں بائیں مس منٹو صاحبہ و مس ڈین صاحبہ کی کرسیاں تھیں باقی مہمانوں کے واسطے دو رویہ کرسیوں کی قطاریں تھیں جنپر درجہ بدرجہ سب کے ناموں کے ٹکٹ لگے تھے۔ کم وقت ملنے کے باعث بڑے جلسے کا انتظام نہ ہو سکا۔ پارٹی مختصر تھی ممبران کمیٹی کے علاوہ جو لڑکیاں اس سکول میں پڑھتی ہیں اُن کی مائیں اور چند دیگر خواتین مدعو کی گئی تھیں۔ چونکہ سکول کا نہ پردہ دار ہے اس لیے کوئی خاص اہتمام پردے کے لیے نہیں کرنا پڑا۔

چھ بجے شام کے لیڈی صاحبہ کی موٹر کار پہنچی۔ سکول کی پرنسپل و چند دیگر لیڈیز نے کمرے کے دروازے کے باہر استقبال کیا۔ اندرونی دروازے پر ممبران کمیٹی بیگم صاحبہ نواب محمد ذوالفقار علی خاں صاحب۔ بیگم صاحبہ ملک عمر حیات خانصاحب۔ مسز ہرکشن لال صاحبہ مسز پارکر صاحبہ مسز شاہدین صاحبہ۔ مسز لال چند صاحبہ۔ مس بوس صاحبہ۔ مسز

رام ہج دت چودھری صاحبہ۔ مسز روشن لال صاحبہ تھیں۔ ان سب سے لیڈی صاحبہ نے مصافحہ کیا۔ اور کمرے سے ہوتی ہوئی باہر شامیانے میں تشریف لاکر اپنی کرسی پر رونق افروز ہوئیں۔ لڑکیوں نے پیانوں کے ساتھ سُریلی آواز سے گیت گائے میاں فیروز الدین صاحب (بونچہ) کی ننھی لڑکی سعیدہ نے لیڈی صاحبہ کے گلے میں خوشنما پھولوں کا ہار پہنایا۔ اور سید محمد شاہ صاحب کی خوردسال لڑکی نے لیڈی صاحبہ کے سامنے کھڑے ہوکر ایک چھوٹی سی نظم پڑھی۔ پھر تمام لڑکیاں لیڈی صاحبہ کے سامنے دو دو کرکے پیش کی گئیں۔ اور تسلیم بجا لاکر اُنکے پیچھے سے ہوتی ہوئی دوسری طرف سے واپس اپنی جگہ پر چلی گئیں۔ لڑکیاں رنگ برنگ کے کپڑوں میں نہایت ادب سے آتی ہوئی بہت بھلی معلوم ہوتی تھیں۔ اس کے بعد مس ایجلے صاحبہ نے انگریزی میں سکول کی رپورٹ سُنائی اور بیگم صاحبہ ملک عمر حیات خانصاحب نے اُردو میں ایڈریس پڑھا جس کے جواب میں لیڈی صاحبہ ممدوحہ نے نہایت عمدہ اور شفقت آمیز الفاظ میں تقریر فرمائی۔ رخصت سے پہلے لیڈی صاحبہ سکول کے ہال میں تشریف لائیں اور حضور شاہزادہ و شاہزادی ویلز صاحبہ کی خوبصورت تصویروں کی جو پہلے سے دیوار پر لگی ہوئی کپڑے سے ڈھکی تھیں اپنے دست مبارک سے نقاب اٹھائی جن کو دیکھکر سب حاضرین جلسہ نہایت خوش ہوئیں۔ اور چیئرز سے کمرہ گونج اٹھا۔ اسکے بعد لیڈی صاحبہ نے تمام سکول کا ملاحظہ فرمایا۔ اور لڑکیوں کے کام وغیرہ دیکھ کر بہت محظوظ ہوئیں۔ سات بجے شام کے جلسہ برخاست ہوا۔ اور بیبیاں خوشی خوشی واپس آئیں۔

درحقیقت یہ سکول نہایت ہی اعلیٰ اور مفید ہے۔ اتنے قلیل عرصے میں لڑکیوں نے حیرت انگیز ترقی کی ہے۔ مس وسٹن صاحبہ و مس ایجلے صاحبہ کی انتھک محنت و کوشش

نہایت تعریف کی مستحق ہی۔

راقمہ خاکسار بنت محمد عمر

ترجمہ رپورٹس ایجلی صاحبہ پرنسپل وکٹوریہ گرل سکول

ترجمہ حضور عالی نے اس سکول میں آکر جو اعزاز و افتخار ہم کو بخشا اس کے لیے ہم سب ممبران کمیٹی سکول کا تمام سٹاف اور وکٹوریہ مے گرل سکول کی طالب علم حضور کی خدمت میں اپنی دلی شکر گزاری کا اظہار کرتے ہیں۔ ہمیں بخوبی معلوم ہی کہ حضور کے دکھانے اور خوش کرنے کو اسوقت ہمارے پاس کچھ نہیں۔

لیکن جس طرح ایک پھل میں فطرت کی خوبصورتیاں مخفی ہوتی ہیں۔ اسی طرح حضور اس کو مثل ایک پھل کے بیج کے تصور فرمائیں جس کو ہم اس اُمید میں پال رہے ہیں کہ ایک دن اس سے تعلیم نسواں کے خوبصورت پھول کھلینگے۔ گو یہاں کوئی چیز حضور کے قابل پسند نہ ہو تاہم آپ کے سامنے ہم وہ عالی نام پیش کرتے ہیں جس پر نامزد ہونے کا اس اسکول کو فخر حاصل ہی اور جو نام اپنے آپ میں عورت ذات کی خوبی پر دلالت کرتا ہی نام "وکٹوریہ" تمام ملک میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہی۔ اور یہ نام ہماری پیاری ملکہ وکٹوریہ دی گوڈ کی نیک زندگی اور نیک نمونہ کی یاد دلاتا ہی مگر ہمارے سکول کا نام صرف وکٹوریہ نہیں بلکہ وکٹوریہ مے ہی۔ جو ہماری شاہزادی وکٹوریہ مے صاحبہ کے نام نامی پر اُن کی اجازت خاص سے رکھا گیا ہی۔ جن کی تشریف آوری کی یادگار میں یہ سکول کھولا گیا۔ عالی جناب شہزادہ اور شاہزادی ویلز صاحب نے کمال مہربانی سے ہندوستانی رئیسوں کے چندے کو قبول فرمایا۔ اور بیگم صاحبہ ملک

عمر حیات خاں صاحب کے اس ایما کو پسند و منظور فرمایا۔ کہ اس روپے سے ایک ایسا سکول کھولا جائے جس میں ہندوستانی رؤسا شرفا اپنی عورتوں اور لڑکیوں کو بہترین مغربی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بلا تامل بھیج سکیں اور مغربی کے ساتھ پرانی مشرقی تہذیب کی جو باتیں اچھی ہیں وہ بھی قائم رہیں۔ وکٹوریہ مے سکول بالفعل امتحاناً اس بنگلہ میں کھولا گیا ہی اور اس کی ہستی کو صرف تین ماہ ہوئے ہیں لیکن اس قلیل عرصے ہی میں ثابت ہو گیا ہی کہ پنجاب کی مستورات میں تعلیم پانے کی اعلیٰ قابلیت مخفی تھی۔ لڑکیوں کے لیے تو مقابلۃً بہت آسان ہی وہ بڑے شوق سے ہر ایک نئے مضمون کو سیکھتی ہیں۔ اور انگریزی اور دستکاری میں ایسی جلدی ترقی کر رہی ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہی کہ خدا نے کتنی خوبیاں ودیعت کی ہیں اور استانیوں کے لیے کام نہایت دشوار ہی۔ کیونکہ مغربی تعلیم کو ایسے طرز پر لانے کے لیے جو ہندوستانی مستورات کو ضرر رساں نہو بہت سی قابلیت کی ضرورت ہی۔ اگرچہ انگریزی کنڈر گارٹن جماعت ہی سے شروع کیجاتی ہی۔ اور جسقدر جلد ممکن ہو انگریزی ہی کو تعلیم کا ذریعہ بنایا جاتا ہی تو بھی ہم اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ دیسی زبانوں میں بھی لڑکیاں کامل دستگاہ پیدا کریں اور ہر ایک لڑکی کو ترغیب دیتے رہیں کہ ایک نہ ایک ہندوستانی زبان کو پورے طور پر حاصل کریں۔

ہم بہت سی یوروپین لیڈیز کے مشکور ہیں جنھوں نے انگریزی پڑھانے میں آزیری مدد دی ہی اور ہمیں اُمید ہی کہ ہندوستانی بیبیاں بھی ایسے مضامین کے سکھانے میں جیسا کہ لٹریچر یا ہندوستانی موسیقی وغیرہ ہیں بہت سی قیمتی مدد دیں گی تاکہ لڑکیاں وہ مضمون بھی سیکھ لیں جو کہ یوروپین لیڈیاں نہیں سکھا سکتیں

لیڈی ڈین صاحبہ کے ذریعے سے معلوم ہوا کہ حضور شاہزادی ویلز صاحبہ نے

اس سکوں کے کھلنے کی بابت دریافت فرمایا تھا۔ ہمیں بے انتہا خوشی ہے کہ اب ہمیں شہزادی صاحبہ کے سوال کا جواب حضور کی معرفت جو کہ ہماری شہنشاہ کے قائم مقام ہیں اثبات میں دینے کا موقع ملا۔ شاہزادی ممدوحہ کی کمال عنایت اور دلچسپی کی نشانی ہمارے پاس عالی تبار ان شاہزادے صاحب اور شاہزادی ویلز صاحبہ کی تصویریں ہیں۔ اب ہماری التجا ہے کہ حضور اپنے دست مبارک سے ان شاہی تصویروں کی نقاب کو اٹھا دیں وہ ہمیں جو کہ اپنی شہنشاہ کی وفادار اور محب رعیت ہیں اپنے ہاتھ سے عنایت فرما دیں۔

خدا بادشاہ کو سلامت رکھے

فقط

ایڈریس

یور ایکسیلینسی

حضور عالی نے اس سکول میں تشریف لاکر جو اعزاز و افتخار ہم کو بخشا ہی اس سے ہکو بے انتہا مسرت ہوئی ہی۔

اور ہم سب تہ دل سے حضور کی خدمت میں اس عنایت خسروانہ کا شکریہ ادا کرتے ہیں ہر شخص کو جو سمجھ دار ہی اب اس امر کو تسلیم کرتا ہی کہ ہندوستان کی بہبودی کے لیے تعلیم نسواں سے زیادہ کوئی اہم امر نہیں۔ سب سے بڑا ذریعہ ملک کی حالت بدلنے کا عورتوں کی تعلیم ہی۔ بجز اس کے کہ بچپن سے اچھی تربیت ہو اور طبیعت میں صحیح عادات اور خیالات ڈالے جائیں۔ قوم کی درستی کی امید نہیں ہوسکتی اور یہ صرف ماؤں ہی کے ذریعہ سے ہوسکتی ہی۔

مستورات کی عظمت کو تسلیم کرنے اور ان کو تعلیم دینے کا خیال سرکار عالیہ انگریزی کی بدولت پیدا ہوا ہی۔ اور انگریز لیڈیوں کی ہمدردی اور کوشش سے دن بدن پھیلتا جاتا ہی اور ہمیں قوی امید ہی کہ بہت جلد اس ذریعہ سے ہماری قوم کے خیالات سیدھا رستہ اختیار کرینگے۔

تجربے سے ثابت ہوگیا ہی کہ مقررہ امتحانات سے تعلیم کا اصلی مقصود حاصل نہیں ہوتا اور ہم مستورات بھی اس سے واقف ہوگئی ہیں اس لیے ہم مستورات کا یہ خیال ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم میں ان امتحانات کا دخل نہ ہو جو لڑکوں کے لیے مقرر ہیں۔ لڑکیوں کی

تعلیم و تربیت ایسے طریق سے ہو کہ وہ روزانہ زندگی میں مفید ہوں اور بچوں کی عادات اور طرزِ خیال کی صحیح بنیاد ڈال سکیں۔

اُمید ہے کہ یہ مدرسہ ان مقاصد کے حاصل کرنے میں مددگار ہوگا اس سکول کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ حضور عالیہ جنابہ شاہزادی ویلز صاحبہ کی منشا سے جاری ہونے کا اس کو فخر حاصل ہے۔ اور اسکے کھلنے کے ایسے جلد بعد حضور نے رونق افروز ہو کر اس کو عزت بخشی۔ اس مدرسہ کی یہ بھی خوش قسمتی ہے کہ یہ ابتدا ہی سے ایسی لیڈیوں کی نگرانی میں ہے جو اپنے فرائض منصبی میں خاص طور پر دلچسپی لیتی ہیں اور جن پر لڑکیوں کے والدین پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔

حضور کے تشریف لانے سے ہماری بہت حوصلہ افزائی ہوئی ہے۔ ہم سمجھ سکتے ہیں کہ استنے قلیل عرصہ قیام اور اسقدر مصروفیت میں یہاں تشریف لانے کے لیے وقت نکالنے سے حضور کو بہت دقت ہوئی ہوگی اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور کو ہمارے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔ ہمارے پاس کافی الفاظ نہیں کہ ہم حضور کی تکلیف فرمائی کا پورے طور پر شکریہ ادا کر سکیں لیکن ہم بڑے ادب سے حضور عالی کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم کبھی حضور کی مہربانی اور شفقت کو نہیں بھولیں گے فقط۔

ترجمہ سپیچ لیڈی منٹو صاحبہ

لیڈیز۔ مجھے نہایت خوشی ہوئی ہے کہ آج مجھ کو آپ سے یہاں ملنے اور اس امر کے اظہار کرنے کا موقع ملا کہ میں ان ہندوستانی بیبیوں کی تعلیم میں جو کہ عام سکولوں میں نہیں جا سکتیں کس قدر گہری دلچسپی لیتی ہوں مجھے یقین ہے کہ اب آپ سب اس بات کو سمجھتے ہیں کہ پنجاب کے اعلےٰ خاندانوں میں مرد و عورت دونوں کے لیے تعلیم لازمی ہے۔ نہ صرف اس لیے کہ وہ اعلیٰ سوسائٹی میں اپنے رتبے سے گرے ہوئے نہ رہیں۔ بلکہ اس لیے بھی کہ وہ اپنے وطن کی ترقی اور بہبودی میں مناسب حصہ لیں۔ جو انہیں بلحاظ اُن کی حیثیت حسبی و نسبی کے واجب ہے پنجاب کے سردار اور رؤسا ایچسن کالج اور دوسرے اعلےٰ سکولوں کی اچھی تعلیم سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ اُن کی بیویاں بھی اپنے خاوندوں کی ہر قسم کی امنگوں اور خیالات میں دلچسپی لینے والی اور اُن کی معاون و مددگار رہیں۔ اور یہ امر بجز اسکے نہیں ہو سکتا کہ وہ تعلیم یافتہ ہوں۔ غلط انتخاب کے ازدواج کا نتیجہ خوش زندگانی نہیں ہو سکتا۔ زن و شوہر کا اتفاق بہترین برکتوں میں سے ہے۔ بیشک تعلیم گھر میں بھی دی سکتی ہے مگر اس کے مصارف بہت ہیں اور ہندوستان میں ایسی اُستانیوں کی تعداد جو درحقیقت قابل ہوں بہت ہی قلیل ہے۔ اور کچھ عرصے تک قلیل رہیگی۔ علاوہ ازیں اچھے سکولوں کی تعلیم گورنس کی تعلیم سے بہتر ہوتی ہے۔ اور دوستی جو سکولوں میں ایک دوسرے کے ساتھ پیدا ہو جاتی ہے اکثر عمر بھر قائم رہتی ہے۔ اور یہ دوستی ہندوستانی عورتوں کی

تنہا زندگی میں تسکین کا باعث ہوتی ہے۔

جو لوگ اپنی بیٹیوں کو تعلیم دلوانا چاہتے ہیں ان کو اس سکول سے فائدہ اٹھانے کا بڑا موقعہ ہے۔ ہز رائل ہائی نس پرنس آف ویلز صاحب کے ہندوستان تشریف لانے کی یادگار میں اس سکول کی بنیاد ڈالی گئی۔ کیونکہ شاہزادی صاحبہ نے اس قسم کی یادگار کو بہترین یادگار سمجھ کر خصوصیت کے ساتھ منتخب کیا تھا۔ اس سکول کے ساتھ سکھ ریاستوں کو بھی ہمدردی ہے۔ اور انھی کی فیاضی سے یہ مدرسہ شروع ہونے کے قابل ہوا ہے اور میں اس تحریر سے جو کہ مجھے دی گئی ہے دیکھ کر خوش ہوتی ہوں کہ پنجاب کے دیگر رؤسا و شرفا بھی بالاتفاق اس کے حامی ہیں۔ موجودہ مکان گو بالفعل کافی اور موزوں ہے۔ تاہم ایسی شاہی یادگار کی شان کے لائق نہیں۔ لیکن ابتداً اس قسم کی تعلیم کی ضرورت اور خواہش دریافت کرنے کے لیے امتحاناً اوسط درجے پر شروع کرنا ہی بہتر طریق تھا جو کہ اختیار کیا گیا۔ نتیجہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ ایسی تعلیم کی بہت خواہش ہے اور میں یقین کرتی ہوں کہ ہندوستانی امرا و شرفا فیاضی سے اس سکول کی مدد کرینگے تاکہ پنجاب کی خاندانی لڑکیوں کے لیے بھی ویسا ہی عمدہ سکول و کالج بن جائے جیسا کہ لڑکوں کے لیے چیفس کالج ہے۔ خوش قسمتی سے آپ کے پاس نہایت اعلیٰ تعلیم یافتہ اُستانیوں کا سٹاف ہے۔ اور آپ لوگوں کو مس ولیسن صاحبہ کا شکرگزار رہنا چاہیے جنھوں نے بلا کسی معاوضے کے محض بھلائی کی غرض سے تکلیفیں اُٹھا کر مدرسے کے وجود کو قائم کیا۔ میں جانتی ہوں کہ آپ لوگوں کو اس امر میں لیڈی ڈین صاحبہ کی پوری ہمدردی حاصل ہے۔ اور پنجاب گورنمنٹ بھی جب سکول اچھی طرح چل نکلیگا اور اس کی صحیح بنیاد قائم ہو جائیگی تو ہر قسم کی ضروری امداد دینے کو طیار ہے۔ میں آپ سے اس امر میں متفق ہوں کہ ایچیسن کالج

کی طرح اس سکول کی طرز تعلیم بھی آپ کے درجہ کے لوگوں کی خاص ضروریات کے مطابق ہونی چاہیئے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس بات کا خیال رکھیں گی کہ یہ قومی یادگار اپنے مقاصد میں تنگ خیال اور متعصب نہ ہونے پائے بلکہ ہر فرقے اور مذہب کی لڑکیوں کے لیے یکساں کھلا رہے بشرطیکہ وہ اس درجے کے لوگوں میں سے ہوں جنکے لیے سکول کھولنا مقصود ہے۔ اور اس کی ترقی اور کامیابی کا انحصار صرف اسی طریق پر ہو سکتا ہے لیکن سکول کی تعمیر اور سامان کے لیے روپیے کی ضرورت ہے۔ اور میری آرزو ہے کہ آپ روپے کی فراہمی میں کوشش کریں تاکہ میں شاہزادی صاحبہ کی خدمت میں اطلاع دے سکوں کہ اُن کی یادگار کو اعلیٰ درجے کی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ اور جس شاہی خاتون کے نام سے وہ نامزد کی گئی ہے اُن کی شان کے شایاں اور اس فیاضانہ ہمدردی کے قابل ہے جس سے اُنھوں نے اجازت دی کہ ان کی یادگار اس قسم کی ہو جو اس صوبے کی پردہ دار خواتین کے لیے ایسی طرح مفید ہو جس سے نہ صرف انکی اپنی زندگی خوشی سے بسر ہو بلکہ وہ پنجاب کے لیڈروں کی قابل بیویاں اور مائیں بن سکیں جنکی بہادری اور وفاداری کے ہم معترف ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کا رسوخ زمانہ گزشتہ کی طرح آیندہ بھی پنجاب کی وفادار زمین میں نمایاں اور غالب ہے۔ اس سکول کے آج کے ملاحظہ کی نسبت شاہزادی صاحبہ سے ذکر کرتے ہوئے مجھے بہت خوشی ہوگی۔

اب میں حضور شاہزادے صاحب و شاہزادی صاحبہ کی خوبصورت تصویروں کی نقاب اُٹھانے کی مبارک رسم کو ادا کروں گی۔ جو کہ اُنھوں نے خصوصیت کے ساتھ اپنی ذاتی دلچسپی کی نشانی کے طور پر یہاں بھیجی ہیں۔ اور جو ہمیشہ وکٹوریہ مے گرل سکول کے لیے خاص فخر و عزت کا باعث ہوں گی۔

فہرست مضامین رسالہ عصمت

جون سنہ ۱۹۰۹ء


مصری بُرقعہ

عصمت

سُلطان المعظّم

پندرہ بیس برس کا ذکر ہے جب لکھنے پڑھنے کا نیا نیا شوق پیدا ہوا تو جن کتابوں میں بہت ہی جی لگتا تھا۔ اُن میں سے ایک شاہِ روم کا قصہ بھی تھا قصہ تھا تو فرضی مگر کچھ ایسا مؤثر اور نتیجہ خیز کہ ایک ایک حرف کلیجے میں گڑا جاتا تھا! بادشاہ کا تلاوت کلام اللہ میں اس آیت پر پہنچنا کہ جس کو چاہیں ہم عزت دیں جس کو چاہیں ذلت، اور اُس میں یہ وسوسۂ شیطانی پیدا ہونا کہ اس جاہ و حشمت پر جو مجھ کو میسر ہے کس طرح ذلت حاصل ہو سکتی ہے۔ ایک روز شکار کے پیچھے گھوڑا ڈالنا فوج سے بچھڑنا۔ سرحد چین میں پہنچنا اور قزاق کے شبہ میں گرفتار ہونا۔ ہات پاؤں کٹنے جیلخانے میں پڑنا اور بالآخر شہزادی کا اتالیق مقرر ہو کر اُسی آیت کا سبق دینا جسنے یہ دن دکھایا غرض یہ تمام باتیں گو دل کو لگتی ہوئی نہ ہوں۔ مگر سلطنتِ روم کے بادشاہ کا شہنشاہ دوجہاں کے حکم پر ہنسنا اور اُس کی پاداش میں طرح طرح کے مصائب میں گرفتار ہونا ممکن ضرور ہیں۔ کیا خبر تھی کہ یہ نقلی دفعہ ہماری آنکھوں دیکھتے اصلی ہوجائیگا اور اسی سلطنت کا موجودہ حکمراں سلطان عبدالحمید خاں جس کی عظمت کا سکہ ہمارے دلوں پر

بیٹھا ہوا ہی اُس سے زیادہ مصیبت میں گرفتار ہوگا۔ کان سُنیں گے کہ جس عبدالحمید کی ذات کے ساتھ مسلمانوں کے بہت سے تعلقات وابستہ ہیں وہ جلاوطنی میں پہنچ گیا اور آنکھیں دیکھیں گی کہ وہی سلطان جس کے دم کے ساتھ لاکھوں بلکہ کروڑوں مسلمانوں کی جانیں لڑی ہوئی ہیں ننگی تلواروں کے پہرے میں قیدی بنا چلا جارہا ہی۔ مرد یا عورت شاید ہی کوئی ایسا مسلمان ہو جسکے آنسو اس انقلاب سلطانی پر نہ گرے ہوں پتھر سے پتھر دل رکھنے والے بھی ایک دفعہ موم ہو جائیں گے جب سُنیں گے کہ بے گناہ عبدالحمید جب اپنی زندگی کا تمام حصہ رعیت پر قربان کرچکا اور مرنے کے قریب پہنچا تو احسان فراموش رعیت نے اُس کے ساتھ وہ سلوک کیا جس کو سُنکر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

یہ عبدالحمید خاں ہی کا صدقہ اور اُسی کے دم کی برکت تھی کہ وہی سلطنت جو بیمار سمجھی جاتی تھی تینتیس ۳۳ برس کے دورِ حکومت میں ایسی تندرست و توانا ہوگئی کہ روس دیونان وغیرہ جو یہ سمجھتے تھے کہ اس مریض سلطنت کو جب چاہیں گے چٹکی میں مسل دینگے عبدالحمید کا لوہا مان گئے اور جان گئے کہ ترکی سلطنت مونھ کا نوالہ نہیں ہی۔

واقعات شاہد ہیں کہ عبدالحمید کے ہات میں ملک کی باگ ایسی حالت میں آئی کہ یہ بیمار و مریض سلطنت جاں کنی تک کا مرحلہ طے کرچکی تھی اور کوئی دم جاتا تھا کہ روح جسد خاکی سے پرواز کرے ۱۸۷۶ء کا نازک زمانہ تھا روس کی فوجیں فتح کے نعرے لگاتی ہوئی قسطنطنیہ تک آپہنچی تھیں اور شہر پناہ پر ڈیرے ڈالدیئے تھے ایسی سراسیمگی اور ناامیدی کی حالت میں جب ہوا خواہان سلطنت کو ہر طرف سے مایوسی دکھائی دی اور یقین کامل ہوگیا کہ یہ سرزمین جس کو مسلمانوں نے اپنے خون سے سینچ کر

لالہ زار بنا یا یہ درو دیوار جہاں تقریباً تیرہ سو برس سے اسلامی جھنڈا لہرا رہا ہے۔ یہ عالیشان مسجدیں جو آجتک اُن متوالوں کی عظمت و عقیدت کا پتہ دے رہی ہیں جنھوں نے ملک و قوم کی محبت میں اپنی جانیں قربان کردیں اور جن میں کلمۂ توحید والوں کی صدائیں گونج کر غیر مذہب والوں کے بھی دل ہلا دیتی ہیں۔ یہ پرانے قبرستان اور ٹوٹے ہوئے کھنڈر جن کے آغوش میں برادران اسلام میٹھی نیند سو رہے ہیں! یہ اسلام کی پرانی نشانیاں آج مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن کر روسیوں کے قبضے میں پہنچیں اُس وقت اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ فدائیان ملک و مذہب حیران و پریشان نوجوان شہزادے عبدالحمید کے حضور میں اپنی فریادیں لیکر پہنچے اور عرض کیا کہ تاج شاہی سر پر رکھیئے اور اسلام کی اس ڈوبتی ہوئی کشتی کو جو چاروں طرف سے طوفان میں گھر گئی کسی طرح کنارے پر پہنچائیے دور اندیش سلطان نے کامیابی مفقود دیکھکر جواب دیا۔ برادران اسلام مسلمانوں کی سلطنت کا خاتمہ میرے نام پر نہ کرو غنیم نے فتح کا ڈنکا بجا دیا وفادار و نمک حلال کام آگئے میں اس تاج کو لیکر کیا کر سکتا ہوں!

یہ واقعہ بین ثبوت ہے اس بات کا کہ نوجوان سلطان کو سلطنت کے لینے کا کوئی ارمان نہ تھا مگر ایک جم غفیر کا اصرار اور سب سے بڑھ کر والدۂ محترمہ کا حکم تھا جسنے مجبور کیا اور سلطان عبدالحمید اس نازک اور نفسا نفسی کے عالم میں تخت پر رونق افروز ہوئے۔

کون کہہ سکتا تھا کہ وہ مریض جس کو دنیا بھر کے حکما جواب دے چکے اور جو اپنی زندگی کے کچھ سانس پورے کر رہا تھا۔ ایک عبدالحمید کے ہات لگ جانے سے ایسا چاق وچوبند ہوجائیگا کہ بڑے بڑے شجاع اس کی دلیری کے قائل ہوجائینگے۔

کس کو انکار ہو سکتا ہی کہ معزول سلطان نے سلطنت کو ترقی دینے میں نہ صرف راتوں کی پیاری نیندیں حرام کیں بلکہ فاقے کیے چین کھویا آرام گنوایا، اور اپنی جان پر طرح طرح کی تکلیف و مصیبت اُٹھا کر سلطنت کو اس قابل بنایا کہ جو مریض و بیمار کے نام سے تعبیر کرتے تھے وہ بھی اس کی طاقت کو تسلیم کرنے لگے۔

ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور تھا کہ یہ قبر کا مردہ سلطنت عبدالحمید کے زیر علاج رہ کر اس قابل ہو جائے کہ دلاوران یونان کے چھکے چھڑا دے بڑے بڑے مُدبّر بڑے بڑے دُور اندیش اپنی سلطنتوں کو یہ نصیحت کریں کہ جب تک عبدالحمید اس تخت پر ہی ٹرکی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھنا۔

نوجوان ترک جنھوں نے آج ایسے محسن سے دغا کی ہی اچھی طرح جانتے تھے کہ جس وقت ملک کا بچہ بچہ خواب غفلت میں ہوتا تھا بڑے بڑے جلیل القدر وزرا و اُمرا سے لیکر فقیر و محتاج تک پڑے سوتے تھے اُس وقت عبدالحمید کا دماغ سلطنت کی پیچیدہ گتھیاں سُلجھایا کرتا تھا! آہ! وہ عبدالحمید جس نے مسلمانوں کے واسطے راتیں آنکھوں میں کاٹیں وہ عبدالحمید جس نے رعیت کی فلاح و بہبودی کے واسطے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا اس سزا کا مستوجب نہ تھا کہ بڑھاپے میں ایسی ذلت بھگتے! تخت چھنے دولت ضبط ہو اور جلا وطن کیا جاسے۔

کلیجہ کٹتا ہی جس وقت سلطانی مصیبتوں کا خیال آتا ہی۔ یہ بڑھاپے کی عمر اور ایسے ایسے ظلم بچے چھوٹے بیگمیں جدا ہوئیں عزیز و اقارب کہیں کے کہیں پہنچے اور وہ شخص جس کے ایک اشارے میں لاکھوں بلکہ کروڑوں بندگان خدا کی جان تھی ٹُبروں تُوں سالونیکا بھیجدیا گیا۔

عبدالحمید خاں کی آخری حالت سُنکر بے اختیار سچا دل خون کے آنسو روتا ہے اور دنیا کی ناپائداری کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہی۔ جس وقت یہ فیصلہ ہو گیا ہے کہ آج ترکی شہنشاہ سے تخت و سلطنت چھین کر اُس کو بے تاج کر دو اس وقت جا بجائے ترکی میں سے کسی کی ہمت نہ پڑی کہ یہ وحشت ناک خبر گوش سلطانی تک پہنچا تا بہ مشکل تمام چار شخص منتخب کیے گئے جو یہ اطلاع دیدیں کہ اے وہ سلطان جس نے اپنا چین اپنا سُکھ اپنی راحت اپنا آرام سب رعیت پر قربان کیا۔ آج تیری رعیت تیری عنایت تیری محبت تیری قدرت تیری عظمت سب پر خاک ڈالتی ہی۔ تیرے احسان اور تیری شفقتیں سب بُھلا کر تیرا تاج چھین تی ہی اور تجکو قیدی بناتی ہی۔ ان چار بزرگوں میں سے ایک شخص کراسو آفندی کا بیان ہی۔ جس وقت ہم چاروں کوشک یلدیز یعنی محل سُلطانی پر پہنچے میرا دل رعب سلطانی سے لرز رہا تھا سب سے پہلے ہم اُس کمرے میں پہنچے جہاں سکرٹری عرض و معروض کرتے تھے۔ یہ وہ مقام ہی جہاں ہر وقت تلواریں چمکتی تھیں اور فوجی گارد دست بستہ موجود رہتا تھا مگر اس وقت یہاں ہُو کا میدان تھا اور ایک سناٹا چھایا ہوا تھا یہ کیفیت دیکھکر میرا دل بھر آیا مگر حکم کی تعمیل کرنی تھی ہم آگے بڑھے چاروں طرف سُنسان تھا جس جگہ ہر وقت سنگینوں کے پہرے اور چمکدار وردیاں نظر آتی تھیں وہاں ایک ویرانی برس رہی تھی اور وہی کوشک یلدیز جس نے سلطان عبدالحمید خاں شہنشاہ ترکی موجود تھا اُس کے دُور دُور تک کسی کی سانس لینے کی بھی آواز نہ تھی۔ بالآخر ہم اس عظیم الشان محل میں پہنچے جہاں سوا بیگمات کے پرندہ بھی پر نہ مار سکتا تھا۔ اس ہال کا اسباب نقرئی و طلائی کرسیاں زمردی محرابیں جواہرات سے مغرق فرش فروش اپنے

جلیل القدر سلطان کی سلطنت کا سکہ دلوں پر بٹھا رہا تھا مگر یہ دیکھکر ہماری آنکھوں سے بے اختیار آنسو گر پڑے کہ وہ سرزمین جس کی یہ کچھ قدر و منزلت تھی آج اُس پر حسرت برس رہی ہے انواع و اقسام کی بے نظیر اشیا خاک میں اٹ رہی تھیں اور کوئی اتنا نہ تھا کہ یہ گرد جھاڑے گو یہ سین دیکھکر ہماری حالت غیر ہو گئی مگر ہم نے دلکو سنبھالا اور مجبوراً معدود محل سلطانی کے زنانہ حصے کی طرف چلے خوش قسمتی سے ہمیں یہاں دو وفادار عورتیں ملیں جو اپنے آقا کی حفاظت جان پر مستعد حق نمک ادا کر رہی تھیں ہم کو دیکھکر ان بیچاری عورتوں کو اپنے اُس مالک کی محبت نے جسکا نمک ان کی رگ رگ میں بھرا ہوا تھا سراسیمہ کر دیا اور اُن کے چہروں پر ہوائیاں اُڑنے لگیں سلطان کا نشان دینے سے انکار کیا مگر جب ہم نے اُن کو یہ یقین دلا دیا کہ سلطان کی جان محفوظ ہے تو یہ اندر گئیں اور تھوڑی دیر بعد تشریف آوری کی خبر لائیں۔

جس شخص کی باریابی کی اُمید میں بڑے بڑے وزرا اور سلطنت کے سفیر گھنٹوں بیٹھنا اپنا فخر سمجھتے تھے آج اُسکا انتظار ایک ایک لمحہ ہم کو ایک ایک سال تھا تقریباً آدہ گھنٹے کے بعد سلطان تشریف فرما کر شاہی کرسی پر رونق افروز ہوے۔ ہم چاروں ایک ایک کر کے اندر داخل ہوئے ادب سے سلام کیا اور چپکے کھڑے ہو گئے۔ ہماری آنکھیں رعب و ادب سے نیچی تھیں اور ہم فلک کج رفتار کی اس نیرنگی اور زمانے کے انقلاب پر غور کر رہے تھے آخر ہمیں ادائگی فرض کا خیال آیا اور آنکھ اُٹھائی تو دیکھا کہ وہ حسرتناک تصویر ہمارے سامنے ہی ہات کانپ رہے تھے بدن لرز رہا تھا اور وہی سلطان جو رعیت کی دُھن میں آج بڈھا ہو کر ہماری آنکھوں کے سامنے بیٹھا تھا رعیت کا فیصلہ سُننے کا منتظر تھا۔ اسد پاشا آگے بڑہے اور یہ الفاظ کہے۔

حضور پُرنور! ہم اس غرض سے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کو اطلاع دیدیں کہ قوم آپ کو شرعی فتوے کے موجب تخت سے علیحدہ کرتی ہے۔

اللہ اللہ کیسا جگرخراش سانحہ اور کتنا درد انگیز وقت ہے! تیری شان تجھی کو سزاوار! وہ شخص جس کی عمر کا بیشتر حصہ اس طرح بسر ہوا کہ اُس کے آنکھ اُٹھانے کی دیر تھی، اُس کے ادنےٰ اشارے پر قسطنطنیہ اور نہ صرف قسطنطنیہ بلکہ تمام ترکی اور نہ صرف ترکی بلکہ آس پاس کی سلطنتوں تک میں تہلکہ مچ جاتا تھا۔ وہ شخص جس کی ہوں نے سلطنت یونان کے پرخچے اُڑا دیے آج ہو اُس کے کانوں تک یہ الفاظ پہنچ رہے ہیں کہ اس کرسی پر یہ نشست آخری نشست ہے اور اے عبدالحمید شہنشاہی کا خاتمہ ہوا اب قیدیوں کی زندگی بسر کر۔ ان الفاظ نے سلطان کے جسم میں ایک ہلکی سی تھرتھری پیدا کر دی مگر اس ہمت و مردانگی کو شاباش غصے یا ناخوشی کا ایک لفظ زبان سے نہ نکلا۔ کچھ دیر سکوت کرنے کے بعد فرمایا۔

"اور میری جان"

جواب میں یہ سنکر کہ قوم نے آپ کی جان کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ کچھ دیر تامل کر کے دریافت کیا۔

"میرے بال بچوں کے متعلق"

فوجی حکام جو ہمارے ساتھ تھے اُس وقت آگے بڑھے اور سلطان نے اُن کی طرف دیکھکر کہا۔

کیا یہ فوجی اصحاب قسم کھاتے ہیں کہ میری جان سے تعرض نہ کرینگے۔

جب ہم نے حفاظت جان کا یقین دلا دیا تو وہ خاموش ہوئے۔

اس دردناک واقعہ کے اختتام پر جو آخری الفاظ بڈھے سلطان کی زبان سے نکلے ہیں انکو سنکر سخت سے سخت دلپر بھی چوٹ لگتی ہی! اس خموشی کے بعد دفعتہ کچھ خیال آیا اور ایک حسرت آمیز نظر سے سلطان نے ان چاروں کو دیکھکر کہا۔

دو روز ہوگئے کوئی نوکر میرے پاس آکر پھٹکا تک نہیں میرے کھانے پینے کی بھی کسی نے خبر نہیں لی اب میری یہ حالت ہوگئی کہ حرم میں پڑا رہتا ہوں! میں مجبور ہوں مشیت ایزدی یہی تھی! حاکم حقیقی اسکا فیصلہ کریگا اور اُن لوگوں سے سمجھیگا جنھوں نے یہ مصیبت ڈالی ایک آخری درخواست کرتا ہوں قبول کرلو یہاں سے نکالتے ہو تو محل چراغاں میں بھیجدو یہ میری پیدائش کی جگہ ہی جس سرزمین پر پیدا ہوا وہیں خاتمہ ہو جائے!

افسوس صد افسوس بدنصیب سلطان کی یہ آخری درخواست بھی رعیت نے منظور نہ کی اور سلطان نے بہ خوشی وخرمی اپنے تئیں فوج کے سپرد کردیا۔

مئی کا پہلا اور دوسرا ہفتہ تھا جب بیگمات شاہی دور دراز مقامات پر بھیجی گئی ہیں اوران کی سواریاں شہر سے گزری ہیں عجیب دردانگیز سما تھا چاروں طرف سے لوگ اس عبرتناک موقع کو دیکھنے آرہے تھے اور خون کے آنسو رو رہے تھے جبھی سلطان عبدالحمید پر آکر پڑی خدا ایسی مصیبت دشمن پر بھی نہ ڈالے اور گو عبدالحمید ہمارا بادشاہ کبھی نہ تھا خلیفۃ المسلمین تھا اب وہ بھی نہ رہا اور چند روز میں موت اس کی تمام تکالیف کا خاتمہ کردیگی مگر اے عبدالحمید معزول عبدالحمید جب تک دنیا اور دنیا میں تاریخ قائم ہی تیرا نام مرنے والا نہیں۔"

بلقیس

عصمت کی پہلی سالگرہ

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ عصمت نے آج ایک سال کی عمر پوری کرکے دوسرے سال میں قدم رکھا گو اس ناچیز رسالے کی خدمات اس قابل نہ تھیں مگر میں اپنی اُن تمام بہنوں کا "سچے دل سے" شکریہ ادا کرتی ہوں جنھوں نے اسکو وقعت کی نظر سے دیکھا اور اس کے مضامین کو پسند فرماکر میری اور اس کی دونوں کی عزت بڑھائی۔ مجھے یہ دیکھکر بہت خوشی ہوئی کہ اجراء رسالے کے وقت میرا خیال غلط نہ تھا اور خواتین کو ایک ایسے رسالے کی اشد ضرورت تھی۔

یہ بُری بھلی خدمت جس قدر عصمت سے ہوسکی اس نے انجام دی۔ اگر خدا کو منظور ہے تو میرا قصد ہے کہ سال آیندہ میں مذہب کے متعلق ایک مفید سلسلہ مضامین شروع کروں مجھے اس کا افسوس ضرور ہے کہ باوجود ان تمام کوششوں کے جو میرے امکان میں تھیں عصمت کو مفید اور ہر دلعزیز بنانے میں مینے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا لیکن پھر بھی اشاعت محدود رہی۔ تین روپیہ سال یعنی چار آنے ماہوار اس کی قیمت اتنی کم ہے کہ اس حیثیت ظاہری و باطنی کا پرچہ اس سے کم قیمت پر میسر آنا بہت مشکل ہے منجملہ اُن تمام ضرورتوں کے جو جیتی جان کیساتھ لگی ہوئی ہیں بہت سی چھوٹی چھوٹی ضرورتیں ایسی ہونگی جن میں بہنیں ہنسی خوشی چار آنے ماہوار صرف کرتی ہیں جو کبھی بھولکر بھی ناگوار نہ معلوم ہوتی ہونگی۔ عصمت کے مطالعہ کی گو بادی النظر میں ایسی ضرورت نہ معلوم ہو کہ اُسپر چار آنے مہینہ صرف کیا جائے مگر ذرا غور کرنے کی بات ہے جس طرح

شفیق اور پیاری ماں اپنے بچے کو لوری دیکر اور سر سہلا کر اُس کے ننھے سے دل و آنکھوں پر اثر ڈالتی ہے۔ اسی طرح عصمت مضامین کی دلچسپی اور مفید معلومات کے علاوہ چپکے چپکے کنواری لڑکیوں کے دماغ میں وہ خیالات پیدا کرتا ہے جو اُس جہیز میں جو وہ سُسرال سے لیکر جائیں گی ایک ایسا قابل قدر اضافہ ہے جو عمر کے باقی حصے میں نہ صرف معزز اور قابل بنانے کا باعث ہوگا بلکہ ایک ایسی لازوال دولت اور گراں بہا خزانہ ہوگا جو ہر مشکل میں مددگار اور ہر تکلیف میں غمخوار رہے گا۔ اب رہیں بیاہی ہوئی لڑکیاں اُن کو چار آنے مہینے میں سہیلی تو سہیلی شاید ایسی ماما بھی میسر نہ آئے جو دل بہلانے کو مفید اور نتیجہ خیز کہانیاں سُنائے۔ خانہ داری کے اُصول بتائے سینے پرونے کے طریقے سکھائے اور سب سے بڑھ کر مذہب کی طرف متوجہ کرائے میرے خیال میں ایسی چیز جو دین و دنیا دونوں کے واسطے مفید ہو ان داموں مہنگی نہیں مالی منفعت کی توقع نہ عصمت کے اجرا پر تھی نہ آج ہی البتہ اتنا خیال ضرور ہے کہ عصمت اپنا صرف وصول کرے۔ مختصر یہ کہ میرا کام اس پودے کا لگا دینا تھا آب یہ بہنوں کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ اس کی بہار دیکھیں۔ جن بہنوں نے میری مشکلات کا اندازہ کیا۔ ہمدردی کے خطوط بھیجے مضامین میں میرا ہاتھ بٹایا میں اُن کی مشکور ہوں۔ اگر بہنیں میری اس وقت پر توجہ کریں جو مجکو اس سال پیش آئی تو یہ سب مشکلیں رفع ہوجائیں۔ اس رسالے کے ساتھ دو کارڈ آپ کی خدمت میں اسی غرض سے بھیجے جاتے ہیں۔ میں ختم میں اپنی تمام بہنوں کو عصمت کی سالگرہ پر مبارکباد دیتی ہوں اور دعا کرتی ہوں کہ اس شیرخوار کو آپ کے سایۂ عاطفت میں چھولنا پھلنا نصیب ہو۔

جائنٹ ایڈیٹر

قوم پارسی

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

چونکہ گزشتہ زمانے میں ہندوؤں کے ساتھ پارسیوں کا خاص طور سے تعلق رہا اس لیے بہت سی رسوم و عادات اُن لوگوں کی ایسی ہی ہیں جیسے ہندوؤں کی اور آج تک برابر چلی آتی ہیں۔ چنانچہ ایرانیوں میں یہ رواج بالکل نہیں تھے۔ چھوٹے بچوں کا بیاہ کرنا۔ گلال اور گؤمتر کا استعمال گیہوں یا چاول کے آٹے سے زمین پر نقش کرنا۔ پارسیوں نے یہ کُل باتیں ہندوؤں سے سیکھی ہیں۔ گجرات میں بستے بستے انھوں نے وہاں کی زبان وہاں کا لباس اور وہاں کا رواج اختیار کر لیا۔ یہاں تک کہ طریق خور و نوش میں بھی وہ اہل ملک کے بہت مشابہ بن گئے۔ کیوں نہ ہوتا۔ دن رات کا اُٹھنا بیٹھنا۔ میل جول کب تک اثر سے خالی رہتے۔ اور مجبوری بھی تھی۔ اس وقت انھیں کہیں امن سے زندگی بسر کرنے کی اس قدر ضرورت تھی کہ بیچاروں کو ہندوستان کے مغربی ساحل کی آؤ بھگت غنیمت معلوم ہوئی اور انھوں نے کوشش کی کہ ملک کے طریق اختیار کر کے ملک والوں میں مل جائیں۔ ویسے قدرتی طور پر پارسیوں میں یہ خاصہ بھی ہے کہ وہ دوسری قوموں کی عادات و اطوار آسانی سے سیکھ لیں۔ اسی لیے انگریزی حکومت کے آتے ہی انھوں نے انگریزی نمونے کے گھر تعمیر کرنے اور انھیں جدید سامان و آرائش سے آراستہ کرنا شروع کر دیا۔ اسی طرح گھر کے انتظام میں بہت سی تبدیلیاں کرلیں۔ پہلے عورتیں علیحدہ کھانا کھاتی تھیں اور مرد علیحدہ اور

سب فرش پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور اب بھی غریب طبقے کے پارسیوں میں یہی رواج ہی۔ اور گجرات کے بعض حصّوں میں خوشحال لوگ بھی اسی پرانے طریقے کے پابند ہیں مگر عموماً خوشحال طبقے میں میز و کرسی اور انگریزی طریقے کا کھانا مروّج ہی اب بھی شادی بیاہ کے موقعہ پر اکثر پرانے رواج پھر زندہ ہو جاتے ہیں۔ جہاں برادری کے دو تین سو آدمیوں کی دعوت ہو تو وہی کیلے کے پتّوں پر کھانا چنا جاتا ہی مہمان جوق جوق کر کے کھانے پر بٹھلائے جاتے ہیں ایک منڈلی کھا کر اٹھ جاتی ہی تو دوسری آتی ہی اُن کے لئے دوبارہ کیلے کے پتے بجائے دسترخوان کے بچھا دیئے جاتے ہیں سب سے اخیر میں میزبانوں کی باری آتی ہی اور وہ اور اُن کے بے تکلف دوست مل کر کھاتے ہیں۔

پارسیوں کی بعض رسوم دلچسپ ہیں۔ مثلاً اگر کسی عورت کو اولاد کی امید ہوئی ہی تو بچّے کی پیدایش سے چند روز پیشتر ایک رسم ادا کرتے ہیں جسے "اگرنی" کہتے ہیں۔ اس روز مکان کے صحن میں آٹے اور چونے سے سفید نقش کرتے ہیں اس کے درمیان ایک چورنگ رکھتے ہیں جس پر اس بیوی کو کھڑا کیا جاتا ہی جو ماں بننے والی ہی پیشانی پر "کنکو" لگایا جاتا ہی۔ گود میں پھول، ناریل، میوے وغیرہ رکھتے ہیں جس کے یہ معنی کہ نصیبہ میوے کی طرح پھلا پھولا رہے اسی طرح گود میں لیے ہوئے ساس بہو کو نئی پوشاک پہنا کر میکے روانہ کرتی ہی۔ دہی، مچھلی، انڈے، پھول پان، سپاری اِن سب تحفوں کے ہمراہ چند احباب و خویش بھی بہو کے ساتھ جاتے ہیں۔ کھانے کے خوانچے طیار کر کے دوست و اقارب کو بھیجے جاتے ہیں۔

میکے والے بھی یہ کل چیزیں۔ بلکہ کسیقدر افزائش کر کے سُسرال میں بھیجتے ہیں۔

جب لڑکی ماں کے ہاں پہونچتی ہی تو دروازے پر بطور صدقہ انڈے اور ناریل دہلیز پر توڑتے ہیں اس کے بعد ماں سسرال کی پوشاک اُتار کر اپنی طرف سے نیا لباس پہناتی ہی اور فوراً اُس کمرے میں لیجاتی ہی جہاں زچہ خانے کا انتظام کیا جاتا ہی ادھر پہنچکر لڑکی کے ہاتھ میں شمع اور پانی دیتے ہیں وہ ان دونوں چیزوں کو اپنے ہاتوں میں لیے ہوئے کمرے میں سات مرتبہ طواف کرتی ہی اور پانی سے چھڑکاؤ جس کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ خدا اولاد کو تاریکی سے دُور رکھے اور روشنی کا ہمیشہ چھڑکاؤ کرتا رہے۔

بچہ پیدا ہونے کے بعد چالیس دن تک ماں کمرے سے باہر نہیں جاتی ہی اور نہ کسی چیز کو ان دنوں میں چھوتی ہی۔ بچے کی پیدایش کی گھڑی بہت ہی غور سے دیکھتے ہیں۔ ایک جوتشی مقرر ہوتا ہی جو گھڑی دیکھ کے جنم پتری تیار کرتا ہی۔ نام بھی وہی مقرر کرتا ہی۔

ایک اور رسم جو پارسیوں میں لڑکے یا لڑکی کے بچپن میں ہوتی ہی اسے "کستی" اور "صدرا" کی رسم کہتے ہیں۔ یعنی وہ وقت جبکہ بچہ "جھبلے" کی پوشاک اُتار کے "کستی" اور صدرا کے قابل ہوتا ہی کستی ایک قسم کا زنار ہی جو بہتر تاگوں سے بنتا ہی۔ صدرا ململ کے کرتے کو کہتے ہیں۔ "جھبلا" ایک ریشمی کرتا ہوتا ہی جو ہمیشہ بچوں کو پہناتے ہیں چھ برس اور تین مہینے کی عمر سے پہلے یہ رسم کبھی نہیں کرتے۔ اس روز ماں باپ بہت بڑی ضیافت کرتے ہیں۔ خویش و اقارب احباب سب مدعو ہوتے ہیں۔ لڑکے یا لڑکی کو ایک کمرے میں بٹھاتے ہیں جہاں ایک دستور اتنی دیر تک دعائیں پڑھتا ہی اور کسی چیز کو تین بار ہلاتا ہی اور انار کے درخت کے پتے کھلاتا ہی۔ اس کے بعد حمام کراتے ہیں۔ اور ایک صاف

پائجامہ اور ٹوپی پہناتے ہیں اور جسم پر ایک سفید چادر اڑھاتے ہیں۔ باہر کل مہمانوں کی مجلس جمی ہوئی ہوتی ہے۔ درمیان میں قالین بچھائی جاتی ہے جس پر دس بارہ دستور بیٹھ جاتے ہیں۔ اگربتی بخور۔ صندل ان سب چیزوں کو جلایا کرتے ہیں۔ پھر اس لڑکے یا لڑکی کو اُسی طرح چادر اوڑھے ہوئے باہر لاتے ہیں اور بڑے دستور کے مقابل میں لاکے بٹھا دیتے ہیں۔ جو دعائیں پڑھتا جاتا ہے۔ اور چادر ہٹا کے صدرا اور کستی پہنا دیتا ہے۔ چاول پھول بادام اس کے سر پر سے نچھاور کرتے ہیں اور دعائیں پڑھ کر یہ رسم کوئی ایک گھنٹے میں ختم ہوتی ہے سب دستور کو روپئے دیتے ہیں۔ اگر صاحب وسعت ہیں تو پانچ پانچ ورنہ دو دو سب کو بڑا کھانا ہوتا ہے۔

پارسیوں میں شادی اکثر بڑی عمر میں ہوتی ہے۔ لڑکپن میں شادی کرنیکا رواج تقریباً مفقود ہوتا چلا ہے بلکہ اگر کسی لڑکی کی نہیں ہوئی تو معیوب نہیں سمجھا جاتا ہے ایں پیغام لڑکیوں کی طرف سے ہوتا ہے جیسے ہندوؤں میں۔

شادی رات کو ہوتی ہے۔ شام کو سب لوگ مدعو ہوتے ہیں اور شب گشت سے پہلے۔ ساس مع ایک نئی پوشاک اور انگشتری کے داماد کے گھر تحفے پیش کرنے کے لیے چند دوستوں کے ساتھ جاتی ہے اور یہ دیکر داماد کو دیکر جلد واپس چلی آتی ہے۔

اب دولہا مع دستور اور کل مہمانوں کے باجا گاجا لیکر دُلہن کے گھر آتا ہے جہاں سب قرینے کے ساتھ بیٹھ جاتے ہیں۔ درمیان میں ایک چبوترہ بنایا جاتا ہے جس پر قالین خوب سجتے ہیں۔ اطراف میں چوکیوں کی صف پر ایک طرف عورتیں دوسری طرف مرد بیٹھتے ہیں۔ دُولہا دلہن کو چبوترے پر لاکے ایک دوسرے کے سامنے بٹھا دیتے ہیں درمیان میں دونوں کے پردہ پکڑتے ہیں۔ دستور نکاح پڑھتا ہے۔ پردہ ہٹایا جاتا ہے۔ دولہا

دلہن ایک دوسرے پر چاول پھینکتے ہیں۔ اور ایک لمبی رسی سات بار اُن کی چوکیوں کے چوگرد دستور پھراتے ہیں پھر گرہ باندھتے ہیں جس کے یہ معنی کہ محبت کی گرہ میں تابہ زندگی پکڑ لیا۔ اس کے بعد معمولی سوال وجواب دستور دولہا دلہن سے کرتا ہے اور دعاؤں کے ساتھ نکاح خوانی ختم ہوتی ہے۔ اس کے بعد شادی کے سارٹیفکیٹ پر دولہا دلہن اور شاہدوں کے دستخط لیے جاتے ہیں۔ شب کو مہمانوں کا کھانا ہوتا ہے اور بارہ بجے یا ایک بجے تک جلسہ ختم ہوجاتا ہے۔

شادی بیاہ کی رسمیں تو خیر اور قوموں میں بھی اس سے ملتی جلتی ہیں۔ مگر شاید مرگ کی رسوم پارسیوں کے ہاں تمام دنیا سے نرالی ہیں اور خاص کر مردے کو بلندی پر کہیں ہوا میں چھوڑ آنا کہ گِدھ اور چیلوں کی غذا بنے۔ ایک ایسی رسم ہے جو بالکل اس قوم سے مخصوص ہے۔ اس رسم کی تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔ ممکن ہوا تو اس پر ایک علیحدہ مضمون لکھوں گی

باقی آئندہ
(عطیہ فیضی)

حولاء عطّار مدینہ کی ایک مشہور عورت ایک دفعہ بانیٔ اسلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ میں اُن تمام ممکن کوششوں کو جو میرے اختیار میں تھیں اپنے خاوند کی رضامندی حاصل کرنے میں صرف کر چکی مگر بے سود اب آپ کیا فرماتے ہیں؟ حولاء کو جو جواب ملا اُس کا مطلب یہ ہے۔ تو نے جو کچھ کیا بہت اچھا کیا اپنی طرف سے ادائیگی فرض میں کمی نہ کر اگر تیرا خاوند تیرے حقوق کی طرف راغب نہ ہو تو تیرے حقوق کا مطالبہ اُس ذات پر ہے جو تجھ سے اور تیرے خاوند سے دونوں سے زبردست ہے۔

سیر یورپ

(از ہر ہائی نس بیگم صاحبہ جزیرہ جنجیرہ)

جمعہ ۵ جون ۱۹۰۶ء۔ آرام کرکے ۵½ بجے کپڑے پہنکر تیار ہو گئی حضور نے بھی فاخرہ لباس زیب تن کیا اور آرڈر کے تمغے لگائے اور چونکہ مار لبرا ہاؤس یعنی پرنس آف ویلز کا محل صرف ۵ منٹ کے فاصلے پر تھا اس لیے ٹھیک ۶ میں ۵ منٹ کم پر ہم روانہ ہوئے اور ۶ بجے محل پر حاضر ہو گئے۔ ملازم کھڑے تھے ایک معزز عہدہ دار آئے جنھوں نے گاڑی سے ہمیں اُتارا۔ زینہ پر چڑھتے ہوئے ایک لیڈی صاحبہ پیشوائی کو آئیں جن کے دیکھنے سے مجھے ایسا معلوم ہوا کہ کونٹس شافٹسبری ہیں جنھیں ہندوستان میں دیکھا تھا۔ انھوں نے ہمیں لیجا کر بڑے ہال میں بٹھایا۔ سر کرزن وائلی بھی موجود تھے۔ اتنے میں سر آڈورڈ کیرنگٹن آئے۔ جو شاید مصاحبوں میں ہیں۔ اُن سے سر کرزن نے ملایا۔ دو ہی تین منٹ بعد ہمکو اشارہ ہوا اور ہم اُٹھے۔ مقابل کے بڑے دروازے کھُل گئے اور ایک دوسرے نہایت وسیع کمرے میں ہم داخل ہوئے جہاں پرنس اور پرنسز کھڑے تھے بہت ہی اچھے طریقے سے ملے اور لیجا کر کمرے کے اس سرے پر بٹھایا جہاں بڑے بڑے سرخ رنگ کے کوچ کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اس کے بعد باتوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ولیعہد بیگم کہنے لگیں کہ مجھے بخوبی یاد ہے کہ تم کو ہندوستان میں دیکھا تھا مگر یہ ہرگز یاد نہیں آتا کہ کہاں دیکھا تھا۔ تمھارے چہرے کو میں خوب پہچانتی ہوں۔ میں نے کہا بمبئی کے گورنمنٹ ہوس کی دعوت میں میں ترجمان تھی تو فوراً کہا "بیشک اب مجھے خوب یاد آگیا۔ آپ نے ازراہِ عنایت

میری ترجمانی کی تھی"۔ اس روز شاہی بال اور کورٹ میں بھی تم کو دیکھا تھا۔ تم کو یہ سب پسند آیا؟ میںنے کہا عجیب نظارہ تھا۔ لباس اور جواہرات کی چمک دمک نے آنکھیں خیرہ کر دیں۔ اور آج کل کا فیشن نہایت خوبصورت ہی خصوصاً سنہری روپہلی کو سب درباری موقعوں کے لیے قابل معلوم ہوتا ہی۔ تو کہا ہاں آپ سونا بہت برتتے ہیں لیکن ہمارا سونا تمہارے سونے کے برابر کبھی اچھا نہیں ہوتا ہی۔ بلکہ سیاہ پڑجاتا ہی۔ ہم نے کہا کہ ہمارا سونا بھی اگر گرم کپڑوں کے نزدیک کھا جاتا ہی تو بہت خراب ہوجاتا ہی۔ اسلیے ہم کبھی گرم کپڑوں کے نزدیک رکھتے ہی نہیں۔ صرف ململ کے پارچے کے اندر رکھے کرتے ہیں۔ پھر میرے لباس کو بغور دیکھا اور اس کی دستکاری کی بڑی تعریف کی اور پوچھا کہ کیا یہ سب ہات کا کام ہی؟ میں نے کہا کہ ہاں۔ میری خانہ زاد لڑکیوں کے ہاتوں کا بنا ہوا ہی اور ان لوگوں کو نہایت دیدہ ریزی سے ہم نے سب ہنر سکھایا ہی۔ برسوں کی تعلیم کے بعد یہ نتیجہ حضور کے پیش نظر ہی۔ گو کہ یہ دستکاری فی الواقع یوروپین ہی مگر ہم نے اپنے مذاق کے مطابق اس میں رنگ آمیزی کی ہی۔ شاہزادی صاحبہ نے نہایت شوق سے سب باتیں سنیں اور دستکاری کو بغور دیکھا۔ آج کل جو نمائش لندن میں ہو رہی ہی اس کے متعلق فرمایا کہ میں گئی تھی اور مجھے بہت مزا آیا۔ ضرور تم بھی دیکھنا اور فرنسیسی جواہرات پر خاص غور کرنا۔ اسی طرح فرنسیسی لباسوں پر بھرت وغیرہ فی الواقع اچھا کیا ہوا ہی۔ تم کو نہایت لطف آئیگا۔ اس کے سوا شاہزادی صاحبہ نے فرمایا کہ تصویروں کی ایسی کثرت ہی کہ کبھی کسی نمائش میں اتنی جمع نہ ہوئی ہوں گی۔ بالضرور دیکھو نہایت دلچسپ ہیں ولیعہد اتنی دیر حضور سے ہندوستان کی حالت کے متعلق بحث کرتے رہے اور کئی باتیں دریافت کیں۔ بعد میں فرمایا کہ اگر تھوڑوں کو سخت سزا دیجاے تو شاید یہ بغاوت

موقوف ہو۔ حضور نے کہا کہ آپ کتنوں کو ماریں گے؟

مینے پرنسس سے بچوں کی بابت پوچھا تو فرمایا کہ اِدھر اُدھر کھیلتے پھرتے ہیں۔ اور کپڑوں کی بابت ایسے بے پرواہ بنے ہیں کہ بس۔ نہایت خوش مزاجی میں تھیں۔ تانگوں کی بابت بھی بہت سی باتیں کیں یعنی یہ کہ کونسا اچھا ہی اور کسے دیکھنا چاہیئے۔ پھر کہا کہ پردے کے باہر تم ابھی ہی نکلی ہو تو کیا تم کو عجیب معلوم ہوا؟ مینے معمولی جواب دیا کہ بہت دشوار معلوم ہوا مگر اب عادی ہو رہی ہوں۔ تو فرمایا کہ اب مجھ سے اتنا کہو کہ ہندوستان جاکر کیا تم پھر پردہ کرو گی؟ میں نے کہا کہ شاید اُتنے پردے میں تو نہیں جاؤنگی کیونکہ اس طرح پھرنے کے بعد وہ بھی ذرا مشکل معلوم ہوگا۔ لیکن اتنی بات ہی کہ بالکل ترک کر دینا بھی مناسب نہیں ہی کیونکہ اس قسم کی باتیں ہندوستان میں ابھی رائج نہیں پردہ چھوڑنے والیوں پر وہاں سخت طعن ہوتا ہی۔ تو کس لیے انسان نشانہ بنے۔ پھر انھوں نے پوچھا۔ تمکو یہ آزادی کتنی بھلی معلوم ہوئی ہوگی۔ میں نے جواب دیا کچھ بہت نہیں۔ کیونکہ ہم اپنے متعلقین سے ملتے رہتے ہیں اور ایک طریقہ مناسب کے ساتھ سیر و تفریح سب کچھ کر سکتے ہیں اس لیے ہم لوگ ویسے سخت پردے میں نہیں ہیں جیسے ہندوستان کے بعض اور حصوں کی عورتوں میں مروج ہی۔ اس لیے مجھے اس تغیر کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ انھوں نے فرمایا ٹھیک بیشک۔ یہ دونوں جس زمانے میں ہندوستان تشریف لائے تھے اسکا بہت ذکر کیا اور یہ بھی کہا کہ مختلف شہروں میں پردہ پارٹیاں اور جلسے ہوئے مگر بمبئی کا جلسہ بایدوشاید۔ اسے خاص طور پر تعریف سے یاد فرمایا اور کہا کہ وہ عجائب یادگار یعنی تمام بیگمات کی دستخط شدہ کتاب میرے پاس موجود ہی جو معزز بیگمات نے اس نامی جلسہ میں پیش کی تھی۔ بیس پچیس منٹ ملاقات رہی بعد وداع ہو کر واپس آئے

انتظام کیا اور رات کے کھانے پر مسٹر اور مسز ٹاٹا کی دعوت کی تھی کہ جن کی عزت میں اور بھی مہمان مدعو کیے گئے تھے انکا اہتمام کرایا اور بعد میں ہندیوں کا جلسہ تھا اس کا بھی انتظام کیا۔ عطیہ بہن نے نہایت خوش اسلوبی سے بندوبست کیا۔ ایک مسلمان باورچی کو ڈھونڈ نکالا کہ جو ہندی پکوان بخوبی اور خوش ذائقہ پکا سکتا تھا۔ اسے کئی چیزوں کا حکم دیا اور سب ملا کر نتیجہ بہت ہی خاطر خواہ ہوا۔ مہمان خوش اور میزبان مطمئن ہوئے۔ خدمتگار نے میز کو خوبصورتی سے سجایا تھا پھولوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے بجلی کے چراغ نہایت خوشنما دکھائی دیتے تھے۔ ہندی کھانا بڑی تعریف اور پسندیدگی سے سب نے کھایا۔ پکا بھی فی الواقع لذیذ تھا۔ آم کی چٹنی بہت پسند کی تھی مسز ٹاٹا نے بڑے بڑے الماسوں کا ہار پہنا تھا انکاسٹ کوئی تیس چالیس ہزار سے زیادہ ہوگا۔ بہت ہی بھلا معلوم ہوتا تھا کھانے کے بعد کوئی دس پندرہ مہمان اور تشریف لائے وایولین گانی وغیرہ کا خوب دورہ رہا لیلا رائی نے نہایت عمدگی سے وایولین بجائی مرزا محمد رفیع اور جلال شاہ نے پورے فارسی لہجہ سے دیوان حافظ سے غزلیں پڑھیں۔ بہت ہی لطف رہا۔

شنبہ ۶ جون سنہ ۱۹۰۶ء - ہملوگ آج جوہریوں کی دکانوں کی سیر کے لیے گئے تھے باہر سے ہی کس قدر اچھا نظر آتا ہے۔ اتنی ہنرمندی اور نزاکت سے سجاتے ہیں کہ آدمی ہے ایک اوپل (قسم جواہر) بہت ہی کمیاب رنگت کا دیکھا۔ سبز سیاہ اور آسمانی کی آمیزش نہایت مرغوب اور نادر۔ ان دکانوں کا دستور ہے کہ باہر سے خاصی طرح دیکھ لو اگر کوئی پسندیدہ طبع چیز ہوئی تو اندر چلکر خرید لو ورنہ خیر۔ اس میں بہت آرام ہے۔ یہی دن لارڈ مارلے سے ملاقات کا مقرر تھا اور ہم سر کرزن وائلی کو ہمراہ لیکر لارڈ مارلے کے ہاں گئے۔"

(باقی آئندہ)

بیماری اور تیمارداری

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

لیاقت النسا بیگم۔ سجاد حسین کی شادی اب کر دیجئے۔ زیادہ دیر لگانا اچھا نہیں ہے کہانتک اپنی لڑکی کو لیے بیٹھی رہوں۔ اگر نہیں کرتے ہیں تو صاف جواب دیجئے میں کہیں اور کردوں

کاظم حسین صاحب۔ وہ تو بیماری کے سبب یہاں آیا ہے اُسے پھر انگلینڈ جانا ہے ورنہ اس کی کی کرائی محنت سب برباد ہو گی۔

لیاقت النسا بیگم۔ پڑھ کر کیا کرے گا۔ جو کچھ آپ کے پاس ہے سب اُس کا ہے۔ اللہ رکھے دو مکان ہیں۔ کئی باغ ہیں۔ روپیہ بھی نقد ہے۔ پھر پڑھنے کی کیا ضرورت ہے میرے پاس جو کچھ مکان باغ ہے وہ بھی اُسی کے لیے ہے۔ شادی ہو جائے تو میں بھی دیکھ لوں۔ نواسے نواسیاں کھلاؤں۔ کیا ہمیشہ رہنے تھوڑے ہی آئی ہوں۔ میری ایک اکلوتی بیٹی ہے۔ آپ کا بھی ایک ہی بیٹا ہے۔ آپ کو پوتے کھلانے کی آرزو نہیں؟

کاظم حسین صاحب۔ پوتے کھلانے کی آرزو کیوں نہیں ہے۔ مگر پہلے پوتوں کے باپ کو روٹی کمانا بھی تو سکھا لوں۔

لیاقت النسا بیگم۔ خدانخواستہ اُن کو روٹی کی کیا کمی ہے۔ جو کمانا سیکھیں گے شادی کرکے انگلینڈ چلے جائیں میں بھی تو اپنی آرزوئیں نکال لوں۔

کاظم حسین صاحب۔ بہت اچھا میں اُن سے کہوں گا۔

لیاقت النسا بیگم۔ اُن سے کہنے سُننے کی کیا ضرورت ہے جو آپ چاہیں گے

کرینگے ان باتوں میں اُن کا دخل کیا ہی۔
کاظم حسین صاحب۔ وہ اگلا زمانہ گیا اب آج کل کے لڑکے ہر ایک چیز میں دخل دیتے ہیں اُن سے پوچھنا ضرور ہی۔ اگر وقت پر وہ انکار کرے تو میرا لگا لگایا سب برباد ہوگا۔ یہ وعدہ کرکے کاظم حسین صاحب بی سالی کے یہاں سے گھر آئے اس وقت سجاد حسین گھر میں نہ تھا۔ وہ علی نقی خاں کے یہاں باڈمن ٹن کھیلنے گیا ہوا تھا۔ کاظم حسین اس شام کو کہیں نہ گئے۔ گھر میں بیٹے کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ اُس دن رات کو سجاد حسین وہیں کھانے پر ٹھہر گئے تھے۔ اس لیے ان کے آنے میں دیر ہوئی کاظم حسین نے دس بجے تک بیٹے کا انتظار کیا پھر اپنے سونے کے کمرے میں جاکر آرام کیا۔ دل میں کہا اچھی بات ہی صبح کو زیادہ وقت ملیگا۔ اچھی طرح سے اس کو سمجھا لوں گا۔ سجاد حسین گیارہ بجے گھر آیا۔ اور چپکے سے اپنے کمرے میں جاکر کپڑے اُتارکر ایک میز کے خانے کو کنجی سے کھولکر۔ انوری کی تصویر نکال کر بہت دیر تک اُسکو دیکھتا رہا۔ پھر آنکھوں سے لگا کر ٹھنڈا سانس بھر کر اپنے تکیے کے نیچے رکھدی۔ اور ایک گلاب جو اُس کو بیماری کے زمانے میں انوری نے دیا تھا اُسے بہت احتیاط سے اپنی کتاب میں رکھا تھا نکال کر پھر سونگھا اور اپنے دل میں کہنے لگا۔ کاش کہ وہ نازک ہات جس نے یہ پھول توڑا میرا ہو جاے۔ اس نے پھول کو اپنے پاس میز پر رکھدیا۔ اور پلنگ پر لیٹ رہا۔ اس شام کو جو کچھ انوری نے اُس سے کہا تھا۔ اور اُس کا چہرہ کیا معلوم ہوتا تھا۔ سب کا خیال کرتا ہوا گھنٹوں پلنگ پر پڑا رہا۔ آخر نیند آگئی تو خواب میں کیا دیکھتا ہی کہ ایک میدان میں ایک سفید عربی گھوڑے پر سوار جنگل بیابان میں گھوڑا دوڑاتا چلا جاتا ہی جاتے جاتے اس کو ایک ہرن جس کے گلے میں سونے کی زنجیر پڑی ہوئی تھی۔ اور

پاؤں میں سونے کے گھنگرو بندھے ہوئے تھے نظر آیا۔ اس نے ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈالا جیسے یہ ذرا ہرن کے نزدیک آتا تھا۔ وہ اور زور سے بھاگنا شروع کر دیتا تھا یہاں تک کہ ایک بڑے درخت کے پاس آن کر وہ غائب ہو گیا۔ یہ درخت پر چڑھ گیا۔ اُس درخت کے ہر ایک پتے پر انوری کا نام لکھا تھا۔ اور طوطے بہت سے اُس درخت پر بیٹھے انوری کی تعریفیں کر رہے تھے۔ یہ اس درخت پر سے اُڑا اُڑتے اُڑتے ایک مکان کی چھت پر پہنچا وہاں اس کے پَر و رسب غائب ہو گئے یہ دیوار پر سے کودا تو لیاقت النسا بیگم کے مکان میں گرا۔ لیاقت النسا بیگم اور اُن کی بیٹی قدرت السبحان بانو سے اسنے پانی مانگا اُنھوں نے پانی نہیں دیا اور اس کو خوب کوسا اور مار کر گھر سے نکال دیا۔ یہ کف دست میدان میں پھرنے لگا۔ پیاس سے زبان باہر نکل آئی تھی۔ مگر کسی طرف پانی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ رہ رہ کر ایک گرم ہوا اُٹھتی تھی۔ اس ہوا میں چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کاغذ کے اُڑ رہے تھے اُس نے ایک ٹکڑے کو اُٹھا کر دیکھا تو اُس میں لکھا ہوا تھا۔ نیک طبیعت انوری۔ کسی پر لکھا تھا۔ اے فرشتہ خصلت نیک سیرت انوری۔ کسی پر سجاد کیطرف سے بطور یادگار۔ اس میں ایک زور سے ہوا کا جھوکا آیا۔ اس کو اُڑا کر ایک بڑے عالیشان محل کے کوٹھے پر چھوڑ دیا۔ جہاں کمخواب کا فرش بچھا ہوا تھا۔ خوب روشنی ہو رہی تھی۔ اور بہت سی عورتیں گانے بجانے میں مشغول تھیں۔ قدرت السبحان بانو اسکا ہات پکڑ کر ایک تخت جواہر نگار کی طرف لے گئی۔ جہاں انوری سر پہ ہیرے کا تاج رکھے اور موتیوں سے لدی ہوئی سُرخ جوڑا پہنے بیٹھی تھی۔ اس کو دیکھکر کھڑی ہو گئی۔ اور کہنے لگی میں کتنی دیر سے قدرت السبحان بانو سے کہہ رہی تھی کہ سجاد کو بلا لاؤ وہ پیاسا ہے۔ مگر اب تم ملے لو اس کو پی لو یہ کہکر ایک جام جو اُس کے بائیں

ہات میں تھا۔ اس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ جام اس کے مونہ میں لگا تھا کہ وہ مکان وغیرہ سب غائب ہو گیا۔ اور پھر وہی لق دق میدان سامنے رہ گیا۔ یہاں پر سجاد کی آنکھ کھل گئی۔ گھڑی نکال کر دیکھی صبح کے ۵ بجے تھے۔ اُٹھ کر مونہ ہات دہویا نماز پڑہ کر پھرنے گیا۔ انوری کے مکان کے چاروں طرف پھر کر گھر آیا۔ کاظم حسین صاحب کو باغ میں ٹہلتا پایا۔ سجاد حسین کو دیکھکر کاظم حسین صاحب نے اشارے سے بلایا۔ سجاد نے مؤدب سلام کیا۔

کاظم حسین صاحب جیتے رہو بیٹا۔ رات سے تمھاری تلاش میں تھا تم کہاں گئے تھے دس بجے تک میں نے تمھارا انتظار کیا۔

سجاد حسین۔ جناب میں بڑے چچا کے یہاں گیا تھا۔

کاظم حسین صاحب۔ تمھاری خالا جان لیاقت النسا بیگم چاہتی ہیں تم شادی کر لو پھر انگلینڈ جانے کا قصد کرو۔

سجاد حسین کا چہرہ زرد ہو گیا۔ کوئی جواب اس کے مونہ سے نہ نکلا۔

(کاظم حسین صاحب گھبرا کے) کیوں بیٹا خیر تو ہی کیا کہیں درد ہوتا ہی۔

سجاد حسین۔ جی ہاں رات کو بہت دیر تک سویا نہیں اس لیے سر میں درد ہوتا ہی اور صبح سے کچھ ناشتہ بھی نہیں کیا ہی۔

کاظم حسین صاحب۔ کلو۔ کلو۔ کلو حاضر ہوا۔

کاظم حسین صاحب۔ جلد چاے بنا کر یہاں لا اور کچھ کھانے کو لا اور دو کرسیاں لے آ۔ کلو کرسیاں رکھ کر چاے بنا لایا۔ دونوں باپ بیٹے ملکر چاے پینے لگے اور پھر وہی گفتگو چھڑی۔

کاظم حسین صاحب۔ کل انھوں نے مجھے خاص یہی کہنے کے لیے بلا بھیجا تھا
ان کو بہت جلدی ہے اگرچہ لڑکی ابھی چودہ برس کی ہے۔ مگر تم جانتے ہو یہاں کی عورتیں
کس قدر شادی میں جلدی کرتی ہیں اور لیاقت النسا بیگم ایسی ہیں جن کو کوئی سمجھا نہیں
سکتا میرے نزدیک بھی مناسب ہے کہ تم شادی کر کے جاؤ

سجاد حسین (کچھ دیر تامل کر کے) میں شادی کر کے کیونکر جا سکتا ہوں۔ اول تو
یہ کہ شادی کرنے میں شاید وہ دو مہینے لگا دینگی۔ اور دوسرے میرا مصمم ارادہ ہے کہ جبتک
نوکر نہ ہوں ہرگز شادی نہ کروں۔ اور ابھی تو لڑکی بھی بالکل بچہ ہے شادی کی کیا جلدی
پڑی ہے۔ ولایت سے آنکر دیکھا جائیگا۔

کاظم حسین صاحب کچھ سوچ کر چپ ہو رہے اور خیال کیا کہ بھابی جان (اپنی نفیس
کی بی بی) سے کہوں گا وہ راضی کر لیں گی۔ عورتوں کو خوب سمجھانا بہلانا آتا ہے۔
حیدری بیگم بھابی بھی مدد دینگی۔ ان دونوں کے سمجھانے سے یقین ہے سمجھ جائیگا۔
دوسرے دن کاظم حسین صاحب کے کہنے سے حیدری بیگم جمیلہ بیگم کے یہاں گئیں

حیدری بیگم۔ (جمیلہ بیگم سے) آپ سمجھتی ہیں سجاد راضی ہو جائیگا۔

جمیلہ بیگم۔ میں تو نہیں سمجھتی۔ پر شاید ہو جائے

حیدری بیگم۔ کل میں لیاقت النسا بیگم کے پاس گئی تھی۔ شادی کا ذکر چھیڑا
کہنے لگیں میں تو سب سامان کر رہی ہوں۔ اگر سجاد نہ کریں گے تو میں دوسری جگہ کر دنگی
کہاں تک کوئی جوان لڑکی کو بٹھائے رکھے۔ یہی دن شادی بیاہ کے ہیں۔ اب نہ ہوگی تو
کیا بڑھاپے میں شادی ہوگی۔ تم لوگ کیسی چچیاں ہو کہ بھتیجے کو راضی نہیں کرتیں۔ میں نے
کہا۔ بھلا وہ لڑکا ذات مجھ بیچاری کی کب سنتا ہے۔ اس زمانے کی لڑکیاں تو بڑوں کو کچھ

بھتی ہی نہیں۔ ابھی آپ ہی کی لڑکی قدرت کسی چھوکری کو مار رہی تھی۔ جب آپ نے منع کیا تھا تو ہرگز نہ مانا۔ اور جیاد راڈہ کر پلنگ پر مونھ لپیٹ کر پڑ رہیں۔ نہ کھانا کھایا نہ پانی پیا۔ میں سمجھتی ہوں۔ ضرور کہیں اور انھوں نے زرا کا سہارا لکھ ہی چھی۔ ویسی بعد مچا رہی ہیں۔ آپ نے سجاد کو بلایا

جمیلہ بیگم۔ ابھی بلائے بھیجتی ہوں۔ ماما حشمت جا بہ سی خدمت گار سے کہہ کہ منجھلے سرکار کے یہاں جا کر سجاد میاں کو بلا لائے۔

یہ بات رفتہ رفتہ سب کو معلوم ہوئی۔ کہ سجاد میں کو بیچی ہے شادی کے واسطے راضی کرنے کو بلایا ہے۔ احمدی اور کاظمی بہت خوش تھیں کہ دونوں خوب ہی خوشی رہیگی اور اچھے اچھے کپڑے پہن پہن کر ان کے یہاں جائینگے۔ ایک دوسرے کی طرف دیکھ دیکھ کر ہنستی اور مسکراتی پھرتی تھیں۔ انوری بیچاری بہت کوشش کرتی تھی کہ اس کے مونھ سے کوئی اوداسی یا رنج اور ناامیدی کے آثار نہ پائے جائیں مگر خود بخود اس کا دل بیٹھا جاتا تھا اور مونھ بالکل زرد ہو گیا تھا۔ یہ منا مانگتی تھی کہ کسی طرح بیمار پڑ جائے تو لوگ اس سے ہر وقت مزاج پوچھنا اور ماتھا دیکھنا چھوڑ دیں جب ثابت ہو جائے کہ بخار ہی یا کوئی بیماری ہے۔ اس بہانے سے پلنگ پر رات دن پڑی رہے کسی کی صورت دیکھے نہ دکھلائے نہ کوئی بات کان میں جائے۔ رات کو اکیلی ایک ایک بجے دو دو بجے تک باغ میں جا کر کسی کونے میں چھپکر بیٹھ رہتی اور آنکھوں سے آنسوؤں کی ندی بہ جاتی تھی۔ پھر بڑی مشکل سے آہستہ آہستہ چپکے سے اپنے پلنگ پر لیٹ رہتی تھی۔ تمام دن فکر اور اس قدر غم کھانے سے کسی قدر اس کو تھکاوٹ ہو جاتی اور آخر کو آنکھ لگ جاتی تھی۔ مگر صبح کے چار بجے سے پھر اُٹھکر باغ میں جا کر ایک کرسی پر بیٹھ رہتی تھی۔ (باقی دارد)

عورت کا مرتبہ اسلام میں

اب جبکہ چاروں طرف سے یہ صدائیں آ رہی ہیں کہ اسلام میں عورت کی عزت مطلق نہیں میں یہ دکھلانا چاہتی ہوں کہ اسلام نے ہمیں کیا کیا عزت بخشی ہے۔ اور یہ کہ ہم "اپنی عزت" اپنی مذہبی عزت سمجھکر کیوں نہ کریں۔ بجائے اسکے کہ ہم اپنی ساری خوبیاں دوسروں کی طرف نسبت کر دیں۔ مجھے یقین ہے کہ اس بحث میں بڑے بڑے قابل لوگوں نے اپنی قابلیت اچھی طرح دکھائی ہوگی جو انہیں کا حق ہے اس لیے میں یہاں پر صرف امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ پیش کر دینا کافی سمجھتی ہوں اور امید کرتی ہوں کہ اسلام کو ماننے والی بہنوں بھائیوں کے سامنے امام غزالی جیسے امام کا یہ زبردست فتویٰ ہمارے دعویٰ کا پکا ثبوت اور ربیتہ وثیقہ ہوگا۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ عورتوں کے ساتھ نہایت اچھے سلوک برتو۔ انکی کمزوریوں اور غلطیوں کو معاف کر دو۔ ان کی نیکیوں کی قدر کرو۔ دیکھو قرآن مجید میں یہ حکم خداوندی ہے کہ عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت برتو۔ یہ عورتیں وہی تو ہیں جو تم سے گہرے وعدے لے چکی ہیں۔ ایک انصاف پسند مسلمان کے لیے سب سے بڑی دلیل تو یہ ہے کہ سب سے آخری وصیت جو بانی اسلام نے فرمائی تھی وہ یہی تھی کہ نماز کبھی نہ چھوڑنا۔ اپنی لونڈی باندیوں کو تکلیف نہ پہنچانا **عورتوں کے حق میں اللہ سے ڈرنا۔ اللہ سے ڈرنا وہ تمھاری قید میں ہیں**" اللہ اللہ کہاں وہ زمانہ تھا کہ بانی اسلام علیہ السلام انتقال فرماتے فرماتے بھی ہم بے کسوں کو نہ بھولے اور ایسی تاکید سے وصیت فرما گئے۔ اور کہاں

یہ زمانہ ہوکہ آج انھیں پر ہماری بے حمایتی کا الزام رکھ جاتا۔ وا افسوس افسوس۔ یہاں پر امام صاحب کیا اچھا لکھنا رشاد فرماتے ہیں کہ عورتوں کیساتھ حسن خلق کے معروفی معنی نہیں ہیں کہ ان بیوی کو تکلیف نہ دیجاسے بلکہ یہ کہ انھیں آرام پہنچاؤ اور انکی نادرسائیوں کو معاف کردیا کرو۔ اُن کے بیجا اور بیجا غصوں کو خندہ پیشانی سے ٹال دو۔ ذرا رسول اکرم کے حالات پر نظر ڈالنا باوجود اس عظمت اور جلالت شان کے ازواج مطہرات برابری کا جواب دے بیٹھتی تھیں خفا ہوجایا کرتی تھیں۔ پورے چوبیس چوبیس گھنٹے تک بات چیت تک کرنا چھوڑ دیتی تھیں مگر کبھی آپ کبیدہ خاطر نہ ہوئے ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے رہے یہانتک کہ اپنی عملی نصیحت کی زبردست قوت سے ہر ایک کو اپنے خاص رنگ میں رنگ دیا۔ ایک دفعہ حضرت عمر کی بیوی نے حضرت عمر کو کچھ سخت جواب دیدیا تھا اور جب وہ ناراض ہوئے تو یہ کہا کہ آنحضرت کی ازواج مطہرات اس سے زیادہ سخت جواب دیا کرتی ہیں اور آپ تحمل فرماجاتے ہیں

ایک موقع پر حضرت عائشہ اور رسول اللہ میں کچھ ایسا اختلاف ہوگیا کہ حضرت ابوبکر فیصلہ کرنیکو ثالث مقرر کیے گئے جب حضرت نے یہ پوچھا کہ اپنا دعویٰ تم پیش کرتی ہو یا میں پیش کروں تو حضرت عائشہ کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا کہ آپ ہی فرمایئے مگر سچ سچ۔ اس جملے پر حضرت ابوبکر ایسے لال پیلے ہوئے کہ حضرت عائشہ نے بھاگ کر حضرت ہی سے پشت پناہی چاہی اور آنحضرت نے یہ فرمایا کہ ابوبکر! ہم لوگوں نے تم کو فیصلہ دینے کو بلایا ہے نہ کہ غصہ کرنے کو

ایکدفعہ کا ذکر ہے حضرت عائشہ غصے میں بول اٹھیں کہ آپ تو اپنے تئیں رسول اللہ کہتے ہیں۔ یہ بات بڑے غصے کی تھی مگر آپ نے تحمل سے سنکر ٹالدیا۔ حضرت انس آپ کے خادم فرماتے ہیں کہ حضرت سے بڑھ کر میں نے کسی کو عورتوں بچوں پر زیادہ مہربان نہیں دیکھا۔

اخلاق اور ہم بے بسوں کو حق مساوات بخشنے کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ حضرت ادبی بی عائشہ

ایک ساتھ بھاگنے لگے کہ دیکھیں آگے کون بڑھ جاتا ہے پہلی دفعہ حضرت عائشہ پہلے پہنچیں دوسری دفعہ آپ آگے بڑھ گئے اور فرمانے لگے کہ یہ اُس کا بدلہ ہے۔

ایک دفعہ مدینہ منورہ میں عاشورے کے دن کچھ حبشی تماشا کرتے ہوئے آ نکلے حضرت نے انھیں بلا بھیجا اور دروازے کی چوکھٹوں پر ہات رکھ کر کھڑے ہو گئے اور حضرت عائشہ آپ کے ہاتوں پر اپنی ٹھوڑی رکھ کر تماشہ دیکھتی رہیں اور جب تک آپ سیر نہ ہو گئیں حضرت نے ہات نہ ہٹایا حضرت نے تو صاف صاف لفظوں میں ارشاد فرمایا ہے کہ تم میں اچھا وہی ہے جو اپنی بیویوں کے لیے اچھا ہے۔ حضرت عمر اتنے دلیر اور سخت ہونے کے باوجود فرماتے ہیں کہ عورتوں میں بچوں کی طرح نرم دلی سے رہو اور مردوں میں مردانہ وار۔ حضرت نے تو یہاں تک وعید فرمادی ہے کہ جو اپنے اہل وعیال سے سخت دلی اور بدمزاجی کرتا ہے خدا اُس سے بغض رکھتا ہے۔

جو لوگ کہ اسلام پر یہ الزام رکھتے ہیں کہ اس میں عورتوں کی حمایت نہیں اور عورتوں کی عزت کا سہرا خواہ مخواہ دوسروں کے سر باندھے دیتے ہیں وہ اسلام کو غور سے مطالعہ کریں اور ٹھنڈے دل سے انصاف کریں اور جو لوگ اتباع شریعت کے دعوی کے باوجود ہم ناقصات العقل کی ذری ذری غلطیوں پر آگ ہو جاتے ہیں وہ بھی خدا و رسول کے احکام پر کان دھریں۔

میں اس مضمون کو اس فیصلے پر ختم کرتی ہوں جو اسلام نے صاف طور پر ان الفاظ میں کیا کہ عورتوں کی عزت وہی کرتے ہیں جو نیک ہیں اور اُن کی توہین وہ جو بُرے ہیں۔

(رشیدہ از پٹنہ)

ماَ اكرمَ النساءَ الاّ كريمٌ ولا اهانهن الاّ لئيمٌ

منتیں مرادیں

اب بکثرت یہ باتیں دیکھی جاتی ہیں کہ بیمار کسی کا بچہ یا عزیز بیمار پڑا اور کسی طرح کی مصیبت آئی تو مستورات میں طرح طرح کی منتیں اور مرادیں مانی جاتی ہیں۔ مشکل کشا کے روزے، خضر علیہ السلام کے بیڑے، مزاروں پر پھول چادر، محرم میں حسن رضی اللہ عنہ کے بہشتی، پیک بتیاں۔

کیا یہی منتیں ماننے کو بانی اسلام نے فرمایا ہے۔ اے میرے خدا توبہ! کیسا مذہب ہے کہ غیر خدا کی منتیں مانی جائیں۔ منتوں کی صورتیں پیارے نبی نے جس طرح بتایا ہے اُسی طرح بجا لاؤ۔ یعنی روزہ، نفل نماز، حج وغیرہ میں وہی مانا کرو۔ یہ ساری خرابیاں میری پیاری بہنوں میں صرف ان پڑھ اور عدم معلومات کے سبب ہیں۔ صرف یہی ایک خاص وجہ نہیں بلکہ عقائد کی خرابی کی اصل بنا اکثر شوہروں سے ہے وہ خود احکام شریعہ سے کوسوں دور بلکہ بالکل ہی نا واقف ہیں۔ اب تو یہ حال ہے کہ بیوی نے میاں سے کوئی ضروری مسئلہ پوچھا تو جواب ندارد اگر بڑی عنایت ہوئی تو کہدیا۔ اچھا کسی مولوی سے دریافت کرلوں تو کہونگا۔ وہ بھی جب بیوی کی ضد حد سے گزر جاتی ہے۔ ورنہ ادھر کی اُدھر کہکر ٹال دیا۔ بھلا مسلے وسلوں سے تمہیں کیا سروکار۔ نوکری کر لی جس کی بدولت آج پاؤں پھیلائے بیفکری سے کھایا کرتی ہو۔ لڑکپن میں ایک آدھ مُلّے سے مارے باندھے قرآن جو پڑھ لیا اب قسم لے لو جو کبھی بھول کر بھی قرآن دیکھا ہو۔ نہ تو خود ان باتوں کی پرواہ ہے نہ یہ گھر والیاں کیا کریں اور کیا نہ کریں بس انہیں تو اسی قدر بیوی سے سروکار ہے کہ وقت پر کھانا پکا پکایا مل جائے اور ضرورتوں کی چیزیں موجود رہیں۔ عقائد کیسے ہی گندے ہوں انہیں اس سے نہ غرض نہ مطلب!! عقائد کا خدا ہی نگہبان! "

(طاہرہ از کلکتہ)

شمرو کی بیگم

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

بیگم کی دوسری شادی اور فوج کی سرکشی | شمرو کی وفات کے بعد فوج نے چند مرتبہ سرکشی کی۔ اسکی وجہ یہ تھی کہ سب کی تنخواہ بقایا میں پڑی ہوئی تھی اور اعلیٰ عہدوں کیواسطے افسر آپس میں رشک وحسد کرتے تھے اور ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش میں رہتے تھے اور اپنے حصول مدعا کی غرض سے فوج کو بہکایا کرتے تھے۔ اس حالت میں بیگم کے صلاح کاروں نے اُسکو یہ صلاح دی کہ دوسری شادی کرکے شوہر کی مدد سے فوج کو قابو میں کرنا چاہیئے۔ بیگم نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور شادی کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہ واقعہ ۱۷۹۲ء کا ہی جارج ٹامس نے جو ۱۷۸۷ء سے بیگم کی ملازمت میں تھا اور اپنی وجاہت اور بہادری کی وجہ سے بیگم کے مزاج میں بہت دخیل ہوگیا تھا خواہش کی مگر بیگم نے اپنی فوج کے ایک دوسرے فرانسیسی افسر لی ویسو کو پسند کیا۔ جو عالی شان اور تعلیم یافتہ تھا۔ مگر اس وجہ سے ان دونوں افسروں میں عداوت ہوگئی اور سپاہیوں میں بھی ان کی وجہ سے دوگروہ ہوگئے۔ جارج ٹامس نے ملازمت سے استعفا دیدیا۔

۱۷۹۳ء میں بیگم کی شادی لی ویسو سے ہوگئی۔ اس شادی سے فوج کے افسر اور سپاہی بہت ناخوش ہوئے۔ مگر یہ ناخوشی صرف شادی کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ لی ویسو کی خوش قسمتی نے اس کے ہم عصر عہدہ داروں کی

۔۔ کی آگ کو بھڑکا دیا تھا۔ لیکن اصلیت کو چھپانے کی غرض سے وہ یہ کہکر اپنی ناخوشی کا اظہار کرتے تھے کہ اس شادی سے ہمارے مرحوم گزشتہ حکمران کی بےعزتی ہوئی۔ اور سردھنے کی جاگیر ایک غیر شخص کے ہات میں چلی گئی ہیں شادی کے بعد جارج ٹامس دھلی چلا گیا اور وہاں پنجکردتی کے مرہٹہ حاکم آپا کانڈے راؤ کی فوج میں نوکر ہوگیا اور بیگم کی اس فوج سے سازش کرلی جو بیگم کی طرف سے بادشاہ کی خدمت کے واسطے نواب مظفرالدولہ یعنی بیگم کے سوتیلے بیٹے ظفریاب خاں کے ماتحت دلی میں رہا کرتی تھی۔ دلی میں رہ کر جارج ٹامس نے بیگم کی فوج کے افسر ینگوس سے جو سردھنے میں رہتا تھا اور اُس کا دوست تھا خط کتابت شروع کی اور اس کے ذریعہ سے فوج کے اور افسروں کو بھی اپنے رقیب لی ویسو کی طرف سے متنفر کردیا۔ لی ویسو اگرچہ تعلیم یافتہ آدمی تھا۔ مگر کچھ سمجھدار اور ہوشیار نہیں تھا۔ بلکہ مغرور اور خودپسند تھا۔ فوج کے عہدہ داروں سے نفرت اور سپاہیوں سے بدسلوکی کرتا تھا۔ ان وجوہ سے فوج اور بھی اس سے برگشتہ ہوگئی۔ اور آپس میں یہ سازش کی کہ بیگم کو معزول کرکے ثمرو کے بیٹے ظفریاب خاں کو حاکم مقرر کرنا چاہیئے"

بیگم کو اور لی ویسو کو بھی یہ بات معلوم ہوگئی۔ اور اُن کو بہت ناگوار گزرا کیونکہ ایک تو جاگیر ہات سے جاتی تھی۔ دوسرے سوتیلے بیٹے کے قبضے میں اسوجہ سے انھوں نے بمصداق اس مثل کے۔ تو کو نہ مو کو لے چولھے میں جھوکو یہ تجویز کی کہ جاگیر مرہٹوں کے حوالے کردیں۔ اس اثنا میں لی ویسو نے سرہان

شور صاحب کو جو اُسی زمانے میں انگریزوں کی طرف سے گورنر جنرل تھا لکھا کہ چندر نگر تک جانے کے واسطے پروانۂ راہداری ملجائے۔ لیکن اس بارے میں منتو کوئی تجویز نہیں ہوئی تھی۔ اور تحریر کا جواب بھی نہیں آیا تھا کہ فوج کو کسی طرح اُس خط وکتابت کی خبر لگ گئی۔ اور اُس نے لیگوس کو اپنا سردار مقرر کر کے بیگم کے معزول کرنے کا اعلان کر دیا۔ اور ظفر یاب خاں کو دلّی سے بلا بھیجا۔

جب بیگم نے یہ حالت دیکھی تو سردھنہ میں ٹھہرنا مناسب سمجھا اور ایک روز رات کو اکتوبر ۱۷۹۵ء میں مع اپنے شوہر کے بھاگ نکلی۔ مگر ابھی صرف موضع کھروہ تک پہنچی تھی جو سردھنے اور میرٹھ کے رستہ میں سردھنے سے تین میل کے فاصلے پر ہے کہ اتنے میں پلٹن کے ایک دستے نے جو اُس کی تلاش میں تھا اُس کو آگھیرا۔ بیگم پالکی میں تھی اور لی ویسو گھوڑے پر۔ پریشانی اور کش مکش کی حالت میں ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے۔ طرفین سے فیر ہونے لگے اور کچھ آدمی زخمی بھی ہوے۔ بیگم نے یہ خیال کر کے کہ اُس کا شوہر مارا گیا اور خوف سے کہ مبادا باغی لوگ اس کی بے عزتی کریں خنجر نکال کر اپنے سینہ میں مار لیا۔ نوکر چاکر جو ساتھ تھے واویلا کرنے لگے۔ لی ویسو نے جو وہیں قریب ہی لڑ رہا تھا رونے کی آواز سُنکر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ بیگم نے خنجر مار کر خودکشی کر لی۔ ایک خدمتگار نے پالکی کا پردہ اُٹھا کر دکھا دیا۔ لی ویسو نے برقع خون آلودہ اور بیگم کو بیہوش دیکھ کر اپنے حلق میں گولی مار لی اور مر گیا بیگم نے جو سینے میں خنجر مارا تھا۔ اُس کی نوک ہڈی پر رُک کر ایک طرف پھسل گئی تھی۔ زخم کاری نہیں لگا تھا۔ مگر تکلیف اور صدمہ کی وجہ سے بیہوش

ہوئی تھی۔ باغیوں نے لی دیبو کی نعش کی بہت توہین اور تحقیر کی۔ بیگم کو پکڑ کے سردھنہ لے گئے۔ اور وہاں ایک توپ سے اسکو باندہ دیا۔ کئی روز تک اسی طرح بندھی رہی آخر کار فوج کے ایک افسر مسٹر سیلیر نے اس کو اس بندش سے رہا کروایا اور اسی کی کوشش سے بیگم کے زخم کو بھی آرام ہوگیا۔ اس اثنار میں ظفریاب خاں دلی سے آگیا اور فوج نے اپنا حاکم تسلیم کرلیا۔ قید کی حالت میں بیگم کو خط کتابت کرنے کا موقع مل گیا اور اُس نے مہاراجہ سندھیا اور دلی کے مرہٹے حاکم اور جارج ٹامس کو جو اُس حاکم کی ملازمت میں تھا اپنی مصیبت کا حال لکھکر امداد کی درخواست کی۔ اگرچہ بنیاد اس بغاوت کی جارج ٹامس ہی نے رکھی تھی۔ مگر بیگم کے رنج والم کی داستان سُنکر بہت قلق ہوا۔ باغیوں کو لکھ بھیجا کہ اگر تمھاری سختیوں سے بیگم مرگئی تو وزیر ساری فوج کو برخاست کردیگا اور جاگیر ضبط کردیگا۔ اس زمانے میں شاہ عالم شاہ شطرنج کی طرح مرہٹوں کے ہاتھ میں تھے اور سندھیا وزارت کے نام سے بادشاہت کر رہا تھا۔ ایسی ہی ایک دھمکی سندھیا کے اہلکاروں نے دی۔ علاوہ ازیں فوج خود ظفریاب سے کچھ خوش نہیں تھی کیونکہ وہ ایک کم عقل اور لاابالی سا آدمی تھا۔ ان وجوہ سے سیلر نے اور چند اور افسروں نے جو بغاوت میں شریک نہیں ہوئے تھے اپنے ہم عصر افسروں کو سمجھایا مگر بجائے اس کے کہ حالت کچھ بہتر ہوتی خود افسروں میں باہم ایک چھوٹی سی جنگ ہوئی۔ جب اس قصہ کی دلی میں خبر پہنچی تو حاکم دہلی نے جارج ٹامس کو سردھنے کی طرف روانہ کیا۔ جب وہ سردھنے کے قریب پہنچا تو اُس کے آنے کی خبر سُنکر فوج کے بہت سے آدمی اپنے آپ کو بیگم کا طرفدار ظاہر کرنے لگے۔ جارج ٹامس نے آتے ہی ظفریاب کو قید کرلیا اور بیگم کو پھر بحال کرکے فوج سے اس کی اطاعت کا حلف لیا۔ اور ایک اطاعت نامہ

لکھ کر اس پر تین یوروپین افسروں کے دستخط کرالے۔ اسوقت سندھیا کی طرف
سے ایک سردار موجود تھا۔ بیگم نے سندھیا کے نذرانے کیواسطے ڈیڑھ لاکھ روپیہ اس کو دیا
سلیر فوج کا حاکم اعلیٰ مقرر ہوا اور جارج ٹامس کی شادی بیگم کی ایک خواص خاص سے ہوگئی
اس بحالی کے بعد تا دم مرگ بیگم نے کوئی ایسا فعل نہیں کیا کہ جس سے اُس کی
زنانہ کمزوری کا اظہار یا حکومت کے خطرے میں پڑنے کا اندیشہ ہوتا۔ ہمیشہ اپنی رعایت
اور فوج کے انتظام میں خاص توجہ رکھی اور پھر کبھی اُس کی عزت و توقیر میں کمی بھی نہیں آئی

بیگم کا اعزاز | سنہ [illegible]ء میں بیگم سندھیا کے سلام کے واسطے آگرے گئی جو اسوقت
ہندوستان کا اصلی حکمراں تھا۔ سندھیا نے اس کی بہت قدر و عزت کی اور قابلیت
کی تعریف کی اور اُس کی تمام جاگیرات پر اُس کے حقوق و اختیارات کو مستقل کر دیا۔
اپنی مغربی سرحد کی حفاظت اور سکھوں کے حملوں کے روکنے کی خدمت اسکے سپرد کی۔

بیگم کا انگریزوں کی ماتحتی میں آنا | سنہ ۱۸۰۲ء میں جب انگریزوں نے مرہٹوں کے خلاف
اعلان جنگ کیا تو بیگم کی فوج بماتحتی سلیر سندھیا کی امداد کے واسطے دکن کو گئی۔ ہانسی
کے قریب انگریزی فوج سے انکا مقابلہ ہوا جو کرنل ویلز کی ماتحت تھی۔ یہ وہی کرنل تھا
جو ڈیوک آف ولنگٹن کے خطاب سے مشہور ہوا۔ اور انگلستان کی ایک مشہور جنگ میں
بڑا نام پایا

سندھیا کی ساری فوج میں صرف بیگم ہی کی ایک ایسی فوج تھی جو میدان جنگ میں
جمی رہی اور بڑی دلیری سے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا۔ ہر چند انگریزی فوج کے سوار دل
نے پے در پے حملے کیے مگر بیگم کی فوج پراگندہ نہیں ہوئی۔

سنہ ۱۸۰۳ء میں جب لارڈ لیک نے دلی کو فتح کیا اور مرہٹوں کے اقتدار کا خاتمہ ہوا

یگم کی فوج بھی واپس سردھنے چلی آئی۔ چونکہ اس وقت دھلی کے فرمانروا انگریز تھے
ر سردھنہ دہلی کا ماتحت تھا اس وجہ سے بیگم اور انگریزوں کے درمیان ایک عہدنامہ
ا جس کی رو سے بیگم تاحیات اپنی جاگیر کی مالک قرار پائی۔ اس وقت سے وہ
رکار انگریزی کی وفاداری میں ثابت قدم رہی اور اپنی دانائی اور تدبیر سے ایسے
شوب وقت میں جاگیر کو دشمنوں کی دستبرد سے محفوظ رکھا جب کہ زمانے کے انقلاب
ر بربادیوں کے طوفان نے اچھے اچھے زبردست تخت الٹ دیے تھے اور بڑی
ی ریاستوں کو تہ وبالا کر دیا تھا۔ ان ایام میں بیگم کی فوج صرف اپنی حدود کے اندر
ن وامان قائم رکھنے میں مصروف رہی باہر جانے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئی۔
رف ایک دفعہ ۱۸۲۵ء میں بھرت پور کی لڑائی کے وقت بیگم کی فوج کو سرکار انگریزی
نے طلب کیا تھا اور وہ خود فوج کے ہمراہ بھرت پور کو قلعے کے محاصرے اور فتح کرنے
ں لارڈ لیک کی ماتحتی میں برابر موجود رہی۔ سرکار انگریزی نے اس کی قیمتی امداد،
رہ خدمات، شجاعت اور نمک حلالی کا جو اس سے اس سخت جنگ میں ظاہر ہوئی تھی
ت شکریہ ادا کیا۔

بیگم کا طرز معاشرت بیگم نے حکومت کے ابتدائی زمانے میں اپنی فوج کے ساتھ بہت
فر کیے۔ مگر ہندوستانی رسم و رواج اور پردہ کی پابند رہی اپنے طرق بود وباش میں
ی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔ کل کاروبار ریاست خود انجام دیتی تھی۔ گاہے گاہے دربار
م بھی کرتی تھی مگر پردے میں بیٹھ کر ساتھ ہی اسکے اپنے شوہر کی جاری کی ہوئی رسوم
ھی جاری رکھا۔ یعنی اپنے خاص خاص یوروپین عہدہ داروں کو وقتاً فوقتاً اپنے ساتھ
ھانے میں شریک کرتی تھی۔ جب جوانی ختم ہوئی اور پیری نے پردہ کی زیادہ ضرورت باقی

رکھی تو اس نے بھی اُس سے ہات اُٹھایا۔ دھلی اور سردھنے میں اپنی کوٹھی پر بڑے بڑے انگریز افسروں کی اکثر دعوت کیا کرتی تھی۔ اور خود بھی اعلیٰ حکام انگریزی یعنی گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف وغیرہ کی دعوتیں قبول کرکے اُنمیں شریک ہوتی تھی۔

بیگم کے رفاہ عام کے کام | بیگم کو خیرات اور تعمیرات کا ازبس شوق تھا۔ چنانچہ بہت سے رفاہ عام کے کام کیے اور کئی عمارتیں خلق خدا کے فائدے کے واسطے بنوائیں۔ میرٹھ کی چھاونی میں جو دو بڑے پُل بیگم کے پل کے نام سے مشہور ہیں وہ اسی کے بنوائے ہوئے ہیں ایک گرجا انگریزی فوج کے واسطے میرٹھ کی چھاونی میں بنوایا جو اب تک بہت اچھی حالت میں ہے۔ رومن کیتھولک مذہب کے فوجی گورے اس میں نماز پڑھتے ہیں ایک گرجا سردھنے میں تعمیر کروایا جس کا مفصل ذکر آگے آئیگا۔ اس کے علاوہ بہت سا روپیہ نقد خیراتی کاموں کے واسطے دیا جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ سردھنے کے گرجا کی مرمت وغیرہ کے واسطے۔	ایک لاکھ
۲۔ سردھنے کے رومن کیتھولک عیسائیوں کی تعلیم کیواسطے۔	ایک لاکھ
۳۔ سردھنے کے محتاجوں کے واسطے۔	پچاس ہزار
۴۔ کلکتہ، بمبئی اور مدراس کے کیتھولک مشن کیواسطے۔	ایک لاکھ
۵۔ آگرہ کی مشن کے واسطے۔	تیس ہزار
۶۔ میرٹھ کے گرجا کے واسطے۔	تیس ہزار
۷۔ پوپ صاحب روم کو محتاجوں میں تقسیم کرنے کے واسطے۔	بارہ ہزار
۸۔ آرچ بشپ صاحب کنٹربری کو محتاجوں میں تقسیم کرنے کے واسطے۔	پچاس ہزار
۹۔ کلکتے کے محتاجوں کو تقسیم کرنیکے واسطے اور دیوانی کے قیدیوں کو رہا کرنیکے واسطے۔	پچاس ہزار

میزان چھ لاکھ بیالیس ہزار

ان تعمیرات اور نقد خیرات کے علاوہ بیگم نے اپنے واسطے ایک شاندار کوٹھی سردھنے میں اور اس سے کسیقدر چھوٹی کوٹھی دلی میں اور ایک کوٹھی میرٹھ میں بنوائی۔ دلی میں جو کوٹھی ہے وہ شمرو کی بیگم کے باغ کے نام سے مشہور ہے اور عرصے سے دلی لندن بینک کے تصرف میں ہے۔ یہ کوٹھی چاندنی چوک کے مشرقی اختتام پر قلعے کے قریب ہے اور چاندنی چوک کی سڑک پر سے بہت خوشنما معلوم ہوتی ہے۔

سردھنے والی کوٹھی کو ۱۸۹۳ء میں سرکار نے نیلام کر دیا اور آگرہ کے کیتھولک مشن نے پچیس ہزار روپے میں خرید لیا۔ کہتے ہیں کہ پچیس ہزار کا تو اس میں صرف سامان ہی ہوگا۔ اب اس کوٹھی میں دیسی رومن کیتھولک عیسائیوں کا یتیم خانہ ہے جس میں بہت سے یتیم پرورش پا رہے ہیں۔ بانی دارو۔ (حامدہ بیگم الجزیہ)

وقت جو گزرے بھلائی میں غنیمت سمجھو وقت ضائع نہ کرو وقت کو نعمت سمجھو
آج کا کام کرو آج، نہ کل پر رکھو کل قیامت ہے، اگر آج نہ فرصت سمجھو
اک ولادت کا ہے اک موت کا دن ہفتے میں پنجروزہ ہی ہے دنیا میں اقامت سمجھو
فکر و تشویش سے کیا فائدہ ہوگا، سوچو رنج کے بعد ملا کرتی ہے راحت سمجھو
کل کو کیا ہو نہیں معلوم، تو غفلت پھر کیوں آج نیکی کرو، اور کل کو قیامت سمجھو
نہ کرو ساتھ کسی کے بھی بدی تا امکاں یہ مصیبت ہے بڑی اس کو تم آفت سمجھو
شر و آفت ہے بشر کے لیے کبر و نخوت عدل و انصاف کو برہان شرافت سمجھو
ظلم و نخوت کے سبب ہوتی ہے ذلت آخر خاکساری کو مگر باعث عزت سمجھو

خلق کے ساتھ ملو خلق سے احسان کرو
یہ عبادت ہے ذہین اسکو عبادت سمجھو

سید غلام مصطفیٰ ذہین

ایک صدمہ جانکاہ

نہایت ہی رنج و افسوس ہے کہ ہماری عزیز مس ایوا دتّا نے ۲۰ اپریل ۱۹۱۵ء بروز اتوار بعارضۂ ہیضہ بعمر قریباً ۲۹ سال عین جوانی میں انتقال کیا گھر کے دو دوسرے ڈاکٹر۔ ان کے بھائی ڈاکٹر دتّا اور خالہ مس کھیر دوبس صاحبہ کے علاوہ دیگر نامی یوروپین ڈاکٹروں نے ملکر ہر چند کوشش کی لیکن افسوس کوئی علاج کارگر نہ ہوا ایک اتوار کو ہیضہ کیا دوسرے اتوار کی صبح کو جان بحق تسلیم ہوئیں انا للہ و انا الیہ راجعون لاہور کے کرسچین قبرستان میں جہاں ان کے ماں باپ مدفون ہیں ۵ بجے شام کے دفن کی گئیں جنازے کے ساتھ بیشمار لوگ تھے۔ یوروپین دیسی عیسائی ہندو اور مسلمان چاروں قومیں موجود تھیں۔

جس اطمینان اور خوشی سے مرحومہ نے جان دی۔ اس سے سب کو تعجب ہے مرنے سے پہلے منگل کے دن سنبھالا لیا نام بنام تمام دوستوں اور عزیزوں کو سلام دیا کہا۔ اور ایسی گفتگو کی جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ موت سے مطلق نہیں ڈرتیں۔ بلکہ مرنے کے لیے خوشی سے طیاری کر رہی ہیں اور اپنی پیاری ماں سے ملنے کو جارہی ہیں۔ لیکن بدھ کے دن یہ منگل کا سارا واقعہ بھولی ہوئی تھیں۔ مگر پیر کے روز کی سب باتیں یاد تھیں۔ اتفاق اور تعجب کی بات ہے کہ بیمار ہونے سے چند روز پیشتر بالکل صحت کی حالت میں جب کہ کسی بیماری کا نشان و گمان بھی نہ تھا۔ انھوں نے اپنی ہمشیرہ کے ساتھ بھی اسی قسم کی گفتگو کی جس سے مترشح ہوتا تھا کہ وہ سمجھتی ہیں کہ انکی

زندگی کے دن تھوڑے ہیں۔

میت پر ایسا نور برستا تھا جو ہیضے کے مریض کے مونہ پر کم دیکھا گیا ہے بس یہی معلوم ہوتا تھا کہ پھولوں سے سجی ہوئی دلہن آرام و اطمینان سے میٹھی نیند سو رہی ہے۔

یہ جوان مرگ ہماری پیاری ہمدرد سہیلی مسز دتا مرحومہ کی چھوٹی بیٹی تھیں مسز دتا مرحومہ وہ نیکی کی مجسم لیڈی تھیں جو یوروپین اور دیسی دونوں قوموں کی خوبیوں کا مجموعہ تھیں اور دونوں قوموں کے رسم ورواج وخیالات سے پورے طور پر واقف تھیں۔ ان کا اثر بیبیوں پر ایسا تھا کہ پہلے پہل انہیں کی کوشش سے اور انہیں کے بھروسے پر سخت پردہ دار بیبیوں نے گورنمنٹ ہاؤس اور پنجاب ایسوسی ایشن کی پردہ پارٹیوں میں جانے کی جرأت کی تھی جس پارٹی میں مسز دتا مرحومہ اور مس بوس صاحبہ کا نام آتا بس بیبیوں کو اطمینان ہوجاتا کہ پردہ کا انتظام خاطر خواہ ہوگا۔ اور پھر وہ جانے میں مضائقہ نہ کرتیں۔

نوجوان مرحومہ نے بھی اپنی والدہ کی طرح لوگوں کے دلوں کو تسخیر کرلیا تھا اور اپنی والدہ کے قدم بقدم اور موروثی اوصاف سے متصف ہونے کے علاوہ ذاتی قابلیت بھی پورے طور پر رکھتی تھیں۔ تھوڑے ہی عرصے میں وکٹوریہ گرل سکول کے کام کو اس خوبی اور گہری دلچسپی سے سرانجام دیا کہ تمام سکول کی عمر رسیدہ استانیوں اور طالب علم لڑکیوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ ان کی خالہ مس بوس صاحبہ سپرنٹنڈنٹ سکول کو ان کی وجہ سے بہت کچھ بے فکری حاصل ہوگئی تھی۔ سب کا خیال تھا کہ مس بوس صاحبہ کے بڑھاپے کے وقت یہ اُن کی جگہ لینگی۔ کس کو معلوم تھا کہ یوں

داغ مفارقت دے جائیں گی۔ عزیزوں اور سہیلیوں کو مسز دتا مرحومہ کا غم ابھی بھولا نہ تھا کہ قریباً چار برس بعد اُسی مرض سے اور قریباً انہیں ایام میں یہ بھی اپنی والدہ سے جا ملیں اور عزیزوں کے پُرانے زخموں کو دوبارہ تازہ کر گئیں جو عمر بھر ان دونوں ماں بیٹیوں کو یاد کرکے رویا کرینگے۔

ہمیں مس بوس صاحبہ اور اُنکے تمام خاندان کے ساتھ دلی ہمدردی ہی خدا مرحومہ کو جنت نصیب کرے اور تمام پس ماندگان کو اس ناقابل برداشت صدمے کے برداشت کرنے کی طاقت بخشے۔

راقمہ دلی رنج کرنے والی
ایس۔ بی۔ محمد عمر۔ لاہور

بچوں کے رنج مسز پیٹرسن لکھتی ہیں کہ بچوں کی طبیعت میں ایک نہایت ہی خوش کرنیوالی اور ساتھ ہی اُس کے بیحد مؤثر اور درد آمیز بات یہ ہی کہ ان کو اپنے خیالات کے غلط ہونیکا کبھی وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ ایک چھوٹے سے بچے کو خفیف سا رنج بھی ایک سانحہ ہی اور ایسا سانحہ جسمیں امید کا پہلو ہی نہیں مگر درحقیقت وہ اپریل کے مہینے کا چھینٹا ہی کہ ابھی پانی برس رہا تھا اور ابھی دھوپ نکل آئی لمبے لمبے آنسوؤں کے بدلے پیارے پیارے ہونٹوں پر مسکراہٹ آجاتی ہی حالانکہ ابھی نازک رخسار آنسوؤں سے تر ہیں اور ننھے سے دل پر بیکسی کا اثر موجود ہی۔

بچے کھیلنے کے شوقین ہیں اور جو چیز ہمکو بعض دفع تکلیف دہ معلوم ہوتی ہی اُن میں اُسکے نقل کرنیکا مادہ موجود ہی مثلاً خیال یہ ہوتا ہی کہ وہ جھوٹ۔ تصنع۔ بہانہ بازی پسند کرتے ہیں اور ہم ان باتوں کو پسند نہیں کرتے مگر پھر بھی ہم سے انکا ارتکاب ہوتا ہی۔ بسا اوقات ہم مغموم ہوتے ہیں اور ظاہر یہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہم خوش ہیں یہانتک کہ بعض دفعہ محبت کے اظہار میں بھی دھوکا دیتے ہیں لیکن بچوں کے کھیل اور نقلیں نہ جھوٹ ہی نہ مکر۔ وہ اسکو بالکل واقعی سمجھتے ہیں۔

میں ایک ماں کو جانتی ہوں جو یہ چاہتی تھی کہ اسکا چھوٹا لڑکا جہاز رانی کے کام میں جائے اور اس لیے اُس نے بچپن ہی میں اسکو چھوٹے چھوٹے جہاز ملاحوں کے لڑکے اور ہر قسم کے کھلونے جہاز رانی کے متعلق دلوائے ابھی وہ پانچ ہی برس کا تھا کہ وہ اُسکو امیر البحر کہکر پکارنے لگی۔ ماں کی اس کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ جب وہ امیر البحر بن کر چلتا تھا تو اُسکی چال ڈھال وضع قطع میں باوجود بچپنے کی نشانیوں کے تصنع نہ معلوم ہوتا تھا۔ ایک دن اُس کے باپ کا کوئی دوست آیا اور لڑکے سے کہنے لگا جناب میں تو فقط کپتان ہوں مگر سُنتا ہوں کہ آپ امیر البحر ہیں لڑکے؟

زمین کی پانچویں حکایت

اے لڑکیو! میرے سامنے ذرا مؤدب ہو کر بیٹھو اور کان لگا کے ہوش دل سے سنو کہ میں اپنی پانچویں حکایت میں تم کو اپنا حال کیا سناتی ہوں۔ یقین ہو کہ اگر تم اس کو سمجھو گی تو خوشی کے مارے پھولی نہ سماؤ گی۔ معلوم نہیں کہ تم نے یہ حدیث شریف خیر الامور اوسطھا (سارے کاموں کی نیکی اوسط میں ہے) سنی ہو یا نہیں میں اس کی تفسیر سناتی ہوں۔ اس حدیث پر کل دنیا کا ایمان ہو کہ ساری دنیا کی نیکیاں اوسط ہی میں ہیں۔ اوسط کے معنی یہ ہیں کہ اس میں افراط ہو یعنی زیادتی نہ تفریط یعنی کمی۔ یہ حدیث جیسی کہ میری شان پر صادق آئی ہو ایسی کسی اور مخلوق پر نہیں۔ میں اس کی تفصیل تم کو سناتی ہوں کہ میں اپنے بہن بھائیوں میں نہ بہت بڑی ہوں نہ بہت چھوٹی۔ میرے اس کہنے پر تم ضرور مجھ سے کہو گی کہ آپ یہ تو مہربانی فرما کر بتلائیے کہ آپ کے چھوٹے بڑے بہن بھائی کون ہیں اور کہاں رہتے ہیں؟ ہم نے نہ کبھی ان کو دیکھا نہ سنا۔ میں تمہارے اس سوال کا جواب دونگی تو تم اور بھی متحیر ہو گی کہ یہ بھائی بہن چاند سورج ستارے ہیں جن کو تم رات دن آسمان پر دیکھتی ہو مگر تم کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ وہ میرے ماں جائے بہن بھائی ہیں۔ تم تو میرے اس کہنے کو جھوٹی شیخی کہو گی۔ کہاں چاند سورج ستارے جو بالکل نور میں مستغرق ہیں ان کا مقام علوی ہو کہاں میں بے نور تاریک سفلی۔ یہ تم نہیں جانتیں کہ یہ میری رشتہ مندی ایک ایسا معما ہو کہ میرے سمجھانے سے بھی تم نہیں سمجھو گی اور ایسی پہیلی ہو کہ ہزار لاتے پتے لگے

بتلاؤں تو بھی تم نہیں بوجھ سکو گی۔ میں کبھی تمھارے سامنے جھوٹی بات بھول کر بھی نہیں کہوں گی۔ جو کچھ میں کہوں اُسے سچ جانو۔ گو اُس کی وجہ تم اپنی کم علمی کے سبب سے نہ سمجھو۔ میں نہ آفتاب سے بہت دور رہوں نہ بہت نزدیک اگر بہت دُور و نزدیک ہوتی تو اُس کی حرارت اور روشنی سے ایسی مستفید نہ ہوتی جیسی کہ اب ہوتی رہوں۔

میں اپنے محور پر نہ تیز رواں نہ سُست رواں۔ آفتاب کے گرد پھرنے میں بھی میری حرکت کے سریع و بطی ہونے کا یہی حال ہے۔ میں کبھی ایسی دُوہری ہوتی ہوں کہ سردی سے اکڑنے لگوں نہ کبھی ایسی تاپ جاتی ہوں کہ جلنے لگوں۔ میں نہ سنگ خارا کی طرح سخت ہوں کہ کوئی بیج مجھ پر اُگ نہ سکے۔ نہ میں دلدل کی طرح بہت نرم ہوں کہ درخت مجھ پر کھڑے نہ ہو سکیں نہ تم مجھ پر چل پھر سکو۔ کیچڑ میں لتھڑ پتھر ہو کر دلدل میں پھنسی پڑی رہو نہ کوئی کام کر سکو نہ کوئی کاج۔ اب تم سمجھ گئی ہوگی کہ خدا تعالے نے یہ اوسطی خوبی مجھ کو عطا کی ہے جس کے سبب سے میں سارے کام نیک ہی نیک کرتی ہوں۔ بُرائی مجھ سے سرزد ہی نہیں ہو سکتی جیسی میری یہ خوبی ہے ایسی ہی تمھاری خوش نصیبی ہے۔

یہ سُنکر تم بہت خوش ہوگی کہ میں دلہن ہوں اور آسمان میرا دولھا ہے۔ جب میں اپنے دولھا کے نیک سلوک اپنے ساتھ بیان کروں گی تو تم بے اختیار یہ دعا مانگنے لگو گی کہ خدا تعالے ہم کو بھی ایسا دولھا نیک سلوک کرنیوالا ملائے۔ جب وہ اپنے سر پر آفتاب کی شعاعوں کا سہرا باندھتا ہے تو میرے رخ تاریک کو تاباں کرتا ہے اور چاند وستاروں کے درخشاں چہروں کو تاریک اس کی روشنی کے سامنے ان کی روشنی تاریک ہے۔ یوں میرا عیاں کرنا اور اُنکا نہاں کرنا ایک طلسم حیرت فزا ہے۔

پھر وہ اپنی حرارت سے بخار اُٹھاتا ہی جو ابر بنکر مجھ پر باراں برساتے ہیں۔ یوں یہ حرارت میرے لب تفتیدہ کو تر کرتی ہی اور مجھ پر سبزے کا فرش دیبا بچھاتی ہی۔ نباتات کو اُگاتی ہی۔ میرے خاک کے کنارے اسرارِ نہاں نمایاں کرتی ہی۔ درختوں کو نشو و نما دیتی ہے اسی کی روشنی سے پھول کھلتے ہیں۔ تم شاید یہ نہیں جانتیں کہ اندھیرے میں نہ کوئی پھول کھلتا ہی نہ پیدا ہوتا ہی۔ اسی لیے پھول کو روشنی کا بچہ کہتے ہیں۔ اب اس سے زیادہ تعجب تم کو معلوم ہوگا جس نے مجھے روضہ رضوان بنایا تھا۔ پھر وہ میرے سارے سرسبز باغ وچمن وگلزار وہری بھری کھیتی کو خشک کر دیتا ہی اور ان کے پھلوں کو پکا کے انسان وحیوان کی خوراک بناتا ہی جسکے سبب سے وہ جیتے ہیں۔ بس یوں ایک ہی چیز خشک و تر کرنے سے خدا تعالیٰ کی حکمت بالغہ وصنعت کاملہ کا جلوہ دکھاتی ہی۔

اس میرے دولھا سے زیادہ ہوش ربا میری اولاد کا حال ہی کہ اگر اُس کو تم ساری عمر سُنو تو بھی اُس کی ابجد ہی پڑہتی رہو کبھی ہوز پر نوبت نہ پہنچے مگر میں اپنی اولاد میں سے صرف انسان کا بیان کرتی ہوں جو میری ساری اولاد میں اشرف و افضل ہے جس کی پرورش کے لیے مجھے سب طرح کا سامان خدا تعالےٰ نے عطا کیا ہی۔ جب سے وہ پیدا ہوتا ہی میں کبھی اس کو اپنی چھاتی پر سُلاتی ہوں کبھی کندھے پر چڑھاتی ہوں کبھی گودی میں لیتی ہوں کسی طرح کی اس کو تکلیف نہیں دیتی۔ اس کو کہتے ہیں کہ وہ چار عناصر آب و خاک و آتش و ہوا سے بنا ہی۔ یہ خصوصیت میری ہی ذات سے ہی کہ اُسکو کوئی اذیت نہیں پہنچاتی۔ پانی گو اُس کی زندگی کے لیے ضروری ہی اس کے بغیر وہ جی نہیں سکتا۔ لیکن جب وہ بدی پر آتا ہی تو اپنی طغیانی

اور فراوانی اور طوفان خیزی سے ایک عالم کو برباد کر دیتا ہی۔ بے شمار جانوں کو ہلاک کرتا ہی۔ طوفان نوح یہ پانی ہی تو تھا جس نے ایک دفعہ تمام عالم کو برباد کر دیا تھا۔ ایسی ہی ہوا ہی کہ بغیر اسکے انسان تھوڑی دیر بھی نہیں جی سکتا۔ مگر جب وہ اپنا طوفان اُٹھاتی ہی اور سموم جاں گزا بنتی ہی اور آتش فشاں پہاڑوں کے آتشیں پرکالوں کو اُڑا کر لے جاتی ہی تو شہر کے شہر اس کے تلے دم بخود ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔ مگر میں انسان کے ساتھ کوئی اس قسم کی بدسلوکی نہیں کرتی۔ میں تو اُس کی ما یحتاج زندگی پیدا کرتی ہوں اور اس سے زیادہ اُس کے عیش و عشرت کے سامان مہیا کرتی ہوں میں اس سے کہتی ہوں تو مجھ پر کھیتی کر۔ اس میں جتنی تو ریاضت کریگا اور اپنی صنعت کو عقل کے ساتھ کام میں لائیگا اتنی ہی میں تجھے خرمن عطا کرونگی۔" ذکاءاللہ

ایک جاپانی خاتون اس خیال کو کہ شادی سے قبل زوجین کو ایک دوسرے سے واقف ہونا چاہیئے کچھ بیوقعت سا سمجھ کر کہتی ہی کہ "ہمارے ہاں شادیاں اس یقین پر ہوتی ہیں کہ دونوں میں ضرور محبت پیدا ہوجائیگی ہماری محبتیں پائدار ہیں ہمارے ہاں ایک گیت ہی۔ بیوی کہتی ہی میں ۹۹ برس تک زندہ ہوں اور میرا خاوند سو برس تک یعنی اُس وقت تک جبتک کہ ہمارے بال سفید ہوں ہم نہایت خوش و خرم زندگی بسر کریں۔ خاتون موصوف کی رائے ہی کہ یہ طرز معاشرت اُس سے بہتر ہی جسمیں محبت فوراً پیدا ہو اور فوراً ہی غارت ہو جائے۔ مغربی محبت کو ناپائدار سمجھکر وہ لکھتی ہی کہ ایک شخص جاپان میں دورہ کرتا ہوا کوامیر میں پہنچا اور شاہراہ عام پر کنارہ دریا کے قریب ایک بڑھیا عورت کو انگوٹھی بیچتے دیکھا۔ یہ شخص قریب گیا اور ایک انگوٹھی اُٹھا کر اس کی قیمت پوچھی بڑھیا نے بجائے قیمت بتلانے کے کہا یہ انگوٹھی تم اپنی بیوی کے واسطے لیتے ہو یا کسی ایسے شخص کے جس سے تمکو محبت ہو جسوقت اس آدمی نے کہا کہ یہ انگوٹھی میں ایسے شخص کیواسطے لیتا ہوں جو مجھکو بیحد عزیز ہی تو بڑھیا نے کہا اسکی قیمت پچاس فرانک[عہ] ہے اتنا سُنتے ہی وہ شخص غصہ ہوتا ہوا انگوٹھی پھینک کر چلتا ہو لیا۔ بڑھیا نے اُسکو بلایا اور کہا اسے میں دس فرانک کو دیدونگی تم نے مجھ سے جھوٹ بولا اگر تم واقعی کسی ایسے شخص کے لیے خریدتے جو تمکو بیحد عزیز ہی تو پچاس فرانک کی پروا نہ کرتے خیر لو یہ دس فرانک دیدے۔ بڑھیا نے انگوٹھی لپیٹ کر حوالے کی اور چلتے وقت اتنا اور کہا تم نے اسکو اپنی بیوی کیواسطے

عہ فرانک فرانس کا سکہ ہوتا ہے۔

مصری برقعہ

اس سے پہلے ہم ترکی برقعے کی تصویر عصمت میں شائع کر چکے ہیں مصری برقعہ ایک حد تک تو اس برقعے سے ملتا جلتا ہے یعنی ایک لمبی چادر ہے جو عموماً سیاہ یا نیلگوں رنگ کی ہوتی ہے۔ سارا بدن ڈھانپ لیا جاتا ہے۔ لیکن مصری برقعے کا ایک حصہ دنیا سے نرالا ہے۔ معلوم نہیں ہوتا یہ کب ایجاد ہوا اور کس نے کیا۔ لیکن اس نے حجاب کے معنی ہی بدل ڈالے۔ حجاب کے معنی ہیں چھپانا اور نقاب کی یہی غرض ہوتی تھی کہ خد و خال کو اغیار کی نظر سے پنہاں کر دے۔ مگر زنان مصر نے اس کے معنی خد و خال کو عارضی طور پہ بگاڑ دینے کے لیے ہیں۔ ان کے ہاں آنکھیں بالکل چھپائی نہیں جاتیں۔ مگر ناک کے اوپر ایک گول سی چیز ایسی لٹکائی جاتی ہے کہ اس سے چہرہ مسخ ہو جاتا ہے یہ گول سا خول امرا کے ہاں سونے کا اور غریبوں کے ہاں پیتل وغیرہ کا بنا ہوتا ہے۔ اس کے اندر ایک سی ڈال کر رسی کو ماتھے کے اوپر کے کپڑے سے باندھ لیتے ہیں اور نیچے کا حصہ رسی کے دوسرے سرے کے ذریعے ایک لمبے رومال سے جو سینے کے آگے پڑا رہتا ہے بندھا رہتا ہے۔ اس سے اچھی خاصی صورت ڈراونی بن جاتی ہے۔ شاید اس میں یہی مصلحت سوچی گئی ہے کہ باہر کی دنیا کو زنان مصر کے چہرے بدنما نظر آئیں اور وہ ہوس نہ ہوں۔ یا یہ کہ اس طرح ناک کے چھپا لینے سے صورت اور اس کی زینت بحیثیت مجموعی چھپ جائیں۔ اس

عجیب و غریب مصری برقعہ کی ایک تصویر آج شائع کی جاتی ہے۔ اور ایک آیندہ مہینے کے رسالے میں ہوگی جس میں مصر کے گلی کوچوں کی زندگی کا نمونہ دکھایا گیا ہے۔ کہ یہ برقعہ اوڑھ کر عورتیں کس طرح سودا سلف لیتی ہیں۔ اور مکانات کی ساخت کا نمونہ پایۂ تخت کے پرانے حصوں میں کیسا ہی۔ سیاحوں اور ممالک غیر کے باشندوں کو مصری عورتوں کا یہ برقعہ حیرت میں ڈالتا ہی۔ گو ممکن ہی کہ خود مصر کی عورتیں عادت کی وجہ سے اسے بدنما نہ سمجھتی ہوں۔ بلکہ قرائن اسبات کے بھی ہیں کہ بعض عورتیں اسے بھی ایک قسم کی آرائش سمجھنے لگی ہیں چنانچہ سونے کے جڑاؤ خول ناک کے سامنے لٹکانے کے لیے بنواتی ہیں۔ اور یہ تکلف اس بات کی دلیل ہی کہ اس خول کا شمار زیورات میں ہونے لگا ہی۔

عبدالقادر

علم اور عقل کو ایک نہ سمجھو۔ کیونکہ ان میں کچھ تعلق نہیں ہوتا۔ علم ان دماغوں میں رہتا ہی جو اوروں کے خیالات سے بھرے ہوئے ہیں۔ عقل کا گھر اُن دلوں میں ہی جو اپنے خیالات کی طرف متوجہ ہیں۔

کوپر

انسان۔ مغرور انسان! ذرا سے اختیار پر نازاں ہو کر۔ اپنی ہستی ناپائدار پر اعتبار کر کے جو شیشے سے زیادہ کمزور اور نہایت غیر متیقن ہے۔ فلک بلند کے روبرو بوزنہ دار ایسی بیجا حرکات کرتا ہی کہ انھیں دیکھ کر فرشتوں کو رونا آتا ہی۔

شکسپیر

ایک کواری لڑکی کے چند گھنٹے

۲۲ ستمبر روز جمعہ۔ کل ۲۱ ستمبر کو تل بھر کم نہ پل بھر زیادہ۔ دن اور رات دونوں برابر تھے۔ میں سب کاموں سے فراغت پا دس بجے پلنگ پر لیٹی بہتیری کروٹیں لیں مگر سرشام پڑا چھینٹا۔ ہوا ہوئی بند۔ بیچ بچی گرمی گھمس کا زور نیند کیسی بدن کا تیل نکل رہا تھا۔ مچھر اور پسو۔ گرمی اور کھٹمل ایک مصیبت ہو تو کہی جا پڑا تو یہ تھا کہ ہوا بند ہوتی ہی تو مینہ برستا ہی مگر نہ مینہ برسا نہ اولے پڑے خاک بھی کچھ نہ ہوا حبس گھمس امس جو کچھ بھی ہو ایک آفت تھی کہ جان اجیرن کر دی۔ چاہو کسی عنوان چین پڑے ممکن نہیں دری چادر تکیہ بستر جو چیز تھی بھوبل میں جھلسی اور آگ میں تپی۔ آدھی کے قریب رات آنکھوں میں کٹ گئی مگر پلک جھپکنی تھی اور نہ جھپکی مچھروں کی بھنبھناہٹ نے اور بھی دم ناک میں کر دیا فلٹنگس پاؤڈر کے نام سے مجھے قے آتی ہے کمبخت کی بو دماغ میں گھسی جاتی ہے مگر اس وقت اس کے سوا چارہ ہی کیا تھا اٹھی دیا سلائی کا بکس چاروں طرف ڈھونڈھا کونہ کونہ دیکھا اور چپہ چپہ ڈھونڈھا ٹکریں لگیں ٹھوکریں کھائیں مگر بکس نہ ملنا تھا اور نہ ملا۔ شاباش ہے اماں جان کو اس گھمسان میں کہ مجھ کو تو اوڑھنی تک کاٹے کھاتی تھی وہ چین سے چادر اوڑھے لمبی تانے بڑی خراٹے لے رہی تھیں دل میں تو آیا تھا کہ جگا دوں مگر کچھ ماں کی محبت کچھ ہمدردی اور انسانیت ساتھ ہی خیال آیا کہ دن بھر کی تھکی ہاری ذرا دیر آنکھ لگ گئی اپنے آرام کے لیے دوسرے کو تکلیف دینا سخت بیوقوفی ہے۔ باورچی خانے میں گئی ادھر ادھر ٹٹولا خدا کا شکر ہے ایک موکھے میں بکس رکھا تھا۔ لائی کمرہ کھولا بکس

نکالا پاؤ درچھڑ کا تعجب بھی ہوتا تھا ہنسی بھی آتی تھی مچھروں کی یا تو وہ بھنبھناہٹ کہ کان کے پاس سارنگی بج رہی تھی یا ایسے رفوچکر ہوئے کہ گھر بھر میں پتہ نہ تھا ادھر تو یہ ہوا اُدھر ایک گھنٹہ بھر ایسا موسلا دھار پانی پڑا کہ پرنالے تک بہ نکلے ہوا موئی ٹھنڈی گرمی ہوئی کم آنکھوں میں نیند تو بھری ہی ہوئی تھی ایسی گھوڑے بیچ کر سوئی کہ بادل بھی کڑکے بجلی بھی چمکی مگر مجھ کو مطلق خبر نہ ہوئی میں تو یہ سمجھکر سوئی تھی کہ رات آئی ہے زیادہ نیند میں ہو رہی ہوں غیں صبح کی نماز قطعی گئی۔ مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے پڑی ہوئی عادت تھی یا اللہ کی عنایت آنکھ کھلی تو پو پھٹ رہی تھی کیسا سہانا وقت تھا بیان نہیں کر سکتی چاروں طرف نور برس رہا تھا نیم کی دھلی دھلائی پتیاں قمریوں کی مؤثر صدائیں اس صانع حقیقی کا پتہ دے رہی تھیں جسکے حضور میں ایک روز حاضر ہونا ہے۔ ضروریات سے فارغ ہو وضو کیا اور نماز کو کھڑی ہوئی ہوا کے ٹھنڈے ٹھنڈے جھونکے اور تسبیح کا سناٹا خدا کی عظمت دل میں بیٹھی جاتی تھی۔ پڑھ چکی تو رحل بچھائی کلام مجید کھولا چھوٹتے ہی اس تفسیر پر نظر پڑی۔ اے لوگو (مردوں اور عورتوں) دنیا کے تمام کام کسی نہ کسی بھروسے پر کرتے ہو زبان میں قوت ہے بولنے کا ارادہ کرتے ہو ہات پاؤں میں سکت ہے چلتے پھرتے ہو سونگھتے ہو چکھتے ہو لیتے ہو دیتے ہو غرض جو کچھ بھی کرتے ہو کسی نہ کسی بل پر مگر یہ تو بتاؤ اللہ کے ساتھ جو کچھ کرتے ہو یہ کس برتے پر ہے؟ تمھارا کوئی وجود نہ تھا تم کو زندگی دی تھوڑے دن بعد مار ڈالینگے اس کے بعد پھر جلا ئینگے تم سب کو اُسی طرف رجوع کرنا ہے۔ دل کی حالت تو پہلے ہی ابتر تھی اتنا دیکھتے ہی بے اختیار آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے شروع ہو گئے ایک آدھ گھنٹے تک یہ کیفیت رہی کہ تن بدن کا مطلق ہوش نہ تھا سات بجے ہونگے کوٹھے سے

ملہ کَیۡفَ تَکۡفُرُوۡنَ بِاللّٰہِ وَکُنۡتُمۡ اَمۡوَاتًا فَاَحۡیَاکُمۡ ثُمَّ یُمِیۡتُکُمۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡکُمۡ ثُمَّ اِلَیۡہِ تُرۡجَعُوۡنَ۔ ۱۲

اُتر کر نیچے آئی سب سے پہلے تازہ باسی پانی الگ کیا۔ کل ہی کا تو ذکر ہے ابّا جان نے مردانے
میں پانی منگوایا گھڑونچی نہ سنکن پانی اونڈیلتی ہوں تو بالکل دھن پانی بھیجا تو درکنار میں تو پانی
کے نام سے پانی پانی ہوگئی مگر ہو ہی کیا سکتا تھا شرمندہ ذلیل اپنی عقلمندی پر لعنت بھیجتی اور
حماقت پر غصہ کرتی اُٹھی کھولتا پانی باہر بھیجا گلاس جوں کا توں واپس آگیا مگر مجھ پر گھڑوں پانی
پڑگیا۔ اُس وقت سے عہد کیا کہ سقّے کے آنے سے پہلے اتنا کام کرلوں! ایسا نہ ہو کہ پھر تازہ
باسی ایک ہوجائے۔ گھر کا نام نکلتا ہے اس سے جو رسوائی اور ایسی بدنامی ہوتی ہے کسی گھر کی ہو پانی
سے فارغ ہوئی تو بچوں کے بچھونے تہ کرکے اندر کوٹھری میں رکھے۔ خدا معلوم وہ کس طبیعت کی لڑکیاں
ہیں کہ صبح سوکر اٹھیں اور اپنا ہاتھ مونھ دھو دھلا بن سنور بیٹھ گئیں بچھونا پڑا جھک مار رہا ہے تو
بلا سے بڑی عنایت کی تو اوندھا سیدھا لپیٹ لپاٹ پائنتی پٹخا! کروٹیں صاف لٹک رہی
ہیں ادوان میں دری اٹک رہی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ جب اپنی چیز کو ہم آپ ہی قرینے سے
نہ رکھیں گے تو کون رکھیگا اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ گھر کا بھرم نہ کھلے میلے کچیلے ثابت پرانے
جیسے بچھونے ہوں اُٹھا کے رکھدیے کسی کو کیا خبر کہ بوی کی چادر سفید ہے یا پھٹی لیر لیر۔ بچھونے
سے جھٹکارا پایا تو ہاتھ میں جھاڑو لی رات کو آگئے تھے خربوزے بچّوں نے کھائے بھی اور
پھیلائے بھی دالانیں چاروں طرف بیج ہی بیج نظر آرہے تھے ماما کی راہ میں کب تک بیٹھی
رہتی اتفاق ہی تو ہے جو کہیں اس سے پہلے کوئی آیا گیا میل ملاپی ادھر آنکلا تو بیٹھنے کو جگہ
بھی نہیں کوڑا سمیٹ سماٹ صحن کے کونے میں ڈالا اتنے میں بڑی بی آگئیں ابّا جان چار پانچ روز
سے شکایت کررہے تھے کہ روٹیاں اچھی نہیں پکتیں پھیلی پھیلی اور چھدری چھدری۔ آٹا تولکر اُنکے
حوالے کیا اور سامنے بیٹھکر دیکھنے لگی کہ آخر یہ کارستانی کرتی کیا ہیں غور سے دیکھا تو عقدہ کھلا
کہ بڑی بی ساٹھ پینسٹھ برس کی بڑھیا شہر میں رہتے سہتے قرنوں ہوگئے مگر انھوں نے تو بچّوں کو بھی

بات کیا شروع میں تو وہ پوپلے ہات کہ الٰہی توبہ جب آٹا ٹھہرنے پر آیا تو لگیں ٹکی دینے پھلکیاں نہ بنیں
کچھ دیر تک تو میں بیٹھی مونھ تکتی رہی مگر پھر پوچھا۔ بھلا بڑی بی کہیں دنیا جہان میں آجتک سنا ہے
کہ ٹھہرنے پر آئے تو ٹکی دو تھپکی دیتیں جو آٹا ٹھہرتا ٹکی دی دیکھ لو کیسی پھٹ گئی، روٹیاں تو آپ سے
آپ ہی سوکھی ہوئی کھنکرا اور جلد ہوئے اکڑ ہونگے لو تم جلدی سے آگ سلگا کر رات کا سالن
گرم کرلو گرمی کے دن ہیں ایسا نہو سڑ جائے۔ بڑی بی آگ سلگانے اٹھیں تو اپلوں کا الاؤ جھونک دیا
پتیلی گرم کر نیچے اتاری اور لگیں زردہ کھانے آگ ہے کہ دھڑ دھڑ جل رہی ہے آخر مجھے کہنا پڑا اچھی
بڑی بی پرایا سر دیوار کی جگہ یا ایک وجھنیا یوں ہی خالی گیا متنے گھی ہی رکھدیا ہوتا پھیلیاں
ہی پھیلیاں تالاب بھرتا ہی جنکو کوڑیوں کی قدر نہیں وہ روپے کے مالک کیا خاک ہونگے۔ میں
یہ کہہ ہی تھی کہ خالہ جان ڈولی سے اتریں اور دروازے ہی سے یہ کہتی ہوئی آئیں اللہ بی انجم یہ
مسلمانی اور آنا کانی کریپ کے دوپٹے پر سبز بوٹیاں تو خوب بنائیں محلے بھر میں دھاک ہو رہی ہے
موئی منھیاری تک کو دکھاؤ اور نہ خبر کرو تجھ کو کیا تھا اگر فہیمن ہی کے ہات کھڑے کھڑے
بھیجدیتیں میں اسکے ستارے تھوڑی توڑ لیتی مگر وہ ہی کہاوت ہی انکھیں ہوئیں اوٹ دل میں
آئی کھوٹ میں تمہارے محلے کی رہنے بسنے والی ہوتی تو دوڑ کر آتیں اور پھڑک کر دکھاتیں۔
میں دوڑ کر خالا جان سے گلے ملی اور کہا توبہ خالا جان قربان کیا تھا وہ دوپٹہ آپ کیا فرمارہی ہیں
دوپٹہ بھی آپ کا لونڈی بھی آپکی ابھی حاضر کیا۔ اتنا کہکر میں اندر گئی اور بقچی کھول دوپٹہ لائی
الٹا پلٹا کونے ترنج کنارا بیل سب دیکھ چکیں تو پوچھنے لگیں منجھلی بیگم دوپٹہ تو دوپٹہ ہی ہے خدا
پہننا پھاڑنا نصیب کرے الٰہی ایک اور ہزاروں اور اچھی انجم سچ بتاؤ کریپ کیا بھاؤ لی ہے میں نے
کہا خالہ جان ڈھائی روپئے گز۔ میری طرف غور سے دیکھا اور کہنے لگیں لڑکی ہوش کی ناخن
لے ایک تو ہی تو نئی کریپ اوڑھنے والی بگڑی ہے ہم نے تو جونڈا دھوپ ہی میں سفید کیا کبھی کریپ

بھی تھوڑی ہے روپیہ نہیں سوا سو نہیں ڈیڑھ اے لو پنا بھی تو کچھ نہیں آدہ گز کا عرض تین پاٹ کا دوپٹہ پندرہ بیس روپیہ کا میٹھا لڑکی دیوانی ہوئی ہے کسی آنکھوں کے اندھے کو چرائیو خیر وہ جتنے کا بھی ہو اللہ نصیب کیجے مگر یہ تو بتاؤ تو ئی نہ ٹھپہ کرن نہ بانکڑی یہ کمبخت انگریزی بیل اور بیٹی کا کنارہ خدا کی قسم انجم تو نے تو کریب کو بھی لاج لگا دی۔ مینے عرض کیا خالہ جان یہ تو آپکا فرمانا نہایت درست ہے جتنا گڑ ڈالو اتنا میٹھا اور چیز ہے یا اور چیز ہے بھلا خیال تو کیجے اس گرمی میں اپنی ہی جان سنبھالنی مشکل ہے تو ئی ٹھپے کا بوجھ اور بھی دوبر ہو جائیگا یہ تو دیکھے کہ مٹھی بھر روئی دو اور جو بیچنے اٹھو تو کوڑیوں کے مول اسکو دیکھیے ہلکا پھول خوبصورت کا خوبصورت صوفیانے کا صوفیانہ مجھے اُنکی پسندیدگی میں انکار نہیں مگر ایسا فضول روپیہ کس کے پاس رکھا ہے جو ایسے کاموں میں اینڈ کرے۔ اب ۸ بج چکے تھے مینے کھانا کھایا اور کتاب پڑھنی شروع کی۔

سیّدۃ النسأ

خدیجۃ الکبریٰ۔ جو بانی اسلام کو پیغمبر تسلیم کرنیوالوں میں سب سے پہلی بی بی تھیں نہ صرف مسلمان ہی ہوئیں بلکہ جس سچے رسول پر ایمان لائیں اُسکے اوپر اپنی دولت اور عزت سب قربان کر دی جس وقت نکاح ہوا ہے دونوں طرف لونڈیاں زر جواہر کے خوان سروں پر لیے کھڑی نچھاور کر رہی تھیں گو خدیجۃ الکبریٰ نے پچیس برس خاوند کیسا تھ رہ کر مفارقت کی مگر اپنی اطاعت خدمت اور سچی محبت کا اتنا اثر چھوڑ کر گئیں کہ جب کبھی مرنیوالی بی بی کا ذکر ہوتا تھا تو آپکی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑتے تھے۔ بدر کی لڑائی میں چند آدمی جو مسلمان نہ تھے گرفتار ہوئے اور انکی رہائی اس شرط پر قرار پائی کہ وہ سب اپنی اپنی حیثیت کیموافق مسلمانوں کو فدیہ دیں۔ ان قیدیوں میں ایک شخص ابوالعاص زینب بنت رسول اللہ کا خاوند تھا۔ بیوی کو جب یہ معلوم ہوا تو اپنی ماں خدیجۃ الکبریٰ

کی ہیکل جو جہیز میں ملی تھی فدیے میں بھیجی جس وقت یہ ہیکل بانی اسلام کے سامنے آئی اور معلوم ہوا کہ یہ اُس عقیدتمند خاتون کی نشانی ہے جس نے اپنی عمر کا بڑا حصہ میری خدمت میں گزار دیا آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ میاں بیوی کے باہمی تعلقات کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک دو دفعہ نہیں بار بار بیوی کی جُدائی سے بیقرار ہوکر آنحضرت ؐ نے فرمایا کہ خدیجہ اُسوقت مجھ پر ایمان لائی جب تمام زمانہ مجھ کو جھٹلا رہا تھا اور میری مخالفت پر کمربستہ تھا اس خدمت گزار بیوی سے پیغمبر صاحب ؐ کے تین لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں سیدۃ النسا جو چوتھی لڑکی ہیں نیک صابر شاکر ماں باپ کا سچا نمونہ تھیں جمعہ بیسویں جمادی الآخر روز ولادت ہے۔ ماں اور باپ دونوں اُس کلیجے کے ٹکڑے پر پروانہ تھے ماں کا یہ حال تھا کہ گھنٹوں اس ننھی سی جان سے میٹھی باتیں کیا کرتی تھیں باپ کی یہ کیفیت تھی کہ بار بار پیشانی پر بوسہ دیتے تھے اور فرماتے تھے میری یہ بچی دنیا کی بزرگترین عورتوں میں سے ایک ہے افسوس تفاوتِ زمانہ نے ماں کو اس بچی کی بہار نہ دیکھنے دی اور خدیجۃ الکبریٰ اپنی آنکھ کی پتلی سیدۃ النسا کی تمام حسرتیں اپنے ساتھ قبر میں لے گئیں حضرت سیدہ کو تکالیف جسمانی و ایذائے روحانی کے اعتبار سے سخت دقتوں اور مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا[1] کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ باپ کے بعد تو بعد جیتے جی بھی کوئی دن چین کا گزرنا نصیب نہ ہوا۔ بجھڑ کی روٹیاں کھائیں پیوندوں کے کپڑے پہنے چکیاں پیسیں فاقے کیے مگر ہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اس نے داری، عسرت اور ہر تکلیف مصیبت میں بھی زندگی اس شان سے گزار دی کہ دیکھنے والے عش عش کرتے تھے۔ ماں کا سایہ کچھ دن سر پر موجود رہا مگر جب آنکھ کھولی تو رخصت ہوا۔ پانچ برس کی تھیں کہ خدیجۃ الکبریٰ نے اپنی پیاری بچی سے مونہ موڑا اور دوسرے جہان کو سدھاریں۔" باقی آیندہ

راشد الخیری

---

[1] مدارج النبوت [2] سیرت اسلام [3] ناسخ التواریخ۔

مامتا

بے خبر ماں! تجکو اُس بچے کی بھی ہے کچھ خبر — گود میں تیری ہمکتا تھا جو کل تک بار بار
گوری گوری اُسکی وہ رنگت وہ مکھڑا چاند سا — اور وہ نقشہ اُسکا جس پر رات دن تھی تو نثار
کل بلائیں لیتی تھی تو دیکھکر اندازِ خواب — آج کیوں آتا نہیں سونے پہ اُسکے تجکو پیار
اُف وہ دہشتناک جنگل اور اندھیاری وہ رات — آہ وہ معصوم بچہ اور وہ کُنجِ مزار
لے خبر لے دیکھ ڈر جائے نہ وہ بچہ کہیں — کیا اُسے آغوش میں لینا ہے تیرا ننگ و عار
گیسوؤں میں جس کے تو کنگھی نہ کرتی تھی اگر — رات بھر رہتا تھا مثلِ زلف تجھ کو انتشار
مو پریشاں خاک بر سر دیکھ کر اب غم نہیں — مجھ پہ اس جمعیتِ خاطر کا کر رمز آشکار
کیا ہوئی وہ تیری اُلفت کیا ہوئی وہ مامتا — کیوں نہیں اس کے لیے دل آج تیرا بیقرار
سیکڑوں صدقے اُتارا کرتی تھی تو رات دن — آنکھ بھر کر دیکھنا جس کو تھا تجھ کو ناگوار
اپنے سینے سے لگا کر تو سُلاتی تھی جسے — آج وہ ہے اور وہ کُنجِ لحد تاریک و تار
آج لپٹے ہیں اُسی میں چند کیڑے قبر کے — جس گلے میں تو نے پہنائے تھی تعویذوں کے ہار
ہڈیوں کا ایک ڈھانچا ہے اٹا سب خاک میں — ہائے وہ پیکر جو کل تک تھا ترے زیبِ کنار
جب تری آواز سُنتا تھا مچل جاتا تھا وہ — اب وہ ہے اور خامشی تو چاہے لاکھ اُسکو پکار
اک اشارے سے کسی کے ہو گئی ہے آج بند — اُس کی وہ آواز جو تھی روکشِ صوتِ ہزار
جس کو پہنایا تھا تو نے جامۂ گلدوزِ گل — آج اُسکے تن پہ کیڑوں نے کیے نقش و نگار

زندگی میں تو ہر اک عیب و ہنر پر تھی نظر
دیکھ لے یہ حال بھی جا کر بچشمِ اعتبار

(عزیز لکھنوی)

بزم عصمت

میری پیاری بہن! امید کہ اس اپیل کو عصمت کے کسی گوشے میں جگہ دیکر مجھے ممنون کرینگی

پیاری بہنو! الحمد للہ کہ وہ تمام خوبیاں جو ہونی چاہئیں عصمت میں موجود ہیں۔
بہن شمس النسا بیگم ہر مہینے جدت کے ساتھ اس کو روانہ کرتی ہیں جس پر ٹکٹ بھی چسپاں رہتا ہے۔ دو پیسے ماہوار کے حساب سے چھ آنے سالانہ ہوتا ہے۔ سالانہ چھ آنے کے حساب سے ایک ہزار پرچے پر تقریباً چار سو روپئے کے ٹکٹ دیے جاتے ہیں۔ کوئی بڑی بات نہو گی اگر ہم بہنیں عصمت کے اس ڈاک کے خرچ کے بوجھ کو اپنے اوپر اوٹ لیں اور ہر بہن چھ آنے کے ٹکٹ بھیجدیں کہ اسی مد سے عصمت کی صورت سیرت اور حجم میں بہن اڈیٹر صاحبہ کچھ اضافہ کرسکیں۔ چھ آنے کے ٹکٹ اسی خط کے ساتھ ارسال کرتی ہوں۔

(سیدہ طاہرہ خاتون)

مائی ڈیرا ڈیٹرس صاحبہ! تسلیم عرض۔ بفضل رب العالمین یہ رسالہ عصمت ہر پہلو سے روز افزوں ترقی دکھلا رہا ہے۔ طبقہ نسواں کے واسطے ایسے ایک رسالے کی ازحد ضرورت تھی۔ بعض بہنوں کا خیال ہے کہ تعلیم نسواں کا ذخیرہ تو اس میں کافی ہے مگر صنعت و حرفت کے متعلق صفحات ناکافی معلوم ہوتے ہیں۔ اگر آپ اس طرف توجہ فرمائیں تو قصبات دنیز دور دراز مقامات میں عصمت وہی کام دیگا جیسا کہ ایک پریسیڈنسی ٹون میں ایک ٹرنینگ کالج جس کے طفیل سے چار دیواری کی محصورین بہنیں مستفید ہونگی۔

(مسنر ڈاکٹر محبوب علیخاں)

جناب اڈیٹر صاحب تسلیم۔ میں پھر آپ کو ایک نئے خریدار کی نسبت اطلاع دیتی ہوں جو فرماتی ہیں کہ عصمت نہایت مفید پرچہ ہے اور مجھے اس کی خریداری منظور ہے۔ آپ پرچہ انکے نام جاری کردیجئے

(راحمہ خاتون بدایونی)

مکرمہ و معظمہ بہن صاحبہ دام عنایتہا! علیکم التسلیم حسب ارشاد ایک نسخہ بھیجتی ہوں درج فرماکر ممنون کیجیے۔

حلوا بادام

نمبر شمار	نام اشیاء	مقدار	کیفیت
۱	مغز بادام	پاؤ سیر	بلا پوست
۲	دودھ	دو سیر	
۳	کھویا	ایک سیر	
۴	گھی تازہ	آدھ سیر	
۵	زعفران	ایک تولہ	
۶	گلاب خالص	پاؤ سیر	
۷	شکر سفید عمدہ	سوا سیر	۲ سیر تک شیرینی کر سکتے ہیں

ترکیب تیاری نسخہ

بادام کے مغز کو سرد پانی میں اُسوقت تک رکھو کہ پوست پھول جاے اور اُس کے بعد حسب دستور پوست صاف کرکے مغز بادام کو کھولتے پانی میں ڈالو جب جوش آجائے تو باپڑکھار شریک کرو کچھ دیر میں بادام گلجائیں گے گلے ہوئے بادام دودھ میں ڈال و شکر گھی زعفران کھویا شریک کرکے کوئی پاؤ گھنٹہ پکاؤ اور چولھے سے اتار کر گلاب شریک کرکے ظروف میں نکال لو پکانے میں کفگیر سے کام لیتی رہو کہ داغ نہ آئے۔

(مسز محمد شمس الدین حیدرآباد دکن)

محترمی مسز محمد اکرام صاحبہ سلمہا! بعد ما وجب۔ آپکے موقر صحیفے سے مجھے ایسی بیحد دلچسپی ہے کہ جبروز آیا اُسی روز ختم کیے بغیر نہ رہی۔ خصوصاً سوکن کا جلاپا مکررسہ کرر پڑھتی ہوں۔ مینے اس میں مفید مضمون دینے کے لیے دوتین قابل بہنوں کو آمادہ کیا ہے۔

علاقہ شہر سیوان کی جو جو نادار مگر خواندہ خواتین اپنے نام عصمت جاری کرانا چاہتی ہوں تو میں اپنے پاس سے قیمت ادا کرکے جاری کرا دینے کے لیے حاضر ہوں۔ فقط

راقمہ والدہ شیخ محمد خلیل

عالم نسواں

انگریزی عجائب خانے کی اُس شاخ کو جس میں یونان کی قدیم صنعت کے نمونے محفوظ ہیں ایک بیش بہا ذخیرہ ہاتھ لگا ہے جو ایک خاتون کی قبر سے برآمد ہوا۔ یہ عورت غالباً تیسری صدی مسیحی میں دنیا سے رخصت ہوئی اور صوفیہ کے قریب بلگیریا میں دفن کی گئی خاتون موصوف کے روزمرہ استعمال کی چیزیں آئینہ۔ کنگھی۔ بکس۔ ڈبیہ (ویسی ہی جیسی آج کل خواتین اپنی ٹوپیوں میں استعمال کرتی ہیں) اس کے ساتھ دفن کی گئیں۔ ان چیزوں کے علاوہ ایک خوبصورت بکس بھی نکلا ہے۔ اس دفینے میں خاص طور پر دیکھنے کے قابل چیز کنگھی ہے جو اُسوقت کی زیب و زینت اور نیز یونانی صنعت کا پتہ دے رہی ہے۔

مسز فلورا اینی سٹیل ولایت کی جادو نگار انشا پرداز جنھوں نے اپنی عمر کا کچھ حصہ ہندوستان کے طرز معاشرت کی دیکھ بھال میں صرف کیا، ۲ اپریل کے لکچر میں جو انھوں نے بمقام مانچسٹر دیا بیان کرتی ہیں کہ ہندوستانی خواتین اپنی حالتوں میں بیحد خوش و خرم ہیں۔ خانہ داری کے جھگڑوں نے وہ تمام زحمتیں اُن سے دُور کر دی ہیں جو ہمارے ہاں غریب عورتوں کو پیش آتی ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہندوستانی عورتیں قیدی اور نظر بند ہیں بالکل بیتاب ہیں وہ اپنے طرز معاشرت کو بہت اچھا خیال کرتی ہیں اور آزادی کے برخلاف سب سے زیادہ وہ خود ہی ہیں وہ اس رسم کے توڑنے کو اپنی عزت و عصمت پر سخت حملہ سمجھتی ہیں وہ چار دیواری کے اندر اپنے گھر کی قطعی مالک ہیں اور بیاہی ہوئی لڑکیوں کی عزت ہمارے ہاں سے زیادہ ہے۔

مدراس کانفرنس کا وہ اجلاس جس میں ملک کے اکثر تعلیم یافتہ اور مہذب خواتین جمع تھیں کامیابی سے ختم ہوا! مسز دوارکا بائی جنھوں نے اڈنبرا وغیرہ میں عزت کے ساتھ ڈگریاں لی ہیں اس جلسہ میں موجود تھیں اس غیر معمولی قابلیت کی خاتون کو ایک بکس جراحی آلات کا نذر دیا گیا خاتون موصوف نے شکریہ ادا کیا اور یہ فرمایا کہ آج جو کچھ عزت مجھے حاصل ہے یہ سب اپنے خاوند کی بدولت جو میری زندگی کا بڑا شریک ہے میرا فرض ہے کہ میں اسوقت اُس کے احسانات کو فراموش نہ کروں اُسنے میری تمام تکالیف میں ہندوستان اور یورپ دونوں میں شرکت کی ہے۔

ہمنے دلی افسوس سے سُنا کہ نواب میر صدرالدین حسین خاں صاحب رئیس بڑودہ کی صاحبزادی نواب زادی بیگم صاحبہ نے ۱۲ ربیع الاول کو رات کی تین بجے کپڑوں میں آگ لگ جانے سے انتقال کیا صاحبزادی مرحومہ کی عمر چودہ برس کی تھی شادی کا تمام سامان تیار تھا۔ خداوند کریم پس ماندگان کو صبر عطا فرماوے۔

خاندان بڑودہ کی ایک رانی اور چار اُسکی سہیلیاں بمبئی یونیورسٹی کے امتحان انٹرنس میں شریک ہوئیں۔

فہرست مضامین رسالہ عصمت

جولائی ۱۹۰۹ء



[illegible]

[illegible]

[illegible]



عصمت

سچّا زیور

زیور کا شوق تقریباً ہر ملک اور ہر قوم میں ہر وقت اور ہر طبقے کی خواتین کو تھوڑا یا بہت ضرور رہا ہی۔ گو اس کی کمی بیشی میں جُداگانہ مذاق اور مختلف خیال ضرور ہیں اور آج کل یہ کہدینا زیادہ مشکل نہیں کہ روشن خیال قومیں زیور کے استعمال کو وقعت سے نہیں دیکھتیں۔ مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہی کہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور روشن سے روشن خیال عورتیں بھی خواہ وہ کسی مُلک اور قوم کی کیوں نہ ہوں انگوٹھی چھلا بُندا بالی غرض کوئی نہ کوئی چیز اس قسم کی جس کا شمار زیور میں ہوسکتا ہی اکثر استعمال کرتی ہیں ظاہر ہی کہ یہ ضرورت صرف زیب زینت کی وجہ سے محسوس ہوئی۔ کڑے پونچیوں سے ہات ٹھاٹھس پتّے بالیوں سے چہرہ خوشنما۔ مالا ٹھسّی سے گلا بھرا بھرا۔ سادہ ہو یا جڑاؤ سونا ہو یا چاندی مگر غرض وہی زیب و زینت ہی۔ شہزادی کے گلے میں اگر جواہرات کا ہار ہی تو پسنہاری کے گلے میں کھوٹے روپوں کی حمائل ۔ مجھکو زیور کے استعمال پر نہ اعتراض ہی نہ اس کی مخالفت کہنا صرف اتنا ہی کہ زینت ظاہری کے ساتھ ہی لڑکیوں کو

زینت باطنی کی بھی ضرورت ہی جس کا زیور اچھی عادتیں اور عمدہ خصلتیں ہیں۔ ظاہری زیور سونا روپا بالے جھالے تو اپنی اپنی تقدیر پر منحصر ہیں ایک کے پاس جواہرات کا ڈھیر ہی ایک کو چاندی کا تار تک نصیب نہیں مگر اس پر فخر کرنا بے سود اور اترانا بیکار زمانے کو رنگ بدلتے کچھ دیر نہیں لگتی اور حالت میں انقلاب ہوتے زیادہ وقت کی ضرورت نہیں۔ بڑی بڑی بیگمیں اور اچھی اچھی شہزادیاں آناً فاناً کچھ سے کچھ ہوگئیں۔ پانی پت کے میدان میں جس وقت بابر اور ابراہیم لودی کی خونریز لڑائی کا خاتمہ ہوچکا اور زمانے نے فتح کا سہرا بابر کے سر باندھ دیا۔ اُس وقت کا ایک جگر خراش واقعہ کلیجے کے پار ہوتا ہی۔ یہی ہمایوں جس کی ہڈیاں آج دلی کی مشہور عمارت مقبرۂ ہمایوں میں دفن ہیں آٹھ برس کا ہوگا۔ فتح کی خوشی میں ایک بڑا جشن قرار پایا جس میں تمام امرا و وزرا نے شہزادے کی خدمت میں نذریں پیش کیں اپنی اپنی حیثیت اور تعلق کے موافق سب خوشیاں منا رہے تھے اور نذریں دے رہے تھے دفعۃً ایک عورت نے دربار میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کی جس وقت یہ بدنصیب خاتون بھرے دربار میں شہزادے کے روبرو لائی گئی ہی اُس کے ہات پاؤں کانپ رہے تھے۔ ایک سفید چادر میں سر سے پاؤں تک لپٹی ہوئی تھی اور ہر قدم بتا رہا تھا کہ اس محلوں کی بیٹھنے والی کو آج رستہ چلنے کا پہلا اتفاق ہے شہزادۂ ہمایوں تخت شاہی پر جلوہ گر تھا اور یہ مظلوم عورت سامنے کھڑی تھی وہ ہات جو چادر میں چھپا ہوا تھا کانپتا ہوا باہر نکلا اس میں ایک الماس کی ڈبیا تھی۔ بدنصیب خاتون نے جو انقلاب زمانہ کی پوری تصویر تھی ڈبیا ہمایوں کے سامنے پیش کی اور کہا۔

شہزادے میں خاندان لودی کی ملکہ بدنصیب ہوں۔ یہ کوہ نور ہیرا ہمارے پاس امانت تھا جبتک سلطنت ہماری رہی ہمارے قبضے میں رہا۔ اب سلطنت تیری ہی اقبال تیرا یہ ہیرا بھی لے۔

بدنصیب ملکہ نے جس پر اس طرح مصیبت کا پہاڑ ٹوٹا اپنے وقت میں کیا کیا زیور نہ پہنا ہوگا۔ ایک عظیم الشان سلطنت کی شہزادی زبردست بادشاہ کی بیوی۔ کوہ نور جیسے ہیرے کی قابض مگر بالآخر وہ عزت اور حشمت ہیرے اور جواہر کچھ بھی نہ رہے۔ باقی رہنے والا وہ سچا زیور ہے جو باطنی زیب و زینت سے متعلق ہو۔

پچھلے ہفتے میں مجھ کو ایک شادی میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا جہاں بیبیاں اعلیٰ اعلیٰ کپڑے اور قیمتی قیمتی زیور اوڑھے پہنے موجود تھیں۔ شام کے قریب میں نے ایک لڑکی کو اپنے پاس کھڑے دیکھا جس کی ظاہری صورت اور سامان زینت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی غریب خاندان کی لڑکی ہے معمولی کپڑے برائے نام زیور میں نے اُس کی جانب کوئی زیادہ توجہ نہ کی رات کو جب ہم سب دسترخوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے ساچق[1] آنی شروع ہوئی میں اپنی ایک بہن سے باتوں میں مصروف تھی کہ میں نے دیکھا دفعتہً وہ لڑکی گھبرا کر اٹھی چبوترے پر گئی اور ایک بیچاری مصیبت کی ماری عورت کا جس کی گود میں چھوٹا سا بچہ اور سر پر ساچق کی ٹھلیاں تھیں بوجھ بٹایا ٹھلیاں اُتروائیں اور آ کر بیٹھ گئی گو ہم اتنی عورتیں وہاں موجود تھیں اور دیکھ رہی تھیں کہ وہ بدنصیب مزدورنی بوجھوں مر رہی ہے مگر اتنی نیک توفیق کسی کو نہ ہوئی کہ اپنی ایک ہم جنس کی؟ عورت

[1] دلی میں رسم ہے وداع سے ایک روز پہلے دولہا کے ہاں سے کچھ سامان آتا ہے ۱۲

اچھی بیوی

جس طرح یہ مثل مشہور ہی کہ جس نے ماں کا پیٹ دیکھا وہ گور کا مونہہ بھی دیکھیگی اسی طرح اس میں بھی کلام نہیں کہ ہماری یہی چھوٹی چھوٹی اور ننھی ننھی بچیاں جو آج کھیلنے کی گڑیاں اور دل بہلانے کے کھلونے معلوم ہو رہی ہیں کل ایک زبردست گاڑی میں جُتنے والی ہیں انکو ایک گھر کا پورا مالک بننا ہی۔ چند بندگان خدا دو چار بے زبان جانور انکے قبضۂ قدرت میں ہونگے ایک شخص کی اچھی یا بری زندگی کا بہت کچھ انحصار انپر ہوگا انکو اتنی قدرت ہوگی کہ اس شخص کی زندگی جو انکا عمر بھر کا ساتھی ہی نعمت عظمیٰ بنا دیں اور اسی ناپائدار دنیا کو اسکے واسطے جنت کر دکھائیں ان کے اختیار میں ہوگا کہ اسی شریک عمر کو جینا وبال جان۔ زندگی سوہان روح اور دنیا دوزخ کر دیں مختصر یہ کہ یہی لڑکیاں جو آج بیٹیاں نواسیاں بھانجیاں بھتیجیاں بنی ہیں انہیں ابھی بہت کچھ بننا ہی بیویاں بنیں گی مائیں بنیں گی اور یہ دو کام ایسے ہونگے جن کی بہتری اور برتری کا تعلق فقط ان ہی کی ذات سے نہیں بلکہ اسکا اثر دوسروں پر پڑنیوالا ہی۔ مجھ کو اس وقت صرف ان کے بیوی بننے سے بحث ہی اور یہ ان کے اوپر زندگی کی سب سے پہلی ذمہ داری ہوگی۔ وہ مقدس الفاظ جو دو اجنبیوں کو شیر و شکر کر دیتے ہیں۔ دو ایسے غیروں کو جو ایک دوسرے سے سیکڑوں ہزاروں کوس کے فاصلے پر رہنے والے ہوں ایک جان و دو قالب بنا سکتے ہیں یعنی خطبۂ نکاح وہ ایک زنجیر ہی جو دونوں کو آپس میں جکڑ دیتی ہی جسکو

گلے میں ڈال لینے کے بعد یہ بیوی کی خوشی پر منحصر ہے کہ وہ اس ذمہ داری کی
بھاری زنجیر کو چندن ہار بنا دے یا قیدی کا طوق۔ بچپن کا زمانہ جس کا تعلق
ممتا کی ماری ماں اور شفیق باپ سے ہوتا ہے پائدار نہیں مگر یہ زنجیر اس وقت تک
اترنے والی نہیں جب تک فریقین میں سے ایک دنیا ہی کو خیرباد نہ کہہ دے
گویا زندگی کا آغاز اس وقت سے ہوا جب لڑکی اس گھر سے جس میں تھی
سے کنواری اور کنواری سے بیاہی ہوئی رخصت ہو کر ایک دوسری دنیا
ایک غیر گھر ایک نئے ماں باپ کے ہاں داخل ہوئی اب آئندہ ہی زندگی
بسر ہونے کا دارومدار اس شخص کی خوشی پر ہے جس کے ہاتھ میں ماں باپ
جیسے رفیقوں نے ہاتھ دیدیا اور زبردستی نہیں ہنسی خوشی سے منت سماجت
سے۔ پس بیوی کا سب سے پہلا کام نہ خاوند کی اطاعت ہے نہ فرمانبرداری بلکہ
اس بات کا پتہ لگانا ہے کہ اس کی طبیعت کا رجحان کس طرف ہے کیا اسباب
ہیں جن سے اس کی طبیعت مکدر ہو سکتی ہے اور کونسا سامان ہے جو اس کی مکدر طبیعت
کو بشاش بنا سکتا ہے۔ جن لڑکیوں کا یہ خیال ہے یا اُن کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اول ہی
دن سے خاوند پر رعب بٹھانا چاہیے وہ بالکل غلط رستے پر جا رہی ہیں منزل
مقصود ان سے کوسوں دور ہے مشکل ہے کہ وہ اپنی زندگی ہنسی خوشی بسر کر سکیں
عمر بھر جوتیوں میں دال بٹیگی اور تھکا فضیحتی رہے گی اگر کسی شریف سے پالا
پڑ گیا تو گو وہ اپنی عزت کے ڈر سے زبان نہ ہلائے مگر یاد رکھنا کہ یہی مسکین
ایک دفعہ طوطے کی طرح دیدے بدل جائے گا اور ایسی مصیبتوں کا پہاڑ سر پر
ڈھا دے گا جس کو موت ہی سر کاٹے تو سر کاٹے

اس لیے ہر کواری لڑکی کو اپنے اُس نئے مکان میں جس کی تعمیر اُسکی زندگی کے ساتھ ہی ساتھ ہو رہی ہے داخل ہو کر پہلا مرحلہ یہ طے کرنا ہے کہ خاوند کے مزاج کو معلوم کرے اور آنکھیں بند کر کے اس رستہ پر ہولے گو رستہ میں بیسیوں اونچی سیکڑوں چٹانیں و پہاڑیاں مقابلہ کریں مگر آج کی اتنی بات ہماری بھی لکھ لو کہ یہ ناہموار پگڈنڈیاں یہ اونچے نیچے ٹیلے سب عارضی ہیں ایک دفعہ ہمت کر نیکی دیر ہی دوسرے پھیرے میں تو یہ رستہ گلزار نظر آئے گا۔

اگر میرا خیال غلط نہ ہو تو میں کہہ سکتی ہوں کہ جو لڑکیاں خاوندوں کے بات میں ٹکڑا سا توڑ کر جواب دیدیتی ہیں اور اپنی بات کو ہمیشہ اوپر رکھنے کی کوشش کرتی ہیں اُن کو سوائے افسوس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا کیسے تعجب کی بات ہے کہ دنیا کے ادنےٰ ادنےٰ اور ذرا ذرا معاملے کا تو ہم بہت کچھ لحاظ بھی رکھیں اور حتیاط بھی کریں لیکن وہ چیز جس سے ہماری زندگی جیسی نعمت متعلق ہو اس کی طرف توجہ نہ کریں اور اپنے ہاتوں مصیبتوں کا شکار بنجائیں۔ جب یہ سانپ اس وقت کی بے پروائی سے نکل گیا تو پھر لکیر کے پیٹنے سے کوئی فائدہ نہیں۔

میری عزیز بہنو! کواری اور بیاہیو! ہماری زندگی کی سب سے بڑی غرض اپنے خاوندوں کو رضامند کر لینا ہے۔ ہماری طرز معاشرت میں اس سے بہتر تدبیر زندگی کو بہتر بنانے کی اور کوئی نہیں۔ ہاں اتنا ہم کہدیتے ہیں کہ اسوقت تھوڑی سی تکلیف گوارا کر لو پھر تو عمر بھر میٹھی راج کرنا۔

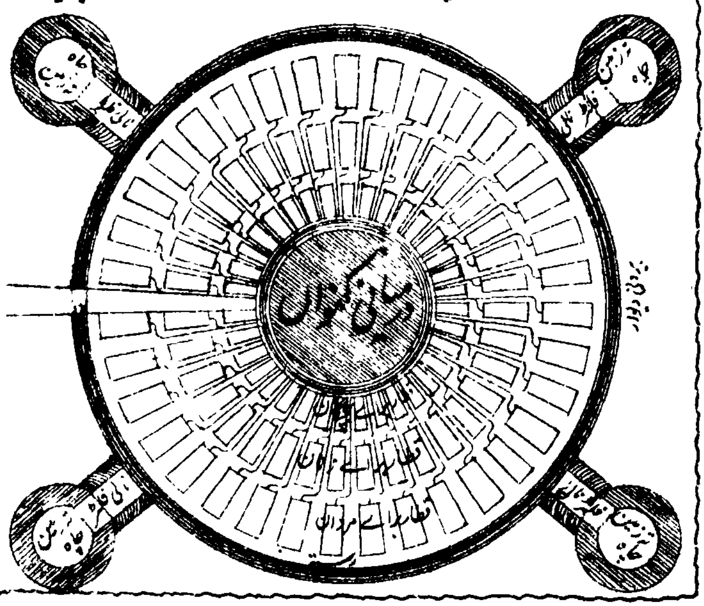
مسز محمد اکرام

قوم پارسی

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

گو پارسیوں نے بہت سی رسمیں ہندوستان کی اختیار کرلیں۔لیکن مُردے کی تجہیز وتکفین کے متعلق اپنی مذہبی رسوم کو ہات سے نہیں دیا۔خاص کر یہ رسم کہ وہ مُردے کو نہ دفن کرتے ہیں۔ نہ جلاتے ہیں نہ دریابُرد کرتے ہیں۔ دنیا بھر سے نرالی ہے۔ وہ کسی بلند جگہ پر یا پہاڑ کی چوٹی پر ایک مینار بناتے ہیں جسے انگریزی میں "ٹاور آف سائیلنس" یعنی مینار خموشی کہتے ہیں اس کا پارسی نام دخمہ ہے وہاں مُردے کو بالکل برہنہ چھوڑ آتے ہیں تاکہ چیلیں اُس کے گوشت کو نوچ کر کھالیں۔

یہ سادہ سا نقشہ جو ذیل میں بنایا گیا ہے اس سے مینار خموشی کی ساخت کسیقدر سمجھ میں آسکتی ہے



جس مینار سے یہ نمونہ لیا گیا ہی وہ بمبئی میں ہی۔ اس کا بیرونی دائرہ تین سو فیٹ کے قریب ہی۔ اسکے وسط میں ایک گہرا کنواں ہی۔ کنوئیں اور بیرونی دائرہ کے درمیان تین قطاریں بیچ میں رستہ آمد و رفت کا چھوڑکر بنی ہیں ہر قطار میں کئی کئی خانے سے بنے ہیں ان خانوں میں مُردے کو جاکر رکھ دیتے ہیں۔ اور کفن کا کپڑا اوپر سے اُتار لیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ گھنٹہ دو گھنٹے میں چیلیں، گدھ، اُڑ کر آ کر گوشت کو صاف کر دیتے ہیں صرف ہڈیاں رہ جاتی ہیں۔ جو دو چار دن کی دھوپ میں سوکھنے کے بعد درمیانی کنوے میں پھینک دیجاتی ہیں۔ اس کنوئیں کا دائرہ کوئی ڈیڑہ سو فیٹ ہی ۔ وہاں بوسیدہ ہوکر خاک ہوجاتی ہیں۔ اس کنوے کے چاروں کونوں پر چار نالیاں بنی ہیں۔ بارش ہوتی ہی تو مینھ کا پانی ان ہڈیوں کی خاک سے مل کر ان نالیوں میں بہتا ہی۔ مگر نالیاں اس ترکیب سے بنی ہیں کہ ان میں ریت بچھا کر اُن کے خاتمے پر دوہرا فلٹر لگا دیا ہی جس میں سے چھنکر یہ پانی بیرونی کنوؤں میں جو نالیوں کے دوسرے سرے پر بنے ہوئے ہیں جا پڑتا ہی اور یہ ساخت اس اُصول پر مبنی ہی۔ کہ پارسیوں کے مذہب میں یہ حکم ہی کہ "زمین کو جو بمنزلہ تمہاری ماں کے ہی ناپاک مت کرو"

گو ہمیں یہ رسم بمقابل دیگر رسوم کے مُردے کے حق میں نہایت بیرحمی کا سلوک معلوم ہو تاہم پارسی لوگ اسکے لیے معقول وجوہ مذہبی اور عقلی بیان کرتے ہیں۔ زرتشتی مذہب کی رو سے زمین اور آگ اور پانی سب چیزیں مقدس ہیں اور انسان کے لیے مفید ہیں۔ اسواسطے انھیں حکم ہی کہ گلتے سڑتے ہوئے گوشت سے انھیں ناپاک نہ کریں عقلی دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ مُردے کا گوشت بجائے ہزاروں کیڑوں کی غذا بننے کے

ایکبارگی چند گھنٹے میں جانوروں کی غذا بن جاتا ہے۔ اور اس طرح تعفن اور اس کی خرابیوں سے بچ جاتا ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ غریب اور امیر کی مساوات بھی اس طریق سے پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ ہر کہ دمہ کے لیے ایک ہی انجام ہے۔

پارسیوں میں مسلمانوں کی طرح جنازہ کے ساتھ پیدل چلنے کا رواج ہے کسی کا مکان دخمہ سے کتنا ہی دور کیوں نہ ہو لوگ جنازہ کے ساتھ پیدل جاتے ہیں جنازے کے اٹھانے والے پنچائت کی طرف سے تنخواہ دار آدمی ہوتے ہیں۔ اور پیچھے پیچھے مرنے والے کے عزیز اور قریبی رشتہ دار اور دوست ہوتے ہیں سب لمبے لمبے سفید جامے پہنے ہوئے دو دو کر کے چلتے ہیں اور ہر دو شخص ایک سفید رومال لیے ہوتے ہیں جس کا ایک سرا ایک کے ہاتھ میں اور دوسرا دوسرے کے ہاتھ میں ہوتا ہے جس سے مراد رشتۂ غم کا اظہار ہے یعنی اس ماتم میں دونوں ہمدردانہ شریک ہیں۔

دخمے کے دروازے پر دستور یعنی پارسی ملا مردے کو اس کے عزیزوں سے لے لیتے ہیں اور اس قبر نما گڑھے میں جو اوپر سے کھلا ہوتا ہے۔ رکھدیتے ہیں۔ مینار کے اندر صرف دستور ہی کو جانے کا حکم ہوتا ہے۔ یا وہ تنخواہ دار جنازہ بردار جاتے ہیں۔ جو اس کام کے لیے مخصوص ہیں۔ سب لوگ جو شریک ماتم ہیں مردے کو وہاں چھوڑ کر پاس کے آتش خانے میں جا کر مصروف عبادت ہو جاتے ہیں اور مرنے والے کے لیے دعا کرتے ہیں۔

عطیہ فیضی

سیر یورپ

(از ہرہائی نس بیگم صاحبہ جزیرہ جنجیرہ)

لارڈ مارلے کی کوٹھی لندن کے بیرونی نواح میں ہے۔ ومبلڈن کے قریب رہتے ہیں۔ لندن کا یہ ضلع نہایت سبز اور تر و تازہ ہے۔ دیکھکر آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ رستے میں ایک مشکل یہ پیش آئی کہ ہمارے موٹربان کو مارلے صاحب کی کوٹھی کا پتہ ٹھیک یاد نہ تھا وہ آگے نکل گیا۔ اتفاق دیکھیئے کہ سرکرزن بھی بھول گئے کہ کہاں ہے۔ پھر بھی اُن کے ہمراہ ہونے سے تسلی رہی۔ ورنہ ہم تو گھبرا جاتے! رستہ طے کرتے ہوئے اِدھر اُدھر کی گفتگو جاری رہی۔ اثنائے گفتگو میں سرکرزن نے کہا کہ راجگانِ ہند اپنے لڑکوں کو بغرض تربیت یورپ بھیجتے ہیں لیکن افسوس ایک مثال بھی ایسی نہیں ہے جس سے دل خوش ہو۔ بلکہ اکثر برباد ہو گئے۔ سرکرزن بہت اچھی اُردو بولتے ہیں اس لیے اُردو میں ہی سلسلہ گفتگو جاری رہا کئی مثالیں انھوں نے پیش کیں۔ یہ بھی انھوں نے واضح طور پر کہا کہ آپ لوگ اپنے رواج پر قائم ہیں اور لباس وغیرہ اپنا ہی پہنتے ہیں یہ نہایت پسندیدہ بات ہے۔ آخر کار آدھ گھنٹہ دیر سے ہم لارڈ صاحب کی کوٹھی پر پہنچے۔ پہلی دفعہ یہ اتفاق ہوا کہ ہم اپنے معین وقت پر نہ پہنچ سکے۔ ورنہ کسی روز ایک منٹ کی بھی دیر نہ ہوئی تھی۔ میڈ نے دروازہ کھولا اور خود بدولت لارڈ مارلے صاحب استقبال کو آئے۔ کیا ہشیار چہرہ اس کارآزمودہ شخص کا ہے۔ قد متوسط دُبلے سے آدمی سن رسیدہ ہیں آنکھیں

اتنی تیز ہیں کہ معلوم ہوتا ہے ان کے لیے کسی کے دل کا حال جان لینا بہت مشکل بات نہیں۔ اُن میں ہم نے پُرانے زمانے کی تواضع کا نمونہ دیکھا ہم سب سے نہایت تپاک اور گرم جوشی سے ملے۔ لارڈ مارلے ہم کو اپنے ہمراہ مکان کے پیچھے کے علاقے میں باغ کی راہ سے لیچلے۔ ایک نہایت وسیع کمرے کے دروازے پر لیڈی مارلے صاحبہ خیر مقدم کے لیے کھڑی تھیں۔ ان میں کوئی ایسی خاص بات نہ تھی معمولی ضعیف العمر بی بی تھیں۔ یہ کمرہ پچاس فیٹ لمبا اور تقریباً ۳۰ فیٹ چوڑا ہوگا۔ اور چاروں طرف نہایت اونچی چھت سے زمین تک دیواروں میں الماریاں لگی ہوئی تھیں جنمیں ہزارہا کتابیں بھری تھیں۔ عیاں تھا کہ صاحب خانہ بڑے پڑھنے والے اور علم دوست شخص ہیں۔ دن بہت سرد ہونیکی وجہ سے عمدہ آتشخانہ سلگ رہا تھا جسکی گرمی سے دلمیں اطمینان پیدا ہوتا تھا۔ اُنھوں نے ہمیں آگ کے قریب لیجا کر بٹھایا۔ مارلے صاحب نے جزیرے کے متعلق دریافت کیا اور تمام احوال پوچھا باوجودیکہ وہاں کی تاریخ سے وہ خود بخوبی واقفیت رکھتے تھے۔ ہماری باتوں کو حیرت سے سُنا اور لباسوںکو کسیقدر تعجب اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا۔ اثنائے گفتگو میں انھوں نے فرمایا کہ اگر میں آپکے لیے کچھ بھی کرسکتا ہوں تو حاضر ہوں۔ بخدا میں دنگ رہ گئی۔ خدا جانے ایسی باتوں سے لوگ کیسے کیسے فائدے لیں مگر میں تو احسان مانکر خاموش ہوگئی۔ مجھ سے پوچھا پڑھنے کا شوق ہے اور انگریزی پڑھتی ہو مینے کہا جی ہاں بعد میں پوچھا کہ کیا کیا دیکھا مینے اپنا تجربہ مختصر سا بیان کردیا۔ پھر پوچھا میوزک پسند ہے مینے جواب دیا ہاں ضرور پسند ہے اور تھوڑا بہت سمجھتے ہیں اس بات سے اور متعجب ہوئے۔

عموماً مینے دیکھ لیا ہے کہ اکثر انگریز ہندوستان اور ہندیوں کے حالات سے

ناواقف ہوتے ہیں اور کیسے کیسے عجیب خیالات اپنے دلمیں پختہ کر لیتے ہیں باوجود یکہ سالہا سال حکمراں رہے ہوں۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ لیڈی مارلے صاحبہ بھی شریک گفتگو ہوئیں۔ لارڈ مارلے نے کہا کہ اگر بچوں کے موجود ہونیسے حرج نہو تو میں اپنے نواسے نواسیوں کو بلواؤں۔ مینے کہا شوق سے بلوایئے مجھے بہت خوشی ہوگی اتنے میں چار بچے تندرست اور گل جیسے آئے انمیں دو توأم ہیں۔ لارڈ مارلے نے بہن عطیہ کے ساتھ تعلیم کے متعلق دیر تک باتیں کیں۔ اسنے نہایت خوبی سے جوابدیے اور انہیں بتایا کہ وہ تعیلم کی غرض سے پہلے انگلستان آئی تھی اور صحت بگڑ جانے سے اسے واپس چلا جانا پڑا۔ اور یہ بھی کہا کہ گورنمنٹ کس مہربانی سے پیش آئی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ چا آگئی اور لیڈی مارلے اور انکی لڑکی نے چا پلائی۔ سر چارلس ایلیٹ بھی وہاں تھے کسی زمانے میں بنگال کے لفٹنٹ گورنر رہ چکے ہیں۔ خاصی اردو بولتے ہیں۔ عطیہ اسنے اول ملاقات کر چکی تھی اور وہ بڑی مہربانی سے اسوقت پیش آئے تھے۔ مگر اب ملے تو جیسے جانتے نہیں۔ تعجب معلوم ہوا کہ اس ناشناسی کے کیا معنی؟ خیر رخصت کیوقت جب ہم آگے بڑھے تو فوراً سر چارلس نزدیک آئے اور کہا مس فیضی اقعی مینے تمکو بالکل نہیں پہچانا۔ اُن دنوں تم اسقدر دُبلی اور بیمار تھیں کہ میں مان نہیں سکتا ہوں کہ تم وہی ہو۔ اسیوجہ سے بے اعتنائی سے پیش آیا اب جو مجھے معلوم ہوا کہ تم وہی مس فیضی ہو تو بہت ہی نادم ہوا۔ میں تمکو صحت میں دیکھکر خوش ہوا اسکے بعد دیر تک باتیں کرتے رہے۔ ہم کوئی پون گھنٹہ لارڈ مارلے کے ہاں ٹھہرے اگرچہ اُنکے بُشرے سے عیاں تھا کہ اور بھی ہم ٹھہر جائیں تو انھیں منظور تھا۔ اپنی دستخطی کتاب میں حضور نواب صاحب اور میرے دستخط کرنیکی خواہش ظاہر کی اور عطیہ کے بھی۔ اور کہا کہ بہت ہی خوشی اور فخر حاصل ہوگا اگر آپ لوگ اپنے دستخط سے میری کتاب کو زینت بخشیں۔ ایک اچھی

یادگار رہیگی۔ عطیہ نے اپنے دستخط کرتے وقت کہا کہ ایک شرط سے لارڈ مارلے صاحب!
انہوں نے متعجب ہو کر پوچھا وہ کیا ہے؟ تو عطیہ نے کہا کہ آپ کو بھی اپنے دستخط کی نشانیاں
ہماری کتابوں میں چھوڑ کے سرفراز کرنا ہوگا۔ یہ عوض میں مانگتی ہوں! تو خوب ہنسے اور
کہا نہایت خوشی سے بڑی عزت سمجھونگا اسکے بعد مشایعت کے لیے گاڑی تک لارڈ مارلے
آئے اور خداحافظ کہہ کر ہم سے رخصت ہوئے ہم نہایت مسرور واپس آئے۔ بڑے متواضع اور
خلیق شخص ہیں۔ اسمیں کوئی شک نہیں۔ اگر ہندوستان کو فائدہ ہوگا تو انہیں سے۔
حضور سر کرزن کے ساتھ چلے اور انہیں اپنے مکان پر چھوڑا اور ہم تین ایک گاڑی میں
سوار ہوئے۔ بھائی نمائش گاہ میں اتر گئے اور ہم اپنی قیامگاہ پر۔ ذرا سستائے کھانا
کھایا اور مشہور سپانش ناچنے والی گیریرو کو دیکھا۔ یہ عورت اسقدر خوبصورت ہے
کہ میں کیا کہوں۔ سیاہ رنگ بناوٹی مدد سے دہ چند بنائے ہوئے بال۔ سانچے میں ڈھلا ہوا
بدن۔ ان عورتوں میں ایک چمک اور آتش فشانی ہوتی ہے کہ جو یورپ کے اور ملکوں کی پھیکی
پھیکی عورتوں میں ہرگز پائی نہیں جاتی۔ لباس بعینہ ہماری طرف کی ناچنے والیوں کا سا
اسپر گوٹا کناری کا کام کیا ہوا نیچے کا حصہ پشواز جیسا البتہ اوپر کا الگ تھا۔ الماس کے
ہار اور گوشوارے پہنے ہوئے تھی۔ اور جسم بھی الماسوں سے مزین کیا تھا بلکہ چھپا دیا تھا۔
خدا جانے سچے تھے یا بناوٹی۔ سچے ہوں تو ذرا بھی تعجب نہیں کیونکہ یہ عورتیں بڑی مالدار
ہوتی ہیں۔ اس عورت کا ناچ تنجور والیوں کے ناچ سے مشابہ تھا مگر حرکات زیادہ نزاکت سے معمور۔
شام کو بھائی عطیہ اور ولینکر مس رائی کے یہاں گئے انکے یہاں کوئی مجلس مناظرہ تھی
مس نوروزجی نے عمدہ تقریر کی افسوس کہ حضور اور میں نہ جاسکے۔ ہم دونوں نے گھر میں ہی
وقت گزارا۔ ڈیوک اور ڈچس آف کناٹ سے جمعرات کو ملاقات ٹھہری ہے امید ہے کہ

[illegible]

نوکروں سے برتاؤ

نوکروں سے برتاؤ بظاہر تو ایک ادنیٰ چیز معلوم ہوتی ہو مگر غور سے دیکھا جائے تو بہت مشکل اور نہایت ضروری کام ہو۔ کیونکہ اچھے نوکر بہت ہی کم ملتے ہیں۔ پہلے تو نوکروں کو تمیز سے سدھانا ہی ذرا مشکل ہو کیونکہ ہمارے ہاں کے نوکر بڑی دقت سے اپنے فرائض کو ذہن نشین کرتے ہیں۔ نوکروں کو سکھانے میں گو اول اول بہت تکلیف ہوتی ہو اور بڑی دردسری کرنی پڑتی ہو لیکن آیندہ چلکر بہت آرام ملتا ہو۔ ہر ایک بی بی کو چاہیے کہ ماما نوکر وغیرہ ملازمان جس کسی کو جس وقت کسی کام کا حکم دیں اُن کو خوب اچھی طرح سہولت سے سمجھا دیں اور اگر ایک دفعہ کے کہنے سے سمجھ میں نہ آئے تو تکلیف گوارا کرکے دوبارہ سمجھائیں تاکہ پھر کبھی اس تکلیف کی ضرورت نہو۔

ہماری بعض بہنوں کو یہ عادت ہوتی ہو کہ اگر ایک کام ماما سے نہ ہو سکا تو جلدی کی وجہ سے اپنے ہات سے کرلیتی ہیں مگر یہ عادت اچھی نہیں ہوتی۔ نوکروں کو یقین ہوجاتا ہو کہ جو کام مجھ سے نہ ہوسکیگا وہ بیوی کرلیں گی۔ اور دوسری یہ دقت ہو کہ اگر کوئی مہمان آگیا تو سخت شرمندگی اُٹھانی پڑتی ہو۔ بعض نوکر مائیں زبان دراز بھی ہوتی ہیں۔ ایسے آدمیوں کو کبھی نہ رکھنا چاہیے۔ گھر کا نام بدنام ہوتا ہے۔ نوکروں پر ہمیشہ اپنے مالک کا رعب ہونا چاہیے۔ اس سے میرا مطلب یہ نہیں ہو کہ ہر وقت اُن کو بُرا بھلا کہو اس سے تو اور اُلٹا اپنا وقر جاتا ہو۔ بلکہ یہ کہ اُن سے

بلا ضرورت غیر متعلق باتیں کرنی نامناسب ہیں۔ ان کی یہ مجال نہیں ہونی چاہیے کہ گھر کی دو بیبیاں میٹھی باتیں کر رہی ہیں اور ماما بھی دخل دے رہی ہے۔ ماماؤں سے کبھی گھر کے اور معاملات میں گفتگو نہیں کرنی چاہیے۔ نوکروں کو ایک اور کام بھی سکھانا لازم ہے یعنی سلام وغیرہ کا قرینہ۔ خواہ اپنی مسلمان مامائیں ہوں یا آیا سب کو اُن کی حد میں رکھنا چاہیے۔ مغلانیاں وغیرہ (جو ماماؤں سے ذرا معزز ہیں) اُن کے ساتھ ماماؤں سے ذرا بہتر برتاؤ کرنا چاہیے مگر ان کو بھی اپنا غمخوار بنانا مناسب نہیں۔"

(نواب بیگم اوف سچین)

سینٹ برنارڈ میں ایک چھوٹا سا مقبرہ ہے جو یہاں کے سیاحوں کے واسطے ایک نہایت عجیب اور دیکھنے کے قابل جگہ ہے۔ یہ مقبرہ ایک کتے کا ہے جس کا نام **بیری** تھا اور جس کو مرے ہوئے چند سال گزرے۔

وائڈ ورلڈ **میگزین** کا بیان ہے کہ دس سال کے عرصے میں جبتک یہ کتا اس نواح میں زندہ رہا اس نے چالیس ایسے آدمیوں کی جانیں بچائیں جو برف میں اپنا رستہ بھول گئے تھے ایک موقع پر اس نے دیکھا کہ ایک دس برس کا بچہ برف میں بے خبر دبا پڑا ہے۔ کتے نے اپنے سانس سے اور چاٹ چاٹ کر اس بچے کو ہوشیار کیا اور اس کے بعد اس کے برابر اس طرح لیٹا کہ بچہ پیٹھ پر چڑھ جائے چنانچہ بچہ پیٹھ پر چڑھ گیا اور "بیری" اس لڑکے کو خشکی میں لے آیا۔

افسوس کسی ناواقف آدمی نے (غالباً غلطی سے) اس کتے کو مار ڈالا۔ اس کی قبر پر یہ الفاظ لکھے ہوئے ہیں

وہ بہادر بیری جس نے چالیس آدمیوں کی جانیں بچائیں اور اکتالیسویں کے ہاتھ سے مارا گیا۔

سمرو کی بیگم

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

ہندوستان کے مشہور گورنر جنرل لارڈ ولیم بنٹنگ نے جو بڑے مردم شناس تھے اور لائق آدمیوں کی بہت قدر کرتے تھے ولایت جاتے وقت بیگم کو ایک خط لکھا تھا جس سے اُس کی ذاتی شرافت کا اندازہ ہوسکتا ہی اور اُس کے حالات معلوم کرنے میں مدد ملتی ہی۔ لہٰذا اس خط کا یہاں درج کردینا مناسب معلوم ہوتا ہی پس درج کیا جاتا ہی

بنام ہرہائی نس بیگم صاحبہ!

میری معزز دوست۔ آپ کی عادات وخصائل کی جو سچی عزت میرے دل میں ہی اُس کا اظہار کیے بغیر ہندوستان چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ آپ کی نیک مزاجی اور جود وسخا نے جس کی وجہ سے ہزاروں آدمی آپ کو عزیز رکھتے ہیں آپ کی تعریف کے خیالات میرے دل میں بہت بڑھا دیئے ہیں میں آرزو کرتا ہوں کہ آپ کا وجود جو یتیموں اور بیواؤں کے واسطے باعث تسلی اور آپ کے بیشمار متوسلین کے واسطے ایک یقینی ذریعہ معاش ہی عرصہ دراز تک سلامت رہے۔

میں کل صبح انگلستان جاتا ہوں ہمیشہ آپ کا دعاگو اور بہی خواہ رہوں گا امید ہی کہ وہ سب لوگ جو آپ کے ہواخواہ ہیں باشندگان ہند کے فوائد کے واسطے

کوشش کرتے رہیں گے۔"

آپکا سچا دوست ایم ڈبلیو بیننگ
کلکتہ ۱۰۔ مارچ ۱۸۳۴ء

بیگم کی سخت گیری | چونکہ یہ مضمون ایک سوانح عمری ہی اور سوانح عمری تاریخ کی حیثیت رکھتی ہی اور تاریخ لکھنے والے کو یہ مناسب نہیں کہ صرف انہیں واقعات کا ذکر کرے جنسے کسی شخص کی خوبیاں ہی خوبیاں ظاہر ہوں یا محض برائیاں ہی برائیاں۔ مجھیر بھی کہ ایک تاریخی مضمون کی لکھنے والی ہوں اس کی پابندی لازم ہی۔ پس ایک مشہور واقعہ لکھتی ہوں جس سے بیگم کی سخت گیری اور تنک مزاجی ظاہر ہوتی ہی اس کے لکھنے سے میرا مطلب نہیں کہ بیگم کی برائی کروں بلکہ ایک سوانح نگار کی حیثیت سے اصل واقعات کا ظاہر کرنا مقصود ہی۔

دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جس میں سب باتیں اچھی ہوں۔ کوئی برائی نہو۔ اگر کسی میں دس بھلائیاں ہوں اور ایک برائی تو اس کو برا نہیں کہنا چاہیئے کیونکہ دس بھلائیوں کے مقابلے میں ایک برائی قابل لحاظ نہیں۔

وہ واقعہ یہ ہی کہ ۱۷۹۰ء میں کسی نے بیگم کے بنگلے میں جو آگرہ میں تھا آگ لگا دی۔ اس آتش زدگی سے کسی کو ضرر جسمانی تو نہیں پہنچا مگر کسی قدر اسباب ضرور جل گیا۔ بیگم اس وقت سندھیا کی فوج کے ساتھ متھرا میں تھی وہاں یہ خبر پہنچی کہ دو عورتوں نے جو اس کی ملازم ہیں آگ لگائی ہی اور ساتھ ہی دونوں عورتیں بھی پیش کی گئیں۔

پہلے تو بیگم نے ان کو درّے لگوائے پھر زندہ دفن کروا دیا۔ کہتے ہیں کہ تحقیقات سے انپر جرم ثابت ہوگیا تھا۔ خیر اگر جرم ثابت بھی ہوگیا ہو تو بھی یہ سزا بہت سخت ہی

خصوصاً اُس وقت جبکہ کسی کو خفیف سے خفیف بھی جسمانی ضرر نہ پہنچا ہو۔ ضرور بیگم نے اپنے مالی نقصان سے غضبناک ہوکر یہ سخت سزا دی ہو گی۔

جہاں بیگم کی شہرت اور نیک نامی کا جھنڈا عرصۂ دراز تک لہراتا رہے گا وہاں اُسی پھریرے پر بیگم کی سخت گیری اور تنک مزاجی کا سیاہ دھبہ بھی دوربینوں بغیر دوربین کے دُور سے صاف نظر آتا رہیگا۔

گرجا کی تعمیر: بیگم نے اپنے نئے مذہب کی بہت حمایت و اشاعت کی اور تقریباً دو ہزار آدمیوں کو عیسائی کیا۔ یہ سب عیسائی سردھنے میں بیگم کے زیر سایہ آرام سے زندگی بسر کرتے تھے اور بیگم کی سرکار سے سب کی تنخواہیں مقرر تھیں۔ سردھنے میں کوئی گرجا اُن کی نماز کے واسطے نہیں تھا اس سے اُن کو دقت ہوتی تھی۔ ایک پادری صاحب جو بیگم کے پاس رہتے تھے اُن کی نماز کے واسطے ایک معمولی مکان تجویز کر دیا تھا مگر اُس سے اُن کی دقت رفع نہوئی اس وجہ سے بیگم نے ۱۸۲۲ء میں چار لاکھ رُپئے کی لاگت سے سردھنے میں ایک عالیشان گرجا بنوایا یہ گرجا ایک باغ میں ہے جس کا رقبہ سو بیگہ ہے اور ایک پختہ احاطے سے گھرا ہوا ہے۔ گرجا باغ کے وسط میں نہیں ہے بلکہ ایک طرف دیوار کے قریب ہے۔ احاطے کا صرف ایک دروازہ ہے جو شمال کی طرف ہے اور دروازے سے گرجا تک ایک چوڑی سڑک ہے جسکے دونوں طرف اونچے اونچے سایہ دار درخت ہیں سڑک کے اختتام پر گرجا کا خوشنما دروازہ ہے۔

احاطے کے دروازے میں سے کھڑے ہوکر دیکھو تو یہ منظر بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ اس دروازے کے علاوہ گرجا کے دو دروازے اور ہیں ایک مغرب کی طرف

ایک مشرق کی طرف۔ شرقی دروازے کے ادھر اُدھر گرجا کے دونوں کونوں پر
انگریزی وضع کا ایک ایک مینار چونے کا بنا ہوا ہی جو نیچے سے چوپہل اوپر سے
گول ہی ایک مینار پر گھنٹہ اور نماز کے وقت بجنے کی گھنٹی لگی ہوئی ہی ایک مینار پر
کچھ نہیں ہی۔ گرجا کی کُرسی ڈیڑہ گز ہی اور اس میں کئی کمرے ہیں۔ شمالی دروازے میں
سے داخل ہو تو اول ایک چھوٹا سا مربع کمرہ ملتا ہی یہ گویا ڈیوڑھی ہی اس کے جانب
مشرق و مغرب کی طرف ایک ایک کمرہ ہی جس کا ایک ایک دروازہ اس چھوٹے
کمرے میں ہی اور ایک ایک دروازہ گرجا کے اندرونی کمروں کی طرف۔
اسوقت ہم ڈیوڑھی میں ہیں آؤ اندر چلیں مگر مغربی کمرے میں سے ہو کر چلنا
چاہیے کیونکہ گرجا کا محافظ ہمیشہ اس کمرے میں سے اندر جانے کیواسطے کہتا ہی۔
دیکھنا اس کمرے میں یہ سامنے کیا ہی کیسی خوبصورت پورے قد کی مورت
ہی! اور گود میں ننھا سا بچہ کیسا بھلا معلوم ہوتا ہی۔ کپڑے انگریزی وضع کے ہیں
مگر سر پر ٹوپی نہیں۔ ہماری طرح کا دوپٹہ ہی۔ نقشے سے مصری عورت معلوم ہوتی ہی
شاید میم ہو گی۔ چہرہ گول ہی نہ لمبا۔ آنکھیں بڑی بڑی۔ پیشانی کشادہ رنگ سُرخ
وسفید پُتلی نیلی صورت سے حیا اور پاکدامنی برستی ہی ذرا غور سے دیکھو یہ نہ تو مصری
عورت ہی نہ میم بلکہ حضرت مریم ہیں اور گود میں حضرت عیسیٰ۔ خوب بنائی ہی کہربا کی
بنی ہوئی ہی اور فرانس سے بن کر آئی ہی۔ چلو آگے چلیں۔ اس تیسرے کمرے کا
فرش سنگ مرمر کا ہی اندر جاتے ہوئے بائیں طرف چند مورتیں رکھی ہوئی ہیں۔
اُن کے تین طرف دائیں بائیں اور آگے لوہے کا ایک کٹھرہ ہی اور پیچھے دیوار
آؤ ان کو آگے سے دیکھیں۔ اس کٹھرے میں سنگ مرمر کا ایک چبوترہ ہی کوئی تین

اُصولِ زندگی

ہماری طرزِ معاشرت میں جہاں بہت سی باتیں قابلِ فخر اگرچہ ضرورتِ زمانہ کے لحاظ سے قابلِ ترمیم ہیں وہاں بعض باتیں قابلِ افسوس بھی ہیں گو اس کا تعلق ہم سے صرف ہماری غفلت اور لاپروائی کی وجہ سے ہو۔ سب سے بڑی بات جس کا میں اس وقت ذکر کرنا چاہتی ہوں تہذیب اور وقت کی پابندی ہے جہاں تک میرا تجربہ ہے میں کہہ سکتی ہوں کہ ہمارے ہاں ایسی عورتیں اور لڑکیاں بہت ہی کم ہیں جو تہذیب سے کام لیں اور وقت کی پابند ہوں۔ برخلاف اس کے میں انگلستانی مس اور میم صاحبہ کو دیکھتی ہوں کہ وہ وقت کی پابندی کو شاید مذہبی فرائض سے بھی زیادہ سمجھتی ہوں۔ ناممکن ہے کہ وہ اپنے وقت کو کبھی بیکار رکھیں اور زندگی جیسی نعمت کو فضول برباد کر دیں۔ ہماری یہ کیفیت ہے کہ اگر دن بھر میں ایک کام بھی کر لیا تو بس عمر بھر کے واسطے فخر کرنے کو کافی ہے۔ اگر تقدیر سے کچھ تھوڑی سی ثروت ہو گئی کھانا پکانے کے لیے ماما موجود ہے۔ تو اب دن بھر پلنگ پر پڑے اینڈ رہے ہیں۔ رات کو سویرے سے کھانا کھایا اور خراٹے لینے شروع کیے۔ نہ کسی کلب میں جانے کی ضرورت نہ انجمن میں شریک ہونے کی فرصت، اگر کبھی بھولے بسرے کسی سے ملنے گئے بھی تو خط نہ پتر اجازت نہ اطلاع ایکا ایکی جا دھمکے جن بیویوں میں تعلقات وسیع اور محبت زیادہ ہو وہاں شاید ایسی بے تکلفی جائز سمجھی جائے لیکن عام طور پر تو یہ وطیرہ اچھا نہیں۔ ممکن ہے کہ صاحبِ خانہ کو ملنے کی فرصت نہ ہو! اس کا گھر مہمان کی

کی اطلاع دینے پر درستی کا محتاج ہو یا اس کا موجودہ لباس ملاقات کے قابل نہو اس پہلی غلطی پر جس کے معنی ایک شخص کو شرمندہ اور ذلیل کرنا ہی۔ دوسرا تازیانہ کہ کئے تو وہیں کے ہو رہے گھنٹوں ہو گئے اور اُٹھنے کا نام نہیں نہ یہ خیال کہ اس بچاری کو اپنے بھی کچھ کام کرنے ہیں نہ یہ لحاظ کہ یہ غریب ہماری ملاقات میں اپنا کتنا وقت صرف کرسکتی ہی۔ میں اپنی مس صاحب کو بھیجتی ہوں باوجودیکہ بدھ اور ہفتہ دو دن اور ۵ بجے کا وقت آنے کا مقرر ہی۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہوا کہ وہ بلا اجازت اندر آگئی ہوں۔ دو دفعہ مجھ کو انھیں دعوت دینے کا اتفاق ہوا۔ پہلی مرتبہ وہ شریک نہو سکیں مگر اُنھوں نے نہایت خلق اور تہذیب سے عذر کیا اور اُسی وقت جواب لکھا کہ افسوس جس وقت آپ بلانا چاہتی ہیں میں یہ وقت اپنی دوسری بہن سے ملاقات کا مقرر کر چکی ہوں۔ گو یہ اگلے برس کا ذکر ہی مگر مجھ کو اچھی طرح یاد ہی کہ تقریباً سو رقعے بھیجے گئے تھے جن میں سے تین یا چار نے معذوری ظاہر کی لیکن افسوس کھانے پر جو بہنیں شریک ہوئیں وہ زیادہ سے زیادہ پچاس ہوں گی کیا تہذیب کا یہ تقاضا نہ تھا کہ اگر وہ شرکت سے مجبور تھیں تو ہم کو دو حرف لکھ بھیجتیں تاکہ ہم انتظار کی تکلیف اور مالی صرف دونوں سے بچتے

دوسری مرتبہ میری چچازاد بہن کے ہاں مختصر سی پارٹی تھی ۵ بجے کا وقت مقرر تھا لیکن چھ بجے کے بعد ڈولیاں اتر رہی تھیں۔

میری عزیز بہنو! سلیے اُصول زندگی تو چرند پرند سب ہی بسر کر لیتے ہیں ہمکو جو اشرف المخلوقات کا خطاب عطا ہوا ہی تو کوئی چیز تو ہماری زندگی میں فوقیت رکھتی ہو وقت کو ضائع نہ کرو یہ پھر ہاتھ آنیوالا نہیں جو کام ہو گیا وہ ہو گیا۔ ر۔ ب

بلقیس کا دربار

(۲)

شہزادی بلقیس کا دربار گرم تھا امراؤ وزرا اپنی نشستوں پر مؤدب بیٹھے تھے گو فریادیوں کی کثرت سے دیوان عام پٹا پڑا تھا۔ مگر شہزادی کے رعب سے ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔ پرندوں کے جم غفیر نے دن کو رات اور صاف آسمان کو اندھیر گھپ کر دیا۔ بلقیس نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو سب آگے ہُدہُد اور پیچھے پیچھے تمام قافلہ۔ شہزادی کے آنکھ اُٹھاتے ہی ہُدہُد نیچے اُترا زمیں بوس ہو کر فرض منصبی ادا کیا۔ اس قافلے کے آنے کی وجہ بیان کی! شہزادی کی اجازت پر جانوروں نے اس طرح اپنی داستان شروع کی۔

ہماری ہر دلعزیز شہزادی! عمر و اقبال روز افزوں۔ ہم مظلوم بڑے دُکھے ہوئے دل کی فریاد لیکر دربار میں حاضر ہوئے ہیں۔ ہماری فریاد سن اور ہمارا فیصلہ کر۔ تیرے انصاف کا ڈنکا چاروں طرف بج رہا ہے۔ دُور دُور سے لوگ تیرے حضور میں آتے ہیں اور داد پاتے ہیں۔ یہ تیرا ہی انتظام ہے کہ آج شیر بکری ایک گھاٹ پانی پی رہے ہیں مگر تیری تمام رعیت میں سے ایک ہم ہی بدنصیب ہیں کہ دُنیا بھر کے ظلم ہم پر ہو رہے ہیں اور ہم زبان نہیں ہلا سکتے۔ شہزادی معاف کیجیو تیرا دَورِ حکومت ہمارے واسطے قیامت ہو گیا۔ گو ہم پرند سہی مگر مخلوق ہونے کے اعتبار سے تیرے برابر ہیں۔ ہمارے جسم میں بھی روح ہے اور تکلیف کا احساس ہم میں بھی ویسا ہی ہے جیسا تیری اور رعیت میں۔ تیرے انصاف کی دھاک سُنکر ہم نے اپنے وطن عزیز اقارب سب چھوڑے اور تیری سلطنت میں آکر آباد ہوئے

مگر ہم مٹھی بھر پرے اس سزا کے مستوجب اور ایسی بیرحمی کے قابل نہ تھے جو تیری حکومت میں آکر بھگتیں۔ پری سبا کی لڑکیاں ہماری جانی دشمن ثابت ہوئیں انکو ہماری پیاری جانوں کی ذرہ بھر پروا نہیں۔ ہمکو قید کریں۔ ہمارے پر نوچیں۔ بھوکا رکھیں پیاسا ماریں درا آنکھ پر میل تک نہ آئے! اے شہزادی ہم تیرے دیس میں آکر لٹ گئے۔ تیری بیرحم رعیت نے ہمارے کلیجے کے ٹکڑے ہم سے جدا کیے۔ شہزادی ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے ہم سے چھین لیے جائیں آہ شہزادی! وہ تیرے نزدیک جانور فضول چیز بدترین مخلوق ہوں گے مگر دل پر ہات رکھ ماننا آدمی اور جانور سب کی برابر ہم چپکے بیٹھے دیکھتے ہیں اور اُف نہیں کرتے تیری رعیت کے ظالم ہات ہماری امیدوں خوشیوں اور ارمانوں کا خاتمہ کر دیتے ہیں اور ہم بے بس و بیکس انکی جانوں کو دعا دیتے ہیں شہزادی! زندگی کے یہ معنی نہیں کہ انسان دوسروں کی زندگی ہیچ سمجھے اور اپنی آسائش و آرام اپنی خوشی اور خواہش کے مقابلے میں دوسروں کا لحاظ نہ کرے۔ ہمارے گھونسلے اُجڑیں ہم زندہ گرفتار ہوں گھر چھوٹے یار چھوٹے مگر پھر بھی بیرحموں کا پیٹ نہ بھرے۔!

بلقیس خدا سے ڈر اور مرنے کو ما سمجھ ہماری آہ نہ لے بڑے مجروح دلوں کی فریاد ہے۔ اگر تونے ہماری طرف توجہ نہ کی تو یاد رکھ یہ آہ اوپر ہی اوپر جانیوالی نہیں۔ سچے دل کی فریاد ہے۔ اگر منہ اوپر اٹھ گیا تو یہ عرش کے کنگورے تک ہلا دے گی ہم نے بہت صبر کیا ہمارے کلیجے کھول کر دیکھ پکے پھوڑا ہیں۔ اتنا نہ ستا کہ دکھتے ہوئے دلوں سے آہ نکل جائے! ہماری وفاداری اور نمک حلالی پر غور کر ان ظلموں پر

جو ہم رات دن اُٹھا رہے ہیں ہماری زبانیں ہر وقت تیری خیر خواہ اور ہمارے دل تیری ترقی کے دعا گو ہیں۔ ہمارا رونگٹا رونگٹا تیرے احسانات کا مشکور ہے اور ہماری دلی آرزوئیں یہ ہیں کہ مشرق سے مغرب تک تیرا راج ہو تو دنیا میں پھولے پھلے اقبال زیادہ عمر رہتی اور نصیبہ سکندر ہو!

شہزادی محترمہ! ہماری زار حالتوں پر رحم کر، شفقت کی نظر سے دیکھ اور انصاف کے کانوں سے سُن ورنہ ہم جانوروں کی بات لکھ لے اگر ہماری آہ بد دعا کر بیٹھی تو اب تیرے بعد وہ دروازہ ہے جس کے آگے ہم اور تو دونوں برابر ہیں۔ بے زبانوں کا صبر خالی نہ جائیگا یہ سلطنت اور شہر سبا سب برباد ہو جائیگا۔ شہزادی انصاف سے کام لے اور صفحہ تاریخ پر ایسی یادگار چھوڑ کہ ہماری اور تیری آئندہ نسلیں ہمیشہ بھلائی سے یاد کریں۔

مغیرہ کا گھر

(۳)

کوٹھی کی وضع پر ایک چھوٹے خوبصورت سے مکان میں جس کے ساتھ ایک خوشنما باغیچہ لگا ہوا ہے مغیرہ اور اُسکا خاوند دونوں میاں بیوی بیٹھے ہیں۔ گیارہ بارہ برس کے دو لڑکے کھیل رہے ہیں اور ایک دودھ پیتا بچہ پنگوڑے میں پڑا جھول رہا ہے اوپر تلے کی دو لڑکیاں جو دس بارہ برس سے زیادہ نہ ہونگی گھر کے کام دھندوں میں مصروف ہیں چھوٹی لڑکی ماں کے حکم سے ایک پانی کی بھری ہوئی گھڑیا اُٹھا کر لائی بیچ میں پڑا تھا کونڈا ٹھوکر لگی برابر میں رکھی تھی صراحی اُسپر جا پڑی۔ مغیرہ جس کے دل میں رحم کا مادّہ کچھ برائے نام ہی سا تھا بیٹی کی چوٹ پر کچھ زیادہ متوجہ نہ ہوئی ہاں صراحی

ہونے کا رنج ہوا اور یہی وجہ تھی کہ اس نے بیٹی کو اندھی اور دُھندی بیسیوں باتیں سُنا ڈالیں۔ دائیں طرف کونے میں ایک طوطے کا پنجرہ رکھا تھا بائیں طرف کبوتروں کی کابک اور صحن میں مرغیاں بطخیں پھر رہی تھیں۔ کھانے کا وقت آیا پہلے مرد کھانا کھانے بیٹھے درجن بھر آم آئے تھے۔ دس آم تراش کر مغیرہ نے میاں اور بچوں کے آگے رکھے اس کے بعد دونوں لڑکیوں کو لیکر آپ کھانا کھانے بیٹھی ایک یا دو آم دیے بیٹیاں چار چار پھانکیں فی کس پڑیں۔

شام کے وقت لڑکے کھیل کود میں مصروف ہوئے لڑکیاں پکانے ریندھنے میں۔ پنجرے میں سے طوطے نے کہا بیوی مٹھو بیٹے کو روٹی دو۔ مغیرہ دوسرے کاموں میں ایسی محو تھی کہ سُنا تک نہیں۔ چھوٹی لڑکی بیچاری کسی ضرورت سے ادھر آنکلی تو دیکھتی کیا ہے دونوں کلیاں سوکھی پڑی ہیں دانہ نہ پانی ہیرامن بیٹھے اُونگھ رہے ہیں۔ کابک کی طرف جا کر دیکھا تو آج سب کبوتر ہی کھولنا بھول گئے پہاڑ سا دن بے زبان جانوروں کو صاف بیت گیا۔ لڑکی ان جانوروں کو دانہ پانی ڈال رہی تھی کہ گود کا بچہ روتا ہوا اُٹھا۔ اور مغیرہ سب کاموں کو چھوڑ چھاڑ اُسکی طرف متوجہ ہوئی بہتیرا بہلایا مگر اُس کو کچھ ایسی ضد آئی کہ کسی طرح چپ نہ ہوا کندھے سے لگائے پھر رہی تھی اتفاق سے سامنے موکھے میں چڑیا اپنے بچے کو بھرا رہی تھی ممتا کی ماری دُور دُور سے دو چار دانے چُرا چُرا چک کر آتی تھی اور بچے کے پیٹ میں ڈال دیتی تھی مغیرہ نے بچے کے بہلانیکا ایک یہی ذریعہ سوچا۔ چڑیا دانے کی تلاش میں اُدھر گئی مغیرہ نے بچہ اُتار اپنے بچے کے ہات میں دیدیا۔ آہا! میاں کے ہات میں چڑیا آگئی غریب چڑیا آئی تو بچہ ندارد۔ چیں چیں کی آواز سُنکر ادھر آئی ہرچند چیخی

چلائی۔ روئی پیٹی منت کی سماجت کی مگر اب کیا بچہ ملنے والا تھا۔ گرمی کے دن تھی میں ھنچا ہوا بچہ دو چار منٹ میں گھٹ کر مرگیا۔

اتنے میں مغیرہ کا خاوند باہر سے ایک حکمنامہ لیکر آیا جس میں دونوں میاں بیوی کو شہزادی بلقیس نے یہ ہدایت کی تھی۔

"سنا ہے کہ بے زبانوں پر تمھارے ظلم حد سے زیادہ گزر گئے اب بھی احتیاط کرو تو کچھ نہیں گیا چندروزہ زندگی کے واسطے دین و دنیا کو غارت نہ کرو تمھاری سب خبریں ہم تک پہنچ رہی ہیں اور برابر پہنچیں گی جس وقت ہم نے تم کو سزا میں پکڑ لیا تو کچھ نہ ہوسکیگا۔"

چپ کی داد

(۴)

ماہ محرم کی اکیسویں تاریخ مغیرہ کے واسطے قیامت تھی دودھ پیتا بچہ جسے رات کو بھلا چنگا لے کر سوئی صبح کے وقت بخار میں ہل ہلا رہا تھا ہر چند دوائیاں دیں اور ٹھنڈائیاں پلائیں مگر لمحہ بہ لمحہ اور ساعت بہ ساعت بچے کی حالت ابتر ہوتی گئی دوپہر سے پہلے پہلے برس سوا برس کا کھیلتا مالتا بچہ ہاتوں میں آگیا۔ دنیا بھر کے جتن کر ڈالے مگر ٹوٹی کی بوٹی کہاں بخار بخار کے ساتھ سانس اور ساتھ ہی بیہوشی سینے کلیجے پر چھریاں چل رہی تھیں جوجو دوادی اور بگڑتا گیا کلیجے سے لگائے بیٹھی تھی اور گڑگڑا گڑگڑا کر تندرستی کی دعائیں مانگ رہی تھی دفعۃً بچہ کلبلایا میاں میاں کہکر چمکارتی تھی کہ بچے کو ایک ہچکی آئی ہات پاؤں کانپے اور تڑپ تڑپ کر مغیرہ کے ہاتوں میں سرد ہوگیا۔

موٹا تازہ گورا چٹا گلگتھنا سا بچہ جس کو دیکھ کر غیروں کو پیار آتا تھا چند گھنٹوں میں منیرہ بدنصیب کی گود کو ہمیشہ کے واسطے سنسان کر گیا۔ دیوانہ وار چاروں طرف پھرتی ننھی ننھی جوتیاں مُنّے مُنّے کھلونے اٹھاتی سر پر رکھتی آنکھوں سے لگاتی۔اُس کا ہمک کر گود میں آنا اور گلے میں ہات ڈال کر لپٹنا دل سے نہ جاتا تھا پورے بیس روز اسی طرح زندگی بسر کی۔صفر کا دوسرا ہفتہ تھا بڑے بچے کا ہات پکڑے باغ میں ٹہل رہی تھی جھٹ پٹا وقت تھا اور چاروں طرف سناٹا چھایا ہوا ٹہلتے ٹہلتے گھاس کے اُس قطعے پر پہنچی جہاں وہ چھوٹا سا بچہ گھنٹوں بیٹھا کھیلتا تھا۔بچے کی یاد نے ایسا بےچین کیا کہ روئی اور روتے روتے ہچکی بندھ گئی گھاس میں ایک سانپ خدا معلوم کب سے چھپا بیٹھا تھا بڑے لڑکے کا قدم رکھنا تھا کہ سانپ نے چرکا پھن اُٹھا کر کھڑا ہوا اور پھر آگے کو چلدیا۔

بچّے کی زبان سے اتنی بات تو نکلی کہ ہائے امّاں سانپ نے ڈس لیا۔

ماں اور وہ ماں جو ابھی ایک ہی صدمے سے نہ سنبھلنے پائی تھی کلیجے کے ٹکڑے سے دوڑ کر چمٹ گئی۔چاہا بہت کہ بچے کو سنبھالے مگر نہ سنبھل سکا گرا اور گرتے ہی ہات پاؤں سینچنے لگا بدنصیب ماں کی نگاہ اپنے لال کے چہرے پر تھی بدن سُن ہو گیا تھا اور حواس باختہ تھے بچے کا سر ماں کے زانو پر تھا کبھی اُس کو دیکھتی تھی کبھی آسمان کی طرف مونہہ اُٹھاتی تھی دو یا تین منٹ لگے ہونگے بچے نے ماں کے چہرے کی طرف آخری دفعہ حسرت آمیز نظر ڈالی کچھ کہنا چاہتا تھا مگر زبان نے یاری نہ دی دونوں ہات اُٹھا کر ماں کے گلے میں ڈال دیئے ایک ہچکی آئی اور رخصت ہوا بہت دیر تک ٹکٹکی باندھے بچے کو دیکھتی رہی۔جب یہ یقین ہو گیا کہ بارہ برس کی

محنت چشم زدن میں برباد ہوئی اور جو بچہ ابھی اُنگلی پکڑے ساتھ ساتھ ٹہل رہا تھا ہمیشہ کے واسطے سوگیا تو ایک چیخ ماری اور یہ کہتی ہوئی اُٹھی۔

آہ! دنیائے ناپائدار کلیجہ توڑ دیا "

رات بھر تڑپی صبح ہوتے خواب میں ایک شخص کو کھڑا دیکھا جس کا نورانی چہرہ اُس کے بزرگ ہونے کی دلیل تھی مغیرہ کی طرف اُسنے اُنگلی اُٹھائی اور اس طرح کہنا شروع کیا!

سنگ دل مغیرہ! تو اس سے زیادہ سزا کی مستوجب تھی، تونے جیسے ظلم دنیا میں ڈھائے ابھی اُس کی پاداش تجھ کو بھگتنی باقی ہے تونے ان معصوم بچیوں کو جو یتیم تیرے ہاں چند روز کے مہمان ہیں کبھی وقعت کی نظر سے نہ دیکھا تجھ کو نہیں معلوم کہ ان کو اپنی آیندہ زندگی میں کیا کیا مصیبتیں آنے والی ہیں ان کی خوشی اور فارغ البالی کا زمانہ یہی چند روز تھے مگر تم دونوں میاں بیوی نے کبھی محبت کی نگاہ نہ ڈالی اور اس بےفکری کے وقت کو جو تمام عمر میں ان کے واسطے غنیمت تھا کبھی خوشی سے نہ گزرنے دیا ارے ظالم ماں باپ یہ غریب گائیں جو ساون کی چڑیوں کی طرح تمھارے ہاں چہک رہی ہیں عنقریب تم سے رخصت ہونیوالی ہیں طرح طرح کی تکلیفیں اور فکر رنج وغم ان کے سر پر ہونگے۔ یہ غریب لڑکیاں یہ موہنی صورتیں اپنے بچپن کو کیا خاک یاد کریں گی! ان کا یہ کہنا کیا بیجا ہوگا کہ ہمارا تو بچپن بھی تکلیفوں ہی میں گزرا! جفاکار اور ظالم مغیرہ! تونے لڑکوں کو ہر قسم کے عیش کرائے اور آرام دیے مگر ان بدنصیبوں کی راحت کا کبھی خیال نہ آیا۔ بچا کچھا روٹی سالن میلے کچیلے کپڑے ان کا حق تھا اور تر نوالے قیمتی کپڑے لڑکوں کا۔

اے شقی القلب تجھ کو یاد ہوگا کس طرح وہ چڑیا اپنے پیارے بچے کو بھرا رہی تھی

اور کس محبت سے وہ بچہ پر پھیلا پھیلا کر اور تھرک تھرک کر ماں کی طرف جھکے جاتا تھا۔ تو نے محض اپنے بچے کو خوش کرنے کے واسطے اُس کی جان لی! کیوں عزیز؟ چڑیا کی آتما کیا کہتی ہوگی!

کیا تو اور یہ بے زبان چڑیا ایک خالق کی مخلوق نہیں۔ اے نابکار تو کسی ہمدردی کی مستحق نہیں۔ یہ جو کچھ تجھ پر بڑی دنیا کا دنیا میں ہے۔ ابھی ایک زبردست بادشاہ کا دربار اور ایک منصف حاکم کی پیشی باقی ہے جہاں تجھ کو ان تمام بے رحمیوں اور بے انصافیوں کا جواب دینا ہے۔

راشد الخیری

میرے پاس ایک گمنام بہن اللہ کی بندی کا مضمون "چشم دید واقعات" کے عنوان سے دہلی کلب کی بُرائی میں اور نکتہ چینی پر پہنچا۔ اگر نامہ نگار بہن کو اپنا نام عام طور پر ظاہر کرنا منظور نہیں تو کم سے کم وہ مجھ کو تو اسم گرامی سے مطلع فرمائیں۔

افسوس جب تک وہ اپنا نام اور پتہ نہ لکھیں میں اس قسم کے مضامین درج نہیں کر سکتی۔

ہنامہ نگار بہن کو مناسب ہے کہ جب وہ کوئی مضمون لکھیں اور بالخصوص اس قسم کا جو کسی پر نکتہ چینی یا اعتراض ہو تو ضرور اپنا نام اور پتہ تحریر فرماویں ورنہ میں گمنام تحریروں کے اندراج سے معذور رہوں۔ تاہم میں اللہ کی بندی کو مولوی سید ممتاز علی صاحب کی نیک صلاح پر جو انھوں نے مئی کے تہذیب النسواں میں درج کی ہے عمل کرنے کی صلاح دیتی ہوں۔

بچّوں کی صحت

میاں بی بی کے لیے اُن کی تمام زندگی میں سب سے زیادہ خوشی کا وہ وقت ہوتا ہی جب اُن کو ہزاروں آرزوئیں اور لاکھوں ارمانوں کے بعد اول اول ماں باپ کا لقب ملتا ہی۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ جب وہ صفحۂ دنیا پر ایک نیا نقش قائم کرنے کے باعث ہوتے ہیں۔ اُن کے اشغال میں ایک نیا اضافہ ہوجاتا ہے اور اُن کے تعلقات اور زیادہ گہرے ہوجاتے ہیں۔ اُس دن اُن کو اپنے فرائض سے کماحقہٗ آگاہی ہوتی ہی اور اُس دن اُن کو معلوم ہوتا ہی کہ ہم کو علاوہ اپنے ذاتی تعلقات کے ایک نیا تعلق پیدا کرنا ہی۔ اس دن وہ اپنے آپ کو دنیا کے عیش و آرام کا حصہ دار سمجھتے ہیں اور اُسی دن اُن کو اپنی دلبستگی اور دل بہلاؤ کا سامان ہات آتا ہی۔ مگر افسوس یہ ہی کہ اکثر یہ خوشی۔ یہ لاانتہا خوشی۔ یہ لازوال خوشی رنج و مصیبت میں تبدیل ہوجاتی ہی۔ اور والدین اُس پھول سے نازک اور ننھے جسم کو اپنے ہی ہاتوں پیوند خاک کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا ایک کتاب میں میری نگاہ سے گزرا تھا کہ کلکتے میں مسلمانوں کے جس قدر اولاد پیدا ہوتی ہی اُن میں سے نصف پہلے ہی سال کے اندر دنیا کو چھوڑ دیتی ہے حالانکہ وہیں انگریزوں کے بچوں کی اموات کا اوسط پہلے سال پانچ میں ایک ہی اور انگلستان میں آٹھ میں ایک۔ دوسرے سال موتیں اور بھی کم ہوتی ہیں اور تیسرے سال اور بھی کم۔ لیکن اگر حساب لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ جس قدر

بچے یہاں ہوتے ہیں تقریباً اُس کے آدھے پانچ سال کے اندر اپنی عزیز جان ملک الموت کے سپرد کر دیتے ہیں۔ ۴ ستمبر کو حفظان صحت کے متعلق صوبجات متحدہ کے ہر دلعزیز لفٹنٹ گورنر سر جان ہوٹ صاحب بہادر نے جو کانفرنس منعقد کی تھی۔ اس کی افتتاحی تقریر میں صاحب ممدوح نے اس بات کو بیان کیا ہی کہ اس صوبے میں بچوں کی اموات بہ نسبت انگلستان کے دو چند ہی۔

اس کے اسباب اگر تلاش کیے جائیں تو والدین کی ناتجربہ کاری اور قانون حفظان صحت سے ناواقفیت اور جہالت نکلیں گے۔ مگر وہ خود اس کو نہیں سمجھتے اور تقدیر سے مجبوری ظاہر کر کے اپنے دلوں کو تسکین دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ تقدیر خدائے وحدہ لاشریک کے علم کا نام ہی جو اُس کو بحیثیت علیم و دانا ہونے کے حاصل ہی۔ دنیا ایک عالم اسباب ہی اور ہر چیز کی ایک علت اور ہر شئے کا ایک سبب اُس قادر مطلق نے پیدا کر دیا ہی۔ اگر ہم اُن اسباب پر غور کر کے اُن اشیا کے حصول کی کوشش کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہمکو کامیابی نہو۔ لیکن اُن اسباب سے قطع نظر کر کے تقدیر سے حصول مدعا کی خواہش کرنا ہرگز قرین صواب نہیں ہے۔ مثلاً دریا کے پانی کو اللہ تعالیٰ نے ڈبونے کی طاقت دی ہی۔ اگر کوئی عورت اپنے بچے کو دریا میں خود بخود پھینک دے اور پھر اُس کے ڈوب جانے کو قضاء الٰہی کی طرف منسوب کرے تو ہر شخص سمجھ سکتا ہی کہ یہ نسبت کہانتک ٹھیک ہی۔ اسی طرح بچوں کی پوری خبرگیری نہ کرنا اور اُن کی صحت کی نگہداشت میں کمی کرنا سراسر والدین کا قصور ہی۔ اور اگر اس غلطی یا قصور کی وجہ سے اُن کو کوئی نقصان پہنچ جائے تو اُس کو تقدیر کے حوالے کرنا اور بھی

زیادہ حماقت ہی۔ بچوں کے نازک جسم اور اُن کی ننھی سی جان کی بالکل وہی حالت ہی جو ایک شعلے کی ہوتی ہی۔ شروع شروع میں جب اُس کی روشنی اور شعلہ بہت ہلکی ہوتی ہی تو وہ ذرا سے سانس سے بھی فوراً بجھ جاتا ہی۔ مگر جب ذرا دیر کے بعد اُس میں تیزی آجاتی ہی تو اُس قدر آسانی سے نہیں بجھ سکتا بلکہ بعض وقت تیز ہوا کے جھونکے کو بھی برداشت کرجاتا ہی۔ بچے جوں جوں بڑے ہوتے جاتے ہیں اُن کی خبرگیری اور نگہداشت کی تکلیف میں کمی آتی جاتی ہی لیکن شروع شروع میں جس قدر تکلیف اور محنت والدین کو کرنی چاہیے وہ محتاج بیان نہیں ہی اس مضمون میں ان نقائص کو جو ہمارے یہاں کے رواج میں داخل ہیں مختصر طور پر بیان کرکے یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ بچوں کی صحت کی نگہداشت کس طرح ہوسکتی ہی۔ یہ مضمون جیسا کچھ اہم ہی ویسا ہی وسیع بھی ہی اور میں نہیں سمجھ سکتا کہ میں چند صفحات میں سب باتیں مفصل طور پر کس طرح بیان کرسکوں گا ہرحال اسقدر مجھے اُمید ہی کہ اس مضمون کو پڑھ کر ناظرین کے دل میں اُن انتظامات اور اصول کا ایک خاکہ قائم ہوجائیگا جن کی بچوں کی صحت کے لیے ضرورت ہی اور اُس میں اپنی بود و باش اپنے وسائل اور اپنی حالت کے لحاظ سے تغیر و تبدل کرلینا چنداں دشوار نہوگا۔ پھر بھی ضرورت ہی کہ اس بحث پر متعدد طویل اور مدلل مضامین شائع ہوں جن سے ہماری موجودہ حالت پر اثر پڑے اس لیے میں ملک کے اہل قلم اصحاب سے اُمید کرتا ہوں کہ وہ اس مضمون کو ہات میں لیکر اس کے ہر پہلو پر کافی روشنی ڈالنے کی کوشش کرینگے۔ مستورات کا سب سے اہم فرض تربیت اولاد ہے اور اولاد کی صحت کی نگہداشت تربیت کا سب سے بڑا جزو ہی۔

ہوا ہر شخص جانتا ہے کہ زندگی کے لیے سب سے ضروری چیز ہوا ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ زیادہ تر کیا اس بات پر بالکل خیال نہیں کیا جاتا۔ ہوا صاف اور تازہ ہونی چاہیے لیکن بہت آدمی صاف اور گندہ ہوا میں فرق نہیں سمجھتے۔ بات یہ ہے کہ آدمی جب سانس لیتا ہے تو اُس کے جسم کے اندر تازہ ہوا جاتی ہے۔ لیکن جب وہ ہوا باہر آتی ہے تو گندہ ہوکر اور اندر کی تمام گندہ چیزوں کو لیے ہوئے آتی ہے یہ ہوا بہت ہی مضر ہے اور اس کو بمنزلہ زہر کے تصور کرنا چاہیے ہم لوگوں میں یہ دستور ہے کہ زچہ خانے میں ہوا کی پوری طور پر آمد و رفت کے لیے دروازے یا کھڑکیاں بالکل کھلی نہیں ہوتیں۔ ہر چہار طرف کمرہ بند کر دیا جاتا ہے اور گھر کے قریب قریب سب لوگ اُسی کمرے میں زچہ کے چاروں طرف جمع ہو جاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اُس کمرے میں جس قدر صاف ہوا بھی ہوتی ہے وہ بھی خراب ہو جاتی ہے اور چونکہ تازہ ہوا کی آمد و رفت مسدود ہے اس لیے وہی خراب ہوا بار بار جسم کے اندر پھر داخل ہوتی رہتی ہے۔ اس سے نقصان تو جس قدر آدمی وہاں جمع رہتے ہیں سب ہی کو ہوتا ہے گو تندرست آدمی بظاہر اس مضرت کو محسوس نہ کریں لیکن زچہ اور بالخصوص بچہ کو جسے اس دنیا میں آئے ہوئے صرف چند منٹ ہی ہوتے ہیں اور جس کے لیے سانس کا زور سے لینا بھی باد مخالف کے طوفان خیز جھونکوں سے کم نہیں ہوتا ناقابل بیان نقصان پہنچ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے یہاں کے بچے انگریزوں کے بچوں کی طرح چست و چالاک اور خرم و بشاش نظر نہیں آتے اس کا آسان علاج یہ ہے کہ زچہ خانے کے لیے ایسے کمرے کو پسند کیا جائے جس میں ہر وقت تازہ ہوا کے لیے کھڑکیاں اور دروازے ہوں اور بچے کو پیدا

ہونے کے بعد تمام ضروریات سے فراغت کرکے تازہ ہوا میں سانس لینے کی اجازت دیجائے۔ گود میں ہروقت لئے رہنا بھی حال کی تحقیقات سے مضر ثابت ہوا ہی اس لیے اس امر میں جہاں تک احتیاط کی جائے بہتر ہی۔ جن لوگوں کو اللہ نے وسعت دی ہی اور جن لوگوں کے وسائل معقول ہیں اُن کو چاہیے کہ ایک چھوٹی ہات سے چلانے والی گاڑی میں بچے کو بٹھا کر نوکر کے سپرد کردیں۔ اور نوکر پر تاکید رکھیں کہ صبح و شام دونوں وقت شہر کے باہر کھلی ہوا میں لے جایا کرے اس کے علاوہ جب بچہ گھر میں بھی رہے تو ماں کو چاہیے کہ اُس کو گود میں لیے نہ پھرے بلکہ جہاں تک ہو اُس کو اپنی کوشش سے کھڑا ہونا اور حرکت کرنے میں اپنی طاقت صرف کرنا سکھائے انگریزوں کے ایک ایک سال کے چھوٹے چھوٹے بچے سڑکوں پر ایسی تیزی اور چستی سے دوڑتے پھرتے ہیں کہ ہم لوگ انکو دیکھکر تعجب کرتے ہیں اور اس تعجب کی وجہ یہ ہی کہ ہمارے یہاں دو۔ دو۔ تین تین سال کے بچے ماؤں کی گودوں سے ہی نہیں اُترتے۔ بظاہر یہ احتیاطیں بہت ہی معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن ان پر عمل کرنے سے زمین و آسمان کا فرق ہمارے بچوں کی صحت میں ہوجاتا ہی۔

خوراک اس بارے میں بھی ہماری مستورات کی لاعلمی اکثر بہت ہی جان گداز حادثات کا باعث ہوتی ہی۔ سب سے اول پانی کے استعمال میں احتیاط لازمی ہی۔ صاف اور عمدہ پانی کی سب سے بڑی پہچان یہ ہی کہ وہ بہت ہی شفاف ہوتا ہی اور اُس میں کسی قسم کا بھی مزا یا بو نہیں ہوتی۔ پانی کے خراب ہوجانے کی وجہ زیادہ تر یہ ہوتی ہی کہ کنوؤں کے آس پاس یا اُس کے قریب

زرکٹ اور نالیوں کا غلیظ پانی نکل کر بہنے لگے۔ زمین کو بھی انسان کے جسم کی طرح خیال کرنا چاہیے جس طرح ہمارے جسم میں ہزاروں بلکہ لاکھوں چھوٹے چھوٹے سوراخ ہیں جن کو مسام کہتے ہیں۔ اسی طرح زمین میں بھی مسام ہوتے ہیں۔ جو پانی زمین کے اوپر گرتا ہے انہی مسامات کے ذریعہ سے زمین کے اندر چلا جاتا ہے اس لیے اگر کوئیں کے آس پاس گندہ پانی بہتا ہو تو اُس کے یہ معنی ہیں کہ وہ پانی زمین کے اندر جذب ہو کر کنوئیں کے پانی میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس سے بہت بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ جب عام طور پر وبا پھیلتی ہے تو پانی اُبال کر پینے کی صلاح دیجاتی ہے۔ جب کبھی ایسا اتفاق ہو اور پانی میں ذرا سی بھی خرابی کا اندیشہ ہو تو فوراً احتیاط کرنا ضروری ہے۔ اگر ممکن ہو تو اُس پانی ہی کو استعمال نہ کیا جائے اور یا اُس کو اُبال کر پینے کے کام میں لایا جائے بلکہ اگر ہو سکے تو فوراً اُس کنوئے میں دوا ڈالنے کے لیے میونسپلٹی کو اطلاع دیدی جائے۔ اس بات کو خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ دنیا کی تمام چیزیں کوشش۔ محنت اور روپئے سے حاصل ہو سکتی ہیں لیکن تندرستی اگر خدانخواستہ ضائع ہو گئی تو پھر نہیں مل سکتی۔ (باقی آئندہ)

سید محمد ابراہیم انجم

لارڈ ایوبری جن کی عمر اب ۷۰ برس کی ہے اور جن کو اسبات کا فخر حاصل ہے کہ انگلستان بھر میں پہلا شخص ہوں جس کی تصویر فوٹوگراف کے ذریعہ سے اتاری گئی۔ ایک سوال کے جواب میں کہتے ہیں کہ "صحت قائم رکھنے کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ انسان کم کھائے کم پیے مگر جس قدر زیادہ ممکن ہو کھلی ہوئی ہوا میں رہے اور کسی قسم کا رنج و غم اپنے پاس نہ پھٹکنے دے"

قدرت کی نیلم پری

کہانیوں کی پریاں سُننے کو تو سب ہی سُنتے ہیں مگر دیکھنے میں کم آتی ہیں قدرت کے پرستان میں بیشمار پریاں ہیں جن کا حُسن پائدار ہے اور جن کی صورت روز ہماری آنکھوں کو تر و تازگی بخشتی ہے۔ آج ہم نیلم پری کا بیان لکھتے ہیں جسے ہم آسمان کہتے ہیں۔ عجائبات قدرت میں اس پری سے بڑھ کر شرمیلی پری نہیں بلندی پر اس کا گھر ہے اور وہیں نہایت عزت و وقار سے رہتی ہے بادل جو ہمیں نظر آتے ہیں ان سے بھی میلوں پرے اس کا مکان ہے۔ اپنا فیروزی رنگ کا گنبد یہ ایسا روشن اور مصفا رکھتی ہے کہ انسان ہمیشہ حیرت سے اس کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھا کرتا ہے اور اس نظارے سے اُس کا جی نہیں بھرتا حیران ہوتا ہے کہ ایسا خوبصورت رنگ کیونکر پیدا ہو گیا جبکہ حقیقت میں وہاں فقط ہوا ہی ہوا ہے۔ اور ہوا کے پیچھے دُور تک۔ اتنی دُور تک جس کی دوری کا اندازہ آدمی نہیں کر سکتا ہیبت ناک خلا ہے۔ یہاں تک کہ اُن ستاروں کی دنیا آجاتی ہے جو ہمیں اس دنیا سے ٹمٹاتے ہوئے چراغ سے نظر آتے ہیں۔

سائنس[1] مدتوں نیلم پری کو گھورتی رہی۔ مگر دیر تک اس کی باریک بین نگاہوں سے اس پری نے اپنا بھید چھپائے رکھا۔ مگر کب تک چھپ سکتا تھا۔ انسان بھی بڑا بے ڈھب ہے جس چیز کے پیچھے پڑ جائے چھوڑتا نہیں۔ نیلم پری کے گھر کی کیفیت بھی معلوم کر لی۔ گو وہاں تک پہنچنے میں انسان تو کیا فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں

[1] علم طبعیات

نیلم پری کا گھر ایک ہوائی محل ہے۔ یہ ہوا جو ہماری زندگی کا سہارا ہے اور جس میں ہم مچھلیوں کی طرح تیرتے پھرتے ہیں۔ جوں جوں بلندی کی طرف چلیں ہلکی ہوتی جاتی ہے۔ یہ تو تم نے سنا ہی ہوگا کہ کوہ ہمالہ کی بعض چوٹیاں ایسی ہیں جہاں انسان اگر پہنچ جائے تو ہوا کی کمی کے مارے دم گھٹ جائے ناک سے خون بہنے لگے اور دیر تک ٹھہرے تو جان نکل جائے۔ اس سے اور اوپر انسان کا دم بھر بھی گزارا نہیں۔ وہیں نیلم پری کا مسکن ہے۔ ہماری اس زمین سے کوئی سو میل سے زیادہ فاصلے پر اس نے اپنا گھر بنایا ہے۔ ہم بے بال و پر وہاں تک کیونکر پہنچ سکتے ہیں اور اگر کسی طرح پہنچ بھی جائیں تو جیسے ماہی بے آب تڑپ کر رہ جاتی ہے وہیں سانس رک جائے۔ سردی اس قدر ہے کہ خون فوراً رگوں میں جم جائے۔

نیلم پری کی دو بہنیں ہیں ایک کا نام طلوع ہے۔ دوسری کا غروب۔ یہ زمین کے قریب تر رہتی ہیں۔ نیلم پری کے ہوائی محل کی یہ دونوں دربان ہیں۔ ایک اس دروازے پر رہتی ہے جس سے سورج روز اندر آتا ہے اور دوسری اُس دروازے پر مقرر ہے جہاں سے سورج باہر جاتا ہے۔ یہ سُہانے رنگ جن سے صبح و شام نیلم پری سنگھار کر کے نکلتی ہے انہی بہنوں کی کاریگری ہے۔

دنیا جہان کے سارے رنگ سورج کی کرنوں سے نکلے ہیں۔ ان کرنوں کو پھاڑ دو طرح طرح کے رنگ نکلتے ہیں۔ کبھی یہ تماشا نہ دیکھا ہو تو ایک مثلث ٹکڑا بلور کا لے لو جسے علمی اصطلاح میں منشور مثلث کہتے ہیں۔ اسے سورج کے سامنے رکھو اور دیکھو کیسے کیسے خوبصورت رنگ نظر آتے ہیں۔ برسات میں جو قوس قزح بنتی ہے اس کا یہی اصول ہے۔

قدرت نے ہر چیز کے قاعدے بنائے ہیں۔ یہ پریاں قدرت کی رازدار ہیں اور ان قاعدوں سے واقف اور اسی علم کی بدولت یہ ساری آرائش و زیبائش ہے۔ روشنی کی چھوٹی چھوٹی لہریں سورج سے نکل کر روانہ ہوتی ہیں۔ یہ لہریں بلا وبلا ایک انچ کا پچاسواں حصہ لمبی ہوتی ہیں۔ ساتوں رنگ جو سورج کی کرنوں میں موجود ہوتے ہیں اور سب مل کر سفید دکھائی دیتے ہیں۔ اپنی اپنی علحدہ لہریں رکھتے ہیں جن کی لمبائی اور تیزی رفتار میں فرق ہوتا ہے۔ مثلاً سرخ رنگ کی لہریں سب سے لمبی اور رفتار میں سست ہوتی ہیں۔ نیلی بنفشی رنگ کی لہریں طول میں سب سے کم اور رفتار میں سب سے تیز ہوتی ہیں۔

نیلم پری اپنے محل میں بیٹھی ہوئی یہ کام کرتی ہو کہ جوں ہی سورج کی کرنیں زمین کے گرد کے کرۂ ہوائی کا عزم کرتی ہیں انہیں پکڑ لیتی ہے۔ اور ان میں سے نیلے رنگ کی لہریں جو اس کو سب سے بڑھ کر پسند ہیں اڑا لیتی ہے۔ اپنی بھدی اور سست رفتار بہنوں سے جدا ہوتے ہی یہ چست و چالاک ننھی ننھی لہریں یوں دوڑ کر پھیلتی ہیں جیسے رخصت کے بعد مدرسے سے بچے اور ان بے شمار جواہرات سے جو نیلم پری نے اپنے احاطے میں بکھیر رکھے ہیں کھیلنے لگتی ہیں۔ یہ جواہرات کیا ہیں؟ آکسیجن اور نیٹروجن کے چھوٹے چھوٹے ذرّے۔ جمے ہوئے پانی کے نہایت چھوٹے قطرے جو خوردبین میں دیکھنے پر بھی سوئی کی نوک کے برابر نظر آئیں نیلی لہریں ان جواہرات سے قد و قامت میں مناسبت رکھتی ہیں اسلیے خوشی سے اُنسے کھیلنے میں مصروف ہو جاتی ہیں۔ اُن کے ساتھ کی سرخ۔ نارنجی۔ زرد اور سبز لہریں جو بڑی بڑی اور بھدی ہیں۔ ان کے ساتھ اس دلچسپ کھیل میں شریک نہیں ہو سکتیں

---

[1] ہوا کے اجزا ہیں جن کے اصطلاحی نام انگریزی زبان میں ہیں۔

اور سیدھی اپنی منزل مقصود کی طرف چلی آتی ہیں۔ انہی کے مجموعے کا نام ہمارے ہاں روز روشن ہے۔

اب پری کی دونوں بہنوں کو اپنے کمال دکھانے کا موقع ملتا ہے نیلم پری سے تو انہیں حسن و جمال میں کوئی نسبت نہیں نیلم پری کا تو تخت بھی نیلم اور پکھراج کا ہے۔ مگر اس کی دونوں بہنوں کے تخت سونے کے ہیں۔ نیلم پری جن جواہرات سے روشنی کی لہروں کو چھانستی ہے۔ ایسے نفیس جواہر بھی ان بچاریوں کو میسر نہیں۔ ظاہری خاک کو عالم پاک سے کیا نسبت۔ یہ زمین کے قریب رہتی ہیں۔ اسی بھی ہیں کے گرد و غبار سے جو سجاوٹ یہ پیدا کر لیتی ہیں۔ انھیں کا حصہ ہے۔ کرۂ ہوائی کے نچلے حصے کے کثیف بخارات اُن میں بھی گرد و غبار کی ملاوٹ مگر انہی ذروں میں بی طلوع اور بی غروب کرنوں کو الجھا لیتی ہیں اور رنگا رنگ کے معجزے دکھاتی ہیں۔ انھیں نارنجی اور سُرخ رنگ پیارے ہیں۔ سورج کے نکلنے کے وقت یا اُس کے رخصت ہونے کے قریب یہ زمین کی گرد آلودگی کو جھاڑ دے اکھٹا کر کے شعاعوں کے رستہ میں ڈال دیتی ہیں۔ اس گہرے بادل میں سے نیلی لہروں اور سبز لہروں کو مارے نزاکت کے نکلنا دشوار ہو جاتا ہے۔ زرد لہریں نیلی اور سبز لہروں سے کم نازک ہیں وہ بھی اکثر رک جاتی ہیں۔ مگر سُرخ اور نارنجی لہریں جو زیادہ مضبوط اور ہمت والی ہیں اپنا رستہ ڈھونڈ لیتی ہیں اور اس طرح صبح اور شام کے وقت صرف وہی ہماری آنکھوں تک پہنچتی ہیں باقی سب پیچھے رہ جاتی ہیں اسی لیے آسمان صبح اور شام کے وقت قرمزی رنگ میں رنگا ہوا نظر آتا ہے۔

یہ پریاں دن بھر اسی طرح مختلف رنگوں سے کھیلتی رہتی ہیں اور آسمان پر

ایسے خوشنما رنگ دکھاتی ہیں کہ نہ مصوّر اُن کی تصویر اُتار سکتا ہی۔ نہ شاعر اُن کا نقشہ کھینچ سکتا ہی۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ پریاں کھیلتی نہیں کام کرتی ہیں۔ اور قدرت کی نہایت کامی لڑکیاں ہیں۔ جو کبھی محنت سے نہیں گھبراتیں۔ اور خدمت سے نہیں اُکتاتیں۔ وہ کپڑے سیتی ہیں جنھیں پہنکر آسمان بھی اتراتا ہی اور جن کی خوشنمائی روز انسان کے دل کو لُبھاتی اور اُس کے خیالات کو عمدہ اور اعلیٰ بناتی ہی۔

محمد اکرام

مس ایمس میکڈانل کا تجربہ ہی کہ بچّوں کو تاریخ یاد کرانے کا سب سے بہتر طریقہ کھیل ہی اور بچے خواہ وہ ابھی تین چار ہی برس کے کیوں نہ ہوں بمقابلے کتاب کے اس طریقے سے تاریخ اچھی طرح یاد کر سکتے ہیں کہ تعیٹر بنائیں اور جگ بیتی کو آپ بیتی کر دکھائیں۔

مس موصوف لکھتی ہیں کہ چند سال تک ہر جاڑے میں تقریباً بیس لڑکے اور لڑکیاں میں جمع کر لیتی تھی اور اُنکو اپنے اپنے کام بتا دیتی تھی کوئی بادشاہ بنتا تھا کوئی ملکہ بنتی تھی اور اسطرح جو کچھ اُن کو آیندہ عمر میں یاد کرنا تھا وہ پہلے ہی سے حرف بحرف ادا کر لیتے تھے۔

مس صاحبہ کو یقین ہی کہ یہ لڑکے اور لڑکیاں جن کے خیالات بچپن ہی سے اتنے اعلیٰ ہیں یا عمر کے باقی حصہ میں بڑے بڑے کام انجام دینگے۔

چونکہ مس ایمس میکڈانل کے خیالات مغربی طرز معاشرت سے متعلق ہیں اس لیے ہم شاید بآسانی اور جلد اس گراں بہا نصیحت پر عمل کرنیسے مجبور ہیں لیکن کیا اچھا ہو اگر ہمارے ملک کی خواتین اس تدبیر سے یہ نتیجہ نکالیں کہ وہ خود تاریخ سے اچھی طرح واقف ہوں اور جسوقت اپنے پیارے بچوں کو کلیجے سے لگا کر لیٹیں تو بجائے چڑے چڑیا کی کہانی کے تاریخی واقعات بیان کریں۔

عورت کا سلیقہ

ڈھاک تلے کی پھوہڑ اور مھتوے تلے کی سگھڑ۔ ہی تو مثل پرانی مگر ایسی جانچ
تول کر کہی ہی کہ بیساختہ داد دینے کو جی چاہتا ہی کیتنی سچی بات ہی جو ہنڈیا میں ہوگا
وہی ڈوئی میں نکلیگا جب ہنڈیا ہی میں گنا چنا۔ نیا تلا ہو کا نو پکانیوالا کیا کار ستانی
کریگا اور نکلنے والا کیا کرامات کر دکھائیگا۔ وہ بیوی جسکو نہ گھر کے نظام میں دخل اور نہ
خرچ سے آشنا آٹا گھی گوشت تیل ایندھن جو میاں نے ہات اُٹھا کر دیدیا لے لیا اور تعمیل
کر دی بچا یگی کیا خاک اور رکھیگی کیا دھول بنئے کی چٹھی میں سے کترے یا قصائی
کے پرچے میں سے پھاڑے وہ تو آپ ہی سو پھوہڑوں کی پھوہڑ ہوگی جب دیکھو ڈھاک
کے تین پات غنیمت ہی کہ یہ طرز معاشرت روز بروز بدلتا جاتا ہی اور اب وہ وقت ہی کہ
بیویاں مھتوے تلے کی سگھڑ بنکر دکھائیں۔ ساس نندوں کی دست نگر نہ میاں کی محتاج
پوری تنخواہ کی مالک اور سیاہ و سفید کی ذمہ دار اگر اسپر بھی سلیقہ اور سگھڑاپا نہ دکھایا
تو وہ مٹی کا ٹھوا آٹے کی آپا پتھر کی طرح گھر میں ہوئیں تو اور نہ ہوئیں تو دونوں یکساں

چند خاص خاص گھرانوں کو چھوڑ کر عام طور سے بیویوں کی قدر و منزلت زیادہ و
لئے اختیار روز بروز وسیع ہو رہے ہیں وہ چار دیواری کے اندر اپنے گھر کی بادشاہ ہیں
اُن کو اختیار ہی کہ وہ ایک وقت کے کھانے پر دس روپے اُٹھا دیں یا ایک روپیہ
صرف کریں اُن کی خوشی پر منحصر ہی کہ وہ آپ اور بچے چکن اور تن زیب پہنیں یا ململ اور
نین سکھ اُن کو کوئی روکنے ٹوکنے والا کہنے سُننے والا نہیں۔ ان تمام اختیارات پر

بچی دوڑ کر باپ کے گلے لپٹی اور پوچھا "میری اماں کہاں گئیں" ناممکن تھا کہ وہ شخص جو اسلام جیسے مذہب کا بانی پیغمبر امین راست گفتار ہو وہ محض بیٹی کے خوش کرنے کو یا تسکین دینے کو ایک حرف بھی زبان سے غلط نکال دے آنحضرت کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا " خدا کے ہاں"۔

اب یہ مقدس بتول یعنی بے ماں کی بچی اپنے برگزیدہ باپ اور ہمارے سچے رسول کے زیر عاطفت اپنی زندگی بسر کرنے لگی۔ جس شخص کا پرچھاواں پڑنے سے سیکڑوں حیوان انسان بن گئے برسوں اور قرنوں کے جمے ہوئے زنگ دل سے دور ہو گئے جس شخص کے آگے بڑے بڑے جابر اور ضدی اشرار سر جھکا بیٹھے اُس کے کلیجے کا ٹکڑا اور پھر اُسی کا فیض صحبت فاطمۃ الزہرا جو کچھ نہ ہوتیں وہ تھوڑا تھا شیوۂ صبر و قناعت جو گھٹی میں پڑا تھا تا دم واپسیں ساتھ نہ دیا عسرت و افلاس بچپن ہی سے ساتھ ہو گیا تھا۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ چراغ میں جلانے کا تیل نہیں۔ مٹکے میں پانی کی بوند نہیں اور یہ خدا کی بچی بندی اور رسول خدا کی پیاری ہنسی خوشی اپنا زمانہ گزار رہی ہے۔

یہ وہ وقت تھا جب جناب رسالت مآب اسلام کا جھنڈا کبھی کا بلند کر چکے تھے اور سوا گنے چنے آدمیوں کے تمام مکے والے نہ صرف آنحضرت بلکہ آنحضرت کے تمام متعلقین کے جانی دشمن اور خون کے پیاسے تھے پھر یہ ہی نہیں کہ یہ دشمنی مردوں پر ختم ہو گئی ہو عورتیں بھی برابر کی شریک تھیں طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں پہنچانا اپنا فرض خیال کرتی تھیں۔ ہمسائیوں نے خدیجۃ الکبریٰ کے جیتے ہی جی میل جول آنا جانا قطعی بند کر دیا تھا یہی وجہ تھی کہ سیدۃ النساء کی

بزم عصمت

مکرمہ بہن صاحبہ۔

ایک ناچیز مضمون نوکروں کے برتاؤ پر روانہ کرتی ہوں درج فرماکر ممنون کیجئے۔ میں ہند کی ایک نئی تاریخ انگریزی میں پڑھ رہی ہوں انشاءاللہ اُس میں سے چھوٹے چھوٹے عمدہ مضمون ترجمہ کرکے ضرور روانہ کرتی رہونگی۔

نواب بیگم
آف سچین

جامنٹا ایڈیٹر صاحبہ۔

تسلیم عصمت کی سالگرہ مبارک۔ کتاب منازل السائرہ بڑی نایاب کتاب ہی منیجر صاحب سے فرمادیجیے کہ ایک جلد وی۔ پی روانہ فرمائیں۔ ایک نسخہ ارسال کرتی ہوں درج فرماکر ممنون کیجئے۔

مچھلی کے کوفتے بنانے کی ترکیب

یہ ویل۔ روہو۔ یا معروف مچھلی کے ہوتے ہیں۔ مچھلی حسب دستور صاف کرکے نمک اور ہلدی دیکر اُبال لو مچھلی سخت ہونے کے بعد ٹھنڈی کرکے اس کے کانٹے چھڑالو۔ اس میں دہی چکہ۔ گرم مصالح مرچ وغیرہ حسب ذائقہ دیکر تھوڑا سا بھونے چنوں کا بیسن انڈے کی سپیدی دیکر کوفتے بناکر تلو۔ اور کھاتے وقت ہمکو یاد کرو

(مسز محمد شمس الدین منشی فاضل)

محترمہ مسز محمد اکرام صاحبہ

پرچہ عصمت نمبرہ جلد ۲ بذریعہ وی۔ پی وصول ہوا۔ سبحان اللہ مضامین مندرجہ ونیز عمدگی کاغذ وچھپائی وغیرہ کی تعریف میں زبان قاصر ہے۔ براہ عنایت بقیہ پرچے بھی بذریعہ وی۔ پی فوراً روانہ فرماکر ممنون فرمائیے۔ مسز محمد اسحاق خاں

جناب مکرم اڈیٹر صاحب

تسلیم۔ سالگرہ کی کامیابی پر مبارکباد دیتی ہوں رسالہ عصمت میں دل سے پسند کرتی ہوں اور اُس کو نہایت شوق سے دیکھتی ہوں۔

مسز رابعہ بیگم

مکرمہ معظمہ بہن صاحبہ

السلام علیکم۔ رسالہ عصمت وصول ہوا۔ واقعی جیسا میں چاہتی تھی عصمت کو اُس سے بھی اچھا پایا

(راقمہ ایم۔ بدر چہرہ)

جنابہ ایڈیٹر صاحبہ رسالہ عصمت

تسلیم۔ رسالہ عصمت پڑھا دیکھکر نہایت خوشی ہوئی۔ میں نے بھی ایک مضمون "وقت کی قدر و قیمت" پر لکھا ہی جسکو آپکی خدمت میں روانہ کرتی ہوں اگر آپ مجھکو اجازت دینگی تو اور مضامین انگریزی سے ترجمہ کرکے ارسال کرونگی

(راقمہ جعفری بیگم۔ حیدرآباد دکن)

عالمِ نسواں

مرنے سے چند روز قبل جب لیڈی کرزن ایک خطرناک مرض سے جانبر ہوئیں تو اُن کا قصد تھا کہ اپنی اس صحت کی خوشی میں ایک ایسا باغ کلکتہ میں بنائیں جو بطور اُن کی یادگار کے قائم رہے کرزن باغ میں جو آج کل ایک دلچسپ اور قابل دید مقام ہے ایک ٹکڑا بصورت قطعہ کئی سال تک اسی امید پر محفوظ رہا اب چونکہ اس میں کچھ کام شروع ہو گیا ہے توقع ہے کہ غالباً لارڈ کرزن اپنی عمر بھر کی رفیق لیڈی کرزن کی آخری خواہش پوری کر کے بہت بڑے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں۔

باوجود سخت سزاؤں اور روک تھام کے ولایت میں آزاد خیال عورتیں ابتک اپنی ضد سے باز نہیں آتیں۔ جون کا ذکر ہے کہ مسٹر اسکوئتھ وزیر انگلستان نماز پڑھ رہے تھے کہ دفعتہً ان عورتوں نے آکر گھیر لیا۔ صاحب موصوف نماز سے فارغ ہو کر اطمینان سے تقریر کرنے کھڑے ہوئے اور دوران تقریر میں تھوکنے کے بہانے سے باہر آئے اور گاڑی میں بیٹھ کر چلے گئے عورتیں کیا چھوڑنے والی تھیں دوسرے دن گرگشت کے میدان کے پاس جھاڑیوں میں چھپ گئیں اور جوں ہی مسٹر اسکوئتھ پہنچے باہر نکلیں اور پکڑ لیا۔ وزیر عظم نے جب چیخیں دیں تو پولیس نے آکر چھڑایا۔

افسوس ہے کہ مس لیلاوتی سنگھ ایم اے کا جو لکھنؤ کالج کی پروفیسر تھیں گذشتہ ماہ انتقال ہو گیا

الہ آباد یونیورسٹی کے امتحانات میں چھ لڑکیاں بی اے میں۔ آٹھ ایف اے میں اور ایک ٹریننگ میں پاس ہوئی یہ سب کی سب عیسائی ہیں

گائتری دیوی ایک ہندو خاتون نے آریہ سماج سہارنپور کے سالانہ جلسے میں تقریر کی اور حاضرین کی طرف خطاب کر کے کہا کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورتیں شودر یعنی ناپاک ہیں وہ عقل سلیم سے کوسوں دور ہیں اگر یہ مان لیا جائے تو یہ ماننا پڑے گا کہ شودر ماؤں کے بچے بھی شودر ہیں اس مدلل تقریر کا کچھ ایسا اثر ہوا کہ حاضرین نے اسی وقت تعلیم نسواں کے لیے چندہ فراہم کرنا شروع کر دیا۔

ہر اکسلنسی لیڈی منٹو نے کرسچین ہندلی سوسائٹی کے ممبروں کو دعوت دی جس میں لیڈی منٹو اور ایک سو بیس مہمان موجود تھے۔

بیگم صاحبہ نواب سید نور الحسن خاں صاحب نے

فہرست مضامین رسالہ عصمت

اگست سنہ ۱۹۰۹ء



عصمت

ماں کا خط بیٹی کے نام

برخورداری فخر النسا بیگم طال عمرہا۔ خدائے تعالیٰ تمھاری عمر و تمیز میں برکت دے اور تم اپنے شوہر کے ساتھ زندہ سلامت رہو۔ پھلو پھولو اور خوش رہو جب سے تم گئی ہو میں اور تمھارے والد ہر وقت تمھاری یاد میں مصروف ہیں۔ اگر دُور کا معاملہ نہوتا اور تمھارے گھر کی تنہائی سے تمھارے شوہر اور خسر کی تکلیف کا خیال تو ابتک تم ضرور بلائی جاتیں۔ مگر بوی خدا تم کو اپنے گھر ہی بہ آرام رکھے اگر زندگی ہی تو بہت جلد ملنا ہوگا۔

تمھاری خوشدامن کے انتقال کے بعد تمھارے خسر کے اصرار و تاکید سے میں نے تم کو بہت کم سنی میں خاوند کا گھر دکھایا۔ باوجودیکہ قبل رخصت خدا کے فضل سے تم کو لکھا پڑھا دیا ہے اور اغلب ہے کہ تم اپنے فطرتی عقل و ہوش اور تعلیمی سلیقے سے کام لوگی۔ تاہم تمھاری فکر سے کوئی ساعت خالی نہیں جاتی۔ بیٹی خاوند کا گھر بچوں کا کھلونا نہیں کہ بنایا اور بگاڑ دیا۔ خاوند کی ماں اپنی ماں نہیں کہ ناراض ہو کر راضی ہو جا

خاوند کی بہن اپنی بہن نہیں کہ لڑی اور پھر ایک۔ رہا خاوند سو وہ گھر کا بادشاہ ہے پس جب تک وہ گھر میں رہے اُس کی حضور میں ہر وقت بہ دل سے حاضر رہنا۔ کسی خدمت میں کمی نہ کرنا۔ ہات۔ پیر۔ آنکھ۔ کان۔ دل۔ دماغ۔ ہر عضو کو اس کی خدمت کے لیے طیار رکھنا۔ کسی بات میں خاوند کی عدول حکمی نہ کرنا۔ گھر میں خواہ کتنے ہی ملازم ہوں مگر خود سب کام پر ہر وقت نگاہ رکھنا۔ اپنی چیز کا تم کو جو خیال ہوگا وہ کسی نمک حلال سے نمک حلال ملازم کو نہیں ہو سکتا۔ دس بارہ سال سے اپنے والد کے ساتھ چار بجے تمھاری جاگنے کی عادت ہے۔ پس اس عادت کو کبھی کھونا گرمی۔ برسات۔ جاڑا۔ ہمیشہ اسی وقت جاگنے کا معمول رکھنا۔ نماز سے فارغ ہو کر اُن چیزوں کا انتظام کرنا جو خاوند کے واسطے ضروری ہیں۔ اپنی فرمانبرداری اور خدمت گزاری کا ہر وقت یقین دلانا۔ لیکن یہ تقریر تمھاری ظاہری نہو بلکہ باطنی اور دل سے ہو۔ درحقیقت خاوند سے تم کو اُتنی ہی محبت ہو جتنی تم زبان سے بیان کرو۔ خاوند کی موجودگی میں جو رعب تمھارے دل میں ہو وہی اُس کی غیبت میں رہے بلکہ بعد میں زائد رہے۔ مختصر یہ کہ تم نے خود پڑھا ہوگا کہ ہمارے مذہب میں شوہر کا یہ رتبہ ہے کہ اگر سوائے خدائے تعالےٰ کے کسی کو سجدہ روا ہوتا تو شوہر کو ہوتا۔ اصلی محبت یہی ہے کہ حاضر و غائب یکساں رہے۔

مینے تم کو قرآن شریف لفظی معنوں کے ساتھ پڑھایا ہے حقیقت الصلوۃ راہ نجات اُردو تفسیر بعض بعض مترجم کتب حدیث۔ گلستاں سب ضروری کتابیں پڑھ چکی ہو تم بخوبی دین کے کل احکام سے واقف ہو۔ خدائے تعالےٰ نے جو حکم فرمایا ہے وہ کرو جس چیز سے منع کیا ہے اُس سے بچو۔ معصیت کا کوئی کام نکرنا خدائے پاک کی بیچکی ہے دین و

دنیا خراب ہو جاتی ہی۔ نامحرم غیر مرد کو اپنی صورت دکھانے یا اُسکی صورت خود دیکھنے سے سخت پرہیز کرنا۔ فخرالنسا یہ انکہ اللہ پاک نے انسان کو بہت ہی بڑی نعمت عطا فرمائی ہی جسکا شکریہ یہ ہو سکتا ہی کہ اس سے قرآن شریف حدیث شریف انبیا اولیا کے حالات پند ونصائح نتائج خیز قصے پڑھے اور عبرت حاصل کرے قدرت کے عجائب وغرائب پر نظر ڈالے اور اس سے اُس صانع کی بزرگی کا خیال کرے جس کی قدرت کے سب ظہور ہیں نظر کے بیجا استعمال سے انسان دُنیا میں حقیر پشیمان ہوتا ہی اور خدا کے یہاں کا مواخذہ اپنی گردن پر لیتا ہی۔ جو بیبیاں بے پردگی کا خیال نہیں رکھتیں وہ حقیقتاً کیسی ہی پاک ہوں اہل زمانہ اُن کو وقعت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔

شوہر کی کمائی جس کو وہ نہایت محنت مشقت سے کما کر تم کو دیتا ہی بیجا خرچ نہ کرو موقع سے اُٹھاؤ جہانتک ممکن ہو ٹکے کا کام پیسے میں نکالو یوں سمجھو کہ نہ تو اس درجہ فضول خرچی کرو کہ جس سے لوگ نام دہریں اور خاوند کے دل سے گر جاؤ نہ اتنی کنجوسی اختیار کرو کہ یہ مثل سچ ہو۔ جوڑ جوڑ مر جائینگے اور مال جمائی کھائیں گے۔ ہمارے نبی پاک صلعم نے فرمایا ہے کہ "راست روی اختیار کر سلامت رہیگا"

اب میں صرف اتنا اور لکھ کر ختم کرتی ہوں کہ اگر خدانخواستہ کبھی تقاضائے بشریت دولہا سے کوئی شکر رنجی ہو جائے تو اُس کا تصفیہ خود ہی کر لینا دوسروں کو درمیان میں ڈالنا یہ کیا ضرور ہی کہ تمہارے خاص معاملات سے غیر واقف ہوں۔ اگر قصور تم ہو تو معافی چاہنا اور آیندہ اس سے بچنا اور اگر شوہر کی غلط فہمی ہو تو خواہ مخواہ ہی ایک مرتبہ اس کو اپنا قصور مان لینا پھر حقیقت حال سے شوہر کو مطلع کرنا اور سمجھا دینا۔

(سعیدہ از ٹونک)

پکّا رشتہ

میری عزیز بہنو! کچھ رشتے ماں کے پیٹ سے لیکر دنیا میں پیدا ہوتی ہو ہیت سے رشتے دنیا میں آکر پیدا ہوجاتے ہیں اور ان سب رشتوں کا تھوڑا بہت لحاظ زندگی میں کرنا پڑتا ہی۔ مگر یہ تمام رشتے اور تعلق چاہے پیدائشی ہوں یا بعد میں قائم ہوجائیں۔ صرف اس وقت تک قائم رہنے والے ہیں جب تک سانس چلتا اور ہات پاؤں کام کرتے ہیں جس وقت عمر رواں منزل مقصود پر پہنچ گئی اور یہ سفر ختم ہوا اُس وقت یہ چھوٹے اور موٹے دور کے اور پاس کے سب رشتے ختم ہوے ہاں ایک رشتہ جو ماں کے پیٹ سے ساتھ آیا اور قبر میں ساتھ جائیگا باقی رہنے والا ہی اور یہ وہ رشتہ ہی جو نہ توڑے سے ٹوٹے نہ چھوڑے سے چھوٹے۔ ماں باپ کو خوش رکھا کوا رتبہ اچھا گزرگیا۔ میاں رضامند رہا زندگی اچھی بسر ہوگئی لیکن زندگی کے بعد جو وقت آنیوالا ہے اُس کا دارمدار اسی رشتے سے ہی یعنی عبد و معبود۔

پیاری بہنو! ایمان سے کہنا۔ اگر آج ہم ذرا سا سلوک کسی کے ساتھ کرتے ہیں اور وہ ہماری مرضی کے موافق کام نہیں کرتا۔ تو ہم کو کس قدر رنج ہوتا ہی حالانکہ ہم اپنے محسن اپنے خالق اپنے آقا کے احسانات کا کبھی بھول کر بھی خیال نہیں کرتے۔ اگر دنیا کے دھندے فرصت دیں اور اُس وقت کا خیال آجائے جو پیش آنے والا ہی تو خداوند حقیقی کی محبت پر بھی غور کرنا چاہیے۔ جو یہ کہتا ہے کہ

بشری غرض تمہاری پیدایش سے صرف یہ تھی کہ تم میری عبادت کرو۔ یہی حکم جو بظاہر نہایت سخت اور ناگوار معلوم ہوتا ہی اگر سوچو اور سمجھو تو سرتاپا محبت میں ڈوبا ہوا ہے۔

یہ تو ناممکن ہی کہ انسان ہر وقت شب و روز خدا کی عبادت کرتا رہے اور ایسا شفیق خالق جس نے ہم کو ہر قسم کی زحمت سے محفوظ رکھا اور ہر قسم کے سامان ہماری آسایش و راحت کے واسطے مہیا کیے ہم سے اس بات کا متوقع ہوتا کہ ہم دنیوی تعلقات کو خیرباد کہکر محض اُس کے ہو رہتے۔

اس ارشاد سے مطلب یہ ہی کہ انسان فرائض خداوندی ادا کر لینے کے بعد دنیا کے جتنے کام انجام دے بشرطیکہ وہ گناہ نہوں وہ بھی خدا ہی کی عبادت ہے، وہ خوش نصیب عورت جس نے صبح کی نماز وقت پر پڑھ کر اپنا فرض پورا کیا نماز کے بعد اگر میاں اور بچوں کے واسطے آٹا گوندہ رہی ہی اور چولہا جھونک رہی ہے تو یہ بھی خدا ہی کی عبادت ہی۔ اس سے زیادہ شفقت اور محبت اس سے بڑھ کر احسان اور عنایت کیا ہو سکتی ہی کہ ہمارے اپنے ذاتی کام بھی صرف اُس کا فرض ادا کر لینے سے اُسی کی عبادت سمجھی جاے۔

بیویوں! بہنوں! یہ فانی تعلقات اور ناپائدار خوشیاں سب یہیں تک ہیں۔ اور ہمیشہ زندہ رہنے والا رشتہ خدا ہی کا ہی جس وقت زندگی کے دن پورے ہوئے اور ایسے مکان میں جانا ہوا جہاں یہ عزیز و اقارب کوئی بھی موجود نہ ہوگا۔ وہاں کوئی چیز کام آنے والی ہی تو خدا کی رضامندی۔ (ملبقیں)

لہٰ نمبر ماخلقت الجن والانس الا لیعبدون۔ نہیں پیدا کیا جن و انس کو مگر اس لیے کہ وہ عبادت کریں

گدڑی میں لعل

خدا بھلا کرے مرنے والوں کا جو بات کہی باون تولے اور پاؤ رتی کی۔ گدڑی میں لعل بات تو معمولی ہے مگر جوہر شرافت کی کچھ ایسی داد دی ہے کہ بے اختیار مرحبا کہنے کو جی چاہتا ہے (ایک نہیں سیکڑوں بیویاں ایسی نظر آئیں گی کہ اپنی آرائش و زیبائش میں تو بیسیوں روپئے اور گھنٹوں وقت ضائع کر دیں اچھے سے اچھے کپڑے قیمتی سے قیمتی زیور۔ بہتر سے بہتر کھانا غرض دنیا کی جتنی خوبیاں ہیں بظاہر سب موجود لیکن صورت ظاہری سے ذرا آگے بڑھ کر دیکھو تو اللہ کا نام گھر کی خاک اُڑ رہی ہے تو بلا سے بیٹھنے کو کھٹولی نہیں تو نہ ہو۔ قرضداروں نے ناک میں دم کر دیا تو صدقے سے بیوی کے سر پر تو کارچوبی دوشالہ عزت سے زیادہ اور حیثیت سے بڑھ کر ہو گیا۔

اگر میرا خیال غلط نہ ہو تو میری رائے میں اُس عورت سے زیادہ بیوقوف دنیا میں کون ہوگا جو بغیر کسی انجام کے سوچے اور نتیجے کے سمجھے محض اپنا دل خوش کرنا مقدم سمجھے۔ بالفرض آج مانگے تانگے کے زیور گوٹے ٹھپے کے کپڑوں سے کسی غیر محفل اور اجنبی آدمیوں میں عزت بھی ہو گئی تو کل کیا۔ اتفاق ہی تو ہے اگر کبھی کوئی بیوی اپنے ہاں آنکلیں تو گھر میں کتے لوٹ رہے ہیں۔ مٹی میں ملگیا وہ گہنا اور دو کوڑی کی ہو گئی وہ عزت "خوان بڑا خوان پوش بڑا کھول کے دیکھو تو آدھا بڑا" بیوی کی ظاہری صورت دیکھکر تو معلوم ہوتا ہے کہ بڑے باپ کی

بیٹی اونچے گھر کی بہو مگر گھر میں جاکر دیکھو تو دریوں میں خاک کی تہ۔ بچھونوں پر مٹی کا ڈھیر۔ رہا مزاج اس سے اس وقت بحث نہیں۔

ایسا کون ہوگا جسے گہنا کپڑا اچھا نہ معلوم ہوتا ہو۔ امیر اپنی حیثیت کے موافق۔ غریب اپنی بساط کے لائق سب ہی پہنتے اوڑھتے ہیں۔ مگر گھر والی ہونیکا تقاضا یہ ہی کہ انجام پر بھی نظر رہے۔ پیسہ دو پیسے وقت بے وقت کے لیے گرہ میں بھی ہوں۔ میز کرسی۔ قالین۔ غالیچے نہ ہوں تو نہ سہی۔ دو منزلے سہ منزلے تہ خانے خس خانے نہیں ہیں تو ہرج نہیں۔ مگر صاف ستھرا ڈھنگ کا بچھونا۔ لپا لپایا چندن سا گھر تو ہو۔

زیور ہزاروں کا نہیں لاکھوں کا ہو مگر سلیقہ نہیں تو لاکھ کا گھر خاک۔ عورت جب ہی عورت اور گھر والی جب ہی گھر والی ہی کہ اُس میں عاقبت اندیشی ہو ورنہ وہی مثل ہوگی جو کسی ماں نے اپنی بیٹی سے کہی تھی۔

ہنر سلیقہ تیرے نہیں + لینا دینا میرے نہیں + بیٹی جیب چلائیو روٹی کھائیو

گو انسان کی اندرونی حالت سابقہ ہی پڑنے سے اچھی طرح معلوم ہوتی ہے مگر سلیقہ۔ سگھڑاپا۔ کفایت شعاری۔ عاقبت اندیشی عورت کے اصلی جوہر ہیں جو چودھویں کے چاند کی طرح ہر وقت چمک رہے ہیں۔ گھر اُس کی سوانح عمری کا پہلا ورق اور بچے اس کی عادات و اطوار خیال و قیاس۔ خو۔ بو۔ رنگ ڈھنگ دکھا دینے کا آئینہ ہیں۔ ایک غیر سے غیر عورت اور انجان سے انجان بیوی جسنے گھر والی کی کبھی صورت بھی نہ دیکھی ہو گھر کی کیفیت اور بچوں کی حالت دیکھکر اچھی طرح رائے قائم کر سکتی ہی کہ گھر کس مالکہ کے ہات میں ہی اور بچوں نے کیسی گود میں دودھ پیا ہی۔

میری رائے میں تو گھر کی درست حالت بچوں کی اچھی تربیت سیکڑوں کے کپڑے اور ہزاروں کے زیور سے لاکھ درجہ بہتر ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ میرے ان خیالات سے اُلٹا مفہوم نہ ہو۔ میری غرض ہرگز یہ نہیں ہے کہ زیور و لباس پر کسی قسم کا اعتراض کروں! ہرگز نہیں بلکہ میں فرض کا ادا کرنا سب سے زیادہ ضروری سمجھتی ہوں اور عورت کا سب سے بڑا فرض خاوند کی کمائی کا جائز صرف ہے۔

بالفرض ایک شخص کی آمدنی اتنی محدود ہے کہ مشکل سے ضروریات کو کافی ہوسکتی ہے تو کیا وہ بیوی جو اس آمدنی پر قابض ہے اسکو جائز صرف کہہ سکتی ہے کہ بڑا حصہ اپنے لباس پر صرف کرے۔ بننا گھر والی کا نہیں ہوتا بلکہ گھر کا ہوتا ہے۔ ایک عورت کا ذکر سُنا ہے کہ وہ روز صبح اُٹھکر سب سے پہلا کام اپنی اور اپنے لباس کی درستی سمجھتی اور اسکی داد کی خاوند سے متوقع رہتی مگر کسی دن داد نہ ملی آخر ایک روز جلکر اپنے تئیں تو ہات نہ لگایا لیکن جتنا وقت اپنے اوپر صرف ہوتا تھا وہ سب گھر کی درستی میں صرف کردیا۔ جس وقت خاوند آیا اور یہ حالت دیکھی تو اُس نے فوراً کہا کہ ہاں آج تمہاری محنت قابل شکریہ ہے۔

سچی بات بھی یہی ہے کہ چاہے اپنے کپڑے پھٹے پرانے میلے کچیلے ہوں لیکن میں گوڈا اور لبیہ بوں والی کا گھر جس وقت سجا سجایا۔ بچے ہشیار تمیز دار دکھائی دیتے ہیں تو بلا تامل یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ " گدڑی میں لعل " انہی بیویوں کے کام ہیں جو اپنے وقت کو تنگی ترشی سے گزار دیں مگر ضرورت پر دو چار پیسے نکال ہی دینگی۔ یہ نہ ہوگا کہ اگر مہینے دو مہینے کو خاوند بیمار پڑ گیا تو ایک ایک کے آگے ہات پھیلا رہی ہیں۔"

ر - ب

قومِ پارسی

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

پارسیوں کی رسموں میں ان کی پنچایت یعنی مقدموں کے باہمی فیصلہ کرنے کا طریق قابل ذکر ہی جس طرح سے پارسیوں کی گریز ایران سے ہوئی اس حالت میں مذہبی یا سوشیل قانون باقی نہ رہنا یا بہت کچھ مٹ جانا ایک قدرتی امر تھا اور جیسے کہ ہر چھوٹی جماعت کا دستور ہی ہر قسم کے جھگڑے فساد۔ ناچاقیوں کا فیصلہ سردار کے ہات ہوتا ہی۔ اسی طرح ان کا بھی فیصلہ یوں ہی ہوتا رہا۔ مگر جوں جوں زمانہ گزرتا چلا، توں توں ان لوگوں نے دیکھا کہ یہ کوئی ٹھیک طریقہ نہیں ہی۔ اور ہندؤں کا جو طرز تھا وہ اختیار کرکے کل باتوں کا فیصلہ اس کے موافق کرنے لگے۔ یعنی ایک پنچایت قائم کی۔ یا محکمہ عدالت، جس کے یہ معنی کہ اپنی قوم کے چند پیشہ ور معزز آدمیوں کا متفق زمرہ فیصلوں کے لیے منتخب ہوا۔ یہ طریق شکستہ حالی میں مدت تک جاری رہا اور اٹھارہویں صدی کے شروع میں زیادہ باقاعدہ صورت سے مستحکم پیمانے پر قائم ہوا۔

پہلے پہلے تو ان پڑہ لوگ اس دانشمند گروہ کے کل فیصلوں کو بے سمجھے بوجھے قبول کر لیتے تھے۔ مگر جس قدر جلد اس قوم نے ترقی تعلیم و تربیت میں کی اتنا ہی زیادہ مشکل کا سامنا ہوا۔ کیونکہ پنچایت کوئی مذہبی گروہ نہیں تھا کہ ہر شخص

بغیر جانے بوجھے سرِ تسلیم خم کرتا۔ مگر پارسیوں نے یہ زمانہ بھی خوبی سے سنبھال لیا۔ پنچایت زوروں پر ہی رہی۔ اس کی بنیاد کو ہلانا ناممکن ہوا۔

اگر قوم میں کوئی جھگڑا فساد یا نا اتفاقی ہو۔ وہ فوراً پنچایت میں پیش کیجاتی ہے اور جو فیصلہ اس نے کیا۔ اسپر چلنا فرض ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی ایسا سرکش ہو جو نہ مانے تو وہ جماعت سے باہر کیا جاتا ہے۔ قوم کی کسی چیز میں شریک نہیں کیا جاتا۔ یہاں تک کہ اگر اسی سرکشی میں مر جاتا ہے تو دفن کفن پارسی طریق سے ہرگز نہیں ہوتا۔ اس لیے پنچایت کا کیا ہوا فیصلہ ہر شخص کے لیے آخری فیصلہ ہے۔

اب پارسیوں کی تعلیمی حالت سُنیے۔ پارسی جب ایران سے آئے تو انکی زبان فارسی تھی۔ لیکن انھیں بہت جلد اس کو ترک کر دینا پڑا۔ اور اُن ہندوؤں کی زبان گجراتی کو اختیار کرنا پڑا جن کے ماتحت ان کو رہنا تھا۔ شروع شروع میں اسی زبان میں تھوڑی بہت تعلیم ہوتی رہی۔ جب یہ لوگ سُورت میں آئے اور انھیں فرنگیوں سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ تو فوراً انھیں انگریزی میں دخل ہو گیا اور بہت جلد ٹوٹی پھوٹی بولنے بھی لگے۔ ۱۸۲۰ء کے شروع میں بمبئی میں تین انگریزی مدرسے تھے۔ ان میں سب سے زیادہ طالب علم پارسی تھے۔ پارسیوں میں اعلیٰ تعلیم جاری ہوئے تقریباً سو سال ہوئے ہیں۔ آنریبل ماؤنٹسٹوارٹ الفنسٹن کو علم کا بیحد شوق تھا اور وہ اس کے بڑے حامی تھے۔ اُنھوں نے ایک کمیٹی قائم کی اور اپنی ذاتی کوشش سے ان لوگوں میں علم کا شوق پیدا کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب یہ صاحب ہندوستان سے تشریف لے گئے تو لوگوں نے

عام طور پر چندہ جمع کیا اور اُن کی یادگار میں ایک بہت بڑا کالج قائم کیا جس کا نام الفنسٹن کالج ہی۔ اور جو آج بمبئی کا سب سے بڑا کالج گنا جاتا ہے۔ اس چندے میں سب سے زیادہ روپیہ پارسی صاحبوں نے دیا تھا۔ گوکہ تعداً میں پارسیوں سے ہندو بدرجہا زیادہ ہیں۔ لیکن عجیب بات تو یہ ہی کہ اس کالج میں آج تک ہمیشہ پارسی طلبا کا نمبر ہر قوم سے زیادہ رہا ہی۔ مسلمان حضرات کا بیان کرنا تو فضول اور بے فائدہ معلوم ہوتا ہی کیونکہ ان کو نہ تو کبھی علم سے شوق ہوا ہی اور نہ ہوتا نظر آتا ہی پارسیوں میں غریب غربا میں بھی کوئی ایسا نہیں ہی جو انگریزی پڑہنے لکھنے سے ناواقف ہو۔ انھوں نے ہر قسم کی تدبیریں اپنی قوم کی ترقی کے لیے اختیار کی ہیں سنہ ۱۸۴۲ء میں جب سر جمشید جی جی جی بھائی کو سب سے پہلے نائٹ کا رتبہ ملا۔ پارسیوں نے اس موقع پر اپنی خوشی کا اظہار اس طور پر کیا کہ اُنھوں نے ایک بہت بڑی رقم اپنی قوم سے جمع کی اور مغربی اور مشرقی عمدہ عمدہ کتابوں کا گجراتی میں ترجمہ کراکر تمام قوم میں کتابیں مفت سر جمشید جی کے نام سے بٹوا دیں۔ اس ذریعہ سے قوم کے تمام لوگوں کی معلومات کا دائرہ نہایت وسیع ہوگیا۔ اور سر جمشید جی کا مقصد اصلی جو قوم میں تعلیم بڑہانے کا تھا اچھی طرح سے پورا ہو۔ سر جمشید جی پر اس کا اس قدر اثر پڑا اور اسقدر قوم کے ممنون ہوئے کہ بہت برسوں سے ایک تجویز جو اُن کے خیال میں تھی اس کو فوراً اپنی قوم کی بہبودی کے لیے پیش کیا۔ اور تین لاکھ خود اپنی طرف سے اور کچھ روپیہ لیڈی جمشید جی اور کچھ روپیہ اپنے خاندان کی طرف سے گورنمنٹ کو دیا جس کی سالانہ آمدنی چالیس ہزار روپئے

ہوتی تھی اور اسے پارسیوں میں تعلیم پھیلانے کے لیے مخصوص کیا۔

اس آمدنی سے چار سکول لڑکوں کے لیے اور تین سکول لڑکیوں کے لیے بمبئی میں اور آٹھ لڑکیوں کے لیے اور سات لڑکوں کے لیے اضلاع میں قائم ہوئے۔

ان کے علاوہ اعلیٰ تعلیم کے لیے بمبئی میں فورٹ پرپیرپلیڈی سکول اور فورٹ ہائی سکول قائم ہوئے۔

ان مدرسوں کا نتیجہ پارسیوں میں بہت ہی جلد نمودار ہونے لگا۔ ماسٹر ڈاکٹر۔ انجنیر۔ بیرسٹر جج۔ ان سب عہدوں پر پارسی پہنچ گئے اور انگلینڈ بھی بہت سے گئے۔ سب سے اول جو بیرسٹری کے لیے گئے وہ سرفیروز شاہ مہتا تھے کہ جو آج اسقدر ممتاز آدمی ہیں۔

نامی گرامی دادا بھائی نوروجی۔ پہلے شخص تھے جن کو ریاضی اور علم طبیعات کے پڑھانے کی کرسی ملی۔ بہت سی بیویاں بھی ان میں بہت جلد لکھ پڑھ کر قسم قسم کے عہدوں پر پہنچ گئیں۔ ڈاکٹر۔ نرس۔ معلمہ۔ ان سب کاموں میں پارسی عورتیں طاق ہوکے۔ اپنے اپنے کام سے لگ گئیں۔

جب انجنیری کا کالج کھلا تو طالب علموں میں پارسیوں کی تعداد بڑھتی ہی ہوئی رہی۔ اور بمبئی کے اگزکٹو انجنیری کا عہدہ کاؤس جی مرزبان کو ملا۔

تعلیم نسواں یوں شروع ہوئی۔ کہ چند جوشیلے جوانوں نے اس جھنڈے کو اُٹھایا اور بہت سخت کوشش کی لوگوں میں اس کی ضرورت کا چرچا پھیلایا۔ روپیہ جمع کیا اور بہت سے مدرسے قائم کردیئے۔ ترغیب کے لیے اول بالکل

فیس معاف رکھی گئی اور بعد میں کچھ تھوڑی سی فیس رکھ کر پڑھانے لگے ۱۸۴۹ء میں ایک نہایت ہی عمدہ مدرسہ لڑکیوں کے لیے قائم ہوا جس میں پہلے ہی روز پانچ سو لڑکیاں داخل ہوئیں اور اس تعداد میں بہت ترقی ہوئی ۱۸۶۰ء میں خورشید جی شراف کی کوشش سے نہایت اعلیٰ درجے کی انگریزی تعلیم کیلئے ایک مدرسہ قائم ہوا جس کا نام الگزنڈرا گرلز سکول رکھا جو آج بمبئی میں سب سے اعلیٰ درجے کا زنانہ مدرسہ ہے:-

جب پارسیوں نے تعلیم کیلئے ایسی سر توڑ کوشش کی اور عورتوں مردوں کو لکھا پڑھا کر ہر قسم کے دنیاوی کاروبار کے لائق بنا لیا تو اُن کی اس ترقی کا آغاز ہوا جسے ہم آج اسقدر تعجب سے دیکھتے ہیں اور جس کی دشمن دوست سب داد دیتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ان میں بڑے بڑے اُمرا ہیں اور اُن کی امیرانہ فیاضی نے قوم کے لیے مدارس و تعلیم گاہیں بکثرت کھول دی ہیں لیکن خود وہ اُمرا ایسی تجارت سے امیر بنے ہیں جو علم پر مبنی ہے اور جو فیاضیاں اُنھوں نے کی ہیں، اُن میں بیشتر علمی کاموں کے لیے کی ہیں امیر پارسیوں کی فیاضیوں اور مرتے دم کی وصیتوں کے بعض نمونے ایک علیحدہ مضمون میں جمع کر کے پیش کیے جائینگے تو معلوم ہوگا کہ پارسیوں کی فیاضی عموماً کیسے مفید اُمور کی طرف مائل رہی ہے۔

عطیہ فیضی

سیر یورپ

(از ہر ہائی نس بیگم صاحبہ جزیرہ جنجان)

پیرس ۱۰ مئی سنہ ۱۹۰۸ء - کپڑے پہن کر ہم نے لنچ کھایا اور مو ڈایلان مشہور حبشی کی رقاصی دیکھنے کو چلے - کئی دن سے خیال تھا کہ جائیں مگر ہجوم کی وجہ سے ٹکٹ نہیں مل سکے - آج ہم وقت پر پہنچے پہلے اور اور تماشے ہوتے رہے ایک شخص نے ہنساتے ہنساتے لٹا دیا - وہ آپ گر پڑتا تھا اور چیزیں گرا دیتا تھا مگر کس صفائی اور چستی سے کہ اپنے آپ کو کسی طرح کا ضرر نہ پہنچے اور چیزوں کو بھی نقصان نہ ہو - ایک میز پر طشتریوں کا انبار رکھا ہوا تھا اور صراحیاں جام وغیرہ کئی چیزیں موجود تھیں اس نے نیچے کا میز پوش جھٹکے سے کھینچ کیا مگر ایک چیز بھی بے ٹھکانے نہ ہوئی اور میز پوش نکل آیا - اسی قسم کے متفرق شعبدے الگ الگ شخصوں نے کیے اور کئی کرتب دکھائے - ان کے بعد مو ڈ کی باری آئی - اس کے ناچ میں کوئی خاص بات ہمیں تو نظر نہ آئی سوائے اس کے کہ تلانے کے ہنر میں کس قدر ماہر تھی جیسے کہ ہمارے ہندوستان میں گانے والیوں کا طرز ہے - جو اس ملک کے لیے انوکھی بات معلوم ہوتی ہے کیوں کہ اس ہنر کے متعلق خاص کر اخباروں میں تعریف درج کی گئی ہے - اور ننگے پیروں ناچنا یہ بھی یہاں نئی بات ہے - البتہ لباس تعجب خیز بلکہ حیرت انگیز سجاوٹ کا تھا وہاں سے نکلے تو میڈم ٹوسو کی مستقل نمائش میں گئے - جہاں قد آدم موم کی

مورتیں بکثرت موجود ہیں اور بہت سے تاریخی نظارے دکھائے گئے ہیں
ہاں ایک دربار سا بنا ہوا تھا جس میں بادشاہ ملکہ شہزادے. شہزادیاں
فرانس کے پریسیڈنٹ مالٹے جو ابھی ہوکے گئے ہیں ان سب کی صورتیں
نہایت عمدہ بنائی تھیں اور بعینہٖ جو نقشہ بال کی شب ہم نے بچشم خود دیکھا تھا
وہی خاکہ موجود تھا۔ ایسا عجیب اثر ہوا گویا اُس روز کا سماں آنکھوں میں پھر گیا
ملکہ تو بالکل جیتی جاگتی ہو بہو وہی معلوم ہوتی تھیں اور دوسری بھی ایسی ایسی
نقلیں تھیں کہ میں واقعی متعجب ہوئی۔ یعنی کتنا کمال کیا ہی کہ ہم مشاہیر دنیا
کو یوں دیکھیں جیسے ہمارے سامنے ہیں ہنر کو کون سے درجے پر پہنچایا ہی۔
غور کرنے کی جگہ ہی۔ ایک عورت زخمی ہوکر پڑی ہی اور خاصا دم لے رہی ہے
دم کی آمد و رفت کا بندوبست کس خوبی سے کیا ہی۔ ایک حصہ اس نمائش کا
ہی جسے "چیمبر آف ہورر" کہتے ہیں یعنی "مہیب مناظر کا کمرہ" یہ واجبی نام دیا ہے
ایک ایک خونی کی صورت خدا کی پناہ۔ کہیں کسی کو پھانسی دیتے ہیں۔ کسی
کی گردن اُڑ رہی ہی۔ کوئی خاک و خون میں لت پت پڑا ہی - میری انٹوانٹ
ملکہ فرانس کی خون بھری گردن اور سر دیکھکر جی بگڑ گیا لیڈی جین گرے
کی مایوسی کی حالت بہت ہی متاثر کرنے والی ہی۔ نیلسن کی قریب المرگ صورت
دکھائی گئی ہے۔ جب وہ جہاز پر لڑائی میں گرا ہے اگر ان چیزوں کو دیکھ کر
انسان کو تعجب نہ معلوم ہو تو حیرت ہی۔ واقعی کمال کیا ہی۔ یہ عبرت انگیز نقشہ
دیکھکر ہم اپنے ہوٹل کے سامنے کے باغ میں آ بیٹھے۔ اس شہر کا یہ بہت ہی
عمدہ دستور ہی۔ بیچ میں ایک بڑا زمین کا ٹکڑا ہوتا ہی۔ سہ گوشہ یا مربع۔

یہ مکان اور رستوں کی حالت پر منحصر ہی۔ اس میں باغیچہ بنا لیتے ہیں۔ ہمارا باغ کوئی پاؤ میل لمبا ہوگا۔ اور خوب چوڑا ہی۔ اس کے چوگرد عمدہ سڑک ہی اور سڑک سے پرے مکانات بنے ہوئے ہیں۔ تمام لندن اسی طرح مرتب ہی۔ اور اس سے ہوا اچھی رہتی ہی اور گرد کے باشندوں کو گرمیوں میں سیر کے لیے اچھی سیرگاہ ہوتی ہی۔ اس میں کچھ درخت ہیں۔ گھانس بھی ہے اور چند پودے پھولوں کے بھی ہیں اور صاف ستھری روشیں ہیں۔ اور وسط میں لکڑی کا سائبان سا بنا ہوا ہی کہ بارش وغیرہ آئے تو آدمی اُس میں پناہ لے سکے بچے اکثر سیر کے لیے آتے ہیں۔ قاعدہ ایسا ہی کہ اطراف کے رہنے والوں کے پاس اس باغ کے پھاٹک کی کنجی رہتی ہی۔ تاکہ خاص لوگ سیر کرسکیں عام لوگوں کی رسائی منظور نہیں اس کو ترتیب سے اور اچھی حالت میں رکھنا کونسل کا ذمہ ہی اس سے پیشتر ہم باغ میں کبھی نہیں گئے تھے افسوس کہ اس سیر سے محروم رہے اور کاموں میں اور ملاقاتوں میں وقت اس قدر رُکا ہوا رہتا ہی کہ اس قریبی سیر کا موقع ہی نہ آیا۔ آج ذرا سا موقع تاک کے چلے گئے اور خوش ہوکے آئے۔ سوا نو بجے تک خاصی روشنی رہتی ہی۔

۹ جون ۱۹۰۸ء منگل۔ آج کا دن نہایت پر لطف گزرا۔ صبح اُٹھے ہی تھے کہ مس سامیول آموجود ہوئیں۔ یہ ضعیفہ بڑی اچھی ہیں۔ ہسپتال کے دیکھنے کے لیے جو دن مقرر تھا وہ بدلا۔ کیونکہ مقررہ وقت کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ آج کل ایک مذہبی تیوہار کی تعطیل ہی اس لیے لندن بالکل خالی ہوگیا ہی۔ غور کرنے کی جگہ ہی کہ اس ملک کا کیا رواج اور رسم ہی کہ جس سے ہوسکتا ہی ایسی

تعطیل میں باہر کہیں نہ کہیں سیر کے لیے چلا جاتا ہی۔ یہاں تک نوبت پہنچی ہی کہ لندن کی بستی میں ظاہری فرق نظر آنے لگتا ہی، واقعی چستی اور چالاکی انکی خمیر میں ہی۔ ہمارے ہوٹل میں بھی یہی حال ہی۔ شاید ہی کوئی ہمارے سوا باقی ہو۔ مگر یہ دیکھنے کی بات ہی کہ جانے والوں نے کمرے چھوڑے نہیں ہیں خدا جانے اتنا دوہرا تیہرا خرچ کیونکر برداشت کرتے ہیں۔ اور ہر کسی سے کیونکر ہوسکتا ہی یہ میری سمجھ میں نہیں آتا ہی خیر یہ ایسے معاملے ہیں کہ شاید زیادہ اسی ملک میں رہو تو سمجھو!

بڑی بی اچھی طرح بیٹھیں اور رخصت ہوئیں اس کے بعد ہم نے دو گاڑیاں منگوائیں اور نمائش میں چلے۔ ایک خاص جگہ پر سب کے اکھٹے ہونے کی قرارداد تھی۔ وہاں پہنچے۔ بھائی قمرالدین۔ بہن وزیر اور بہن نسیمہ موجود تھے بھائی ازہر اور لیلا کا پاؤ گھنٹہ انتظار کیا۔ نہ آئے تو پھر ہم سب لگے بڑھنے نمائش گاہ میں اگر کوئی پیدل چلنا نہ چاہے یا کم چلنا چاہے تو گھنٹے کے دو شلنگ دیکر ایک گاڑی ساتھ رکھ سکتا ہی۔ ہم سب چلنے کے شوقین تھے اس لیے ضرورت نہ ہوئی۔ پہلے ایک دو چھوٹے حصوں میں گئے اور پھر سیدھی جواہرات کے حصے میں جہاں دماغ چمک اٹھا۔ سمجھ نہیں سکتی ہوں کہ اس بے نظیر ذخیرے کا ذکر کن الفاظ میں شروع کروں! ایسے ایسے نادر الماس رکھے ہوئے تھے کہ ہوش اڑ گئے۔ اگر انہی دنوں میں بڑودے کے جواہرت نہ دیکھے ہوتے تو ان دانوں کو دیکھکر اور حواس باختہ ہو جاتے۔ الماس کن کن رنگوں کے ہو سکتے ہیں۔ انکا خواب وخیال نہ تھا۔ پکھراج جیسی

بالکل ہیرا یاقوت سرخ زرد سبز لیموں سیاہ۔ مطلب یہ کہ دنیا بھر کے رنگوں کے حضور کو نہایت درجہ حظ آیا۔ سفید اور آسمانی الماس تو غضب خوبصورت تھے۔ امرود کے ڈول کے بھی چند تھے اور (مارکیز جیسے بھی دیکھے جو قیاس و گمان سے بڑھ کر تھے نایاب گلابی موتی کی لڑیاں دیکھیں سبحان اللہ کس موزونیت سے پروئی ہوئی۔ واہ واہ۔ بعضے دانے الگ ایک ایک ایسے بے عیب اور بے داغ کہ دیکھ کر پھڑک گئی حقیقت میں عجائب مجموعہ تھا مگر یاقوت و زمرد تھوڑے دانے عمدہ تھے۔ بن بنائے زیورات کا بیان تقریباً ناممکن ہے۔ مگر ان سب میں سے جس چیز پر کہ میں وجد میں آ گئی اس کی کاریگری اعلیٰ درجے کی تھی۔ ایک سر کا تاج سا اپنچ بروچ اور بریسلٹ تھی۔ پلاٹنم کی جالی بنائی ہوئی جس کو سیاہ رنگ کر کے نیٹ کی لیس کا مشابہ بنا دیا تھا۔ جس پر تمام نقش و نگار الماس سے کیا ہوا۔ کنگرے پھول وغیرہ سب الماس سے بنے ہوئے بعینہ سچی سیاہ جالی کی لیس معلوم ہوتی تھی کیونکہ اس میں نرمی اور لوچ اور نزاکت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ بریسلٹ گویا انسرشن[1] جس میں جا بجا جھالر بنی ہوئی تھی! خیال کی نازکی پر غور کرو کہ کس انتہائے غور کی چیز بنائی تھی۔ ان تمام چیزوں میں مال بہت نہیں تھا مگر بناوٹ کی خوبی اور انوکھا پن اس حد پر ہے کہ بیان سے زبان قاصر ہے۔ بناتے بناتے دو سال لگے جب کہیں جا کر طیار ہوا۔ تاج کی قیمت نو سو پاؤنڈ۔ سب چیزوں کی جو اس کے ساتھ ہیں تیس ہزار پاؤنڈ جس میں بمشکل پانچ ہزار کا اصل مال ہوگا

---

[1] یعنی دونوں طرف یکساں لیس جو اکثر کپڑوں کے بیچ ٹانکی جاتی ہے۔

لیکن جو قیمت تھی سو محنت کی۔ سچ ہو کہ ایسے کامل ہنر کو دیکھکر عجیب اثر ہوتا ہی جب یہاں سے کسیقدر سیر ہوئے تو آگے بڑھے۔ وقت زیادہ ہونے کے سبب بھائی قمرالدین لنچ کے لیے لے گئے کھانے سے فراغت پاکر تصویر خانے میں گئے۔ جہاں داخلی ہال میں سنگی مورتیں تھیں اور ارد گرد کے سات آٹھ کمروں میں انگلینڈ کی بہترین تصویریں موجود تھیں۔ مجھ سے پرنس آف ویلز نے کہا تھا کہ امیراء کے پاس جو نامی مصوروں کی تصویریں تھیں وہ طقسم (یعنی سٹ) اُن لوگوں نے مستعار نمائش کی زیبائش کے لیے رکھنے کو دیے ہیں۔ اس لیے یہ موقع ہو کہ عمدہ سے عمدہ تصویروں کو ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ تمام انگلش ہنرمندوں کی نقش کی ہوئی تصویریں ان کمروں میں تھیں۔ اسی طرح دوسری جانب فرانسیسی تصویروں کا گروپ لگا ہوا تھا جس کو بوجہ تنگی وقت ہم نہ دیکھ سکے افسوس! مگر دوبارہ جانے کا قصد رکھتی ہوں۔ کہتے ہیں کہ پیشتر ایک جگہ ایسا تصویروں کا خزانہ اکٹھا نہیں ہوا۔ اب چونکہ فرانس اور انگلینڈ میں اتحاد اور دوستی بڑے زور پر ہی اس لیے یہ تمام برتاؤ ایسے دوستانہ طرز پر ہو رہا ہی۔ تاحدیکہ بعض اشیا جو فرانس کے احاطے سے باہر نہیں گئی تھیں۔ خاص اس موقع کے لیے فرانس سے آئیں۔ جہاں دیکھو یہی چرچا اور تذکرہ ہی خیر دو گھنٹے سیر کی اور چارخوری کر کے اُسی حصے میں گئے جہاں قسم قسم کے تماشے ہو رہے تھے۔ ایک چیز جسکا نام فلپ فلیپ تھا جہاں جانے کا کچھ کچھ خیال کرتے تھے مگر شکر کہ نہ گئے! دو بے حد بڑے لوہے کے ہات سے بنے ہوئے ہیں جس کے آخر میں ٹوکریاں لٹکی ہوئیں۔ ان میں ۲۵۔۳۰ آدمی

ایک وقت میں بیٹھ سکتے تھے یہ ٹوکری سانچوں کے زور سے زمین سے اوپر
جاتی اور پھر ادھر والوں کو اسطرف اُتارتی اور اُدھر والوں کو اس طرف۔
اس میں مزا یہ تھا کہ ہوا میں لٹکتے ہوئے تمام نمائش کو اوپر سے بخوبی دیکھ
سکتے ہیں۔ جس وقت ہم جانا چاہتے تھے اُس وقت ایک ورگروہ بیٹھ کر گیا
آدھے رستے میں پہنچے اور سانچے میں کسی قسم کی خامی پیدا ہوئی اس سبب
جہاں تھے وہاں کے وہیں لٹکتے رہے اور نمائش دیکھنے کی ہوس میں آپ ہی
نمائش بن گئے!! خیر ہم تو وہاں سے چلے گئے اور کچھ کانچ کی چیزیں بنتی تھیں
وہ دیکھیں۔ اور کچھ اور تماشے دیکھے اس میں کوئی گھنٹہ بھر گزر گیا۔ مگر جب فلیپ
فلیپ کے قریب آئے تو دیکھا کہ ابھی سیر کرنے والے غریب ہنوز عالم بالا کی
ہوا کھا رہے ہیں اور اسی طرح معلق ہیں۔ ہم نے دوبارہ خدا کا شکرادا کیا کہ
اس مصیبت میں گرفتار نہ ہوئے اور بچے رہے۔ رات کو ازہر سے سُنا کہ
آخر وہ بات درست ہوئے اور گرفتاران بلا سلامتی سے زمین پر واپس آگئے
بھائی عطیہ اور میں ہنوز دیکھنے اور سیر کرنے کی طرف مائل تھے۔ اسلیے ایک
دو گھنٹے لباس کے علاقے میں پھرے۔ فرنیچ شوقینوں نے اس ہنر کو کس
درجے پر پہنچایا ہے۔ یہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اب کلابتونی اشیا رواج پا رہی
ہیں مگر کوئی انتہا ہے۔ کتنی خوبصورت ملاوٹ کرتے ہیں اور کیسے کیسے نتیجے
ملاحظے میں آتے ہیں کہ عقل کام نہیں کرتی۔ سیکڑوں عجائب نمونے رکھے
ہوئے تھے ان میں سے چند کے بیان کرنیکی کوشش کرتی ہوں۔ ان دنوں فیشن
ایسا ہے کہ بے اختیار دل راغب ہوتا ہے۔ ایک ایک پوشاک آرش کردشے

ے باریک تاگوں سے گوندھی ہوئی آئرش کروشے ایک خاص قسم کی چیز ہے
معمولی کروشے سے الگ ہوتی ہے اس میں قسم قسم کے پھول پتے گوندھے
جاتے ہیں بعد میں کاغذ یا کپڑے پر نقشہ کھینچکر ٹھیک طور سے ٹانکے جاتے ہیں۔ اور
درمیان میں کانٹے کے جالی بنائی جاتی ہے اس ہانیٹ لیس کے ڈھب سے
ٹے ہوئے کپڑے پر سے گویا جالی ہی الگ کی جاتی ہے۔ اس طرح نہایت
دقت اور محنت سے یہ لیس طیار ہوتی ہے اور حد درجہ گراں قیمت ہوتی ہے۔ آج
ہی کے ڈھیر میں پڑے ہوئے ہیں۔ برف جیسی سفید کاریگری کا نمونہ معلوم
ہوتی ہے۔ غور کی جگہ ہے کہ تمام لہنگے اور بلاوس اس کروشے سے بھرپور ہو رہے
تھے۔ مگر اس کی سلائی بھی نمونہ ہنر ہوتی ہے۔ طیار ہو کر نہایت دلکش چیز
بنتی ہے۔ ایک سادہ لباس نے بہت حیران کیا۔ اس کے پیچھے مور کے تین عدد
پر بھرے ہوئے اور تمام پر قدرتی رنگوں سے بھرا ہوا اور جو حصہ پیچ جیسا
ہوتا ہے اس جگہ سچے مور کے پیسے کو لگا دیا تھا! بھرت میں یہ کمال تھا کہ پر
کہاں سے شروع ہوتا تھا اور بھرت کی حد پر ختم۔ اس کی تمیز ہو نہیں سکتی
تھی اس قدر عمدہ نقل قدرت کی کی تھی کہ سبحان اللہ۔ اس خیال پر صاد ہے
کہاں سے ان لوگوں کے مغز میں سماتا ہے۔ نادر لیسیں دیکھیں مہین کلابتو کی
فیتے بنے ہوئے جن پر رنگا رنگی ریشم سے چنٹ بھرت کے مشابہ بھرت تھی۔
کئی لباس اس قسم کے تھے کہ ایک جگہ سے لباس کے ایک حصہ کو تھام کے
دوسری جگہ پر پیچ لگا دیا۔ اسی ذرا سے خیال نے لباس کی خوبی کو دہ چند کر دیا
تھا! ان لباسوں کی نمائش کے لیے عمدہ دم تیلیوں کو سجایا تھا کہ جن کی خوبصورتی

قابل تعریف تھی۔ ان تپلیوں کی شکل عمدہ۔ بدن سڈول اور بال نہایت موزوں تھے بہت ہی اچھا ہوا کہ ہم نے یہ حصہ دیکھ لیا۔ ان کے علاوہ جاڑوں میں پہننے کے لباس دیکھے۔ سردیوں میں امیروں کے لیے خاصا عیش ہے۔ تمام فرقوں کے لباس اور اس ترکیب اور وضع سے رکھے ہوئے اور اس قسم کا نظارا کہ شروع سے آخر تک کیا کیا ہوتا ہے اس کا خاکہ سمجھ میں آجائے۔ قاقم کس طرح ہم پہنچاتے ہیں کس طرح درست کرتے ہیں اور لباس طیار کرتے ہیں سو سب پوری طرح ایک ناواقف کے بھی خیال میں لحظہ بھر میں سماجائے۔ آخر کا تماشا یہ ہے گویا بیبیوں نے قسم قسم کے پوستین پہنے ہیں جن میں کوئی گاڑی میں سوار ہونے کے لباس میں ملبس کوئی سکیٹ کرنے یعنی جمے ہوئے برف پر چلنے کے لباس میں۔ کوئی پیدل سیر کرنے کی قطع بنائے ہوئی۔ مگر لباس کی وضع ایسی کہ ہر کسی کو قاقم پہننے کی ہوس پیدا ہوجائے۔ جوتیوں کی دکانوں میں گئے تو ادھر ہی عالم نظر آیا۔ ایسی ایسی نازک اور خوبصورت جوتیاں کہ اور جگہ کم دیکھنے میں آئی ہیں۔

پرخانے میں گئے تو سیکڑوں ترکیبوں سے اس حقیر چیز کو کارآمد بنایا ہوا ہے۔ پر کے پھول مگر ایسے بنائے ہوئے کہ دھوکے سے خوشبو سونگھنے کو بے اختیار جی چاہتا تھا۔ اسی طرح مختلف طریقے اور وضع سے پروں سے کام لیا گیا تھا۔ وہاں سے چلکر خوشبوخانے میں گئے۔ طرح طرح کی خوشبو کے کا خذ اور چھوٹی چھوٹی شیشیاں دیکھیں کوئی ساڑھے سات بجے ہم واپس لوٹے۔

شمرو کی بیگم

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

دیوان رائے سنگ کی تصویر چھجے دار پگڑی ایسی ہی جیسے دلّی کے جوہری پہنتے ہیں۔ جوتا گھیتلی جوتی کی وضع کا ہی جس کی نوکیں بڑی بڑی اور مڑی ہوئی ہیں۔ پائجامہ ایک بڑا ہی اور جامہ وار کی انگرکھا پر شال کا مدار چادر داہنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے کاغذ اور بائیں ہاتھ میں قلمدان ہی۔

نیچے بائیں کونے پر بیگم کے فوجی مصاحب اور رسالے کے افسر عنایت اللہ کی مورت ہی۔ اس کا لباس ایسا ہی جیسا غدر سے پہلے دہلی کے شہزادے پہنتے تھے اور اب بھی بعض پرانی وضع کے شاہزادے استعمال کرتے ہیں سر پر کمرک چوگوشیہ ٹوپی۔ پاؤں میں فوجی بوٹ۔ آڑا پائجامہ۔ اوپر چپکن سینے پر سے تنگ۔ صرف نیچے کا ایک بٹن لگا ہوا باقی سب کھلے ہوئے آستینیں بازو پر سے خوب پھنسی ہوئی اور سرے پر سے چاک۔

نیچے بائیں طرف بشپ جولیس سیزر کی مورت ہی۔ بیگم ان کی بہت معتقد تھی ان کا لباس قریب قریب ویسا ہی ہی جیسا آج کل رومن کیتھولک پادری استعمال کرتے ہیں۔ یعنی ایک نیچا پاؤں تک کا چغہ ہی اور سر پر بے چھجے کی اونچی ٹوپی۔ کمر میں ایک ڈوری بندھی ہوئی ہی جو رومن کیتھولک پادری ہونے کی علامت ہی۔ اس کو زنارِ نصاریٰ کہتے ہیں۔

جس چبوترے پر یہ مورتیں ہیں اُس کے تین پہلوؤں پر منبت کام کی تصویریں بنی ہوئی ہیں۔ داہنی طرف بیگم کے دربار کی تصویر ہے جس میں ایک تخت پر بیگم بیٹھی ہے اور بہت سے ہندوستانی اور یورپین افسر کھڑے ہوئے اور کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ آگے کی طرف گرجا کی تقدیس اور افتتاح کا نقشہ ہے اس میں ایک پادری صاحب کرسی پر بیٹھے ہیں اور ان کے پیچھے اُن کے تحت پادری کھڑے ہوئے ہیں۔ آگے بیگم بارعب کھڑی ہے اور بیگم کے پیچھے اُس کے خاص خاص یورپین افسر۔

بائیں طرف بیگم کا جلوس ہے۔ بیگم ایک ہاتھی پر عماری میں بیٹھی ہے آگے پیچھے اُس کے پیادہ اور سوار فوج ہے۔ ایک توپ خانہ بھی ساتھ ہے جس میں بیل جُتے ہوئے ہیں۔

ان تینوں تصویروں میں بھی مورت کی طرح بیگم کے سر پر جھومر لگا ہوا ہے معلوم نہیں کہ خود بیگم ہی کو جھومر سے اسقدر شوق تھا کہ کبھی نہیں اُتارتی تھی یا مصور کی کارگزاری ہے کہ کبھی جھومر کو اُس کے سر سے جُدا نہیں کرتا۔

یہ پانچوں مورتیں اصلی ہیں یعنی اُن لوگوں کے صحیح نقشے ہیں جو کبھی زندہ تھے مگر یہ سات مورتیں جو نیچے ہیں فرضی ہیں یعنی کوئی مورت کسی ایسے آدمی کی نہیں ہے جو کبھی زندہ تھا۔ تشبیہات و استعارات ہیں۔ ان کے سمجھنے سے اگر سمجھ میں آجائیں تو وہ کچھ سمجھ میں آتا ہے کہ سمجھا نہیں سکتے۔ کچھ دیکھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ زبان و قلم ان کی تشریح سے عاجز ہے۔

نیچے کے چبوترے کے چاروں کونوں پر جو چار مورتیں ہیں اُنہیں

آگے دائیں طرف ایک عورت بڑا سا گھونگٹ نکالے جھکی ہوئی بیٹھی ہی۔ ہات میں ایک سانپ ہی جو پل کھا رہا ہی۔ کیسا تیز ہی۔ ہاتوں میں سے نکلا جاتا ہی۔ کہتے ہیں کہ یہ دانائی کی مورت ہی مگر مجھ ناقص العقل کی عقل ناقص میں یہ بات نہیں آئی کہ ایک عورت کے گھونگٹ نکال کر سانپ لے بیٹھنے میں دانائی کا کیا اظہار ہوتا ہی۔ میری رائے میں تو سانپ کو ہات میں پکڑنا بڑی بیوقوفی ہی۔ لہذا اگر اس مورت کو نادانی کی مورت کہا جائے تو بجا ہی۔ لیکن میں کیا اور میری ناچیز رائے کیا۔ دانایان فرنگ نے ضرور اس میں کوئی بات رکھی ہو گی۔ اس عورت کے مقابل بائیں کونے پر ایک مرد بیٹھا ہی جو کچھ کھا رہا ہے صورت سے غربت و مسکینی اور پریشانی ظاہر ہوتی ہی۔ یہ غم کی مورت ہی مگر غم کی حالت میں تو کچھ کھانے کو جی نہیں چاہتا یہ کیا کھا رہا ہے؟ کیا غم ہی کھا رہا ہی! اوہو اب سمجھ میں آیا یہ مورت حضرت آدم کی ہی اور وہ حضرت حوا کی۔ حضرت آدم اور حضرت حوا دونوں میاں بی بی بڑے آرام سے جنت میں رہتے تھے۔ شیطان کو ان سے سخت عداوت تھی کیونکہ اس کا یہ خیال تھا کہ اسی خاک کے پتلے کی وجہ سے میری عزت خاک میں ملی ہی۔ علاوہ ازیں اب شیطان کو جنت میں جانے کی ممانعت ہو گئی تھی۔ اس وجہ سے وہ اور بھی ان سے جلنے لگا تھا اور اس فکر میں تھا کہ کسی طرح ان کو جنت میں سے نکلوائے۔ آخر ایک دن اس نے دیکھا کہ جنت کا ایک خوبصورت جانور جس کو مور کہتے ہیں جنت کے باہر چگ رہا ہی۔ اس کو یہ معلوم تھا کہ یہ جانور سانپ کو بھی کھا جاتا ہی مگر سانپ اسکو ہضم نہیں ہوتا۔

اس وجہ سے سانپ بنکر مور کے سامنے گیا۔ مور نے اس کو کھالیا۔ اور جب جنت میں گیا اپنی عادت کے موافق اگل دیا۔ اس طرح شیطان جنت میں پہنچکر حضرت حوا کے پاس گیا اُن کو اور اِن کے ذریعے سے حضرت آدمؑ کو گیہوں کھلوا دیا لیکے کھاتے ہی دونوں جنت سے نکالے گئے۔ وہاں سے نکلنے کا جیسا غم حضرت آدم کو ہوا ویسا اُن کی اولاد میں کسی کو آج تک نہیں ہوا اور نہ ہوگا۔ شیطان اس ترکیب سے اپنی کوشش میں کامیاب ہوا۔ دیکھو اس سے اُس کی کیسی عقلمندی ظاہر ہوتی ہے۔ بھولے بھالے آدم پر سب سے پہلے جو دانائی کا اظہار ہوا وہ عورت اور سانپ کے ذریعہ سے ہوا۔ اسوجہ سے عورت اور سانپ کی مورت کو دانائی کی مورت کہنا بجا ہے۔ اور غم کا جو سب سے پہلے احساس ہوا وہ کھانے کے سبب سے ہوا۔ چنانچہ آج تک اُسکی اولاد اسی غم میں مبتلا ہے کسی کو پیٹ کے دھندوں سے چھٹکارا نہیں پس اس مورت کو غم کی مورت کہنا صحیح ہے۔ ان دونوں مورتوں سے شاید یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ بیگم عقل مجسم تھی۔ کسی کے دہوکے میں نہیں آتی تھی۔ نیز یہ کہ اس کے دل میں رنج کا بھی بہت احساس تھا اپنی غلطی پر سخت متاسف ہوتی تھی۔ میری سمجھ میں تو یہ آیا ہے اب معلوم نہیں کہ بنانیوالے کا بھی یہ ہی مطلب ہے یا کچھ اور۔

پیچھے دائیں کونے پر ایک جوان عورت نہایت بیباکی اور بے پروائی سے شیر ببر کے اوپر ایک پاؤں رکھے کھڑی ہے۔ شیر بیٹھا ہے۔ یہ مورت شجاعت کی ہے اور ظاہر کرتی ہے کہ بیگم نہایت بہادر تھی بڑے بڑے دلیروں اور شیروں کی

پروا نہیں کرتی تھی۔ بلکہ بے پروائی سے اُن کو پاؤں کے نیچے روند ڈالتی تھی

اب اس چبوترہ کا صرف ایک کونا رہ گیا جس پر محبت کی مورت ہی۔

بتاؤ کیسی ہونی چاہیئے۔؟

شاید زلیخا کی مورت ہوگی ۔۔

لاحول ولا قوۃ ہزار زلیخا اس سچی اور پاک محبت پر سے قربان۔

قیس ہی؟

یہ محبت کی مورت ہی جنوں کی نہیں۔

فرہاد کی ہوگی ؟

فرہاد اس مورت کا بنانیوالا تو ہوسکتا ہی مگر معلوم نہیں۔

خوب بنائی ہی۔ محبت کی مورت ایسی ہی ہونی چاہیے۔ زبان حال سے پکار پکار کے کہہ رہی ہی کہ میں محبت ہوں۔ مورت کیا ہی بس سچ مچ محبت ہی کھڑی ہی یا کوئی وقت کی راگنی ہی جو مورت کی صورت میں جلوہ گر ہی یا ایک مجسم شعر ہی کہ اپنی پُرتاثیر کیفیتوں کے ساتھ دل کے اندر اُترا چلا جا رہا ہی یا قوۃ مقناطیسی ہی کہ حواس کو جذب کر رہی ہی۔ غرض کچھ ایسی پُراثر کیفیت ہے کہ دیکھنے والا محو ہوجاتا ہی۔ اور کوئی شخص سوائے شاعر یا مصور کے اسکا اظہار نہیں کرسکتا۔

یہ ایک جوان حسین عورت ہی اپنے بچے کو گود میں لیے کھڑی ہی۔ بچہ دودھ پی رہا ہی ایک ہات دوسری طرف رکھے ہوئے ہی۔ یہ دودھ پیتے بچوں کی عادت ہوتی ہی۔ کوئی پانچ چھ مہینے کا ہوگا موٹا موٹا گلگوتھنا سا۔ کلے پھولے ہوئے

گول گول رانیں ہات پہونچوں کے پاس سے الگ جڑے ہوے بڑا خوبصورت معلوم ہوتا ہی۔ اس مورت کے آگے اسی چبوترے پر ایک چھوٹا سا بچہ ڈوڈہائی برس کا بیٹھا ہوا بیگم کی طرف دیکھ رہا ہی اور ہات اونچا کرکے بیگم کو ایک سیب دے رہا ہی یہ بھی خوب موٹا تازہ ہی اور اس کی یہ وضع ایسی بھلی معلوم ہوتی ہی کہ بیساختہ اٹھا کر پیار کر لینے کو دل چاہتا ہی۔

پہلی مورت سے ظاہر ہوتا ہی کہ بیگم کو رعایا سے ایسی محبت تھی جیسی ماں کو بچے سے اور دوسری سے یہ واضح ہوتا ہی کہ رعایا کو بیگم سے ایسی محبت تھی جیسی بچے کو ماں سے۔

اب صرف دو مورتیں اور باقی رہ گئیں۔ یہ دونوں پہلی سیڑھی کے دونو کونوں پر قائم ہیں۔ دائیں طرف ایک فرشتہ کھڑا ہوا بیگم کی طرف دیکھ رہا ہی لئے ہات میں ریت گھڑی ہی سیدہا ہات خالی ہی دونوں شانوں پر پر ہیں۔ صورت سے جلدبازی ظاہر ہوتی ہی۔ پروں سے یہ معلوم ہوتا ہی کہ کوئی اڑنیوالی مخلوق ہی یہ وقت کی مورت ہی اور بیشک اڑنیوالی چیز ہی۔ ریت گھڑی پابندی وقت کا سبق دیتی ہی اور خالی ہات یہ ظاہر کرتا ہی کہ گھڑی کی تعلیم پر عمل کرنے والا ہمیشہ خالی رہتا ہی۔ یہ مورت یہ کہتی ہی کہ بیگم بڑی پابند اوقات تھی اور ہمیشہ وقت کی قدر کرتی تھی۔

باقی آیندہ

(حامدہ بیگم اختریہ)

نعمت خانے

بعض بیبیاں نعمت خانوں کا بالکل خیال و لحاظ نہیں رکھتیں مگر میری رائے یہ ہی کہ نعمت خانے گھر میں ضرور رہنا ہیں۔ کیونکہ وہ نہایت مفید ہیں بغیر ان کے کھانے پینے کی چیزیں ادھر اُدھر پڑی بہت بُری معلوم ہوتی ہیں اور ضائع ہوتی ہیں۔ نوکر بدتمیزی اور لاپروائی سے ناس کرتے ہیں۔

ہر بی بی کو اپنے گھر میں باورچی خانے سے جدا ایک نعمت خانہ رکھنا چاہیے جس میں سوکھی چیزیں چار شکر میوہ مٹھائی بسکٹ وغیرہ رکھیں۔ چاہے چار شکر وغیرہ ٹین کے بکسوں میں رکھکر نعمت خانے میں بند کر دیں تاکہ یہ چیزیں جلد خراب نہ ہوں۔ نعمت خانے کی کنجی صاحب خانہ کے پاس رہے یا کوئی خاص ماما نوکر مغلانی پیش خدمت کے پاس۔ ایک اور نعمت خانہ ہر ایک خاتون کو اپنے گھر میں رکھنا ضروری ہی وہ دودھ دہی مکھن وغیرہ کے لیے ہو۔

اس انتظام سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ کوئی چیز ضائع نہ ہوگی اور وقت پر کسی قسم کی تکلیف نہ اُٹھانی پڑے گی اگر احتیاط نہ کی جائے اور کھانے پینے کی چیزیں تتر بتر پڑی رہیں تو ضرورت پر کوئی چیز اچھی میسر نہ آئیگی۔

نواب بیگم
آدونی چمن

وقت کی قدر و قیمت

وقت ایک بہت بڑی دولت ہے اور اس دولت کو ہر انسان آسانی سے حاصل کر سکتا ہے۔ جو انسان اس کی قدر و قیمت پہچانتے ہیں وہ اپنا وقت فضول اور بیکار صرف نہیں کرتے۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ کام کرتے رہتے ہیں۔ ہماری بہت سی ہندوستانی بہنیں وقت کی کچھ قدر نہیں کرتیں اور اپنا بہت سا وقت بیکار باتوں میں صرف کرتی ہیں۔ اور جب باتیں کرنے کے لیے کوئی عورت نہ ملی تو پلنگ پر لیٹیں اور سو گئیں۔ اور اس طرح قیمتی وقت برباد کر دیا۔ جب سوتے سوتے طبیعت تھک جاتی ہے تو اس بات کی شکایت بھی اکثر سنی ہے کہ دن کتنا بڑا ہے کہ کاٹے نہیں کٹتا ہے۔ اگر ہماری بہنیں اپنا وقت کسی نہ کسی کام میں صرف کریں۔ تو ان کو یہ شکایت نہ کرنی پڑے۔ یہ صرف بے شغلی کا نتیجہ ہے۔ وقت کو مفید کاموں میں لگا کر ہم بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

فرینکلن کا قول ہے جو آدمی اپنی زندگی سے محبت کرتے ہیں وہ کبھی اپنا وقت ضائع نہیں کرتے۔ ایک مشہور اٹیلین اپنے وقت کو اپنی ملکیت کہتا ہے کیونکہ ہماری قیمتی زندگی کا جو وقت گزر جاتا ہے اس کو ہم دوبارہ حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔ مثلاً اگر ہمارا روپیہ برباد ہو جائے تو ہم محنت کر کے پیدا کر سکتے ہیں۔ بیماری اور کمزوری کا علاج دوا سے حاصل ہو سکتا ہے۔ مگر گزرا ہوا وقت کبھی ہاتھ نہیں آ سکتا۔ ہماری بہت سی بہنیں یہ عذر پیش کرتی ہیں کہ ہم فلاں

کام کرتی مگر مجھ کو بالکل وقت نہیں ملا۔ مگر یہ کہنا صرف کاہلی اور خودغرضی ہے اگر ایک ہوشیار اور چالاک لڑکی کو ایک خط لکھنے کو دیا جاے تو وہ بہت جلدی سے خط لکھدے گی اگر وہی خط ایک کاہل اور سست لڑکی کو دیا جائیگا تو وہ کئی روز یا ایک ہفتہ میں بھی نہیں لکھیگی۔ ہم روپیہ بنانے کی مشین سے بہت اچھا سبق سیکھ سکتے ہیں۔ جب چاندی سے روپیہ بناتے ہیں تو چاندی کے باریک باریک ریزے مشین سے گرتے ہیں اور ان ہی ریزوں کو ایک جگہ جمع کرکے اور پگھلا کے پھر روپیہ بناتے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی اپنے ذرا ذرا بچے ہوے وقت کی حفاظت کریں۔ و اس کو پڑھنے یا کسی عمدہ کام میں صرف کریں تو کتنا اچھا ہو۔ اور ہماری آیندہ زندگی کے لیے یہ بات کیسی فائدہ مند ثابت ہو۔

ہماری بہنیں تھوڑے سے وقت کی کچھ قدر نہیں کرتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اتنے ذرا سے وقت میں کیا ہو سکتا ہے۔ مگر یہ سب ناسمجھی کی باتیں ہیں۔ ہم تھوڑے سے وقت میں بہت بڑا کام کر سکتے ہیں۔

جارج الفنٹن کا بیان ہے کہ وہ اپنے ایک ایک منٹ کی بہت قدر کرتا تھا اور اس کو اچھے کام میں صرف کرتا تھا وہ بیان کرتا ہے کہ میں کبھی اسوقت تک خوش نہیں ہوتا تھا جب تک کہ میں اپنا بچا ہوا وقت کسی اچھے کام میں صرف نہیں کر لیتا تھا۔

بنجمن فرنکلن بیان کرتا ہے کہ میں بڑی کوشش سے ایک ایک لحظہ بچاتا تھا۔ اور اس سے فائدہ حاصل کرتا تھا۔

ہنری کارک وائٹ کا بیان ہے کہ کچہری جانے میں جو وقت صرف ہوتا تھا

اُس کو اُس نے کبھی بیکار نہیں جانے دیا۔ اور اس وقت میں یونانی پڑھنا سیکھ لیا۔

یونگ سٹون نے گینن گرامر اُس وقت میں سیکھی جب کہ وہ کپڑے بنانے کی مشین میں کام کرتا تھا۔

ہیوگ میلر بیان کرتا ہی کہ اُس نے لکھنا پڑھنا اُس وقت حاصل کیا جبکہ اُسے تھوڑا سا وقت مکان تعمیر کرنے کے بعد ملجاتا تھا۔ اُس تھوڑے سے وقت کو اُس نے ضائع نہیں کیا اور لکھنا پڑھنا سیکھ لیا۔ یہ لوگ ذرا ذرا سے وقت کی بہت قدر کرتے تھے۔ اس لیے وہ بہت بڑے مشہور عالم بن گئے جن کی کتابوں سے ہم آج کل بہت فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ یہ مثالیں اسواسطے بیان کی گئی ہیں کہ ہم بھی ان بزرگوں کی طرح وقت کی قدر کریں۔ اور اپنا ایک ایک لحظہ بھی بیکار نہ گزاریں۔

ہماری بہت سی بہنیں چارپائی پر بیکار پڑے پڑے یا ماماؤں سی باتیں کرنے میں یا دوسری بہنوں کی پوشاک۔ صورت شکل اور زیور پر ریمارک کرنے میں اپنا بہت سا وقت گزار دیتی ہیں۔ اگر اسی وقت کو پڑھنے لکھنے یا سینے پرونے یا اور کسی خانہ داری کے امور میں صرف کریں تو کس قدر فائدہ حاصل ہو سکتا ہی۔ ہم اپنے وقت کی اسی طرح پر حفاظت کر سکتے ہیں اور اس کو مفید کام میں گزار سکتے ہیں کہ ایک روزنامچہ بنایا جائے اور ہر کام کے لیے ایک وقت مقرر کریں۔ اور اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے لٹکا لیں۔ اور ہر روز اس روزنامچے کے موافق ہر کام انجام دیں تو چند دنوں میں ہم ہر کام کو بہت آسانی

مسلمان خواتین

زمانہ جاہلیت میں بھی طبقہ نسواں علمی دنیا میں مردوں کے پہلو بہ پہلو رہا اور بعد ظہور اسلام بھی تعلیم نسواں کا زور رہا۔ اور حضرت رسول اکرمؐ نے بھی روحانی زندگی اور روحانی ترقیوں میں عورتوں اور مردوں میں کوئی فرق نہ کیا یعنی جس طرح ایک مرد نیکی کر سکتا ہی اسی طرح عورت بھی۔ کوئی نیکی ایسی نہیں ہی کہ اس سے صرف مرد ہی فائدہ اٹھائے عورت محروم رہے۔ حضرت سرکار عالم کے زمانے میں بھی عورتیں بالکل اپنے گھر کی مالک و مختار سمجھی جاتی تھیں۔ گھر کا تمام کام انھیں کے متعلق ہوتا تھا۔ نوکر چاکر بھی انھیں کے تابعدار ہوتے تھے بلکہ خاوند بھی بلا رضامندی اُن کے بعض کام نہ کر سکتا تھا۔ گو باہر نکلنے کی عام اجازت نہ تھی مگر مسجدوں اور شدید ضرورت پر بازار اور قریبی رشتہ داروں کے ہمراہ سفر کر سکتی تھیں۔ عورتوں کی تعلیم گھر پر لکھی پڑھی عورتوں اور نیک چلن بڈھے استادوں کے ذریعے ایسی عمدہ ہوتی تھی کہ ہزاروں مسلمان عورتیں ایسی علامۂ زمانہ ہوئی ہیں کہ بڑے بڑے مرد عالم بھی ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے چنانچہ

حضرت خدیجۃ الکبریٰ۔ آپ ایسی عالمہ اور فاضلہ تھیں کہ آپکے ظاہری اور باطنی کمالات کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں آپ کا لقب "طاہرہ" ہوگیا تھا۔ آنحضرت نے آپ کو کبریٰ کا معزز خطاب عطا فرمایا۔ یہ فخر آپکے لیے کیا

م ۔۔۔ ے زمین پر جس نے پہلے اسلام قبول کیا اور اپنی دولت ساری ۔۔ اسلام کے لیے صرف کر دی وہ آپ ہی کی ذات تھی۔ یہ کہا جائے تو ۔۔ بیجا نہ ہوگا کہ اسلام کی جڑ کا مضبوط کرنے والا اور بانی اسلام کا سب سے پہلے بات بنانے والا کوئی مرد نہ تھا بلکہ ایک عورت تھی۔ (مدارج النبوت)

حضرت فاطمہ زہرا نے بھی اپنے والد مقدس کے زیر سایہ ایسی عمدہ تعلیم پائی تھی کہ عرب کے بڑے بڑے ادیب آپ کی ذہانت اور قابلیت پر عش عش کرتے تھے۔ اگرچہ آپ پیغمبر زادی تھیں مگر خانگی کاروبار اپنی ہی ذات سے انجام دیتی تھیں۔ باوجود گھر کے دھندوں کے اپنے مذہب سے غافل نہ تھیں اکثر اپنے مکان کے صحن میں کبھی کبھی مسجد میں وعظ فرماتی تھیں آپ کے وعظ سے صرف عورتیں ہی فائدہ نہیں اُٹھاتی تھیں بلکہ مردوں کا بھی کثیر ہجوم ہوتا تھا۔ (مدارج النبوت)

حضرت عائشہ صدیقہ فن شاعری میں کمال رکھنے کے علاوہ معانی قرآن سمجھنے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھیں۔ آنحضرت کی رحلت کے بعد بڑے بڑے صحابی آپ ہی سے حدیث کے نکات دریافت کرتے تھے سیکڑوں احادیث آپ سے روایت ہوئی ہیں (مشاہیر)

شہدہ نامی ۴۸۲ھ میں پیدا ہوئی تھی۔ یہ خاتون فن خوشنویسی اور دیگر علوم و فنون میں یگانہ روزگار ہوئی۔ انھیں قابلیتوں کی وجہ سے اس علامۂ دہر کا لقب ''فخر النساء'' ہوگیا تھا۔ علم حدیث میں اس کو ایسی شہرت حاصل تھی کہ دُور دُور سے طالب علم درس حدیث کے لیے اس کے مدرسہ میں

حاضر ہوئے تھے۔ (مشاہیر)

رجب نامی ۸۱۶ھ میں ہوئی ہی اس کے علم و فضل کی اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہوسکتی ہی کہ علامہ امام جلال الدین سیوطی نے اس سے درس حدیث حاصل کیا اور اس کو اپنے اُستادوں میں شمار کیا ہی۔ اسی طرح ہندوستان کی بیگمات بھی علم و فضل و قادر الکلامی میں کچھ کم نہ تھیں۔ (تذکرۃ الخواتین)

گلبدن بیگم بابر بادشاہ کی تعلیم یافتہ باخدا صاحبزادی کا نام ہی اس بیگم کی خوش طبعی اور عالی دماغی کا ثبوت اس کی تصنیف ہمایوں نامہ سے ہوسکتا ہی

گنا بیگم۔ یہ عالمگیر ثانی کے وزیر عماد الملک کی بیوی نہایت نازک خیال تھی اس کی خوش طبعی کا ثبوت اس سے ہوسکتا ہی کہ اپنے فرزند کے مرنے کا حال خاوند کو اس طرح لکھتی ہے

از حال ما مپرس کہ دل چاک کردہ ایم
لخت جگر بریدہ تہ خاک کردہ ایم
(مشاہیر نسواں)

گوہر شاد۔ یہ بیگم تیمور کی بہو شاہرخ مرزا کی بیوی ہی۔ بڑی عالمہ تھی اپنے ملک کی تاریخ اور علم ادب سے خوب واقف ہی۔ خراسان اور ماوراالنہر کے مدرسے اسی بیگم کی یادگار ہیں (مشاہیر نسواں)

لطیف النساء۔ یہ خاتون اردو اور فارسی میں اعلیٰ پایہ رکھتی تھی یہ اُردو شعر اسی کا ہی ؎

یہ طفل اشک مرے جس گھڑی مچلتے ہیں
تو پھر ہزار سنبھالو نہیں سنبھلتے ہیں

اور یہ فارسی کلام بھی اسی خوش فکر شاعرہ کی طباعی کا نمونہ ہی

کاوشے بیجاست ای چرخ عدو   صاحب حشمت نہ زر داریم ما
گاہ در کعبہ و گہ در بتکدہ   جستجویت در بدر داریم ما

عرب کی خواتین کی قابلیت اور ہندستان کی بیگمات کی لیاقت کا اس سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہی۔

اکثر دیکھا جاتا ہی کہ بلند خاندان بیگمات جو عصمت اور عزت کی پتلیاں ہیں اور شرافت جنکا خاندانی جوہر ہی اُن کی لڑکیوں کا یہ حال ہی کہ پنہاری کو اپنا رازدار بنالیا تو بھٹیارن کو مشیر۔ اما۔ یا نائن سے بہناپے کا رشتہ جوڑلیا۔ منہیاری کی وہ عزت ہونے لگی جو خالہ پھپیوں کی ہونی چاہیے۔

بھلا آپ بی بیوں نے کم سُنا ہوگا کہ کوئی عورت قرآن شریف کا ترجمہ یا تفسیر کے معنی سمجھنے میں اپنے بزرگوں سے مدد لے رہی ہو یا یہ کہ عقائد اور احادیث میں اپنی معلومات بڑھا رہی ہو! در باپ بھائی خاوند اُس کو روک رہے ہوں؟ نہیں ہرگز نہیں ہاں یہ تو ضرور دیکھا ہوگا کہ ناول اور قصے کہانیوں کی کتابیں بڑے فخر کے ساتھ پڑھتی ہیں جب اس سے فرصت ملجاتی ہی سوتی ہیں۔ جب اس کام سے بھی فارغ ہوگئے تو پرانے ہمنشینوں کا پڑھایا ہوا سبق یاد کرلیتی ہیں یعنی کوئی پرانی بات نکال لی وہ دراصل کچھ ہو یا نہو مگر ایک فساد عظیم کھڑا کردیا۔

اے میری معزز بہنو! جبکہ قانون قدرت نے عورت کو مرد کا مشیر بنایا اور ہر ایک خانگی اُمر میں عورت کو بھی شرکت کا حق دیا ہی تو کیا وجہ ہے کہ

عورتیں تعلیم کی طرف متوجہ نہ ہوں۔ کوئی روکتا نہیں ہے خود ہم اپنے آپ کو روک رہے ہیں۔

ہم نہ مذہبی فرائض ادا کرتے ہیں نہ پڑھتے ہیں نہ مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں اور نہ کمظرف عورتوں کی صحبت چھوڑتے ہیں۔ اور پھر مردوں پر یہ شکایت کہ ہماری تعلیم کی طرف توجہ نہیں کرتے اور ہماری عزت کنیزوں سے زیادہ نہیں سمجھتے۔

بی بیو! ذرا غور سے سنو! جیسی رعیت ویسی سرکار۔ رعایا جب تک نالائق اور اوباش رہیگی تو سرکار کو بھی ضابطہ فوجداری و تعزیرات میں ترمیم کی ضرورت ہوگی۔ سخت سخت سزائیں تجویز کی جائیں گی۔ نیک چلن رعایا کے ساتھ سرکار بھی ویسا ہی سلوک کرتی ہے جس کی وہ مستحق ہے جن باتوں سے ہم خاوند اور خاوند کے قرابت داروں پر حکمرانی کر سکتے ہیں وہ یہ ہیں۔ خوشخوئی۔ کریم النفسی۔ منکسر المزاجی۔ سینا۔ پرونا۔ اور دیگر جو کام اپنے متعلق ہیں اُن کو وقت پر انجام دینا۔ اور پنجگانہ نماز ادا کرنا۔ کلام الٰہی کو سمجھکر پڑھنا فرصت کے وقت اپنے مذہبی کتابوں کا مطالعہ کرنا۔ اصلی لیاقت اور قابلیت یہی ہے جو خاوند کو اور سارے خاندان کو اپنا مطیع بناتی ہے قدرت نے ہمیں اس لیے بنایا ہے کہ خاوند کی راحت جان اور روح رواں رہیں اس لیے نہیں کہ اس کے حق میں بلائے جان ہو جائیں یہاں تک کہ سسرال کے لوگ بھی اور یہی نہیں بلکہ محلے والیاں بھی ہماری صورت سے بیزار ہو جائیں۔ یا اللہ عورتوں کو تعلیم کی توفیق دے اور قرآن شریف اور نماز و روزہ اچھی طرح ادا کرنیکی ہدایت کر تو ہی

لیمپ

آج کل کوئی گھر ایسا شاید ہی ہو جہاں لیمپ کا استعمال نہ ہوتا ہو لیکن کئی گھروں میں نوکروں کی ناواقفیت اور غلطی سے بارہا چمنیوں کے ٹوٹنے اور لیمپوں کے بگڑ جانے کی شکایت سنی جاتی ہے۔ بی بیوں کو چاہیے کہ وہ اپنے نوکروں کو خود ہدایت کریں اور لیمپوں کی بابت احتیاط نوکروں کو سکھلائیں اپنی بہنوں کی آگاہی کے لیے چند معمولی دادنے سی احتیاطیں جو ہمارے یہاں ہوا کرتی ہیں اور جو مینے اپنے نوکروں کو سکھائی ہیں لکھتی ہوں۔ اگر مناسب ہو تو درج کیجئے۔ نئی چمنی کو پہلے دودھ یا پانی میں اُبال لینا چاہیئے اور بعد سرد ہونے کے اگر دودھ میں اُبالی ہو تو پانی سے دہو کر ورنہ صرف کپڑے سے اچھی طرح پونچھکر خشک کرلیں اور ایک دو دن بعد استعمال کریں۔ اس سے بہت کم چمنیاں ٹوٹیں گی۔ برسوں ایک چمنی کام دیگی۔ بتی کتنی بھی اونچی ہو چمنی نہ ٹوٹے گی۔ جب لیمپ روشن کریں چند منٹ تک روشنی بہت کم رکھنی چاہیئے بعد چمنی گرم ہونے کے کتنی بھی اونچی بتی کردیں چمنی نہ ٹوٹے گی لیمپ میں تیل لبالب کبھی نہ بھرنا چاہیے اس سے بھڑک جانے کا خوف ہے۔ تیل کئی روز کا ایک ساتھ نہ بھرنا چاہیئے بلکہ روز کا روز تازہ ڈالنا چاہیئے اس سے روشنی بھی عمدہ رہیگی۔ بتی کبھی خراب نہوگی اور لیمپ بگڑنے نہ پائیگا اکثر میموں کے ہاں مینے دیکھا ہے کہ لیمپ میں پہلے پانی بھر لیتے ہیں اور اوپر

جب ضرورت تیل ڈالتے ہیں جو ایک وقت کے لیے کافی ہوتا ہی اور ہر روز
تازہ پانی تبدیل کیا کرتے اور نیا تیل ڈالا کرتے ہیں جس سے لیمپ بگڑنے
نہیں پاتے

لیمپ میں بتی ہمیشہ چھوٹی ڈالنی چاہیے اور چند دن بعد دوسرا ٹکڑا
بدل دینا چاہیے۔ مدتوں ایک ہی بتی رکھنے سے لیمپ بگڑ جاتا ہی۔ ہم نے
تو کبھی تجربہ نہ کیا۔ لیکن اکثر سُنا ہی کہ اگر نئی بتی کو پہلے تیز سرکہ یا پودینہ کے
رس میں بھگو کر دھوپ میں سُکھا کر لیمپ میں ڈالیں تو روشنی خوب تیز اور
صاف ہوگی۔ بتی کو قینچی سے کاٹنے کی نسبت جلا کر چٹکی سے مل لینا بہتر ہی۔
چمنی صاف کرنے کے لیے ولائتی چونہ جس سے چمنیاں صاف کیجاتی ہیں۔
چاک یا کھریا مٹی گیلی کر کے اندر باہر لگانی چاہیے جب خشک ہو جائے
کپڑے یا برش سے صاف کرلیں پانی سے کبھی ہرگز نہ دھونا چاہیے جب
لیمپوں کی جالیاں اور پیچ خراب ہوتے نظر آویں تو سب کے سب مع
پیچ اُبلتے ہوے پانی میں ڈال کر صاف کرلینا چاہیئے نئے ہو جائیں گے
اگر لیمپ کو بغیر استعمال رکھ دینا ہو تو تیل سے خالی کر کے بتی نکال کے رکھنا چاہیے۔
ورنہ لیمپ خراب ہو جائیگا۔ سب سے زیادہ ضروری تیل کا خیال رکھنا چاہیے۔ تیل کئی
قسم کا ہوتا ہی۔ اکثر معمولی تیلوں سے قیمتی لیمپ بگڑ جاتے ہیں۔ تیل میں اگر تھوڑا سا
کافور کا ٹکڑا ڈالدیں تو تیل دیر تک جلیگا اور روشنی تیز و صاف ہوگی بغیر استعمال
ڈالے رکھنے سے دوسری چیزوں کی مانند لیمپ بھی خراب ہو جائینگے اور عمدہ اور
درست و ٹھیک طور پر استعمال کرنے سے ایک لیمپ مدتوں بخوبی کام دیگا اور ایک چمنی

شوہر کی اطاعت

جب حضرت آدم بہشت میں گھبرائے اور تنہائی سے ملول ہونے لگے۔ تو اُن کی دلبستگی اور خوشی کے لیے خدا نے حضرت حوا کو جو سب عورتوں میں پہلی عورت تھیں اور جن کو تمام دنیا کی ماں ہونے کا شرف حاصل ہے پیدا کیا جس سے ظاہر ہے کہ عورت کا پیدا کیا جانا زیادہ تر مرد ہی کی خوشی و خوشدلی کے واسطے تھا۔ عورت کو چاہیے خاوند کو ہر طرح راضی و خوشنود رکھے اور محبت سے اُس کی اطاعت کرے۔

نیک مزاج اور پاک دامن بیبیاں اپنے شوہروں کی دل سے خیر خواہ اور اطاعت گزار رہتی ہیں۔ اُن کے حکم کو حتی الوسع ہرگز نہیں ٹالتیں۔ اور خوشی خوشی اُس کی تعمیل کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے شوہر اُن کو دل سے چاہتے ہیں۔ اُن کی ہر طرح خبر گیری کرتے ہیں۔ خدا کا حکم بھی یہی ہے کہ "عورتیں راضی رکھیں اپنے شوہروں کو اپنی خدمت گزاری۔ شیریں کلامی خندہ روئی۔ خوش اخلاقی۔ نیک کرداری اور پسندیدہ چال چلن سے اور اُن کو ناخوش نہ کریں کسی حال میں۔

نیک بی بیوں کو چاہیے کہ اپنے شوہروں کے (جہاں تک ممکن ہو) راضی و خوش رکھنے میں دل سے کوشش کریں۔ کہ اس میں بہت بڑا نفع ہے اور خدا و رسول کی خوشنودی کا باعث ہے۔ نیک کردار اور فرمانبردار بی بیوں کو خدا خوشخبری دیتا ہے

کہ وہ دنیا میں اپنے شوہروں کے ساتھ جس طرح خوش وخرم ہیں۔ اسی طرح پر باہم بہشت میں داخل ہونگے۔ اور خوش وخرم رہیں گے۔

حضرت رسول خدا ایک روز حضرت خاتون جنت کے پاس تشریف لائے صاحبزادی کو ملول دیکھکر حال دریافت کیا۔ عرض کیا کہ حضرت علی آج مجھسے خفا ہیں۔ ارشاد فرمایا اے جان پدر جس طرح ممکن ہو بہت جلد اُن کو راضی کرو اور اُن کی ناخوشی سے ڈرو کیونکہ شوہر کی ناخوشی اُن کی بی بیوں کے حق میں خدا کی سخت نارضامندی کا باعث ہے۔ خاوند کی نافرمانی عورت کے حق میں بُری بلا ہے۔

حضرت ایوب بڑے دولتمند اور صاحب اولاد پیغمبر تھے جب خدا نے اُن کا امتحان لینا چاہا تو اُن کو بالکل مفلس کر دیا۔ اور اُن کی اولاد کو بھی اُٹھا لیا۔ اُسپر بھی وہ دل جمعی سے خدا کا شکر کرتے رہے۔ اور عبادت سے بھی ایک پل غافل نہ ہوئے۔ پھر اُن کو ایسی سخت بیماری ہوئی کہ تمام جسم سڑ گیا۔ اور کیڑے پڑ گئے اور ایسی بدبو پھیلی کہ تمام عزیز و دوست سب نے اُنکا ساتھ چھوڑا اور بستی کے لوگوں نے عاجز ہو کر اُن کو آبادی سے نکالدیا۔ اس حالت میں بھی آپ نے صبر و شکر کے ساتھ خدا کی عبادت کی اس مصیبت اور بےکسی کے وقت آپ کی پاک اور غمخوار بی بی نے آپ کا ساتھ نہ چھوڑا۔ آپ کی خدمت و اطاعت کھلانے پلانے اور ہر ضرورت کے رفع کرنے میں نہایت محبت و لعنت کا برتاؤ کیا۔ اور ایک منٹ بھی آپسے جُدا نہ ہوئیں۔ اُن کے دل میں وہ جوش محبت تھا کہ کبھی کسی قسم کی کراہیت وحقارت اور بیزاری اُن کے دلمیں

پیدا نہ ہوئی۔ بلکہ وہ ہمیشہ حضرت ہی کے ساتھ کھاتی پیتی تھیں۔ نیک بیبیاں اپنے شوہروں کے ساتھ ہمیشہ سچی اور پاک محبت رکھتی ہیں۔ اُن سے بڑھکر کسی اور کو نہیں سمجھتیں اور مصیبت اور تکلیف اور ناداری کے وقت اپنے تئیں وفادار ثابت کرتی ہیں عیش و آرام میں تو سب ہی شریک حال رہتے ہیں۔

پدماوت رانی جو چتور گڑھ کے راجہ رتن سین کی بی بی تھی اور جو حسن و جمال اور خوبی میں اپنا مثل نہیں رکھتی تھی۔ اپنے شوہر کے قتل ہونے پر دولت و سلطنت کو ہیچ سمجھکر اپنے شوہر کے ساتھ جل کر مر گئی۔

نالائق اور نااہل عورتوں کا تو کچھ ذکر ہی نہیں ان کو کوئی اپنے پاس پھٹکنے بھی نہیں دیتا سب سمجھتے ہیں کہ اس نے جب اپنے شوہر ہی کے ساتھ دفا نہ کی تو پھر کیا امید ہو سکتی ہے چاہے وہ کیسی ہی خاندانی اور شریف زادی کیوں نہ ہو اس کی صحبت سے ضرور بچنا چاہیے

نیک بی بیوں کو چاہیے کہ جو کچھ شوہر سمجھائے یا پڑھائے اُس کو دل سے سُنیں اور خوب یاد رکھکر اُس پر عمل کریں کیونکہ شوہر کی تعلیم سچی اور محبت کی تعلیم ہی شوہر وہی تعلیم کرے گا جس میں اُن کی بہتری ہوگی۔ شوہر کا ہر وقت ادب اور لحاظ کرنا چاہیے۔ کبھی ناشائستہ لفظ مُونھ سے نہیں نکالنا چاہیئے اور شوہر کے احکام کی خوشی خوشی تعمیل کرنی چاہیئے

شوہروں کی اطاعت اور فرمانبرداری سے ہرگز غفلت نہ ہونی چاہیئے وہ عورتیں بڑی کمبخت ہیں جو ایسی بڑی نعمت کو ہات سے کھو دیتی ہیں۔

زنِ بد در سرائے مرد نکو ہمدریں عالم است دوزخ او

(مسز آغا یاور علی)

بیماری اور تیمارداری

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

سبسے کے لیے جون ۱۹۰۹ء کا پرچہ ملاحظہ ہو

سجاد حسین سے آدمی نے آنکر کہا آپ کو بڑی بیگم صاحب نے بلایا ہے یہ بیچارہ ڈر گیا۔ ہزاروں خیال گزرنے لگے گھبرایا ہوا جلد جلد قدم اٹھاتا ہوا علی نقی خاں صاحب کے مکان میں داخل ہوا۔ جمیلہ بیگم کے کمرے میں جاکر پوچھا کیوں چچی جان خیر تو ہی۔ آپ نے مجھے کیوں بلایا ہی۔ جمیلہ بیگم نے کہا بیٹھ جاؤ میاں کچھ کام ہی۔

جمیلہ بیگم۔ ابھی کتنے دن تم یہاں اور رہوگے۔

سجاد۔ میں ٹھیک نہیں بتا سکتا شاید ایک مہینہ اور رہوں۔

جمیلہ بیگم۔ ہاں تو ابھی بہت وقت ہی۔ کیا اچھا ہوتا کہ تم اب کی مرتبہ شادی کرکے جاتے۔ تم چار برس کے تھے جب قدرت پیدا ہوئی تھی۔ اُس وقت سے تمہاری نانی نے تمہاری نسبت کروائی تھی۔ بڑی دھوم دھام سے منگنی کی رسم ہوئی۔ تمام کنبے کے لوگ ساتھ گئے تھے۔ تمہاری ماں خدا بہشت نصیب کرے بڑی حوصلے کی آدمی تھیں۔ انوری اور احمدی کو بھی سمدھن بنا کر لے گئیں۔ ہزار میں نے منع کیا بچے ہیں مگر میری نہ مانی۔

سجاد۔ جی ہاں منگنی کی دھوم دھام سُنکر تو میں بہت شاد ہوتا ہوں مگر بالفعل مجھے بڑا افسوس ہی کہ آپ لوگوں کی خواہش پوری نہیں کر سکتا انگلینڈ

سے آنکر دیکھا جائے گا۔

حیدری بیگم۔ دیکھا جائیگا کیا معنی؟ کیا نہیں کرنے کا ارادہ ہی۔ تمہاری ساس تو بغیر کیے نہ مانیں گی۔ وہ تو بڑی دھوم دھام سے ریت رسموں ہی کرینگی ان کی ایک لڑکی ہی۔ اپنی آرزوئیں خوب نکالیں گی۔ قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہیں۔ اگر مر گئیں تو کیا پھر دیکھنے آئیں گی۔؟

سجاد حسین رسمیں دسمیں میں نہیں جانتا نہ کبھی کروں گا۔ کیا مجھے بیوقوف بنانے کا ارادہ ہی۔

حیدری بیگم (بگڑ کر) واہ میاں یہ کس سے ہوگا کہ اپنی لڑکی بغیر ریت رسم کے حوالے کر دے یہ تو وہ مثل ہی "جان جائے پر آن نہ جائے" یہ کہنے کو ہوگا۔ باپ نہ تھا ماں نے بلا ٹالنے کو نکاح کر کوڑا باہر پھینک دیا نہ بابا یہ تو کسی سے نہ ہوگا۔ جمیلہ بیگم کی طرف دیکھکر کہنے لگیں۔ بھابی۔ میں ابھی کہے دیتی ہوں اگر آپ کے میاں امیر علی بھی اس میں تیغ نکالیں گے تو میں ایسے پڑھنے لکھنے لیاقت اور نا موری سے باز آئی۔ مجھے ایک جاہل لٹھ لکھٹو کو دینا گوارا ہی۔ لیکن ایسے لائق کو نہ دوں گی جو رسموں سے انکار کرے۔ میری آرزوئیں نہ نکلیں۔ یہ کیا غضب ہی۔

سجاد۔ میں غضب وضب تو نہیں جانتا۔ میں صاف صاف کہے دیتا ہوں آپ لوگ اُن کو بھی اس سے آگاہ کر دیجیے۔ میں بیوقوف بننا ہرگز نہیں چاہتا

حیدری بیگم۔ ایں بیوقوف بننے کی کیا بات ہی۔ نفیس بھاری کمخواب کا جامہ پہنکر مقیش کا سہرا باندھ کر دولھا بنکر نکلنا۔ ایسا پیارا معلوم ہوگا۔ بہت ہی

میراثنیں آئیں گی۔ گانا بجانا ہوگا۔ ہم لوگ سب سمدھنیں بن کر جائیں گے۔
کیا اچھا معلوم ہوگا۔

سجاد۔ اچھا آپ کو معلوم ہوگا سب مجھے تو اچھا نہیں معلوم ہوگا اس لیے مجھے منظور بھی نہیں۔

جمیلہ بیگم۔ خیر ان باتوں سے کیا کام تم شادی کرنے کو راضی ہو جاؤ۔ میں اُن کو رسمیں نہ کرنے پر راضی کرلوں گی۔

سجاد۔ میں ابھی شادی کرنے پر بھی راضی نہیں ہو سکتا مجھے انگلینڈ جانا ضرور ہے

جمیلہ بیگم تمہارے باواجان ناراض ہونگے اُن کی عین مرضی ہے کہ تم شادی کر کر جاؤ

حیدری بیگم آخر دیکھو فیاض حسین صاحب کے بیٹے۔ رحمت علی کی شادی نہیں ہوئی کس دھوم دھام سے برات آئی تھی قابل دیکھنے کے جلوس تھا۔ وہ بھی انگلینڈ گئے تھے حسن علی۔ ضیاء الدین کی شادی میں رسمیں ہوئیں یہ سب انگلینڈ کے پڑھے ہوئے تھے۔ ایک تم کون بڑے شاہنشاہ ہو۔ کہ رسموں سے چھوٹ جاؤ گے۔

سجاد حسین مجھے جو کچھ عرض کرنا تھا کرچکا زیادہ کہنا لاحاصل ہے اب معاف کیجیے میں رخصت ہوتا ہوں۔ یہ کہکر چلتا پھرتا نظر آیا۔ اور چلتے جاتے کہتا گیا۔ میں ایک ایسی مجلس قائم کرنے والا ہوں جس کے ذریعے سے رسموں کی تردید کی پوری کوشش کرونگا۔

باقی آیندہ

بلقان کی عورتیں

اخبار دیکھنے والے اور اخبار دیکھنے والیاں کون ہی جو بلقان۔ کے نام سے واقف نہیں۔ یہی سرزمین ہی جہاں آئے دن کچھ نہ کچھ فتنہ و شر اٹھتا رہتا ہی جس سے نہ صرف سلطنت ٹرکی کے ارکین کو پریشانی ہوتی ہی بلکہ یورپ بھر کی سلطنتوں کو ہر وقت یہ ڈر لگا رہتا ہی کہ یہ فساد کی جڑ کسی دن دول یورپ کو باہم لڑا کر رہیگی۔ یہ علاقہ کوہستانی ہی اور اسی علاقہ میں سرویا اور بلگیریا واقع ہیں۔ جو ٹرکی کے جدید آئینی انتظام سے پہلے کم از کم برائے نام سلطان روم کی ماتحتی میں اندرونی طور پر خود مختار ریاستیں تھیں اور اب بالکل آزاد ہو گئی ہیں۔ ان لوگوں کے فتنہ و فساد کی گو ہمیں نفرت ہو مگر ان کی محنت انکی ہمت قابل داد ہی اور اگر ملک میں امن رہے تو ان کی زندگی کئی پہلوؤں سے نہایت قابل رشک زندگی ہی۔ یہ علاقہ ایشیا اور یورپ دونوں کی صفات کا جامع ہی۔ اور اس حیثیت سے یہاں کے رہنے والوں کے اطوار و عادات نہایت دلچسپ ہیں۔ بلگیریا اور سرویا کے زنانہ لباس کی دو تصویریں جو میں نے اس مضمون کے ساتھ چھپنے کو دی ہیں دو مجھے اس علاقہ میں سفر کرتے ہوئے ہاتھ آئی تھیں۔ دیکھیے یہاں کی معمولی عورتیں ہیں۔ امیرزادیاں نہیں۔ کھیتوں میں کام کاج کرنے نکلی ہیں مگر لباس اور چہرہ سے شاہزادیاں معلوم ہوتی ہیں۔ قدرت نے اس علاقہ کے باشندوں کو حسن صورت۔ تناسب اعضا اور صحت جسمانی سے حصۂ وافر بخشا ہی اور اس پر ان کی صنعت و دستکاری سونے پر سہاگا ہی۔ بلگیریا کا لباس جس تصویر میں دکھایا گیا ہی اس میں ایک بی بی کھڑی ہی جسکا کرتا کھلی آستینوں کا بالکل ایشیائی کرتا ہی۔ نیچے ایک گھگرا ہی جسکی کاٹ تراش انگریزی گون کی سی ہی۔ گو اتنا بڑا نہیں بے آستینوں کا نیم تنہ کے اوپر کچھ نا موزوں نہیں معلوم ہوتا اور آرائش کے اعتبار سے بہت زیبا ہی۔ گو

اس میں معمولی کپڑے کا ہے۔ سامنے یہ بیل بوٹے جو نظر آتے ہیں یہ گون پر نہیں۔ بلکہ ایپرن پر ہیں۔ ایپرن ایک بڑا سا مربع یا مستطیل کپڑا ہوتا ہے جس کا یورپ بھر میں رواج ہے۔ سب بیبیاں کام کاج کے وقت ایپرن باندھ لیتی ہیں تاکہ گون میلا نہ ہو۔ انگلستان و فرانس وغیرہ میں تو ایپرن سفید ہوتا ہے اور بالکل سادہ۔ بہت ہوا تو کسی شوقین نے ایک سفید کنارہ یا حاشیہ نکالیا۔ مگر جرمنی سے نکل کر آسٹریا کے رستے جوں جوں ترکی کی طرف بڑھیں وان حصے سے گزریں جسے یورپ کے مغربی حصے کے لوگ "مشرق قریب" کہتے ہیں تو ایپرن ذرا بانکا ہوتا آتا ہے یہاں تک کہ جزیرہ نمائے بلقان کے علاقے میں اس پر طرح طرح کی گل کاریاں نظر آتی ہیں۔ اور وہاں کی عورتوں کے لباس کی حیثیت مجموعی اُنسے بہت بڑھجاتی ہے۔ یہ ایپرن اور اُس کے بیل بوٹے اکثر ان عورتوں کی اپنی کاریگری کا نمونہ ہوتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورتیں نہ صرف خوش مذاق بلکہ محنتی اور سگھڑ ہیں۔ زنان سرویا کا لباس بھی قریب قریب اسی اُصول پر ہے جیسا کہ ان کی ہمسایہ قوم کا۔ صرف اتنا فرق ہے کہ وہ یورپ کی وضع کے زیادہ قریب ہو گیا ہے۔ کسی کھیت میں ایک لکڑی کا جنگلہ ہے جس کے قریب یہ سرویہ کی بی بی کھڑی ہے۔ واسکٹ جو یہ بی بی پہنے ہوئے ہے۔ خوبصورت طلائی تکموں سے مزین ہے۔ گلے میں ایک مالا بھی پڑی ہے۔ یہ قومیں نہ یورپ کی طرح ضرورت سے زیادہ تنگ و چست لباس کے جکڑ بندوں میں بندھی ہوئی ہیں۔ نہ ایشیا کے کھلے ڈھلے پیراہن پہنتی ہیں۔ دونوں کی تہذیب و تمدن کے بین بین رستہ انھوں نے اپنے لیے نکالا ہے جس کی بدولت امن کے زمانے میں ان کی زندگی نہایت عافیت کی اور پُرلطف گزرتی ہے۔

عبدالقادر

ہوا

(گزشتہ اشاعت سے آگے)
سلسلے کے لیے فروری کا پرچہ ملاحظہ ہو

ہوا کی بناوٹ کو تم نے سن لیا کہ اُس میں کیا کیا چیزیں داخل ہیں لیکن اس بات کو یاد رکھو کہ اُس کے تمام اجزا جن کا نام اوپر سن چکی ہو اس طرح باہم ملے ہیں کہ اُن پر ایک ذات کا اطلاق نہیں ہوسکتا جب دو چیزیں ایک ساتھ ملکر ایک ذات ہوجاتی ہیں تو اس طرح کی ملاوٹ کو ترکیب کیمیاوی کہتے ہیں لیکن ہوا کے اجزا اس طرح سے نہیں ملے ہیں۔ ہوا اپنے کل اجزا کی اک محض پھینٹ ہی جس چیز کو چاہو آسانی سے الگ کرلو۔ لوہا جب زنگ آلودہ ہوتا ہی تو ہوا کا مجرد ایک جز آکسیجن اس میں ملجاتا ہی۔ اگر ہوا کے اجزا میں ترکیب کیمیاوی ہوتی تو یہ بات ہرگز نہیں ہوتی کہ اُس کا ایک جز علیحدہ ہوکر دوسری چیز کے ساتھ ملجاتا اور ہوا جوں کی توں رہتی۔

میں اوپر بتا چکا ہوں کہ ہوا میں چار گاسوں کے علاوہ جو دکھائی نہیں دیتیں یا سخت چیزوں کے چھوٹے چھوٹے ذرّے کثرت سے موجود ہیں جن کو تم دیکھ سکتی ہو۔ ان ذروں میں حیوانات۔ نباتات اور زیادہ تر جمادات کے ننھے ننھے ریزے داخل ہیں۔ جو ہماری زندگی پر ایک نامعلوم طریقے سے اثر ڈالتے ہیں ان ذروں سے طرح طرح کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں جو ہماری موت کا باعث ہوا کرتی ہیں۔ تم کو سُنکر حیرت ہوگی کہ ہوا کے ان چھوٹے چھوٹے ذروں کی

جیسی ہیں ہزاروں ننھی ننھی جانیں ہیں جن میں آثار زندگی نمایاں نہیں ہوتے
حیوانات کا زندہ رہنا یا مرجانا زیادہ تر خدا کی اس ننھی خاموش مخلوق سے
تعلق رکھتا ہے۔ تم کو اس بات کا تجربہ ہوگا کہ باسی کھانا بدمزہ ہوجاتا ہے دودھ
میں ترشی آجاتی ہے پھل سڑگل کر مزے سے اتر جاتے ہیں۔ یہ کل خرابیاں
ہوا کے چھوٹے ذرّوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ اگر ان ذرّوں کو آلات
کے ذریعے سے ہوا سے دور کردیں تو پکا ہوا کھانا برسوں رہ سکتا ہے
غرض اس طرح کی بہت سی باتیں ہیں جو ایک دوسرے علم سے تعلق رکھتی
ہیں بس ضمن میں میں صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ تم کو ہمیشہ اپنی صحت کا
خیال کرنا لازم ہے اور اس کے لیے نہایت ضروری بات جس کو تمھیں یاد
رکھنا چاہیے یہ ہے کہ ہر لحظہ سانس لینے کے لیے تم کو تازہ صاف اور خوشگوار
ہوا ملنی چاہیے۔

اب میں تمھیں ہوا کی گرمی وسردی کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ تم سن
چکی ہو کہ ہوا ایک مادی چیز ہے جس کے وجود کو تم چھو کر معلوم کرسکتی ہو۔ اسمیں
وزن پایا جاتا ہے اور اس کے رہنے کے لیے مکان یا جگہ کی ضرورت ہے۔ تو
جس طرح اور کل چیزیں جن کو تم دیکھ سکتی ہو حرارت سے گرم ہوتی ہیں اور جب
حرارت زائل ہوجاتی ہے تو سرد پڑجاتی ہیں۔ اسی طرح ہوا بھی جو نظر نہیں آتی
گرم اور سرد ہوتی رہتی ہے۔ تم کئے دن دیکھتی ہو کہ صبح کو ہوا سرد رہتی ہے پھر
دوپہر کو سورج کی حرارت سے گرم ہوجاتی ہے اور رات کو جب سورج چھپ جاتا
ہے تو ہوا کی گرمی نکل جاتی ہے اور وہ پھر سرد ہوجاتی ہے۔ جاڑوں میں رات کو

جب آتش دان روشن کیا جاتا ہی اور آگ جلائی جاتی ہی تو سارے کمرے
کے اندر کی ہوا گرم ہو جاتی ہی اور تم کو جاڑے کی اذیت محسوس نہیں ہوتی
لیکن اک ذرا کی ذرا کمرے سے باہر نکل کر دیکھو تو تمام بیرونی ہوا یخ معلوم
ہوگی! کیوں تم نے سمجھا۔ تمھارے کمرے کے اندر کی ہوا کیوں گرم ہو جاتی
لکڑی یا کوئلوں کے جلنے سے حرارت نکلتی ہی اور یہ حرارت کمرے کی اندرونی
ہوا کو گرم بنا دیتی ہی۔ اسی طرح تمھارا آفتاب جو اک دہکتا ہوا قدرتی عظیم
آتش دان ہی وہ فضائے آسمانی میں ہر سمت حرارت پہنچا رہا ہی۔ زمین کی جانب
جو گرمی آتی ہی اُس سے تمھاری ہوا جو زمین کو چاروں طرف گھیرے ہوئے
ہی گرم ہوتی ہی۔ لیکن اب یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ جب آفتاب سے جو ہماری
حرارت اور نور کا سرچشمہ ہی گرمی نکل کر ہمیشہ زمین کی جانب آتی ہی تو کیا وجہ
ہی کہ ہوا میں سردی محسوس ہوا کرتی ہی۔ اس کی کئی وجہ ہیں اول تو یہ کہ جب
آفتاب غروب ہو جاتا ہی تو زمین کا آدھا حصہ اوٹ میں پڑ جاتا ہی اور اس پر
سورج کی گرمی نہیں آتی۔ اور صرف یہی نہیں ہوتا بلکہ زمین کی حرارت جو
دن بھر سورج کی گرمی سے جمع ہوتی ہی۔ رات کو فضائے آسمانی میں نکل کر
بھاگتی جاتی ہی اور اس کی وجہ سے تمھاری رات بہ نسبت دن کے ٹھنڈی
ہوتی ہی۔ دوسری وجہ جس کے سبب سے صبح یا شام کو ہوا میں سردی محسوس
ہوتی ہی یہ ہی کہ اُسوقت سورج کی کرن آڑی پڑتی ہی اور زمین تک آتے آتے
اس کو ہوا کے بہت موٹے دَل سے گزرنا پڑتا ہی کچھ تو حرارت ہوا میں جذب
ہو جاتی ہی اور کچھ کرنوں کے ترچھے ہونے کی وجہ سے منتشر ہو جاتی ہی تیسری

وجہ جس سے ہوا سرد ہوتی ہے یہ ہے کہ جب کبھی بادلوں کے ٹکڑے زمین اور سورج کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں تو سورج کی حرارت رک جاتی ہے اور سردی محسوس ہوتی ہے یہ تو روزانہ کی تبدیلیاں ہیں جن کو تم معلوم کرتی ہو۔ اب سالانہ انقلاب کو خیال کرو جو فصل کے بدل جانے پر تم کو محسوس ہوتا ہے گرمی کے دنوں میں جلتی ہوئی لو چلتی ہے اور جاڑوں میں ہوا کی خنکی اس درجہ بڑھ جاتی ہے کہ پالا پڑتا ہے۔ سوائے اس کے ایک ملک کی آب و ہوا کا دوسرے ملک کی آب و ہوا سے موازنہ کرو تو تم کو اور زیادہ حیرت ہوگی۔ کوئی ملک ایسا ہے جہاں ہمیشہ گرمی پڑتی ہے اور کوئی ملک ایسا ہے جہاں کی ہوا برابر سرد رہتی ہے۔ یہ کل انقلاب صرف ایک سورج کی کرن کے سیدھی اور ترچھی پڑنے سے تعلق رکھتا ہے۔ جس وقت سورج سر پر ہوتا ہے اور اس کی شعاع زمین کی جانب سیدھی آتی ہے تو حرارت زیادہ محسوس ہوتی ہے اور جس وقت وہ افق پر جھکا ہوتا ہے اور زیادہ اونچا نہیں ہوتا تو اس کی کرنیں آڑی پڑتی ہیں اور گرمی کم ہوتی ہے سرد ملکوں میں آفتاب دوپہر سے زیادہ اونچا نہیں ہوتا جس کے سبب سے اس کی کرن نہایت ترچھی ہو کر زمین پر آتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہوا یخ ہو جاتی ہے اور برف باری ہوتی ہے۔

باقی آیندہ

وہ چیز جو دلوں کو فتح کرتی لوگوں میں اپنا سکہ بٹھاتی اور دوسروں کی گردنیں اپنے آگے جھکوا لیتی ہے بادشاہی ہے نہ امیری سلطنت ہے نہ مملکت بلکہ محض ہمدردی ہے۔

زنانہ دستکاری

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

(سلسلے کے لئے مئی ۱۹۰۹ء کا پرچہ ملاحظہ ہو)

معزز بہنوں! اس نمبر میں بتانا چاہتا ہوں کہ اون۔ ریشم۔ سُوت اور سمور جن پر تمہاری دستکاری کی عمدگی کا دارومدار ہی۔ اور مختلف قسم کی جالیاں اور کپڑے جن پر عجیب عزیب نفیس بیل بوٹے پھول پتے وغیرہ بنائے جاتے ہیں وہ کن ذرائع سے حاصل ہوتے ہیں کس طرح طیار کیے جاتے ہیں۔ کتنے اقسام اور رنگوں کے ہوتے ہیں اور کون کس کس کام کے لیے موزوں ہی۔ اُن کے انگریزی اور اُردو نام کیا ہیں۔ ہر ہنرمند بی بی کے لیے ان باتوں کا جاننا نہایت ضروری ہی نہ جاننے سے بڑی دقتوں کا مقابلہ ہوتا ہی میموں اور دیگر انگریزی تعلیم یافتہ بی بیوں کو ان باتوں کا علم ہوتا ہے اور ہر کام میں اُس کے مناسب چیزیں استعمال کرتی ہیں بلکہ ایک کام کو مختلف طرح سے مختلف چیزوں پر کرکے ہر ایک کا امتیاز سمجھتی ہیں اس کے برعکس پردہ نشین بہنوں کو نہ ان باتوں کا علم ہوتا ہی نہ اُن کو سمجھانے کی کوئی زحمت گوارا کرتا ہی۔ مختصر یہ کہ جس طرح بھی کسی نے سکھا دیا اُسی طرح ہمیشہ کرتی جاتی ہیں اُن کو اس کی مطلق پرواہ نہیں کہ آیا اُس میں کسی قسم کی ترقی یا جدت بیدا ہو سکتی ہی یا نہیں۔ یہی وجہ ہی کہ اعلیٰ درجے کی ہنرمند پردہ نشین بیبیوں کی تیار کردہ چیزیں بھی میموں کے مقابلے میں بھدی قرار

پاتی ہیں۔ میری ناچیز رائے میں اس کی اصلاح ازبس ضروری ہی اس لیے
ان چیزوں کی کامل تشریح کرنے کی میں کوشش کرتا ہوں خدا کامیاب کرے۔

اون (wool) اون لباس کے لیے ریشم کے بعد سب سے زیادہ
قیمتی شے اور بمقابلے دوسری چیزوں کے زیادہ مستعمل ہی۔ ایک خاص
خوبی میں ریشم سے بھی بڑھ کر ہی یعنی یہ گرم ہی۔ اور موسم سرما میں یہ بڑی کار آمد
اور راحت رساں چیز ہی۔ یہ بھیڑوں کے باریک بالوں سے دھن کر طیار کیا
جاتا ہی۔ جیسے مالیدہ یہ بنا ہوا نہیں ہوتا ہی بلکہ دھن کر بالوں کو ملا دیا جاتا
ہی۔ اون اور بال میں یہ فرق ہی کہ بال کی سطح چکنی اور صاف ہوتی ہی لیکن
اونی بال کی سطح ناہموار اور کھردری اور دندانہ دار ہوتی ہی اور اسی وجہ سے
ایک دوسرے سے چمٹ کر خوبی ملجاتی ہی۔ یہ مختلف قسم کا اور مختلف رنگوں کا
ہوتا ہی۔ ہندوستان میں بھی علاقہ کشمیر اور دیگر کوہی بلاد میں بکثرت ہوتا
ہی۔ لیکن ہندوستانی اون یورپ کی طیار کردہ اون کے مقابلے میں بہت
گرا ہوا ہی۔ یورپ کی تیار کردہ اون مختلف ناموں اور وزن کے ہوتے
ہیں اور مختلف چیزوں کی تیاری میں مختلف اقسام کے اون استعمال ہوتے
ہیں۔ یہ مناسب و موزوں نہیں کہ کسی چیز کی طیاری میں جیسا بھی اون ملے
استعمال کر لیا جائے۔ ذیل میں ایک فہرست اقسام اون اور اُن کے
استعمال کی چیزوں کا متعلق نہایت اختصار سے پیش کرتا ہوں اسی طرح ریشم
وغیرہ کا بھی ذکر کروں گا۔

(۱) ورسٹڈ اون (worsted wool) یہ وہ اون ہی جس کا ریشہ بڑا

اور قدرے موٹا ہوتا ہے اس لیے اس میں معمولی اون کی نسبت ملاحت کم ہوتی ہے اس کی گچھیاں لانبے لانبے ریشوں کے اونی سوت کی ہوتی ہیں اس لیے اس کو ورسٹڈ اون کہتے ہیں یہ زیادہ تر فوجی گوروں کے موزے بنیائن۔ کوٹ اور تسمہ وغیرہ بنانے میں کام آتا ہے۔

(۲) سکوچ فنگرنگ وول (Scotch Fingering) اس کے اون کی پانچ قسمیں ہیں۔ ایک دو لری بہت ہی ہلکی مختلف رنگوں کی جو بچوں کے لباس۔ شال اور خواتین کے نیچے پہننے کی عمدہ پوشاک کے لیے موزوں ہے اور اتفاقاً ایمبرائڈری کے کام میں بھی استعمال ہوتی ہے۔

اس کی دوسری قسم سہ لری ہوتی ہے جو مندرجہ بالا سے قدرے مضبوط اور پائدار ہوتی ہے اور ہلکی بنیائن بچوں کے موزے اور مردوں کی نازک جرابوں کے لیے موزوں ہے۔

اس کی تیسری قسم چو لری ہے جو بہت مضبوط ہوتی ہے اور موسم سرما کے دستانے۔ موزے۔ جرابیں بنیائن۔ بند پاٹی وغیرہ کے لیے نہایت موزوں ہے۔

اس کی چوتھی قسم پانچ لری ہے جو بہت گرم اور بہت مضبوط ہوتی ہے۔ اور اکثر مردوں کے دورہ کرنے کے زمانے کے موزے۔ کرکٹ وغیرہ کھیلنے کے موزے بنیائن اور موسم سرما کے پاجامے۔ دستانے واسکٹ جیکٹ وغیرہ بنانے کے لیے موزوں ہے۔

اس کی پانچویں قسم چھ لری ہے جو کوہستانی ملکوں میں موسم سرما میں شکاری موزے۔ بہت گرم دستانے۔ کھنا ور سفری ٹوپی وغیرہ کے لیے موزوں ہے۔

(۳) پٹی کوٹ فنگرانگ Petticoat fingering) یہ اون عورتوں کے سائے۔ ڈھیلے کوٹ۔ فرشی سلیپر اور بستہ بند وغیرہ کے لیے موزوں ہے

(۴) ڈبل نٹنگ یارن (Double knitting yarn) بہت خوبصورت مضبوط اور گرم اون ہے جو گھٹنے تک کے گرم موزے سینہ تک آنے والی بنیان۔ ملاحوں کی بنیائن۔ مونیہ کے مریضوں کی بنیائن۔ گرم ٹوپی گلے کا مفلر اور ہر قسم کی گرم چیزیں بننے کے لیے موزوں ہے۔

(۵) بال مورال فنگر نگ (Balmoral fingering) مضبوط عمدہ اون جو خواتین کی جرابوں او موزے اور بچوں کے بوٹ جوتے بھی وغیرہ کے لیے موزوں ہے

(۶) میرنیو فنگر نگ (merino fingering) یہ زیادہ تر سیاہ اور سفید رنگوں کا بنتا ہے۔ یہ خواتین کی نفیس جرابیں۔ موزے۔ بوش اور شال کے لیے موزوں ہے۔ یہ بھی سہ لری اور چولری اور پانچ لری ہوتی ہے۔ اور بچوں کے موزے۔ جرابیں نیچے کے لباس دستانے وغیرہ چیزوں کے لیے موزوں ہے

(۷) اسکوچ وہیلنگ یارن (Scotch wheeling yarn) یہ اون سفید اور مختلف رنگوں کا ہوتا ہے۔ جو مردانی ہر چیز۔ موزے۔ بنیائن۔ پاجامے مفلر اور ٹوپی وغیرہ کے لیے موزوں ہے۔

(۸) آئیڈر یارن Eider yarn) یہ اون دھونے پر بھی سمٹتا نہیں اس لیے زیادہ تر شال اور بچے کے لباس کے لیے مستعمل ہے۔ یہ بھی دو لری۔ سہ لری اور چولری ہوتی ہے۔

(۹) اسکوچ لیمب وُل (Scotch lamb wool) یہ اون صرف چولری بنتا ہی اور عموماً خواتین کے نیچے کے لباس کے لیے موزوں ہی۔

(۱۰) سائکل یارن (cycle yarn) یہ اون زیادہ تر سفید۔ نیلا۔ پیازی رنگوں کا ہوتا ہی اور سوٹے کے وقت کی جاکٹ اور فرشی موزے کے لیے اور فرشی سلیپر کے لیے موزوں ہی۔

(۱۱) رگ وُل (Rug wool) یہ اون غالیچہ وغیرہ جیسی چیزوں کے لیے موزوں ہی اسمیں جہاز کے رسوں کی سی اینٹھن ہوتی ہی۔

(۱۲) سنگل برلن وُل (Single Berlin wool) یہ اون ہر قسم کے رنگوں کا ہوتا ہے یہ جرمنی کے پایہ تخت برلن میں بنتا ہی۔ بچوں کے موزے جوتے ٹوپی وغیرہ کے لیے موزوں ہی۔

(۱۳) وُل اگسٹا (wool augusta) یہ مختلف رنگوں کا ہوتا ہی اور بچوں کے نفیس موزے۔ جرابیں کھلونے وغیرہ بنانے کے لیے موزوں ہی۔

(۱۴) وُل وینس (wool venus) یہ بھی مختلف رنگوں کا عموماً دولڑی ہوتا ہی اور اس قدر نازک اور لطیف ہوتا ہی کہ موسم گرما کے ہلکے نفیس لباس کے لیے غیر موزوں نہیں۔

باقی آیندہ

وہ سودا جس میں زیان کا اندیشہ نہیں اور وہ تجارت جس میں نقصان کا احتمال نہیں سچی خیرات ہے

اے ایمان والو جو کچھ اپنے ہاتھ سے ہمارے پاس بھیجوگے وہ تمہاری امانت ہی جس وقت ہمارے پاس واپس آؤگے اپنی امانت لے لینا۔ (قرآن مجید)

سیدۃ النسار

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

اب سیدۃ النسار کی پرورش بی بی سودہ کی نگرانی میں شروع ہوئی وہ اچھی طرح سمجھتی تھیں کہ پیغمبر اسلام سے نکاح کرنے کی عزت مجھ کو صرف بے ماں کے بچوں کی پرورش کی وجہ سے حاصل ہوئی ہے۔ گو کسی تاریخ سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ بی بی سودہ کی عمر نکاح کے وقت کتنی تھی۔ مگر قبول اسلام اور سنہ وفات سے تقریباً پچاس سال کی عمر معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ ایک جہاندیدہ معمر تجربہ کار خاتون تھیں انھوں نے اپنا فرض منصبی حضرت سیدہ کی پرورش سمجھا اور اگرچہ یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ اس خاندان کو جو نقصان حضرت خدیجہ کی موت سے ہوا اُس کی تلافی بی بی سودہ کے آنے سے ہوگئی۔ تاہم اتنا ضرور ہے کہ سوتیلی ماں نے پرائی اولاد کو ہمیشہ اپنے پیٹ کے بچوں کی طرح رکھا اور اسبات کی نہ کبھی متوقع ہوئیں نہ خیال آیا کہ سرورکائنات کی نگاہ میں اپنی عزت اور دل میں محبت پیدا کروں جب تک زندہ رہیں اچھی طرح سمجھتی رہیں کہ مجھ کو پیغمبر اسلام کی بیوی ہونیکا فخر اتنا کافی ہے کہ اب میں کسی دوسری عزت کی محتاج نہیں۔

قریش اس بات پر تلے بیٹھے تھے کہ جس طرح بھی ہو بانی اسلام اور ہر اُس شخص کو جس کا اسلام سے تعلق ہے ایسی ایسی تکلیفیں اور اذیتیں پہنچاؤ کہ یہ زندگی سے بیزار ہوجائیں ایسی حالت میں آنحضرت کو اتنی فرصت کہاں کہ وہ گھر میں تشریف لاکر بیوی

اور بیٹی کا دکھ اُسنتے اور دریافت فرماتے کہ کے وقت کا فاقہ ہے اور اگر معلوم ہو بھی جاتا اور کیا معلوم ہوتا نہ ہوگا تو کر کیا سکتے تھے کیا جو کر سکتے تھے اور دیا جو دے سکتے تھے۔ دوسرے وقت تیسرے وقت کچھ تھوڑا بہت بچھڑ دیکھڑ آجاتا اور بی بی سودہ اور سیدۃ النساء دونوں پیں پاس پیٹ بھر لیتیں۔ ماں کی زندگی میں اتنا غنیمت تھا کہ فاقوں تک نوبت نہ آئی تھی۔ مگر اب تو ایک ایک در دو کیا تین تین وقت صاف گزر جاتے اور دانہ نصیب نہ ہوتا۔

تین سال پورے اس طرح گزرے لیکن اس عرصہ میں کوئی روایت ایسی سُننے میں نہیں آئی جس سے یہ معلوم ہو کہ کبھی تو اس صابرہ وشاکر سیّدہ نے باپ سے اپنی تکالیف کا شکوہ کیا ہو۔ اس بچی کے واسطے جسکے سر سے ماں کا سایہ اُٹھ چکا تھا باپ کی زندگی ایک نمونہ تھا جسنے طبیعت کو پارس اور عادات کو کندن بنا دیا۔

جب قریش کا ظلم حد سے گزر گیا اور آنحضرت صلعم کے ساتھ مسلمانوں کو بھی ناقابل برداشت اذیتیں پہنچنے لگیں تو ہجرت کی تجویز ہوئی اور جو لوگ مشرف باسلام ہو چکے تھے رسالت مآب سے اجازت لیکر یثرب کو جو اُسوقت ایک گاؤں تھا اور اب مدینہ کہلاتا ہے روانہ ہونے شروع ہوئے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت علی کے سوا سب پہنچ گئے اُس وقت کفار نے ایک عام جلسہ کیا اور یہ رائے ہوئی کہ جس طرح بھی ہو آج پیغمبر اسلام کا کام تمام کر دو۔ چنانچہ رات کے وقت ننگی تلواریں لیکر اس مکان کو گھیر لیا جہاں سرورِ کائنات آرام فرماتے تھے۔ سرتاج سیدۃ النساء حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عشق کو دیکھنا۔ آنحضرت کا لباس زیب تن کیا اور اُن کی جگہ پر لیٹ کر عرض کیا۔ خدا کے سچے رسول اب آپ تشریف لے جایئے میں یہاں موجود ہوں جو مصیبت آئیگی اُس کو بھگت لونگا

جب سالت مآب مدینہ پہنچ چکے اور وہاں رہنے سہنے کا پورا انتظام ہوگیا تو بال بچوں کو بلا لینے کو جی چاہا۔ چنانچہ ابو واقد لیثی کی زبانی حضرت علی کو پیغام بھیجا کہ مع سیدۃ النسا کے یثرب آجائیں۔ حضرت سیدہ اور حضرت علی کی والدہ اور فاطمہ دختر زبیر یہ تین خواتین ساتھ ہوئیں اور شیر خدا یثرب کو روانہ ہوئے۔

شتر سوار اس خیال سے کہ مبادا قریش پیچھے نہ آجائیں جلدی جلدی جا رہا تھا حضرت علی نے اس سے کہا کہ یہ عورتیں شاید اس عجلت و سرعت کو اچھی طرح برداشت نہ کر سکیں آہستہ چل ہم کو کسی قسم کا اندیشہ نہیں۔

یہ چھوٹا سا قافلہ اس وقت ضجنان کے قریب تھا کہ دفعتاً ایک شخص جناح مع سات سواروں کے نمودار ہوا اور با واز بلند حضرت علی سے کہا کیا یہ ممکن ہے کہ یہ عورتیں تیرے ساتھ جا کر بچ جائیں اس کے بعد تلوار نکال کر چاہتا تھا کہ حضرت علی پر حملہ آور ہو۔ شیر خدا نے مقابل میں آکر ایک ایسا تلوار کا ہات دیا کہ دو ٹکڑے ہو کر زمین پر گرا۔ آقا کی یہ کیفیت دیکھ کر سوار بھی بھاگ گئے اور حضرت علی مع ان خواتین کے مدینہ تشریف فرما ہوئے۔

اس وقت حضرت سیدہ کی عمر تقریباً چودہ برس کی ہوگی۔ گو تعلیم و تربیت کا خاص اہتمام نہ ہوا تھا مگر محض صحبت اور مقدس باپ کی زندگی ایک ایسی مثال تھی جس نے دنیا بھر کی خوبیاں طبیعت میں پیدا کر دیں۔ وقت کا بیشتر حصہ خدا کی عبادت میں بسر ہوتا۔ اس سے فرصت پاتیں تو چکی پیستیں اور کپڑوں میں چمڑے کے پیوند لگاتیں۔

سلہ ناسخ التواریخ ۱۲

مدینہ میں چونکہ رفع حاجت کے واسطے گھروں میں کوئی انتظام نہ تھا اس لیے قصبے کی شریف زادیاں تک اس غرض سے جنگل میں جایا کرتی تھیں۔ حضرت عمر کو یہ طرز اچھا نہ معلوم ہوا اور انھوں نے کئی دفعہ پردے کے واسطے رسالتمآب کی خدمت میں عرض کیا۔

ایک روز شام کے وقت بی بی سودہ چلی جا رہی تھیں اور ادھر سے حضرت عمر آ رہے تھے اُن کو دیکھکر ہر چند جھکیں اور چھپیں مگر چونکہ موٹی تازی اور لمبی تھیں حضرت عمر نے تاڑ لیا اور کہا سودہ میں نے تم کو دیکھ لیا۔ بی بی سودہ اسوقت تو خاموش چلی گئیں لیکن واپسی پر آنحضرت کیخدمت میں حضرت عمر کی شکایت کی اور کہا "کیا ہم اپنی ضرورتوں کو بھی باہر نہ نکلا کریں"

چونکہ پردے کے متعلق اسوقت تک کوئی وحی نہ آئی تھی سرور کائنات نے فرمایا میں عورتوں کو اُن کی ضروریات کے لیے باہر نکلنے سے منع نہیں کرتا۔

راشد الخیری

ایک شریف بی بی کے کام کاج

سویرے سے اٹھی وفادار بیوی — نماز سحر سب سے پہلے ادا کی
ادھر خادمہ چولہا سلگا رہی ہے — اُدھر بیوی بچوں کو بہلا رہی ہے
کوئی گود میں ہے کوئی پاؤں پاؤں — چمن میں ٹہلتی ہیں تا دن کی چھاؤں
کوئی رو رہا ہے کہ بسکٹ کھلاؤ — کوئی رو رہا ہے کہ کپڑے پہناؤ
غرض اس نے اک اک کا منہ کو دھلایا — کھلائی انہیں روٹی پانی پلایا
جو فارغ ہوا ہات منہ دھو کے شوہر — تو کھانا رکھا سامنے اس کے جھک کر
سدھارا وہ جب اپنے کام کو دفتر — تو فارغ ہوئی آپ بھی کھانا کھا کر
اٹھا لائی بیٹھی اٹھا لائی کپڑے — نہیں اپنی ہاتوں سے خود بیٹھا کر
پھر ہوئی کپڑوں کو سی کر کے آئی — ظہر کی نماز اٹھ کے دل سے ادا کی
نماز دو نفلے سے جب پائی فرصت — تو لے بیٹھی پڑھنے کو خاتون عصمت
جو تہذیب میں حرمت پردہ آئی — تو تیوری بہت اس نے جلکر چڑھالی
یہ چاہے تو جنت ہی گھر کو بنادے — یہ چاہے تو دوزخ سے اسکو بڑھا دے
یہ چاہے تو عزت ہماری بڑھا دے — یہ چاہے تو ذلت میں ہمکو گرا دے
یہ چاہے تو رسوا زمانے میں کر دے — یہ چاہے تو عزت کے پھٹ جائیں پردے
اسی کے تو ہاتوں میں ہے کھانا پینا — اسی کے تو ہاتوں میں ہے مرنا جینا
زمانے کی رفتار بتلا رہی ہے — صدا چار جانب سے یہ آ رہی ہے
کہ تعلیم نسواں ترقی کا در ہے — کہ تعلیم نسواں ترقی کا سر ہے

(سید محمد یوسف قیصر)

حق پہ چل

مولوی مقتدیٰ خانصاحب شروانی نے انگریزی کی ایک مشہور ناصحانہ نظم کا جو بچوں کی درسی کتاب میں درج ہو اور جسے اکثر بچے انگریزی میں حفظ کرتے ہیں۔ اُردو میں ترجمہ کیا ہے۔

باندھ ہمت بھائی اور ٹھوکر نہ کھا ۱ راستہ تاریک ہو گو رات سا
ہی ستارہ رہنما تسکین کا حق پہ چل اور رکھ خدا کا آسرا

راہ گو سنسان و ناہموار ہو ۲ اور سر اس کا نظر کے پار ہو
حال کچھ بھی ہو قدم آگے بڑھا حق پہ چل اور رکھ خدا کا آسرا

مکر و حیلہ دل سے اپنے دُور کر ۳ اور جہاں ہو نورِ حق لے بے خطر
نفع و نقصاں کا خیال اصلا نہ لا حق پہ چل اور رکھ خدا کا آسرا

آسرا غیروں کا ہی بالکل فضول ۴ جنگ میں تم افسروں کو جاؤ بھول
بلکہ مسلک یہ ہو قول و فعل کا حق پہ چل اور رکھ خدا کا آسرا

نفس کے ہتھے نہ چڑھنا اے عزیز ۵ چاہیئے دیو او فرشتے میں تمیز
رسم و فیشن پر بھروسہ ہی خطا حق پہ چل اور رکھ خدا کا آسرا

چال سیدھی اور سادہ زندگی ۶ دل کی تسکیں اور قوت قلب کی
اور پھر ان کے ساتھ اچھا رہنما حق پہ چل اور رکھ خدا کا آسرا

باوفا ہیں بعض اور غدار بعض ۷ مدح و ذم میں تیرے ہیں شاہ بعض
چھوڑ ان سب کو نظر اوپر اُٹھا حق پہ چل اور رکھ خدا کا آسرا

له یہ نظم بزم اُردو لاہور کے جلسے منعقدہ ۴ جولائی سنہ ۱۹۰۹ء میں پڑھی گئی۔

بزمِ عصمت

سب بہنیں جن کی نظر سے رسالہ عصمت گزرتا ہی یہ خبر سُنکر خوش ہوں گی کہ صوبہ پنجاب کے صیغۂ تعلیم کے اعلیٰ افسر یعنی ڈائرکٹر صاحب بہادر نے حال میں ایک سرکلر مورخہ ۲۸ مئی سنہ ۱۹۰۹ء جاری کیا ہی جس کی رُو سے زنانہ نارمل سکولوں اور مڈل سکولوں کو اطلاع دی گئی ہی کہ رسالہ عصمت لڑکیوں کے لیے موزوں اور مفید ہی۔ ہم اس عنایت اور عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتی ہیں۔ اس قسم کا ایک سرکلر اس سے قبل رسالہ مخزن کے متعلق جاری ہو چکا ہی جس کی رُو سے لڑکوں کے مدارس کے لیے اس کی سفارش کی گئی ہے۔ (جائنٹ ایڈیٹر)

خواہر مکرمہ سیدہ طاہرہ خاتون صاحبہ کی یہ تجویز کہ "سب بہنیں اگر چہ آنے کے ٹکٹ یعنی ڈاک کا خرچ اپنے ذمے لیں تو عصمت کی صورت سیرت اور حجم میں بہن ایڈیٹر صاحبہ کچھ اضافہ کر سکیں" جون میں شائع ہو چکی ہی۔ اس تجویز کی تائید میں بہت سے خطوط آئے اور بعض بہنوں نے ٹکٹ بھی روانہ کیے۔ اسلیے اگست کا رسالہ بجاے ۵۶ صفحے کے ۶۴ صفحے پر روانہ کیا جاتا ہی اور آیندہ ۶۴ صفحے پر نکلا کریگا۔ چونکہ جون اور جولائی کے وی پی صرف تین روپیے سے بھیجے گئے تھے اس لیے امید ہی کہ جن بہنوں کی قیمت وصول ہو چکی ہی وہ باقی چھ آنے بذریعہ ٹکٹ بھیجکر ممنون فرمائیں۔

جائنٹ ایڈیٹر

ناظرات عصمت میں سے اگر کوئی بہن واقف ہو تو براہ کرم بذریعہ رسالہ ہذا آگاہی بخشیں۔

(۱) نورجہاں بیگم۔ زیب النسا بیگم۔ سلطانہ رضیہ بیگم۔ اور سلیمہ سلطان بیگم شاہ ہمایوں کی پھوپی زاد بہن کی تصانیف سے کون کون سی کتب ہیں اور کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہیں۔ (۲) ٹیلرنگ یعنی سلائی وتراش وغیرہ کے متعلق اردو زبان میں کوئی مکمل کتاب ہی اور اگر ہی تو کہاں سے دستیاب ہو سکتی ہے۔

(۳) پیاز کی کھیر یا فیرنی پکانے کی عمدہ ترکیب

(۴) کس دکان سے عمدہ قسم کا اون شال بننے کے ہر قسم کے دھاگے بننے کی دھاتی اور ہڈیوں کی سلائیاں۔ کروشیا۔ کروچٹ۔ امبروائیڈری کی مشین یعنی گلکاری بنانے کی مشین اور دیگر کشیدہ کاڑھنے اور نیڈل ورک کے سامان بکفایت ملسکتے ہیں اگر اس کی لسٹ بہم پہنچ سکے تو بہتر ہوگا (۵) کیا زنگر کمپنی کی سیونگ مشین سے بھی زیادہ ارزاں اور دیرپا مشین مستورات کیلئے ملکی چلنے والی آجکل مل سکتی ہے۔ اگر مل سکتی ہے تو کارخانہ کا کیا نام پتہ ہے کہاں سے بہم پہنچ سکتی ہے۔

(مسز ڈاکٹر محبوب علیخاں)

مولوی تمیز الدین خانصاحب کے مضمون "زنانہ دستکاری" سے ہمکو خاص دلچسپی ہے مگر نہایت افسوس ہے کہ جون گزشتہ سے انہوں نے اپنے سلسلے کو منقطع کر دیا ہے۔ امید ہے کہ بہت جلد اپنے مضمون کا سلسلہ جاری کرکے ہم لوگوں کو ممنون فرمائیں گے۔

(راقمہ مسز اسلام)

مینے جون کے عصمت میں ایک بہن صاحبہ سیدہ خاتون کی تجویز پڑھی مجھے بہت پسند آئی میں بڑے زور سے تائید کرتی ہوں کہ عصمتی بہنیں اس طرف توجہ کریں اور عصمت کے ڈاک کا خرچ اپنے ذمہ لیں جو ایک نہایت حقیر رقم چھ آنے سالانہ کی ہے۔ چھ آنے کے ٹکٹ روانہ کرتی ہوں۔ (خاکسار نواب بیگم ت سچین)

پہیلی

اے حکیم از تو میپرسم تو ہستی پر ہنر + اندروں صحرا دیدم یک عجائب جانور + پائے تا دم آہو مار دم کژدم شکم سینہ شیر و پشت فیل و غوک گردن ہپ سر + نام این

بہنیں یا بھائی اسکی بوجھ بتلائیں ممنون ہوں گی۔
خاکسار رابعہ بیگم

مکرمی تسلیم۔ مجھ سے خواہش کی گئی ہے کہ میں دی دکن زنانہ اسٹور کے متعلق چند سطریں لکھکر آپ کی خدمت میں ارسال کروں از راہ مہربانی رسالہ عصمت کے آیندہ پرچے میں درج فرماکر اسکے بانیوں کی ہمت بڑھایئے۔ یہ اسٹور کسی ذاتی منفعت کے خیال سے نہیں قائم کیا گیا ہے بلکہ اس کے قائم کرنیوالوں نے جو یہاں کے بعض سربرآوردہ خوشحال خاندانوں کی روشن خیال خواتین ہیں محض بربنائے ہمدردی اسکی

عالم نسواں

امریکا ممالک متحدہ سے جوش ہمشیرگی کی ایک خبر موصول ہوئی ہے۔ مسز ہاورڈ جین نے یہ سنکر کہ مریض بھائی کی صحت کیواسطے ڈاکٹروں کی رائے میں صرف یہ تجویز ہے کہ کسی دوسرے شخص کا خون اس کے جسم میں پہنچایا جائے اپنے تئیں پیش کیا اور اجازت دی کہ میرے جسم کا چوتھائی خون بھائی کے جسم میں داخل کردیا جائے۔ افسوس اس عمل کا نتیجہ مسز موصوفہ کے واسطے خطرناک ہوا اور تھوڑے عرصے بعد مرگئی لیکن امید کیجاتی ہے کہ بیمار بھائی جسپر سے بہن قربان ہوئی تندرست ہوجائے۔

دوسری جولائی کو رانی صاحبہ کپورتھلہ نے منصوری میں خواتین اور بچوں کو دعوت دی تقریباً ۹۰ مہمان شریک تھے۔ کمرے نہایت خوبصورتی سے سجائے گئے تھے اور چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کا پیانو پر گانا بہت ہی اچھا معلوم ہوتا تھا۔

لدھیانہ میں ایک ہندو زنانہ ہسپتال کی تجویز ہورہی ہے۔ سولہ ہزار کے قریب چندہ جمع ہوچکا ہے۔ ۱۴ جولائی کو ایک جلسہ ہوا جس میں اُنیس ممبروں کی ایک کمیٹی اس غرض سے بنائی گئی کہ چندہ فراہم کریں۔

لاہور میں ایک انجمن بنام انجمن بیگمات حامی اُردو قائم ہوئی ہے جس کا پہلا جلسہ ۲۰ جولائی کو آنریبل میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹرایٹ لا کے مکان پر منعقد ہوا۔

جولائی کے تیسرے ہفتے میں چھاؤنی ڈمڈم میں ایک نہایت دردناک واقعہ ہوا۔ نوجوان خاوند محض اسوجہ سے کہ اُس کی بیوی وقت مقررہ پر میکے سے واپس نہ آئی کلہاڑی لیکر سسرال پہنچا پہلے بیوی کا کام تمام کیا اس کے بعد دو بچوں کو مارا اور کلہاڑی لیکر چھت پر کھڑا ہوگیا۔ بمشکل تمام گرفتار ہوا اب مقدمہ چل رہا ہے۔

ہرہائی نس بیگم صاحبہ جنجیرہ نے ندوۃ العلما کی درخواست پر ایکہزار روپیہ عنایت فرمایا۔

فہرست عصمت ماہ ستمبر ۱۹۰۹ء

تصویر سمرو کی بیگم



عصمت

عشا کی نماز

خواہر مکرمہ زاہدہ بیگم صاحبہ الجبریہ نے جن کے وعظ سے دلی کی خواتین اکثر مستفیض ہوتی رہتی ہیں یہ قابل قدر مضمون عصمت کو عطا فرمایا ہے۔ جو نہایت خوشی سے درج کیا جاتا ہے۔ اُمید ہے کہ زاہدہ بیگم صاحبہ اپنے بیش بہا مضامین سے عصمت کو اکثر فائدہ پہنچاتی رہینگی :-

وُہی آفتاب جو صبح کے وقت مشرق کی طرف سے تروتازہ اور چمکتا دمکتا بلند ہو رہا تھا اپنا فرضِ منصبی ادا کر چکنے کے بعد شام کو پژمردہ نڈھال زرد چہرہ پھیکی رنگت آشیانہ مغرب میں جا سویا۔ رات کی تاریکی آدھی دنیا پر چھا چکی۔ اُس شہنشاہ سے لیکر جو دن بھر ایک عظیم الشّان سلطنت کا مالک رہا ایسے مزدور تک جس نے دس گھنٹے جلتی بھُلستی دُھوپ میں ٹوکری ڈھوئی سب پر نیند کا جادو چلگیا مصیبت کے مارے دن بھر کے تھکے ہارے بے گھرے بے درے تندوروں پر روٹیاں کھا وہیں کہیں پڑکر ڈھیر ہوگئے خوشحال و فارغ البال انواع و اقسام کے کھانوں سے پیٹ بھر بستر استراحت

پر لیٹ چکے۔

قدرت کے انتظام اور قادرِ مطلق کی شفقت قابلِ غور ہے۔ دن کے بارہ گھنٹوں کی لگاتار محنت کے بعد دماغ کو تر و تازہ کرنے کے واسطے رات بنائی کہ صبح سے شام تک کے تھکے ہارے سو کر خوشحال ہو جائیں۔ اور صبح اُٹھتے ہی پھر اپنے کاروبار میں مصروف ہوں۔ نیند جیسی نعمت کی قدر جس کی طرف ہم آج آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے بیماری میں معلوم ہوتی ہے اور خالقِ حقیقی کے اس احسان کا احساس اُسی وقت ہوتا ہے جب آنکھیں ترستی ہوں اور تکلیف پہنچنے کی وجہ سے جھپک نہ سکیں۔ راتیں سینکڑوں آرہی اور جا رہی ہیں پیٹ بھر کر سوتے اور خرّاٹے لیتے ہیں لیکن صانع حقیقی کی اس صنعت کی طرف کبھی بھول کر بھی دھیان نہیں آتا۔

کارخانۂ قدرت کی ہر چیز اپنا کام کر رہی ہے۔ سُورج وقتِ مقررہ تک دُنیا کو روشن کر کے رخصت ہوا۔ چاند اپنی نورانی شمع لئے ہوئے ساعتِ معینہ پر موجود ہے۔ تارے بساطِ فلک پر پھیل گئے۔ خوشرنگ پھول جو صبح کو مُنہ بند کلیاں تھیں شام کو کھل کر اور اپنی بہار دکھا کر مُرجھا چکے۔ طائرانِ خوش الحان اپنی بولیاں سُنا نغمۂ توحید گا اپنا پیٹ بھر بچّوں کا پیٹ پال گھونسلوں میں جا دبکے لیکن خالق الموجودات کی اشرف و اعلیٰ مخلوق انسان میں بہت سے ایسے ہیں جنھوں نے اپنا فرض ترک کیا تہذیب وانسانیت کو طاق پر رکھا جس کی نعمت وعنایت سے آج خوشحال و مالامال ہیں اُس سے ایسے فرنٹ ہوئے کہ شکریہ تو درکنار اس کا دھیان بھی گناہ سمجھا۔

عزیز بہنو! خانہ داری کے جھگڑوں سے فراغت پانے کے بعد رات کو پلنگ پر لیٹ کر خیالات دُنیا کے بہت سے جھگڑے آنکھوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ گھنٹوں اِسی اُدھیڑ بن میں گذر جاتے ہیں۔ لیکن کسی روز اگر دُنیا کے دھندے فرصت دیں تو اس نازک وقت کا بھی تو خیال کرو۔ جب یہ تمام تعلقات ختم اور خیالات بیکار ہو نگے ایک محسنِ حقیقی کا آمنا سامنا ہوگا یہی اعضاء جسمانی جو آج بڑے بڑے معاملات سُلجھا رہے اور تمام کاروبار میں مدد دے رہے ہیں بغلی گھونسوں کی طرح کچا چٹھا بیان کرینگے۔[۱]

شب و روز کے واقعات اور عزیزوں کا فراق اس آنے والے وقت کا یقین دلا رہا ہی لیکن ہماری آنکھوں پر کچھ ایسے غفلت کے پردے پڑے ہُوئے ہیں کہ کبھی بھول کر بھی خیال نہیں آتا۔

کیا وُہ احکم الحاکمین جو ہمارے تمام اقوال و افعال سے خبردار ہی وُہ خدائے برحق جس نے ہم کو طرح طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں اس کا مستحق نہیں کہ ہم چوبیس گھنٹوں میں پانچ وقت تو اپنا سر جھکا کر اس کے حضور میں عاجزی کا اظہار کرلیں

عقل و ہوش والی بہنو! قادرِ قدیر عظمت والا قدرت والا اِتنی طاقت رکھتا ہی کہ دم بھر میں کچھ سے کچھ کر دے کس چیز پر بھول کر اسکو دل سے بھلایا۔ رات کے وقت جب بال بچے پڑکر سو جائیں اور گھر میں چپ چاپ ہو جائے وضو کرکے جانماز پر تو کھڑی ہو پھر دیکھنا کہ یہ ہی دل جو سیاہی سے گھرا ہُوا ہی کیسے زبردست شہنشاہ کی تصویر آنکھ کے سامنے پیش کرتا ہی۔ فرض سمجھو حکم سمجھو۔

---

[۱] يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ٥

دِن کے بخیر و عافیت بسر ہونیکا شکریہ سمجھو مگر کسی طرح اُسکی بزرگی و عظمت کا دھیان تو کرو۔

ذرا غور کرنا بہت سی ساتھ والیاں سہیلیاں ہمجولیاں اپنی زندگی پوری کر جنگل بیابان میں جا سوئیں۔ جو وقت اُن پر گذر گیا ہم پر آنیوالا ہی۔ یہ لمبے لمبے چوڑے چوڑے عزیز جو آج دم بھر کو بھی آنکھ سے اوجھل کرنے کے روادار نہیں اپنے ہاتھوں گہری گور میں ٹھونس کر چلے آئینگے۔

پیاری بہنو! اب انصاف سے کام لو وُہ زبردست طاقت جو اس آڑے وقت میں بھی کام آنیوالی ہی اور جس کے احسانات سے آج بال بال جکڑا ہوا ہی اس سے غفلت کتنی بڑی نادانی ہی۔ عشا کی نماز پڑھ کر جو دُنیا کا سب سے آخری کام ہی اور جس کے بعد سوا سو جانے کے اور کچھ نہیں۔ جس قدر دل خوش ہوتا ہی وُہ پڑھنے والیاں سمجھ سکتی ہیں۔ رات کا سناٹا گھر چُپ چاپ خیالات منتشر نہیں ہوتے اُسوقت خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت میں جو لطف ہی وُہ بیان نہیں ہو سکتا۔ تعجب ہی اُن بیویوں بہنوں اور بیٹیوں پر جو دُنیا کے کاروبار میں تو دوڑی دوڑی اور بھاگی بھاگی سب سے آگے اور ہر ایک سے اوّل پہنے اوڑھے بنے سنورے مگر نماز جو ایمان کی حفاظت اور عورت کا سب سے بڑا زیور ہی اس سے بالکل عاری۔ وُہ بہنیں جو عشا بغیر پڑھے پڑ کر سوگئیں کیا اُنہوں نے ایک ایسا زبردست نقصان نہیں کیا جس کی تلافی امکان میں نہیں؟

حبیبہ عدویہ کے حالات میں جو اپنے وقت کی مشہور عبادت گذار

تون تھیں ۔لکھا ہے کہ جب آدھی کے قریب رات گذر جکتی تھی تو اس طرح مناجات کرتی تھیں:-

"حقیقی محسن اور سچے آقا! دنیا خواب غفلت میں پہنچ گئی۔ اس وقت رات ہے یا تیری ذات نوکر اور آقا امیر اور غریب سب سو گئے۔ مائیں اپنے بچوں کو کلیجہ سے لگا کر لیٹ گئیں۔ اسوقت تیری لونڈی حبیبہ تیرے دربار میں حاضر ہوئی ہے۔ سر تیرے سامنے جھکا ہوا ہے۔ میری گریہ وزاری کی لاج رکھ میری مناجات قبول کر"

غالباً غزنی کے مشہور بادشاہ محمود کا ذکر ہے جاڑے کے موسم میں ایک روز شام کے وقت شہر میں سے گذرا۔ ایک نان بائی کی دکان پر دیکھا کہ ایک شخص جس کے بدن پر لنگوٹی کے سوا کپڑے کا چیتھڑا تک نہیں بیٹھا سکڑ رہا ہے سواری کل گئی اور سلطان اس فقیر کو دیکھ کر بھول ہی گیا۔ صبح کو جس وقت اٹھا تو فقیر کا خیال آیا حکم دیا کہ فلاں مقام پر جو فقیر بیٹھا تھا حاضر کرو۔ حکم سلطانی کی تعمیل فوراً ہوئی جس وقت فقیر سامنے آیا تو محمود نے کہا "بابا رات کیسی گذری"؟

فقیر نے سلطان کی طرف تعجب سے دیکھا اور یوں جواب دیا: "محمود! کچھ تیرے برابر گذری کچھ تجھ سے اچھی گذری" ۔سلطان یہ سنکر بہت متعجب ہوا اور اس کی وجہ دریافت کی فقیر بولا تیری سواری نکل جانے کے تھوڑی دیر بعد جب رات زیادہ آگئی تو نان بائی بھی اپنے گھر چلا گیا۔ اسوقت تندور دہک رہا تھا میں پڑ کر سو گیا۔ یہ وہ وقت ہے کہ تو بھی پڑا سوتا ہوگا ۔گو تجھ کو سردی سے بچانے کے لئے سینکڑوں ہزاروں کا سامان ہوگا اور مجھ کو صرف تندور کی گرمی

لیکن نیند کے غلبہ میں تو اور میں دونوں برابر تھے۔ نہ تجھے کچھ خبر تھی اور نہ مجھے۔ یہ حصہ رات کا میرا اور تیرا برابر گذرا۔ لیکن جس وقت تندور کی آگ بجھ گئی تو سردی کی شدت سے میری آنکھ کھلی اور میں دبک سکڑ ایک کونہ میں بیٹھ گیا نیند تو آہی نہ سکتی تھی میں نے سوچا کہ اس وقت کچھ ذکر خدائے برحق ہی کا کروں جس کے حضور میں ایک روز حاضر ہونا ہے۔ یہ وہ وقت ہے جب تو بچھڑا تھا اور میں معبود حقیقی کو یاد کر رہا تھا۔ محمود! رات کا یہ حصہ میرا تجھ سے بہتر گذرا۔

میری پیاری بہنو! خدا جیسے شفیق کی مہربانیوں پر خاک ڈال کر محسن کش نہ اس مضمون کو ختم کرنے سے پہلے میں ایک پہیلی لکھتی ہوں جسکی بوجھن نماز ہی اس پر غور کرنا اور سوچنا کہ نماز کیا چیز ہے:

چار پھول پو پھاٹے پھولیں ۔۔۔ بارہ ڈھلتی بار
چار پھول چو گھڑیا تیرین ۔۔۔ ساتوں سنجی بار
سترہ کلی بن بیسند نہ آئے ۔۔۔ سیج چڑھن کی بار

زاہدہ بیگم

اگر تمہاری خواہش ہو کہ تمہارے بچے تم سے جھوٹ نہ بولیں تو تم خود ان سے کبھی جھوٹ نہ بولو وہ مائیں جو آج مصلحتاً اپنے بچوں سے جھوٹ بولتی ہیں انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ وہ اپنے پیارے بچوں کی طبیعتوں میں جھوٹ اور دغا کا بیج بو رہی ہیں۔

اے ماں بننے والی بیٹی وہ سلوک یاد رکھیو جو تو اپنے ماں باپ سے کر چکی اور کر رہی ہے۔ تجھے کوئی حق نہیں ہے کہ تو اپنی اولاد سے اس بھلائی کی توقع کرے جو تو نے اپنے ماں باپ سے نہ کی۔

کپڑے دھونا

گو ہندوستانی رسم و رواج کے مطابق گھر میں کپڑے دھونا نہ صرف افلاس نکدستی ہی کا الزام سر پر لینا ہے بلکہ سوم کنجوس اور نکو بھی بننا ہے۔ جیسا دیس ویسا بھیس ادنیٰ سے اعلیٰ اور فقیر سے امیر تک مشکل سے ایک لڑکی بھی ایسی نکلیگی جو کپڑے دھو لینے کے فن سے اچھی طرح واقف ہو۔ حالانکہ انگلستانی خواتین میں جہاں ہر فعل آج اشرف و افضل سمجھا جا رہا ہے شاید بدقت ایک ایسی ملے جو آپ کپڑے نہ دھو سکتی ہو اور ایسی تو سیکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ملینگی جو آپ دھوتی ہیں۔ وجہ؟ صرف رواج کی پابندی۔ چاہے روپوں اور اشرفیوں کا نقصان ہوجائے مگر کنبہ بھر میں ذلیل اور محلہ بھر میں بدنام کون ہو۔ بسا اوقات سننے میں آتا ہے کہ بچہ کا اونی کرتہ دھوبن نے بھٹی چڑھا کر غارت کر دیا بارہا دیکھا ہے کہ نئی چکن کا دوپٹہ نیل نے جا کر بتی بتی کر دیا۔ اگر کوئی غیر معمولی ایسا کپڑا جس کا اندیشہ ہو کہ دھوبی یا دھوبن کے ہاں بگڑ جائیگا گھر میں دھو لیا جائے تو گناہ نہیں۔ آخر زچہ خانے میں بچہ کے پوتڑے نہالچے وغیرہ خوشحال گھروں کی مامائیں اور معمولی گھروں میں مائیں خود دھوتی ہی ہیں جس طرح وہ معیوب نہیں اسی طرح رفتہ رفتہ یہ بھی جائز ہو جائیگا۔

گو انگلستان کے اکثر گھروں میں اس کام کے واسطے ایک دن مقرر ہے جس روز گھر کی بیوی اور لڑکیاں مل جلکر ہفتہ بھر کے میلے کچیلے کپڑے دھو دھلا لیتی ہیں

لیکن ہندوستان کے واسطے اُس کی تقلید مشکل ہی نہیں بلکہ قبل از وقت اور بہت بیوی کی ذمہ داریوں میں ایک تکلیف دہ اضافہ ہے تاہم اگر اتنا ضروری نہیں تو اتنا ضرور ہے کہ لڑکیاں خاص خاص کپڑوں کو دھولیں - یا ضرورت ہو تو دھو سکیں -

فلالین وغیرہ کے کپڑے معمولی دھوبیوں کے ہاں علی العموم خراب ہو جاتے ہیں اور سکڑ کر بگڑ جاتے ہیں - اس لئے سب سے بڑی احتیاط جو فلالین پر ہونی چاہیئے وہ یہ ہے کہ کپڑا قطع کرنے سے پہلے اسکو دھولیں - تاکہ جتنا سکڑنا ہو پہلے ہی سے سکڑ لے اور دھلنے کے بعد کپڑا تنگ یا اونچا نہ ہو جائے - فلالین یا اونی کپڑا جب پہننے کے بعد دھلنے کے قابل ہو تو پہلے برش سے صاف کریں پھر اس کو گرم پانی میں ڈال دیں - مگر پانی کنکنا ہو نہ کہ اتنا گرم کہ تمام میل کپڑے ہی میں جذب ہو جائے - اس پانی کو جس وقت گرم کرنے کے واسطے چولہے پر رکھیں تو تھوڑے سے صابون کے ٹکڑے اور سوڈا بھی ڈالدیں - بیس پچیس منٹ کپڑا اس میں بھیگا رہے اس کے بعد نکال کر یہ بڑی احتیاط کا کام ہے کہ نہ اسکو زور سے رگڑو نہ نچوڑو ورنہ اُون کے تار اُلجھ جاینگے اور ٹوٹ جاینگے - آہستہ سے نچوڑنا چاہیئے تاکہ جو پانی کپڑے میں موجود ہے وہ نکل جائے - اس کے بعد گرم پانی میں آہستہ آہستہ صابون سے دھوؤ اور پانی نچوڑ کر سوکھنے کے لئے لٹکا دو -

بلقیس

پہلی دلہنیں

(بڑھیا سہیلیوں کی خط کتابت)

سلمہ بہن! تمہارا حکم ٹالتی تو رہتی کہاں۔ بی نصیرہ کے ہاں گئی اور سر آنکھوں سے گئی مگر بُرا نہ ماننا شادی کیا ایک بیگار تھی کہ گھیرا پیچھی کر کر اٹک کی اور بیٹی کیا انگنائی کا کوڑا تھی کہ جھاڑو دے ولا نکال باہر کیا۔ منگنی مایوں جوڑا چڑھاوا خاک بھی تو کچھ نہ ہوا۔ موئے غریب مفلس بھی تو بیٹی کا مان رکھ لیتے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں کے آدمی اتنے بڑے عزت دار کانوں گوہن جائداد املاک اللہ کا دیا سب کچھ اور ایک بات ڈھنگ کی کرنی نصیب نہ ہوئی جو رسم ہے وہ فضول اور جو دستور ہے وہ غلط۔ جانتی ہوں کہ تم بھی آخر جنٹ صاحب ہی کی بہن ہو ان ہی کی سی کہو گی۔ مگر سلمہ منہ پرائی نہیں رکھتی۔ ایسی عقل بھی کس کام کی کہ تمام دنیا میں تھڑی تھڑی ہو جائے اور کان پر جوں نہ چلے۔ اللہ آمین کی بیٹی اور داماد کو جوڑا تک نصیب نہیں۔ بتاؤ تو سہی ناک رہی یا کٹی۔

کیوں بیوی! جب مایوں معیوب ساچق گناہ چوتھی کفر جلے حرام تھے تو یہ پارٹی کہاں سے جائز ہو گئی۔ جب روپیہ کا اٹھانا ہی فضولخرچی تھی تو یہاں کیوں صرف ہوا۔ یا وہاں روپیہ سونے کا تھا اور یہاں مٹی کا۔ رسموں سے بچانا تھا کہ رقم ضائع نہ ہو تو یہ انگریزی باجے کل کی گاڑیاں بجلی کی روشنی کیا مفت آگئی تھی۔ کچھ بھی نہ ہوتا تو صبر آجاتا۔ نہ شکوہ نہ شکایت بدنامی نہ ذلت مگر اب تو ایک

میں کیا دُنیا بھر ہی کہیگی کر کیا اور کر نہ جانا۔ ویسے کے متعلق تو بحث ہی نہیں میں آپ کہتی ہوں جو کیجیے وُہ اچھا جو رہے وُہ بہتر مگر اس کا جواب کیا دیتی ہو کہ یہ جو کرنا تھا اور کیا جو نہ کرنا تھا۔ انگریزی کا اثر ایسا چڑھا کہ اپنے ذاتی جوہر بھی کھو بیٹھے آخر ہم بھی تو غدر میں خاصی گیارہ بارہ برس کی تھیں۔ خود دلہن بن چکی ہو بیسیوں بنائیں سینکڑوں دیکھیں۔ ایمان سے کہنا کیا وقت تھا وُہ جھکی جھکائی ربکی دبکائی دلہنیں تو اب دیکھنے ہی میں نہیں آتیں۔ ایک یہیں کیا جدھر دیکھتی ہوں عالم ہی اور ہے۔ ایک وُہ دن تھے برسوں بہو کی آواز کان میں نہ آتی تھی ایک آج کا دن ہے کہ ادھر بہو آئی اور اُدھر کہو لو میاں مقنع اور گھر سنبھالوں اپنا" عورت کا سب سے بڑا سلیقہ سب سے اچھا زیور سب سے بہتر جوہر شرم و حیا ہے۔ بیوی یہی وجہ تھی کہ اگلے لوگ دنوں بہو کا گھونگھٹ نہیں اُٹھاتے تھے۔ بہینوں کی بیاہی بھی سکڑی سکڑائی اِدھر اُدھر ہولے ہولے پھرتی ہوئی اچھی دکھائی دیتی تھی۔ یہ تو معلوم ہوتا تھا کہ اس گھر میں بہو آئی ہے۔ اب تو الٰہی توبہ حقاقہ وفاقہ چیرو تو چار پھاڑو تو پانچ تڑاق پڑاق یہ جا وہ جا غضب خدا کا چوتھی کی دلہن دو دن کی بیاہی اور بیٹھی میاں کے رومال پر نام لکھ رہی ہے۔

کچھ ایسا زمانہ پلٹا کہ وُہ بات ہی نہ رہی تعجب تو یہ ہے کہ جن رسموں پر آج چاروں طرف سے لعن طعن اور لے دے ہو رہی ہے۔ ان میں بعض تو کیچڑ میں دبے ہوئے ہیرے ہیں سلمہ! ہمارے بڑے بیوقوف نہ تھے جو باتیں مقرر کی ہیں ایسی جانچ تول اور پرکھ کر کہ جس وقت یہ بالکل نیست و نابود ہو جائینگی اُس وقت اُنکی قدر معلوم ہوگی۔

آج جبکہ آزادی کی ہوا بھی نہیں جھکڑ چل رہے ہیں مائیوں بٹھانا
قلعوں میں شمار ہو مگر میں تو ہانکے پکارے کہتی ہوں کہ جو لڑکی چار دن میں میکے
سے نکل کر سسرال جانیوالی ہو اس کا باپ بھائیوں کے سامنے خوش پھرنا
اور جنھوں نے پال پوس کر اس لائق کیا ان کی جدائی سے تیوری پر بل تک
نہ لانا کیسی بری بات ہو۔ اسی کا نام شرم وحیا ہو کہ اس کے خیالات کا اظہار
عام طور پر نہ ہو۔ رنگ نکھرنے اور خون بڑھنے کے لئے غیر معمولی خوراک اُبٹنے
اور خوشبوؤں وغیرہ کا استعمال کھلم کھلا کرنا بیحیائی نہیں تو بیحیائی کے سر پر
کیا سینگ ہوتے ہیں خیالات کے کچھ اور آنے والے وقت کے تمام
نشیب و فراز پر خوب اچھی طرح غور کر لینے اور ہر پہلو پر نظر ڈالنے کا تنہائی سے
بہتر کوئی اور ذریعہ ہو سکتا ہو تو تم مجھے بتاؤ۔ سب سے بڑی بات تو یہ تھی کہ دلہن
کو سسرال میں جاکر جھکنے کی خاموش بیٹھنے کی گھٹنے کی عادت پڑ جائے۔
سلمہ! خدا کی قسم بڑی بڑی ہڑونگیوں کے چہروں پر جو سارے سارے
دن اور آدھی آدھی رات تک خاک اڑاتی پھرتی تھیں کچھ ایسا نور برسنے لگتا تھا
کہ غیروں کا دیکھ کر دل خوش ہو۔ خوشبو کی یہ کیفیت تھی کہ جدھر سے دلہن نکل
گئی گھر بھر مہک گیا۔ اب تو وہ شہاب اور کسوم سب غارت ہو گئے۔ بہت
کیا انگریزی شیشی کھولی اور چھڑک لی۔ تمہارے اپنے جہیز کا اگر کوئی پھٹا
پھٹا یا اُدھڑا اُدھڑا یا کپڑا پڑا ہو تو سونگھ کر دیکھو پچیس پچیس برس کے بعد بھی اتنا
پتہ دے رہا ہوگا کہ مجھے کسی دلہن کے زیب تن ہونے کا فخر حاصل ہو چکا ہے۔
اُن ہی وقتوں کی پلی پلائی ایک میں بھی ہوں۔ گو بڑھیا پھوس ہو گئی مگر

پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوں۔ مگر جاہل ہوں یا بیوقوف یقین جاننا آجتک غیر مرد سے بات کرتے ہوئے جی ڈرتا ہی۔ میں مرنے کو تیار آباجان مردے سے بدتر مگر خدا گواہ ہی اگر کبھی آنکھ ملاکر بات کی ہو۔ آجکل کی لڑکی بالیوں کو دیکھتی ہوں چولھے میں گیا پردہ بھاڑ میں گیا لحاظ رستہ میں فقیر ہے تو بلا سے ڈیوڑھی پر نوکر بیٹھا ہی تو بیٹھنے دو۔ سرک ویسی اس گھر سے اس گھر اور اس گھر سے اس گھر رونا بھی آتا ہی ہنسی بھی آتی ہی۔ بی زینب ماشاءاللہ یوں تو انگریزی اور فارسی سب میں طاق جلسوں میں سب سے آگے تہذیب میں سب سے اول مگر پرسوں جو ماما بیمار پڑگئی اور چاول پکانے اٹھیں تو یہ تک خبر نہیں کہ پسا کر کھانڈ ڈالتے ہیں یا یوں ہی موآن منہ پانی میں کھانڈ ڈال پتیلی کی پتیلی ہی غارت کی۔

ہماری تو خیر جس طرح گندنی تھی گذر گئی۔ مگر اس ننھی پود کا کیا ہوگا جن کا دیدہ ابھی سے ہوائی ہو رہا ہی خدا کی یہ نہیں رسول کی یہ نہیں ماں سے لگاؤ نہ باپ سے تعلق بڑوں کا ادب نہ چھوٹوں کی محبت غضب خدا کا ٹانگ برابر کی لڑکی اور گز بھر کی زبان۔ جمیلہ کل ماں سے کہتی ہی کہ گڑیا میری تھی آپ کو مجھ سے پوچھنے کا کیا حق حاصل ہی کہ کیا کی"؛

بس بوا سلمہ! چلنے کی تیاریاں کرو اب دنیا ہمارے رہنے کی جگہ نہیں خدا عزت و آبرو سے اٹھالے تو سب کچھ بھر پایا۔

ر۔ب

دے کر احسان نہ جتاؤ

ہم مستورات میں یہ ایک بہت بڑا عیب ہے۔ کہ اگر کسی غریب کی کچھ ذرا سی مدد کی تو فوراً سب سے کہینگے۔ ہم نے اس کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ ہم جو کچھ بھی راہ خدا میں دیتے ہیں۔ صرف اس توقع پر کہ آخرت میں ہمیں اس کا اجر ملے۔ مگر افسوس ہے ہم خیرات کرنے کے طریقہ سے بالکل ناواقف ہیں۔ اُن پڑھ بیبیاں بیچاری تو مُفت میں بدنام ہیں۔ کہ یہ جاہل ہونے کی وجہ سے خیرات کا نیک کام اچھی طرح انجام نہیں دے سکتیں۔ مگر میں تو تعلیم یافتہ بیبیوں کو بھی دیکھتی ہوں کہ یہی بُری عادت اُن میں بھی ہے۔ شاید فیصدی پانچ بیبیاں ایسی ہونگی جو خاموشی کے ساتھ خُدا کے واسطے دیتی ہوں۔ ورنہ ہم سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔

دے کر احسان جتانے کا ایک سچا واقعہ یہاں لکھتی ہوں۔ اس سے ہماری خیرات کا صاف حال معلوم ہوتا ہے۔ ایک شریف خاندان کی بی بی گردش ایام کے ہاتھوں بہت ناداری کی حالت میں زندگی بسر کرتی ہیں ایک اور بی بی جو خُدا کے فضل سے صاحبِ مقدور ہیں۔ اُنکے گھر کے قریب رہتی ہیں۔ اور انکے خاندان سے خوب واقف ہیں۔ اور اُنکی حالتِ زار پر رحم کرکے کچھ تھوڑی بہت مدد بھی کرتی ہیں۔ لیکن جہاں کسی تقریب پر دس بیس بیبیاں جمع ہوئیں۔ سُنو تو اسی بیچاری غریب بی بی کا ذکر ہو رہا ہے۔ وہ بی بی اس غریب بہن کی طرف

اشارہ کرکے دُوسری بیبیوں سے مخاطب ہوکر کہہ رہی ہیں۔ اے بی یہ بچاری بہت غریب ہیں۔ اکثر فاقہ کیا کرتی تھیں۔ مگر اب تو ہر مہینے میں انکو پانچ سات روپیہ دیدیتی ہوں اور اکثر پرانے کپڑے وغیرہ دیدیتی ہوں۔ اب تو ان کی حالت بہت درست ہوگئی ہے۔ اُنہوں نے تو اپنی ہمدردی جتانے کے لئے اس طرح کی گفتگو کی لیکن اس غریب کے دل پر کیا گذری ہوگی۔ کیسی سخت ندامت اور صدمہ ہُوا ہوگا۔ اور اُنکو کیا خاک ثواب ہوگا۔

کہتے ہیں خیرات اس طرح کرنی چاہئے کہ ایک ہاتھ سے دیوے تو دُوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہو۔ لیکن برعکس اس کے ہم خیرات کرتے ہیں تو تمام دنیا کو دکھاکر۔ اگر ہمارا کوئی عزیز فوت ہوجاوے تو حسب حیثیت ہم اس کے پیچھے خدا کی راہ میں دیتے ہیں کہ میّت کو اس کا ثواب پہنچے۔ لذیذ کھانے اور قیمتی کپڑے اُس کے پیچھے تقسیم کئے جاتے ہیں۔ تاکہ ہمارے عزیز کو اس کا ثواب ہو۔ اور ہمارا نام روشن ہو۔

مگر اس طرح کی خیرات سے ہرگز ثواب کی اُمید نہیں کرنی چاہئے۔ میری ناقص رائے میں جو کچھ بھی خدا راہ دینا ہو۔ خواہ میّت کے پیچھے ہو۔ یا کسی اور طرح کی خیرات ہو۔ بہت خاموشی کے ساتھ غریبوں کو دینا چاہئے۔

ہر محلہ میں دو چار غریب پردہ نشین بیبیاں رہتی ہیں۔ اور اکثر سلائی وغیرہ پر گذارہ کرتی ہیں۔ کچھ پردے کی اور کچھ اپنے خاندان کی بدنامی کی وجہ سے جس مُفلسی کی حالت میں وُہ رہتی ہیں۔ اگر اُن کی داستان سنو تو بہت ہی خدا کا خوف آتا ہے۔ کہ یہ بیچاریاں کیسی مصیبت میں زندگی بسر کر رہی ہیں۔ اُنکی

مدد کرنی سب سے افضل ہے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دھوکا دینے والا اور بخل کرنے والا اور دے کر احسان جتانے والا یہ تینوں شخص جنت میں داخل نہ ہونگے"

افسوس خاصکر ہم مستورات میں یہ عیب ہے۔ ذرا کسی کی کچھ مدد کی تو ضرور دوسروں کو سنا دینگے۔ اکثر میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ بعض بیبیاں غریبوں کو ماہوار روپیہ دیتی ہیں۔ لیکن جہاں کسی دوسری بی بی نے آ کر کہا اے بہن! وہ تمہیں بہت سخت سست باتیں کہتی ہیں بس پھر کیا تھا۔ فوراً انہوں نے اس غریب کا ماہوار بند کر دیا۔ کہ واہ وہ تو مجھے برا کہے اور میں اس کی مدد کروں۔ خدا راہ تو یہ کیا دیتی تھیں۔ گویا جب تک اس غریب نے اُن کی تعریف کے گیت گائے اور خوشامد کی تو انہوں نے بھی مدد کی اور جہاں اُس نے ان کی تعریف کم کی تو خیرات دینی بھی بند۔

اول الذکر خیرات کا طریقہ بہت برا ہے۔ اور اِس میں اصلاح کی ازحد ضرورت ہے۔ میں مدت تک رسالہ "عصر جدید" میں اصلاح تمدن وغیرہ پر بہت اچھے مضامین دیکھتی رہی تھی۔ اور مجھے امید تھی کہ جب اس طرح کے مضامین لکھے جاتے ہیں۔ تو اس کا ہم پر بے انتہا اثر ہوگا۔ اور ہماری حالت میں کچھ نہ کچھ تغیر ضرور ہوگا۔ اور آخر کوئی مفید نتیجہ نکلیگا۔

لیکن برخلاف اس کے میں تو ویسا ہی لوگوں کو خیرات کرتے دیکھتی اور سنتی ہوں۔ اور ہر حالت میں نام و نمود کا بہت خیال کیا جاتا ہے۔

اکثر قومی اخبار "وکیل" میں بھی اِس طرح کی خیرات پر مضامین لکھے جاتے

ہیں۔ اور جو لوگ کہ مستحق ہیں۔ اُنکو خیرات نہ ملنے اور بے فائدہ نام و نمود پر روپیہ لٹانے کا بہت ہی افسوس کرنے سے کیا ہوتا ہی۔ جب تک ہم خود اِس پر عمل نہ کریں۔

لہٰذا میں اپنی قابل تعظیم اخبار کی بہنوں کی توجہ اِس طرف مبذول کرانا چاہتی ہوں۔ اگر ہم سب مل کر کوشش کریں اور خیرات کا طریقہ بدلنا چاہیں تو کچھ بھی مشکل نہیں ہی۔ مرد تو اصلاح خیرات پر بہت زور دیتے ہیں۔ اور کسی حد تک اُنہوں نے خیرات کا طریقہ بدلا بھی۔ مگر پھر بھی زیادہ تر خیرات وغیرہ انجام دینے کے اختیارات ہم مستورات کو ہیں۔ کھانا پکا کر ہی دینا ضرور نہیں۔ نہ معلوم غریبوں کو کس چیز کی ضرورت ہی۔ اِس لئے سب سے بہتر طریقہ یہ ہی کہ جو کچھ ہمیں خیرات کرنی منظور ہو وہ نقد دیویں تاکہ حاجتمندوں کی تکلیف رفع ہو۔ اور ہم نے جس غرض سے خیرات دی تھی وُہ مقصد حاصل ہو +

خ۔ج

بہت کم مرد اور عورتیں آرام لینے سے اچھی طرح واقف ہیں حالانکہ وُہ کتنے ہی تندرست اور کیسے ہی توانا کیوں نہ ہوں۔ آرام کے بغیر صحت قائم نہیں رہ سکتی۔ بہت سے آدمی کہتے ہیں کہ ہم نہیں تھکتے اور ہم کو اتنی نیند اور آرام کی ضرورت نہیں جتنی اوروں کو لیکن درحقیقت جن لوگوں کو وُہ آرام کرنیوالا سمجھتے ہیں خود اُن سے زیادہ آرام کرنیوالے نکلینگے کیونکہ جلد اپنے خیالات کو دوسری طرف متوجہ اور اپنے تفکرات کو آسانی سے دُور کر سکتے ہیں گویا اُنکے دماغ اور دل میں ایک کمانی تھی کہ اسکو نکال کر تمام پریشانیوں کا خاتمہ کر دیا۔ یہ ہی وُہ لوگ جو واقعی آرام کرتے ہیں۔ وُہ لوگ جو آرام سے واقف نہیں وُہ ہیں کہ جہاں جگہ ملی پڑ کر ڈھیر ہو گئے حالانکہ دل و دماغ میں تمام خیالات کا اثر موجود ہی۔ خیالات کی اُلجھن میں رہنے والی عورتیں اگر یقین کریں تو وُہ ہرگز اپنے تئیں زندہ درگور نہ کریں اور کوشش کریں کہ اپنے ساتھ ہی دل و دماغ کو آرام پہنچائیں +

قومِ پارسی

اس قوم کی ترقی کے اسباب میں ایک بڑا سبب دولتمند پارسیوں کی وہ بےنظیر فیاضی ہے جو وہ ہمیشہ خیراتی کاموں کے متعلق ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ پارسی پنچایت کی رپورٹوں سے ان رقموں کا میں نے خلاصہ انتخاب کیا ہے جو گذشتہ چند سالوں میں پارسیوں نے خیراتیں دی ہیں۔ رپورٹ بابت سنہ ۱۸۹۹-۱۹ء سے ظاہر ہوتا ہے کہ سر ڈی۔ ایم۔ پٹیٹ نے ایک لاکھ ستائیس ہزار چھ سو روپیہ دیا۔ اس کے بیٹے بومن جی پٹیٹ نے بارہ ہزار پانسو تیرہ روپیہ۔ مسز فرام جی پٹیٹ نے چودہ ہزار آٹھ سو چونسٹھ روپیہ اور بائی فیروزبائی واڈیا نے تیس ہزار روپیہ خیرات کیا۔ ان رقوم کے علاوہ متفرق خیراتی رقمیں اس سال میں چار لاکھ اٹھارہ ہزار پانسو تک پہنچیں۔ سر ڈی۔ ایم پٹیٹ نے جو رقم دی وہ غریب پارسیوں کے محلوں میں مدرسے کھولنے کے واسطے تھی اور بائی فیروزبائی کی رقم اس ہسپتال کی توسیع کے واسطے دی گئی تھی جو وضعِ حمل والی پارسی عورتوں کے لئے بنا ہوا ہے۔ اور جس میں وہ غریب عورتیں جو خود طبی امداد حاصل کرنے کی توفیق نہیں رکھتیں آرام پاتی ہیں۔ اور بہتر سے بہتر طبی امداد انہیں ملتی ہے ان سب فیاضیوں سے بڑھ کر مسٹر جے این ٹاٹا کا وہ عظیم الشان عطیہ یعنی مبلغ تیس لاکھ روپیہ ریسرچ[1] انسٹیٹیوٹ کے لئے اسی سال کے کارناموں میں درج ہے۔

[1] یعنی جستجوئے علمی کا مرکز۔

سنہ ۱۹۰۰-۰۱ء میں پارسیوں کی خیراتی رقوم کی کل میزان گیارہ لاکھ روپیہ ہے۔ اس میں ایک لاکھ بیس ہزار روپیہ تھتراں پر ایک شفاخانہ بنانے کیلئے برام جی جی جی بھائی نے دیا۔ بڑوں میں جو شوق رفاہ عام کے کاموں کا ہے وہ ہر طبقہ میں کم و بیش پایا جاتا ہے۔ اس سال میں سر جمشید جی جی جی بھائی انسٹیٹوشن کے طالب علموں نے اپنے مدرسے کی جوبلی کا جشن کیا۔ اس موقع پر انہوں نے اپنے جیب خرچ سے چار ہزار چھ سو اٹھائیس روپیہ چندہ کیا اور اسی چندہ میں سے اپنے پرنسپل مسٹر ڈی۔ این واڈیا کو ایک سونے کی گھڑی اور زنجیر اور سر جمسیٹھ جی کو ایک ایڈریس اُنکے احسانات کے اعتراف کے طور پر پیش کیا۔

سنہ ۱۹۰۱-۰۲ء میں تین لاکھ روپیہ عام خیرات کی مد میں اور ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ عطیات خاص میں درج ہے۔ اس سال کے دوسرے قابل ذکر کاموں میں لندن کے قریب مقام ووکنگ میں ایک اگیاری کا بنانا ہے جس سے پارسیوں کی بلند ہمتی ظاہر ہوتی ہے۔ چونکہ کچھ پارسی کاروبار تجارت یا تعلیم کی غرض سے لندن میں مقیم رہتے ہیں۔ اس لئے پارسیوں نے ایک اپنا مدفن ووکنگ میں بنا رکھا ہے جو رنگارنگ کے پھولوں سے آراستہ ہے۔ یہیں ایک عمارت آنریبل مسٹر واڈیا سی۔ آئی۔ ای۔ کی یادگار میں بنی ہے۔ جس کی طرز تعمیر میں زرتشتی مذہب کی ساتویں بہشت کا نقشہ اُتارا گیا ہے۔ چار سڑکیں اس عمارت کی طرف آتی ہیں۔ جنوبی سڑک پر ایک دروازہ نظر آتا ہے جس پر اسفندیار کے محل کے کھنڈروں کی تصویریں کندہ ہیں اسی سڑک سے تھوڑے فاصلہ پر اگیاری بنی ہے۔ اس کی رسم افتتاح بہت دلچسپ تھی سب حاضرین پہلے پندرہ منٹ تک دعا میں مصروف رہے پھر دستور نے

پارسی مذہب کے مطابق دُعا دیگر رسوم ادا کیں۔ اس کے بعد سرجارج برڈووڈ کی طرف سے تین تحفے پیش ہوئے۔ سرجارج پارسیوں کے معاملات سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں اور انکی رسموں سے پوری طرح واقف ہیں۔ اسی لئے اُنھوں نے تحفے بھی ایسے انتخاب کیے جو ایسے موقع کے لئے مناسب ہوں۔ ایک تو ہوم کے درخت کی شاخ دوسرے بنزوئن کا ٹکڑہ جو بارہ سو برس ہُوئے۔ پارسی اپنے ساتھ ایران سے لائے تھے۔ تیسرے صندل کی لکڑی کا ایک کندہ چودہ سو برس ہُوئے کاٹا گیا تھا۔ اس کے بعد سب لوگ مسٹر واڈیا کے مدفن کی طرف گئے جہاں سرجارج نے پارسیوں کی کامیابی اور اقبالمندی پر تقریر کی۔

سنہ ۱۹۰۲-۱۹۰۳ء میں رقوم خیرات ایک لاکھ دس ہزار اور عام خیرات میں ایک لاکھ پچاس ہزار دیا گیا۔ سنہ ۱۹۰۳-۱۹۰۴ء میں یہ رقوم پھر سات لاکھ پچاس ہزار تک پہنچیں اور عام خیرات میں دو لاکھ بہتر ہزار دیا گیا۔ اسی سال میں مسٹر این۔ ایم واڈیا نے دس لاکھ روپیہ دینے کا اعلان کیا جو اس کے فوت ہونے کے بعد خیرات میں لگایا جانے کو تھا۔ سنہ ۱۹۰۴-۱۹۰۵ء میں خیرات کی تعداد چھ لاکھ اور سنہ ۱۹۰۵-۱۹۰۶ء میں نو لاکھ۔ گذشتہ ۱۹۰۶ء غیر معمولی فیاضی کا سال ثابت ہوا۔ اور خیرات انیس لاکھ تک پہنچی جس میں پٹیٹ خاندان کا حصہ سات لاکھ روپیہ تھا۔ سنہ ۱۹۰۸ء میں خیرات کی تعداد چودہ لاکھ درج ہے۔ اس کے علاوہ بعض پبلک اور تجارتی کاموں میں پارسیوں نے بڑی بڑی رقمیں صرف کیں مثلاً سرکاؤس جی جہانگیر نے لارڈ لمنگٹن صاحب گورنر بمبئی کو ان کی رخصت کے وقت پانچ لاکھ روپیہ نذر کیا کہ جس مفید کام میں مناسب سمجھیں لگا دیں۔ ٹاٹا برادرز نے آئرن[۱] اینڈ سٹیم کمپنی کے

---

[۱] یعنی آہنی اور دخانی کاموں کی کمپنی ۱۲

نام سے اپنی کمپنی رجسٹری کرائی جس کا سرمایہ ایک کروڑ روپیہ تھا۔ اس سال کے رفاہ عام کے کاموں میں بعض بحیثیت اپنی نوعیت کے قابل ذکر ہیں۔ مثلاً چوالیس ہزار چھ سو روپے کی ایک رقم جو زرتشتی انجمن تعمیرات میں دی گئی تاکہ غریب پارسیوں کو سستے گھر بنا بنا کر دیئے جاویں۔ ایک مخیر پارسی لیڈی نے جس کا نام رتن بائی ایڈل جی بام جی ہے دو ہزار چار سو روپیہ عورتوں کو دستکاری سیکھنے کی ایک جماعت کھولنے کے لئے سال بھر کے خرچ کے واسطے دیا۔ اسی عالی ہمتی اور سچی قومی ہمدردی کا یہ نتیجہ ہے کہ پارسی باوجود تعداد میں کم ہونے کے ہندوستان کی قوموں میں اس درجہ ممتاز ہیں اور ہر جگہ عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں +

عطیہ فیضی

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اپنے بعد ایسی یادگار چھوڑ جائیں کہ آنے والی نسلیں اُن کے نام پر فخر کریں غیر انکے کاموں اور ایجادوں سے فائدہ اُٹھائیں۔ عزیز انکی یاد اپنے دل سے بھلا نہ سکیں۔ نورجہاں بیگم گو اُس کی ہڈیاں بھی آج گل کر خاک ہوگئیں مگر جب تک دُنیا اور دُنیا میں زیب و زینت کا صحیح مذاق رکھنے والے موجود ہیں اُس کا نام فراموش نہیں کرسکتے۔ موجودہ زیوروں کی نزاکت۔ لباس کی قطع وضع فرش فروش ہمیشہ اس کا نام زندہ رکھینگے۔ جہانگیر کا بیان ہے کہ جب تک نورجہاں میرے گھر میں نہیں آئی میں زیب و زینت سے قطعی ناآشنا تھا +

ایک شہید ترک کی ماں کا خط

کہتے ہیں کہ اُحد کی لڑائی میں جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو ایک مسلمان عورت اس مقام پر آئی جہاں شہدا کی لاشیں رکھی ہوئی تھیں۔ جس چیز پر اس خاتون کی نگاہ سب سے پہلے پڑی وہ اس کے ایک جوان بیٹے کی لاش تھی۔ آگے بڑھی تو دوسرا بیٹا شہید نظر آیا۔ ٹھٹکی اور آگے بڑھی تو شوہر کی اور داماد یہ دو اور مُردہ نظر آئے۔ جگر عزیز اور وہ بھی۔ کلیجے کے ٹکڑے اور ماں کا پیٹ۔ شکر کیا اور زمین پر بیٹھ گئی۔ جب ہوش آیا تو ایک شخص سے پوچھا کہ پیغمبر اسلام کا جسم اطہر کس جگہ ہے؟ میں زیارت کرلوں۔ اس شخص نے جواب دیا الحمد للہ رسول خدا زندہ ہیں اور شہادت کی خبر غلط تھی۔ خدا معلوم ان الفاظ میں کیا اثر تھا۔ کہ وہ مُردہ سی عورت سُنتے ہی اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آسمان کی طرف دیکھا اور کہا الٰہ العالمین! اگر یہ خبر صحیح ہو کہ تیرا رسول زندہ ہے تو یہ چاروں اس پر قربان کئے۔

اس بیان سے اس محبت کا حال معلوم ہوتا ہے جو آج سے چودہ سو برس پہلے مسلمان عورتوں کو اپنے مذہب اور بانی مذہب سے تھی۔ گو ان ماؤں کو گزریں ہوگئیں تاہم یہ خط جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے اس بات کا پتہ دے رہا ہے کہ آج بھی ایسی مسلمان عورتیں موجود ہیں جو اپنے ملک و قوم پر نہ صرف اپنا مال و متاع ہی لٹا، فخر

سمجھتی ہیں بلکہ اپنے بچے تک فدا کرنے کو موجود ہیں۔ یہ خط ایک ایسی خاتون کے قلم سے نکلا ہی جس کا لڑکا اسمٰعیل سلطنتِ عثمانی کے دستور ملنے میں کام آیا۔ ناشاد ماں اپنے بچہ کی خبرِ موت سنکر اُس کے سپہ سالار کو اس طرح لکھتی ہی:-

خط

آپ جیسے سردار ہماری قوم کے واسطے مایۂ ناز ہیں اور اس لائق ہیں کہ ہمیشہ آپ کو بزرگی کے ساتھ یاد کیا جاوے۔ ہم تاقیامت آپ کے بہادر کمانڈرانِ لشکر کے مشکور رہینگے۔ جو جرأت آپ لوگوں نے ظاہر کی ہی اسکا نقش صفحاتِ تاریخ ہی سے کیا بلکہ قوم کے دلوں سے بھی مٹنے والا نہیں۔

مَیں اپنے اسمٰعیل کو روتی ہوں لیکن کیوں؟ غم سے نہیں۔ بلکہ میری آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری ہیں۔ خصوصاً جب آپ کے مبارک کام کے ساتھ درجۂ شہادت کا خیال آتا ہی تو بے اختیار چلا اُٹھتی ہوں کہ بہادرانِ وطن میں سے کوئی شخص بھی اس سعادت سے محروم نہ رہے۔ جس وقت سے آپ کا خط پڑھا ہی بے اختیار دل میں خوشی کا دریا لہریں لے رہا ہی۔ اُن بہادرانِ لشکر کے مزار جنہوں نے اپنے ملک و قوم کے لئے اپنی جانیں فدا کیں تمام قوموں کے ہمیشہ زیارت گاہ رہینگے۔ لشکرِ منصور کی مہربانی ہوگی اگر آستانہ کو اپنا سب سے بڑا تحفہ پیش کریگا یعنی شہیدانِ عزیز کی نعشیں جنکو وہ آستانہ ہی میں ہمیشہ کے واسطے میٹھی نیندیں سونے دے۔ میں اب اپنے بدنصیب بیٹوں حسین اور علی اور نیازی پر دو ونگی جو اس شرف کے حاصل کرنے سے محروم رہے۔

مَیں اپنے بہادر اسمٰعیل پر جس نے ملک اور قوم کی شاندار خدمات انجام دیں مطلق غم نہیں کرتی اس لئے کہ اولاد حدودِ ملک پر اپنی اُن ماؤں کی حفاظت کرتی ہی جو گھروں میں رہتی ہیں۔ آپ نے اپنی بہادری سے یہ دکھا دیا بلکہ صفحاتِ تاریخ پر لکھدیا کہ آپ فی الواقع اُن بہادروں کی اولاد میں ہیں جنہوں نے

سیرِ یورپ

(از ہر ہائی نس بیگم صاحبہ جزیرہ جبتان)

۱۰- جون ۱۹۳۰ء - بدھ | افسوس ہے کہ یہاں صبح کو کچھ نہیں کر سکتے۔ گیارہ بجے سے پہلے کوئی جگہ کھلتی نہیں۔ دوکان وغیرہ سب پر خاموشی چھائی ہوئی۔ اِس لئے گیارہ بجے کے بعد نکلنا پڑتا ہے۔ چلتے پھرتے لنچ کا وقت ہو گیا تو کہیں کھا لیا چار کا وقت آیا تو کہیں پی لی۔ یہ طریقہ کسی وقت مجھے پسند آتا ہے اور کسی وقت جی بہت بیزار ہوتا ہے۔ کھانا پینا اور سب کام عوام کی موجودگی میں کرنا انسان کو ہر وقت کیسے پسند آسکتا ہے۔ انگلستان میں ہوٹلوں اور دیگر ہر قسم کی آسائش گاہوں کی زندگی بے طرح بڑھ رہی ہے۔ یعنی گھر کے جنجال سے اور نوکروں کی کھٹ پٹ سے لوگوں کا جی اُکتا جاتا ہے اور اسی طریقہ کو زیادہ پسند کر رہے ہیں۔ کسی کو فرصت نہیں کہ خانہ داری کرے جسے انگریزی میں ہوم لائف یعنی گھر گرست کی زندگی کہتے ہیں وُہ خاص لندن میں کم ملتی ہے۔ البتہ دیہات میں ہے۔ اہلِ لندن تو بہت آزاد ہو رہے ہیں۔ بچوں کو مدرسوں میں بھیج دیتے ہیں۔ آپ جس طرح بن پڑا کھا پی لیا۔ اسی روز مسٹر یوسف علی کہہ رہے تھے کہ میری بی بی کو ہوٹل کی زندگی بہت پسند ہے۔ خیالوں میں کتنا فرق ہے۔ ہندوستان کے بہت سے لوگ ایسے ہونگے جنہیں خواب و خیال نہ ہوگا کہ یہاں امیر اُمرا اور عمائدینِ شہر

کی زیست کا طرز کیا ہی۔ عیش و عشرت تماشہ کھانے پینے ناٹک گھر کا دورہ کرنے ضیافتیں دینے دعوتوں میں شریک ہونے اور قمار خانوں کا مزا اڑانے میں اس قدر مصروف ہیں کہ انہیں دم بھر کی فرصت نہیں۔ پھر بھی مرد دانائی سی چلتے ہیں ورنہ انگلینڈ اس قدر متمول اور سرسبز حالت میں کیونکر ہوتا۔ ایک روز مس ٹاٹا نے ایک لارڈ کی بیوی کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ گنجفہ میں یہ بی بی اس قدر روپیہ خراب کرتی ہی کہ حد ہی نہیں۔ اس کے ساتھ حسرت انگیز بات یہ ہی کہ خیرات کرنے میں بھی ویسی ہی دلیر ہی۔ غریبوں اور محتاجوں کے لئے اس کی طرف سے ہر قسم کے آرام کا انتظام کر دیا جاتا ہی۔ اہل لندن میں یہ مقصد اعلیٰ ہی کہ کوئی بھی آرام دہ چیز ایجاد ہو وہ ہر گھر میں موجود ہو جائے۔ بطور مثال بجلی کی روشنی لیجئے۔ اب قریب قریب ہر گھر میں ہر بورڈنگ ہوس میں ہر ہوٹل میں وہی نظر آتی ہی۔ وجہ یہ ہی کہ اگر نہ لیں تو کوئی کرایہ دار رہنے کو راضی نہ ہوگا میری عقل میں نہیں سماتا کہ سب باتوں کا لحاظ رکھ کر یہ لوگ کیونکر کماتے ہیں !

سیر اور ملک بینی مجھے ایک حد تک پسند آئی ہی۔ لیکن ان دو شعروں کو ورد کرتے ہوئے :۔

چلے جاتے ہیں اٹھتے بیٹھتے ہم دشت غربت میں
وطن اپنا ہمیں منزل بہ منزل یاد آتا ہے
گذرتا ہی نظر سے جب کوئی پھولا پھلا گلشن
تو پہروں ہم کو اپنا رنگ محفل یاد آتا ہے

ہندوستان کے خطوں میں یہ شعر ہمارے حسب حال کسی بہن نے لکھ بھیجے۔

انہیں مناسب اور موزوں سمجھ کر درج کرتی ہوں۔ واقعی حال یہی ہے۔ جوں جوں ان ترقی یافتہ ملکوں کی سیر کرتی ہوں توں توں اپنے وطن کی خوبیاں منکشف ہو کر نظر آتی ہیں گو کہ وہ اب تک اندھیرے میں ہے اور سالہا سال پس ماندہ۔

لنچ کے لئے مسٹر دت صاحب نے ہم چاروں کو بلایا تھا۔ بہت ہی چھوٹا سا مکان ہے۔ لیکن بہت ہی آسائش بھرا۔ لذیذ لنچ دیا جس کو سب نے شوق سے کھایا۔ لنچ کے بعد اُنہوں نے اپنی کتابیں دکھائیں۔ اپنے دوستوں کے خطوط کیسے اچھے ڈھب سے چپکائے ہیں۔ چالیس سال کا ذخیرہ اُنکے پاس موجود ہے حیرت تو مجھے یہ معلوم ہوئی کہ انہیں فرصت کیسے بہم پہنچتی ہے کہ اپنے ضروری اور لازمی کام کالج کے بعد شوقیہ اتنا وقت اس قسم کے کام کرنے کے لئے نکالتے ہیں اور اُنکو جاری رکھنے کے لئے طبیعت میں کتنی چستی و چالاکی ہونی چاہئے ورنہ ایسی چیزوں کا نباہ مشکل ہے۔ عمر دیکھو تو ۶۰ برس کی۔ اور یہ استقامت۔ ہم کو تو ہمیشہ کم فرصتی کی فریاد کرنا ہی آتا ہے ذرا غیر معمولی کام ہوا اور ہم نے شکوے کرنے شروع کر دیئے۔ مگر ایسے حضرات کے نزدیک ہر کام کے لئے وقت ہے۔ اس قسم کی مختلف کتابیں جاری ہیں۔ ایک میں اخبار سے کٹے ہوئے ٹکڑے چپکا دئے ہیں۔ بہت ہی کم سنی سے یہ شوق اُنہیں لاحق ہوا اور زیادہ آفرین یہ ہے کہ تمام زندگی بھر اسے جاری رکھا۔ کبھی زیادہ طومار جمع ہونے نہیں دیتے یہ سب سے بڑا بھید ہے۔ کیسے شوقین طبع آدمی ہیں کہیں سے خوبصورت تصویر ہاتھ آگئی تو وہ بھی اپنے ذخیرے میں چپکا لی۔ ہم واپس جلد چلے آئے کیونکہ میں نے اُن عنایت فرماؤں کو چاء کی دعوت دی تھی۔ جنکی مہمان نوازی

سے فائدہ اُٹھایا تھا۔ مگر افسوس کہ بہت تھوڑا مجمع ہوا۔ تاہم مسٹر اور مس بوکینین اور مس سامیوئل۔ مس ساسون اور مس ساسون کزن مس کینیرڈ جنکے بھائی لارڈ کینیرڈ ہیں۔ بھائی قمرالدین بھی وزیرالدین بھی۔ نسیمہ خاتون۔ بھائی اظہر۔ مسٹر محمد اقبال اور مس پی۔ کے۔ رے موجود تھے۔ نہایت لطف کا وقت کٹا مس سامیوئل بہت لیاقت والی اور اچھی محبت بھرے دل والی ہیں اور انہیں یہ بھاتا ہے کہ ہمارے لئے ہر طرح کی مدد کریں۔ شنبہ کو اُنکے ساتھ ہاسپٹل ملاحظہ کرنے کو چلینگے۔ مسٹر بوکینن ہم کو ہوس آف کامنز دکھانے والے ہیں۔ تاریخ بعد کو مقرر کرینگے۔

کئی مہمانوں نے دستخطوں کی کتاب میں اپنے دستخط اور عبارتیں لکھیں مسٹر اقبال نے اُس روز یہ شعر فی البدیہہ کہہکر میری کتاب میں درج کر دیئے۔ جنہیں یہاں نقل کرتی ہوں :۔

اے کہ تیرے آستانے پر جبیں گستر قمر ۔۔۔ اور فیض آستاں بوسی سے گل بر سر قمر
روشنی لیکر تری موجِ غبارِ راہ سے ۔۔۔ دیتا ہے لیلیِ شب کو نور کی چادر قمر
کاروانِ قوم کو ہی تجھ سے زینت اس طرح ۔۔۔ جس طرح گردوں پہ صدرِ محفلِ اختر قمر

شمعِ بزمِ اہلِ ملت را چراغِ طور کن
یعنی ظلمت خانۂ ما را سراپا نور کن

سُنتی ہوں کہ کپور تھلہ کے مہاراج اپنی نئی دولہن رانی انیٹا کے ساتھ ۲۲ تاریخ کو آئینگے ٹھیک اُسی روز جس روز ہم لندن چھوڑینگے۔

۱۱۔ جُون ۱۹۰۹ء | آج صبح تھوڑا وقت تھا تو بھائی اور میں والس کولکشن (یعنی مجموعۂ تصاویر جو والس صاحب کے نام سے مشہور ہے) دیکھنے گئے۔ یہاں تصویریں

ایسی ایسی موجود ہیں کہ شاید انگلستان میں اور جگہ اتنی عمدہ تصویریں اور نہیں ہونگی ۔
والس صاحب نے زندگی بھر عمدہ اشیاء بہم پہنچائیں اور بعد میں اُنہوں نے یا اُنکی
بی بی نے لاولد ہونے کی وجہ سے قوم کو ہبہ کر دیں ۔ ڈیڑھ دو گھنٹے میں ممکن نہیں
کہ انسان ایک کمرہ بھی دیکھ سکے مگر سرسری نگاہ ڈالتے ہوئے ہم چلے گئے ۔ یہاں
نایاب چینی کا بہت اچھا مجموعہ ہے ۔ اِسی طرح ناس رکھنے کی ڈبیاں بھی کوئی سو یا ڈیڑھ سو
ہونگی ۔ بے نظیر ہنر کا نمونہ تھیں ۔ ہر ایک کی مینا کاری دیکھ کر جی خوش ہو گیا ۔
کتنوں پر تاریخی چھوٹی تصویریں مینا کاری سے نکالی ہوئی ہیں ۔ وہاں سے
واپس آکر ہم وقتِ معینہ پر ڈیوک اور ڈچس آف کناٹ کی ملاقات
کے لئے نکلے حضور اور میں گئے ۔ عطیہ بہن شہزادی صوفی کے ساتھ لنچ
کھانے کو گئیں ۔ چونکہ نہایت اصرار سے بلایا تھا ۔ حضور نے ہندوستانی
پوشاک زیبِ تن کی تھی اور بندی نے سیاہ زرین سنہری روپہلی کا
کام کیا ہوا جوڑا پہنا تھا ۔ سر کرزن وائلی منتظر ٹھہرے ہوئے تھے ایک
اور صاحب ڈیوک کے گھرانے کے بھی موجود تھے جن کا نام ذہن سے
اُتر گیا ہے ۔ صاحب موصوف سے پہلے تعارف کرایا گیا اور وہ ہمیں گول
کمرے میں لے گئے ۔ شاہی خاندان کے محلات اور اسباب تقریباً ایک ہی
قسم کے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں ۔ سب بہت ہی گراں قیمت
اور مکمل مگر کوئی خاص خوبصورتی نہیں پائی جاتی ہے ۔ سوائے تھوڑی تصویروں
کے ۔ ہم بمشکل بیٹھے ہونگے کہ ڈیوک اور ڈچس صاحبہ تشریف فرما ہوئے
بہت ہی تپاک اور گرم جوشی سے ملے اور دستور کے مطابق وہی معمولی سوال

کے جو بادشاہ نے اور ولیعہد نے کیئے تھے اور اسی طرح میری انگریزی گفتگو پر حیرت ظاہر کی۔ یہ ایک رسمی بات ہے ورنہ غالباً ڈچس کو اچھی طرح یاد ہوگا کہ جب لیڈی ریے بمبئی میں تھیں تب ہم ملے تھے۔ پوچھا کہ تمہارے ساتھ اور کون کون ہم سفر ہیں میں نے کہا بھائی اور عطیہ اور ایک سردار اور ڈاکٹر وغیرہ۔ ڈیوک خود اچھی اُردو بولتے ہیں۔ دس پندرہ منٹ یہاں گذار کر سر کرزن کو ہمراہ لیکر پارلیمنٹ میں گئے۔ وہاں ہمارے ہمراہی سب حاضر تھے سوائے عطیہ کے اور بھائی ازہر بھی تھا۔ مجھے افسوس ہوا کہ عطیہ شریک نہ ہوئی گو کہ وہ پیشتر دیکھ چکی ہے۔ لیکن ہمارے ساتھ دیکھتی تو اور بھی لطف آتا۔ مسٹر ہوبہاؤس نائب وزیر ہند موجود تھے اور ہمارے منتظر۔ مسز ہوبہاؤس بھی آنے والی تھیں۔ انکو ذرا دیر ہوگئی۔ خیر ہم تو موجودہ رہنما اور ہمراہیوں کو ساتھ لیکر چلے۔ اور ایک نہایت وسیع کمرہ میں داخل ہوئے جس کا نام وسٹ منسٹر ہال ہے۔ یہ کمرہ بہت ہی تاریخی ہے اور چھ سو سال سے بنا ہوا ہے اور بادشاہانِ انگلینڈ کی تاج پوشی کے وقت یہاں کھانا وغیرہ ہوتا ہے کیا شاندار اور شاہانہ کمرہ معلوم ہوتا تھا۔ اُونچی چھت جس پر سنہری کام بنا ہوا انکی دولت کی ایک ظاہری نشانی تھی۔ وہاں سے ہوس آف لارڈز میں گئے۔ تمام فرنیچر ارغوانی رنگ کا جس پر زمانہ گذرنے کے آثار موجود تھے! اس کمرے کے سرے پر دو شاہی چوکیاں رکھی ہوئی تھیں۔ سال میں ایک دفعہ جب افتتاح پارلیمنٹ کی شاہی رسم ادا ہوتی ہے۔ تب بادشاہ اس چوکی پر متمکن ہوتے ہیں۔ بہت ہی شان ان کمروں سے نمایاں تھی۔ اس کے بعد ہمیں ایک اور کمرے میں لے گئے۔ جہاں مرحومہ ملکہ وکٹوریہ کی شاہی کرسی دھری ہوئی تھی۔ مسٹر ہوبہاؤس نے کہا کہ اس پر آپ

بیٹھیں - میں نے کہا کہ اچھا یہ بھی ایک یادگار رہیگی کہ ایک وقت میں کوین وکٹوریہ کی جگہ پر بیٹھی تھی - وہاں سے کتب خانے میں لیگئے - میں کس طرح بیان کروں کہ یہ کمرہ کیسا تھا - قیمتی کتابوں سے اوپر نیچے تک بالکل بھر پور یہاں سے منظر بھی نہایت عمدہ دکھائی دیتا ہے - یہ لارڈوں کے لئے کتب خانہ تھا - اسی طرح بہت سی غلام گردشوں اور گذرگاہوں سے گذرتے ہوئے ہوس آف کامنز کی طرف گئے - یہاں کا کتب خانہ بھی بہت بڑا ہے مگر امرار کے کتب خانہ کی طرح عالیشان نہیں گو کہ سچا کام کرتے تو یہی لوگ ہیں - اب اس حد تک پہنچے جہاں سے مرد اور بیبیاں الگ ہو جاتے ہیں - بیبیوں کے علاقے میں مرد نہیں جا سکتے ہیں - سوائے اراکین کے - حضور انور یہاں سے اوپر مردانہ گیلری میں گئے اور ہم بیبیوں کی جالیدار گیلری میں ٹھیک ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ گویا پردے کا انتظام ہو - ہم نے اپنی جگہ لی اور نیچے جو مباحثے ہو رہے تھے ان کو سننے کی کوشش کی - افسوس کہ اسوقت کی بحث میں کوئی لطف نہ تھا - زراعت کے متعلق کچھ ضابطہ کی بحث تھی - جس میں ذرا بھی حظ نہ آیا - یہ لکھنا میں بھول گئی کہ پہلی لابی - جہاں ہم کو لیگئے تھے وہاں بہت سے ممبر کھڑے تھے ان میں سے کئی لوگوں کے ساتھ تعارف ہوا - سر جان جارڈنیر جو ایک زمانے میں بمبئی میں تھے اور سر ولیم وڈربرن کے ہمراہ جزیرے بھی آئے تھے ہم سے ملے - اور ایک صاحب سے شناخت حاصل ہوئی جو برسوں علی باغ میں رہ چکے ہیں - اور حضور کے والد ماجد کے وقت میں جزیرہ و حبشان گئے تھے - اس عجیب تلوار کا ذکر جو ریاست جزیرہ کی ایک نایاب چیز کرتے رہے

اُنکو تھوڑی سی اُردو آتی تھی۔ ایک دفعہ تلوار کی بابت کہنا چاہتے تھے کہ بڑی مشہور چیز ہے تو بے ساختہ کہدیا کہ بہت بیوقوف تلوار ہے! ہنسی ضبط کرنے میں میرا بُرا حال ہوا۔ پھر انگریزی میں اپنا مطلب سمجھایا۔ تب میں نے کہا کہ آپکا مطلب مشہور سے ہے۔ تو کہنے لگے: ہاں ہاں۔ ایسے وقت میں اپنی ہنسی کو ضبط کرنا مشکل ہوجاتا ہے۔ اوپر جانے سے پیشتر مسٹر لوکین نے ہم کو وزیر اعظم سے اُنکے کمرے میں لیجا کر ملایا۔ مسٹر ایسکوائتھ جو آج کل اس عہدے پر ممتاز ہیں۔ بڑے قابل آدمی ہیں۔ اِنکے چہرہ سے متانت و استقلال نمایاں تھا۔ گفتگو وہی معمولی ہوئی جو سب کے ساتھ ہوتی ہے۔ کوئی دس منٹ ہم وہاں ٹھہرے اور اُنکے خلق کا بہت اچھا اثر دل پر لائے +

مُغلی دُکھ یا پسلی کا عارضہ جسکو اصل ڈاکٹر نمونیا اور حکیم ذات الریہ کہتے ہیں۔ جاڑے کے موسم میں اکثر بچّوں کو ہوجاتا ہے اس کا علاج کستوری (مُشک کی ایک قسم) اور لال کا خون مفید ثابت ہُوا ہے۔ چونکہ یہ مرض سردی اور کھانسی وغیرہ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اِس لئے ماؤں کو مناسب ہے کہ ایسے مُہلک مرض سے بچوں کو بچانے کی مناسب تدبیریں عمل میں لائیں۔ اگر کھانسی کے ساتھ بخار ہوجایا کرے اور سانس میں خفیف سی زیادتی دیکھیں تو سخت احتیاط کریں۔ غذا ایسی دیں جو مقوّی ہو مگر فورًا ہضم ہوجائے۔ معمولی خوراک سے کچھ کم دیں۔ ایک ہی کروٹ بچہ کا پڑا رہنا بھی اچھّا نہیں۔ سینہ پر روئی دار کپڑا یا فلالین ضرور رہو نہیں تو ایک مرتبہ کافور کا تیل سہتا سہتا ملکر روئی سے سینک دیں

روزے کا فلسفہ

جن زندہ دل بہنوں نے دُنیا کے بکھیڑوں سے جُدا ہو کر تھوڑی دیر بھی سوچا ہوگا وُہ پاگئی ہونگی کہ ہمارے وجود میں اس جسم اور نفس کے علاوہ جس کی غرض حیوانوں کی طرح کھانے پینے سو رہنے کے سوا کچھ بھی نہیں اور بھی چیز ہو جو ہمیں اُن بہت سی اچھی چیزوں کی ہدایت کرتی ہو جن کی تعلیم سے عُمدہ سے عُمدہ اخلاق اور مہذب سے مہذب قانون بھی عاجز ہو۔ اور اُن بہت سی بُری باتوں سے روکتی ہو جس سے زبردست قانون اور پسندیدہ اخلاق بھی نہیں روک سکتا۔ وُہ جان گئی ہونگی کہ اُس چیز یعنی رُوح کا بناؤ سنگار صرف مذہب ہی کے ہاتھ میں ہو۔ یہی وجہ تو ہو کہ دُنیا کی بہت بڑی آبادی نے مذہب کی ضرورت پر اتفاق کر لیا ہو۔ بلکہ نکتہ رس لوگ تو مذہب کو فطرتی چیز سمجھتے ہیں اور بجا سمجھتے ہیں۔ اُن کا یہ بھی دعویٰ ہو کہ مذہب کے ایک ایک حکم میں بڑے بڑے فائدے اور اچھی اچھی مصلحتیں پوشیدہ ہیں عُلما جنہیں اب تک سمجھ سکے ہیں۔ اُنکی گنتی ہی لاکھوں تک پہنچتی ہو اور جنہیں اب تک نہیں سمجھا ہو اُنکی گنتی تو خدا ہی کو معلوم۔ اُن سیکڑوں احکام میں سے اس وقت ایک روزہ ہی پر غور کیجئے۔ ننھی سی بات میں کہ رمضان کے تیس دن روزے رکھے جائیں کتنی مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ پہلے دُنیاوی فائدے پر نظر ڈالیں تو طب پکارے گلے چلا رہی ہو کہ اگر اصُول سے روزہ

رکھا جائے تو صحتِ جسمانی کے لئے سال میں مہینہ بھر کے روزے بہت ہی مفید ہیں۔ وہ ردی رطوبتیں جنکی کثیر مقدار سال بھر جسم میں جمع ہوتی ہے روزہ انہیں چھانٹتا ہے۔ خون کو صاف کرتا۔ قوتِ ہاضمہ کو بڑھاتا اور ضعفِ معدہ کو گھٹاتا ہے۔ بغیر جلاب جلاب کا فائدہ دیتا۔ دماغ کا تنقیہ کرتا ذہن کو ترقی دیتا ہے اور بعض بیماریوں کا بجائے خود ایک علاج بھی ہے جسکی کافی دلیل مشاہدہ ہے۔ اب مذہبی حیثیت سے لیجئے تو آدمی کے سارے کمالاتِ انسانی کا دار و مدار مذہب پر ہے اور مذہب کی بنا روحانی ترقی پر ہے۔ اور روحانی ترقی اس پر موقوف ہے کہ جسمانی گندگیوں سے اسکو پاک صاف کیا جائے اور یہ جسم کو اپنے پاکیزہ احکام کا بڑی آزادی سے پابند کر سکے۔ جسم و نفس کا مادہ ایسا سرکش ہے کہ جب تک اس کی غذا ہی میں کمی نہ کیجائے اور بار بار اس کی خوراک کم کر کے زبردستی اسکو مجبور نہ کیا جائے اُس وقت تک یہ ستھرے روحانی احکام کو نہ مانیگا اور پاک روح کی اطاعت کا جوا اپنے کندھے دھرنے ہی کا نہیں اسی لئے ہر زمانہ میں ہر قوم اور ہر مذہب نے روزہ کو مختلف صورتوں میں ضروری سمجھا ہے۔ مگر ہمیں اس وقت یہ دکھانا ہے کہ روزہ کی جو صورت اسلام نے پیش کی ہے اس غرض کے لئے اس سے اچھی صورت پیش نہیں کی جا سکتی۔ یہ تو ممکن نہیں کہ غذا یک قلم موقوف ہو جائے۔ رہی کمی اس کی دو صورتیں ہیں۔ معمولی اندازے سے کم غذا کیجائے۔ یا معمولی وقت سے دیر دیر میں باری آئے۔ پہلی صورت تو ناقص ہے اس سے جسم کی سرکشی نفس کی نافرمانی کم نہیں ہو سکتی۔ معمولی غذا کا ذرا کم ہو جانا تو معمولی

بات ہے اور اس صورت میں نہ تو کوئی ایسا مضبوط قاعدہ ہی بن سکتا ہے جس کی پابندی ہر شخص بلا تکلف کر سکے اور نہ کوئی ٹھیک پیمانہ بچ سکتا ہے کیونکہ جتنے آدمی اتنے پیٹ اور جتنے پیٹ اتنی غذا۔ ہر ایک کی غذا جُدا جُدا خوراک الگ الگ کسی مسکین کی غذا آدھ پاؤ کی ہے تو کسی مردِ خدا کی سیر سے کم نہیں۔ اب کمی غذا میں آدھ پاؤ کا حساب رکھیے کہ آدھ پاؤ سے کم ہو تو ایک سیر کی غذا کرنے والا بیچارا تو زندگی ہی سے سیر ہو گیا نہ! اور جو سیر کا پیمانہ مقرر کیجئے کہ سیر سے کم غذا کیجائے تو آدھ پاؤ والے کی تو چاندی ہی ہے۔ اور جو گول مول رکھئے کہ جسکی جو غذا ہو بس اس سے کم کھائے تو گویا اپنے ریوڑ کی رکھوالی بھیڑیئے کے سپرد کی۔ اس لئے اصول کے خراد پر چڑھ سکتی ہے تو دوسری ہی صورت۔ مگر انسانوں کی طبیعتیں ہیں رنگ برنگی۔ اب بھی یہ خوف لگ رہا ہے کہ کہیں کوئی اسکی کمی میں اتنی زیادتی نہ کردے کہ صحتِ جسمانی ہی بگاڑ بیٹھے اور اُلٹے لینے کے دینے پڑیں اور اس کے برعکس کوئی اتنی آسانی نہ برتنے کہ معمولی وقت فدا ٹلا اور کھا لیا تو اب اس کے بھی قاعدے مقرر کرنے پڑے کہ بھئی طلوعِ صبحِ صادق سے غروبِ آفتاب تک کھانا پینا حرام۔ اس قاعدہ کا فائدہ دیکھنا! کہ اگر وقت کی پہچان گھڑی گھنٹے جیسی چیزوں پر رکھی جاتی تو جو بیچارے جنگل میں ہیں وہ گھڑی کہاں سے پائیں۔ مگر طلوع غروب تو ایسی چیز ہے کہ جنگل نہیں بہاڑ کے کھوہ میں جا بیٹھو اور وہیں سے وقت کا صحیح پتہ چلا لو۔ رات کا وقت اس لئے نہیں چاہا کہ شب کو تو اکثر آدمی بن کھائے پیئے سو رہتے ہیں اور انہیں پروا بھی نہیں ہوتی اور اکثر تو عصر ہی کو کھا لیتے ہیں۔ شب کو کھاتے ہی نہیں اور

یہاں مقصود ہے کہ بھوک کے کوڑے مار مار کر نفس کو سیدھے رستہ چلایا جائے اس لئے یہ وقت مقرر کیا کہ حضرت کو پتہ بھی تو چلے اور اپنی سرکشی کا یہ مزہ بھی تو چکھیں۔ اور اس سے زیادہ دیر کرنے میں اکثر لوگوں کی صحت بگڑ جانے کا خوف تھا۔ اب یہ بھی سوچئے کہ ایک آدھ دن کے بھوکے رہجانے میں برسوں کے سرکش نفس کی سرکشی کیا کم ہو سکتی ہے۔ ضرور ہے کہ بھوک پیاس کا یہ دن بار بار آئے اور سلسلہ سے آئے نہیں تو ہفتہ دو ہفتہ میں ایک آدھ دن بھوکے رہ جانا کوئی بڑی بات ہے؟ اس کی مدت ہفتہ دو ہفتہ مقرر کیجئے تو ایسا قابل قدر سودا خریدنے کے لئے ہفتہ دو ہفتہ کی بھوک کچھ قیمت نہیں رکھتی۔ ہاں مہینہ دو مہینہ کی جفاکشی البتہ اس روحانی سودے کا حقدار بناتی ہے۔ لیکن اسلام نہیں چاہتا کہ ایسے سخت سخت ناقابل برداشت احکام جاری کرے۔ جسے ہر شخص آسانی تعمیل نہ کر سکے۔ چونکہ اسلام فطرتی مذہب ہے فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا اسلام نے کوئی ایسی بات فرض نہیں کی جو سلیم الطبع انسان کو ناگوار گذرے۔ تو اس لئے اسلام نے دو مہینہ کی بڑی مدت مقرر نہیں کی بلکہ تمام سال میں صرف ایک مہینہ کے روزے فرض کئے وہ بھی کبھی انتیس کا کبھی تیس کا۔ اسکی حکمتوں کو تو دیکھئے مہینہ کا حساب قمری کیوں رکھا شمسی حساب بھی تو تھا؟ یہ محض ہماری آسانی کی خاطر۔ اسی کا یہ اثر ہے کہ اُدھر ہلال نے مسلمانوں کو جھک کر سلام کیا اور اِدھر بچے بچے کی زبان پر گلی میں شور مچ گیا کہ "رمضان آیا رمضان آیا" بھلا شمسی حساب ہوتا تو تعلیم یافتہ بہنوں کے سوا کسے خبر ہوتی کہ رمضان کب آیا اور کب گیا۔ پھر یہ بھی تو دیکھئے کہ ایک

مہینہ ہی جو مقرر کیا تو اس حساب سے کہ تمام دنیا میں اُسی ایک مہینہ میں روزے رکھے جائیں۔ یہ نہ ہو کہ پٹنہ کے لوگ شعبان میں روزے رکھ رہے ہیں اور دلی کے حضرات رجب ہی میں روزہ سے فارغ ہو چکے۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ اسلام کو یہ منظور تھا کہ ہر مسلمان کو ایک دوسرے کے ساتھ اسلام کی زریں زنجیر میں جکڑ دے چاہے وہ مشرقی ہو یا مغربی جنوب کا ہو یا شمال کا! اور اس لئے کہ انسانی طبیعت کے باریک خاصہ سے وہ واقف تھا کہ ریس کرنا اس کے جزجز میں بسا ہوا ہے اور اسلئے کہ وہ چاہتا تھا کہ بلند ہمتوں کا نمونہ دکھا کر پست ہمتوں کی ہمت بندھائے! اور چونکہ اس کی یہ غرض تھی کہ اس ادنیٰ سی مشابہت ہی کے ذریعہ دنیا والوں کے زنگ آلود آئینہ کو اللہ والوں کے روحانی آفتاب کی تیز تیز کرنیں گرماتی اور چمکاتی رہیں! اور چونکہ اس کا قاعدہ ہمیشہ عام اور نہ ٹوٹنے والا ہوتا ہے! اور خاص کر اسلئے کہ مسلمانوں کے دل میں اس پاک مہینہ کی یاد تازہ کرتا رہے جسمیں قرآن پاک کا اترنا اور اسلام کی بنا پڑنی شروع ہوئی تھی اور جس پاک مہینہ میں وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ کو قابل یادگار آسمانی دعوت دی گئی تھی اور اسی طرح ہر سال ہماری اُس دن دونی رات چوگنی مرحوم ترقی کو یاد دلا دلا کر غیرت دلاتا رہے ان وجوہ سے بارہ مہینوں میں رمضان مبارک کو خاص کیا۔

لیکن بہنو! یہ سب کچھ سہی مگر سچ تو یوں ہے کہ ساری خوبیاں اسی وقت تک خوبیاں ہیں جب تک ہم اپنے کو انکا اہل ثابت کریں ورنہ وہی خوبیاں برائیاں اور وہی ہنر عیب شمار ہوتے ہیں صرف پدرم سلطان بود سے کام نہیں چلتا۔ اگر قرآن پاک کے پاکیزہ احکام کی ہم تعمیل نہ کریں تو قرآن ہمیں کیا نفع پہنچا سکتا ہے۔ اگر ہم رمضان مبارک میں تمام دن سوتے کاٹ دیں اور افطار میں بقدر کھالیں کہ جیسے غریب معدہ ۲۴ گھنٹہ سے کم میں ہضم ہی نہ کر سکے تو کیا فائدہ بنا ہوا عیب سے رہ جاتا ہے

اسکا یہی مطلب ہے کہ جو اصلی غرض ہے روحانی پاکیزگی وہی جاتی رہتی ہے۔ بہنو! آجکل روزہ کے مسائل پر ایک نظر ضرور ڈالنی چاہیے اسمیں بڑا فائدہ ہے۔ اِس غرض کیلئے مجموعہ بہشتی زیور سے عمدہ کوئی کتاب معلوم نہیں۔

بچّوں میں جھوٹ کی عادت

جھوٹ بظاہر کسی بات کے خلافِ واقعہ بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ خیال نہ کرنا چاہیے کہ صِرف زبان ہی جھُوٹ بولتی ہے۔ ہمارے تمام اعضا۔ ہاتھ پیر۔ کان۔ ناک۔ سر غرض ہر عضو جھُوٹ بول سکتا ہے اور اس کا نتیجہ بھی ویسا ہی بُرا ہو سکتا ہے جیسا زبان کے جھُوٹ کا۔ بالخصوص بچّوں والے گھر میں جھوٹ بات کا جیسا بُرا اثر ہوتا ہے قابلِ بیان نہیں۔ اس لئے جہاں تک ہو سکے اس بُرائی سے اپنے تمام اعضاء کو بچائے رکھنا مناسب ہے۔

بچّوں میں نقل کا مادّہ قدرتاً اس قدر زیادہ ہوتا ہے کہ وُہ جو کچھ کرتے دیکھتے ہیں وُہی کرتے ہیں اور جو کچھ وُہ کرتے ہیں وُہ انکی طبیعت میں اس قدر جم جاتا ہے کہ تھوڑے دنوں کے بعد اس کا طبیعت سے نکلنا ہی ناممکن ہو جاتا ہے۔ اُس وقت ماں باپ جنہوں نے شروع بچپن میں کچھ تو اس وجہ سے کہ بچے کی ہر بات بھلی معلوم ہوتی ہے اور کچھ پیار لاڈ کی وجہ سے بچے کو اچھی بُری بات نہیں سمجھائی تھی۔ روک ٹوک کرنے لگتے ہیں۔ بچّے میں تو عادت پڑ چکی ہے نکلنا کیسا۔ اس لئے وُہ آسانی کے لئے والدین سے خلافِ واقعہ بات کہہ دیتا ہے۔ یہ جھوٹ بولنے کی ابتدا ہے اور اسی وجہ سے لڑکوں کو جھوٹ بولنے کی عادت اور خواہش ہوتی ہے۔ ایک بہن کی عادت تھی کہ وُہ اپنے نوکروں کو پاجی بہت کہا کرتی تھیں۔ اُن کا ایک بہت چھوٹا بچہ جسکو اچھی طرح

سے بات بھی کرنی نہیں آتی تھی۔ سُنتے سُنتے ایک دن اپنی زبان سے بھی پاجی کہہ بیٹھا۔ اتنی سی عمر اور اس کا پاجی کہنا سب لوگ اس قدر خوش ہوئے کہ کہا نہیں جاتا اور ماں نے تو اُس کو اُٹھا کر گلے ہی سے لگا لیا اس پر طرہ یہ کہ جو کوئی نیا آدمی آئے اسکو سنانے کے لئے بچے سے پاجی کہلاویں اور بعض اوقات خود اپنی تفریح طبع کے لئے نوکر سے کہیں کہ بچہ کو چھیڑ اور جب نوکر چھیڑے اور لڑکا پریشان ہو تو خود ہی بچہ سے کہدیں کہ بیٹا کہدو "پاجی بہت" بچہ فوراً کہدے۔ اُس وقت تو خیر مذاق اور دل بہلاؤ کی بات رہی بچہ نے یہ سمجھا کہ پاجی کہنا کوئی اچھی بات ہے اور یہ بات اُس کی طبیعت میں کچھ ایسی جم گئی کہ بڑے ہونے پر جب کبھی وہ بہن اس پر کسی کام کے لئے خفا ہوتی تھیں تو وہ اُنکو بھی پاجی کہدیتا تھا۔ ہرچند مارا۔ ہرچند سزا دی مگر اس نے پاجی کہنا بند نہ کیا۔ ایک دن لڑکا باہر نوکر کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ نوکر نے آکر گھر میں شکایت کی کہ دیکھئے مجھ کو پاجی کہا۔ ماں نے بچے کو بلا کر کہا کہ کیوں تم نے پاجی پھر کہا۔ لڑکے نے کہدیا کہ میں نے نہیں کہا۔ نوکر جھوٹا ہے۔ جسکو ماں نے مان لیا اور بات رفع دفع ہوگئی۔ دیکھنے میں گو بظاہر کچھ نہیں ہوا نہ کچھ اُن بہن کا گیا اور نہ نوکر کا لیکن لڑکے کو جھوٹ بولنے میں مزا آگیا اور اس کی تمام آئندہ زندگی کی خرابی کی تمہید پڑگئی۔ یہ ایک واقعہ تو میں نے جو دیکھا وہ لکھا لیکن بہنیں اگر غور کریں تو اُنکو معلوم ہوگا کہ روزمرہ کی زندگی میں ایسے ایسے چھوٹے چھوٹے واقعات بہت پیش آتے ہیں جن پر ہم اگر فیصل کریں تو بہت اچھی اچھی باتیں وقوع میں آسکتی ہیں۔

غصّہ کے ساتھ بچّوں سے یہ پوچھنا کہ یہ کام تم نے کیا ہی؟ بظاہر تو نہیں لیکن درا‌صل بچّوں کو جھوٹ بولنے پر آمادہ کرنا ہی۔ کیونکہ بچہ سزا کے خوف سے جھوٹ بولنے کے لئے تیار ہوجاتا ہی۔ جو کچھ دریافت کرنا ہو ایسے طریقہ سے دریافت کرنا چاہیئے کہ بچہ کی کمزوری اُسکو جھوٹ بولنے کی طرف مائل نہ کرے۔ اگر بچہ نے کوئی نقصان کیا ہوا اور پھر دریافت کرنے پر وُہ سچ بات بتادے تو اُس پر اظہار مسرت کرکے یہ ظاہر کرنا چاہیئے کہ چیز کا نقصان ہوگیا یہ بہت بُرا ہوا۔ لیکن چُونکہ تم نے سچ کہدیا اس سے خوشی ہُوئی۔ سنا ہی انگلستان میں جارج واشنگٹن ایک بہت مشہور آدمی ہوا ہی۔ جب وُہ بچہ تھا تو ایک دن وُہ کلہاڑی ہاتھ میں لئے ہُوئے باغ میں چلا گیا اور وہاں جاکر ایک بہت ہی قیمتی پھلدار درخت ضائع کردیا۔ دُوسرے دن اُس کے باپ نے سب سے دریافت کیا جارج سے بھی پُوچھا۔ جارج تھوڑی دیر تک تو کچھ سوچتا رہا مگر پھر بولا کہ ابّا جان! مَیں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ یہ درخت مَیں نے ضائع کیا ہی۔ باپ نے خوش ہوکر کہا کہ سچ بولنے کی قیمت ان سب درختوں سے زیادہ ہی۔ چاہے ان میں سونے کے پھول اور چاندی کے پھل لگے ہوں۔

ن۔ ا۔ بیگم ہردوئی

حمدِ باری تعالیٰ

صنعت تری ہر خار دکھا دیتا ہے ہر غنچہ ہر گل تری صدا دیتا ہے
ہر اصل اصولِ معرفت ہی۔ یارب پتّہ پتّہ ترا پتہ دیتا ہے

سید احمد حسین امجد

شمرو کی بیگم

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

دُوسرے کونے پر ایک جوان خوبصورت عورت کھڑی ہو جس کے ہنستے ہُوئے چہرہ سے خوشی و خرمی اور ترو تازگی ظاہر ہوتی ہو۔ اُلٹے ہاتھ میں ایک ظرف ہو اُس میں طرح طرح کے پھول وضع وضع کے خشک و تر میوے قسم قسم کے غلّوں کے خوشے بھرے ہُوئے ہیں۔ سیدھے ہاتھ میں ایک خوشنما ترو تازہ گلدستہ ہو جو بیگم کو دکھا رہی ہو۔ یہ خوشحالی کی مُورت ہو اور ظاہر کرتی ہو کہ بیگم کا مُلک نہایت سرسبز و شاداب تھا اور رعایا از بس آسودہ حال و فارغ البال۔ یہ سب عورتیں ایسی صفائی اور محنت کے ساتھ بنائی ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہو۔ بس جان ڈالنے کی دیر ہو۔ یہ معلوم ہوتا ہو کہ اب بول اُٹھینگی۔ آذر کے بُتخانہ میں اگر ایسی مورتیں ہوتیں تو حضرت ابراہیم کے ہاتھ سے برباد نہ ہوتا۔

یہ مورتیں ڈیوڈ اکٹرلونی واسس سومبر نے بیگم کی وفات کے بعد اسکی یادگار کے واسطے اٹلی کے مشہور شہر روم میں بنوائی تھیں اور ۱۸۴۲ء میں لاکر اس گرجا میں رکھی گئی تھیں۔ گول چبوترہ کے تین طرف تین زبانوں میں لکھا ہوا ہو دائیں طرف انگریزی میں آگے فارسی ہیں۔ بائیں طرف لاطینی میں انگریزی کتبہ پڑھوا کر اُس کا ترجمہ پُوچھا تو معلوم ہُوا۔ جو کچھ فارسی میں لکھا ہو

وہی انگریزی میں ہے۔ بائیں طرف کا کتبہ پڑھا نہیں گیا۔ غالباً اس میں بھی یہی ہوگا پہلے زمانہ میں تحریر کے واسطے فارسی زبان مخصوص تھی۔ اسی وجہ سے یہ کتبہ فارسی میں ہے۔ اس وقت انگریزوں کی فارسی ایسی ہوتی تھی جیسی آجکل انکی اردو۔ چنانچہ ملاحظہ سے ظاہر ہوگا۔ فارسی کتبہ کی نقل بعینہ یہ ہے:-

از برائے ذکرِ جناب جوانا زمین النسا بیگام را

سومبرہ ملقب بنامور میان الشرفا دختر السلطنۃ عزیزہ کہ از دارِ فنا در عالمِ بقا رحلت نمود کرم و متاسف از ہزارہا از فدویان مخلص و در سرائے اش در سردھنہ در روز ۲۷ از ماہ جانوری ۱۸۳۶ء برسال انقریب بنود سال لاشس او مدفون بود در این کلیسہ کہ مرحوم بنا کرد بہ خصوص حکومت کہ مرحوم کرد بقوت عقل و ادراک مشہور و کلمہ و عدل و انصاف او بمدت بیشتر از پنجاہ سال این حقیر را کہ مرحوم بیشتر از ما در بود اورا لائق نیست کہ ستائیش کند ولکن از برائے احترام ذکرش این یادگار نصب کرد و با تواضع امیدوار کہ اورا تاج پیوستہ تازہ جلال را خواہد یافت۔

دائیں طرف کتبہ انگریزی ہے

گرجا کا بیچ کا کمرہ جس میں نماز ہوتی ہے بہت بڑا ہے اس کا فرش بھی سنگ مرمر کا ہے اور اندر مشرق کی طرف سنگ مرمر کا ایک چبوترہ ہے جس پر سنگ موسیٰ کی پچی کاری ہے۔ چبوترہ پر سنگ مرمر کا ایک خوشنما آلٹر یعنی منبر ہے جس پر بیش قیمت نگینہ جڑ کر نہایت خوبصورت بیل بوٹے بنائے ہیں۔ پیچھے دیوار میں منبر سے

ذرا اونچی محراب ہے۔ اِس میں حضرت عیسیٰ کی چھوٹی سی مورت آسمان کی طرف ہاتھ جوڑے کھڑی ہے۔ جو کوئی دس گرہ کی ہوگی۔ معلوم نہیں کاہے کی ہے۔

مورت کے دائیں طرف سینٹ جوزف کی تصویر ہے اور بائیں طرف سینٹ فرانسس آف اسیس کی۔ یہاں چند خوبصورت بلوری ہنڈیاں لٹکی ہوئی ہیں جنمیں سے ایک شب و روز روشن رہتی ہے۔ منبر پر ایسی موٹی موٹی موم بتیاں لگوں پر لگی ہوئی ہیں کہ بڑے سے بڑے ہاتھ کی مٹھی میں بھی نہیں آسکتیں۔ مگر انکو کبھی جلتے ہوئے نہیں دیکھا۔ اور نہ حالت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں کبھی کوئی جلی ہوگی سب ثابت کی ثابت ہیں۔ شاید زینت کیواسطے رکھی ہونگی۔ منبر کے اوپر ایک بڑا گنبد ہے۔

اِس بیچ کے کمرہ میں جانبِ شمال و جنوب ایک ایک دروازہ کا ایک ایک کمرہ ہے۔ جنوبی کمرہ میں ایک چھوٹے سے منبر پر حضرت عیسیٰ صلیب پر چڑھے ہوئے ہیں اور سینٹ چارلس کھڑے ہوئے ایک مریض کو اچھا کر رہے ہیں۔ مریض بیٹھا ہوا ہے۔ یہ تینوں چھوٹی چھوٹی مورتیں ہیں۔

شمالی کمرہ میں منبر پر حضرت مریم کی تصویر ہے جو حضرت عیسیٰ کو گود میں لئے کھڑی ہیں۔ دو آدمی جو حضرت عیسیٰ پر ایمان لائے ہیں سامنے ہاتھ جوڑے ہوئے بیٹھے ہیں۔ حضرت عیسیٰ اُن میں سے ایک بپتسمہ دے رہے ہیں (یہ منبر جے پور سے بنکر آیا تھا) گرجا کے شمالی دروازہ پر لاطینی زبان میں ایک کتبہ لکھا ہوا ہے جو پڑھا نہیں گیا۔ اور اِس دروازہ کے آگے برآمدہ پر فارسی زبان میں ایک کتبہ ہے۔ فارسی کتبہ سے جو حسبِ ذیل ہے گرجا کی تعمیر کی تاریخ ظاہر ہوتی ہے۔ لاطینی کتبہ کا بھی غالباً یہی مطلب ہوگا۔

بامداد حضرت افضل مسیحا | بسال ہجدہ صد عشرین و اثنا
بدل زیب النسا عمدہ ارا کین | بنا فرمودہ عالی شان کلیسا

بیماری اور تیمارداری

اٹھواں باب
باڈمنٹن گراونڈ

گذشتہ اشاعت سے آگے

یہاں تو یہ چرچا ہو رہا تھا۔ وہاں سجاد حسین حسب دستور ہر روز باڈمنٹن کھیلنے جایا کرتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ سجاد اور انوری ایک طرف احمدی اور کاظمی دوسری طرف باڈمنٹن ہو رہا تھا۔

سجّاد۔ فور ٹو

اب ایک مرتبہ احمدی نے سرد کیا۔ سجاد حسین بال نہ لے سکا۔

اُحمدی۔ ون فور پھر کاظمی نے سرد کیا انوری کے کورٹ میں انوری نے نہ لے لیا جب گیند کاظمی کے کورٹ میں گئی وہ نہ لے سکی گر پڑی پھر سجاد اور انوری کا ایک زیادہ ہو گیا سجاد نے کہا اب فائف ون ہے دیکھنا اب کی دن اور گیم نہ ہو تو کچھ بات نہیں ہے۔ لاؤ کاظمی گیند مجھ کو دو میری باری ہے یہ کہکر اُس نے سرد کیا۔ احمدی کے کورٹ میں مگر گیند کاظمی کے کورٹ پر جا پڑی اس لیے وہ آؤٹ ہو گیا اور احمدی کا ایک نمبر اور بڑھ گیا۔ احمدی نے کہا اب تو فائف ہو گیا۔ پھر انوری نے کاظمی کے کورٹ میں

سرد کیا۔ کاظمی نے نہ روکا۔

سجاد نے کہا ہمارا ابھی ایک نمبر اور بڑھا اور اب تو سکس ہو گیا۔ اسی طرح کھیل جاری رہا۔ یہاں تک کہ سجاد نے کہا ٹوئینٹی ون (یعنی اکیس) ہو گئے آپ کے ابھی تین ہی گیم ہیں لیجیے ہم لوگ جیتے یہ کہکر تالیاں بجائیں۔ انوری نے کہا اب میں تھک گئی ہوں میں کرسی پر بیٹھتی ہوں تم لوگ کھیلتے رہو۔

سجاد نے بیٹ حامد علی کے ہات میں دیدیا اور کہا تم کھیلو میں بھی ذرا ستاتا ہوں۔ بہت سی کرسیاں باہر پڑی ہوئی تھیں۔ ایک پر انوری بیٹھی ہوئی تھی۔ سجاد بھی وہیں آنکر بیٹھ گیا۔ اور جیب سے سگریٹ نکال کر سلگایا۔ انوری سے پوچھا کچھ پیجیے گا۔ سوڈا واٹر یا پانی کچھ لے آؤں۔ انوری نے کہا ہاں سوڈا واٹر پیوں گی۔ سجاد اٹھ کر خود سوڈا واٹر کی بوتل کھولکر گلاس میں انڈیل کر لے آیا۔ انوری نے تھوڑا سا پیا۔ باقی کا جس قدر بچا تھا گلاس تپائی پر رکھکر کرسی پر بیٹھ گئی

سجاد۔ کاش کہ تم ذرا احمدی انگلینڈ چل سکتیں۔ قابل دیکھنے کے شہر ہیں خصوصاً لندن ایک عجیب طلسم گاہ ہے۔ اس وقت شام کو ہائیڈ پارک میں عجیب تماشا ہوتا ہے۔ خوبصورت خوبصورت کپڑے پہنے مرد عورتیں لڑکیاں بچے چاروں طرف پھرتے نظر آتے ہیں۔ کم سن لڑکے لڑکیاں مرد عورتیں سب ہمراہ ہوتے ہیں۔ بکسڈی میں بہت امیر لوگ رہتے ہیں۔ میں ایک ہفتہ وہاں رہا تھا کیسی اچھی جگہ ہے۔ میں اکثر ہفتے میں ایک مرتبہ شہر دیکھنے جاتا تھا۔ شہر کیا ایک طلسم خانہ ہے۔ ہر چیز قابل دید ہے۔

انوری۔ بھلا ہم کیونکر جا سکتے ہیں۔ وہاں پردہ کہاں۔

سجاد ۔ کیوں جانے کو کیا ہوا۔ ہمارے ہندوستان سے مسلمان عورتیں وہاں جا چکی ہیں اور دوسری جگہ سے روم مصر وغیرہ سے اکثر جاتی ہیں۔ انگلینڈ جا کر مجھ کو یہاں کے تمام عزیزوں کی عنایتیں کمشہ یاد آئیں گی۔

انوری۔ کیا آپ جلدی جانے والے ہیں؟

سجّاد۔ ہاں جلدی جانا پڑیگا۔ آپ لوگ خط کے جواب دینے کا وعدہ ابھی سے کر لیجئے تاکہ مجھے اطمینان رہے۔ احمدی بیگم تو مجھے پہلے بھی اکثر خط لکھتی تھیں۔ لیکن اب کی مرتبہ تو مجھ کو حق ہو گیا ہے کہ آپ سے بھی خط لکھنے کا اقرار کروا لوں۔ جب سے میں بیمار ہو کر آیا ہوں آپ اور احمدی بیگم میری ہمیشہ سے زیادہ بہن رہی ہیں یقین ہے کہ اس بات میں بھی میری خاطر کرینگی۔

انوری۔ ہم لوگ بہت خوشی سے آپ کو خط لکھینگے۔

سجّاد۔ میرے بعد آپ لوگ باڈمن ٹن کھیلنا نہ موقوف کیجئیگا۔ جب سے آپ نے باڈمن ٹن شروع کیا ہے آپ کی حالت بہت درست ہوئی ہے۔ مجھ کو ہر ہفتہ میں باڈمن ٹن کا حال لکھیگا۔

یہ لوگ باتیں کر رہے تھے کہ احمدی حامد علی وغیرہ بھی باڈمن ٹن کھیل کر کرسیوں پر آکر بیٹھے اور اندر سے علی نقی خاں جمیلہ بیگم بھی درختوں کے نیچے کرسیوں پر آکر جلوہ افروز ہوئے۔ نوکروں نے چائے او

طرح طرح کے میوے میزوں پر لاکر رکھ دیئے۔ انوری اور احمدی نے سب کو چائے بنا کر دی۔ سجاد حسین سب کے سامنے میوہ اور بسکٹ کیک وغیرہ کی تشتریاں لیجا کر دینے لگے۔ اِتنے میں گاڑی کی آواز آئی علی نقی خاں نے گاڑی وہیں رُکوا دی۔ گاڑی وہیں ٹھہرائی گئی۔ حیدری بیگم نمودار ہوئیں۔ سلام پیغام کے بعد وُہ بھی بیٹھ کر چائے میں شریک ہوئیں۔ کاظم حسین صاحب بھی بڑے بھائی کے یہاں اکثر شام کو آجایا کرتے تھے۔ اِتفاق سے حیدری بیگم کے آنے کے دس منٹ بعد وُہ بھی آئے۔ اِدھر اُدھر کی باتیں ہونے لگیں۔ بعد تھوڑی دیر کے کاظم حسین صاحب اور علی نقی خانصاحب اُٹھ کر روشوں پر ٹہلنے لگے اور آپس میں شادی کا ذکر چھڑا۔

کاظم حسین صاحب ۔ واللہ بھائی جان! ناک میں دم آگیا کچھ کرتے بن نہیں پڑتا۔

علی نقی خانصاحب ۔ کیوں! کیا سجاد شادی سے اِنکار کرتا ہے؟

کاظم حسین صاحب ۔ نہیں شادی سے تو اِنکار نہیں کرتا۔ مَیں نے بھائی جان اور حیدری بیگم بھابی سے کہدیا تھا۔ کہ سجّاد کو شادی کر کے انگلینڈ جانے پر راضی کریں۔ اُن سے معلوم ہوا کہ شادی کرنے پر تو نیم راضی ہے۔ مگر رسمیں کرنے سے قطعی اِنکار کرتا ہے۔ بھائی مَیں کیا کروں۔

علی نقی خانصاحب ۔ کرو گے کیا بغیر رسموں کے کر دو۔ رسمیں محض خرافات ہیں۔ تمام ہندوؤں سے لی ہُوئی ہیں۔ کچھ رسمیں کرنا فرض نہیں۔

(باقی آئندہ)

بچّوں کی پرورش

پروردگارِ عالم نے اپنی کل مخلوق کو دو فرقوں میں تقسیم کیا ہی نر اور مادہ اور دونو فرقوں کے لئے دو کام جُدا جُدا مقرر کئے ہیں۔ پہلے فرقہ کے لئے فکرِ معاش دُوسرے فرقہ کے لئے بچّوں کی پرورش۔ جانوروں چوپاؤں درندوں۔ پرندوں حتّی کہ چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑوں تک میں مادہ کا کام بچّوں کی پرورش ہی بچّوں کی محبّت جو ماں کے دِل میں ہوتی ہی ایک ودیعت ازلی ہی۔ مُرغی کتنی جانفشانی سے انڈوں سے بچّے نکالتی ہی اور کس طرح اپنے پروں میں چھپائے چھپائے پھرتی ہی اور اُن کے دانہ پانی کی کس قدر نگراں رہتی ہی۔ بندریا اپنے بچّے کو کس طرح چھاتی سے چمٹائے پھرتی ہی۔ چھوٹی چھوٹی چڑیاں نیز اور جاندار جنکی ہماری نظروں میں کچھ حقیقت نہیں ہوتی کیس ہوشیاری اور محبت سے بچّوں کی پرورش کرتے ہیں۔ یہ خدمت خدا نے مادہ ہی کے ذمّہ رکھی ہی۔ اچھا اب حضرتِ انسان کی جانب غور کیجئے۔ ابتدائے زمانہ میں جبکہ انسان محض وحشی تھے اور عورت کا درجہ غلام سے کسی طرح بڑھ کر نہ تھا۔ اسوقت بھی مستورات کا کام انتظام خانہ داری اور بچّوں کی پرورش تھا۔ زمانے نے یکساں ترقی نہیں کی۔ اب بھی دُنیا میں بہت سی وحشی قومیں آسٹریلیا افریقہ کے اضلاع میں بستی ہیں اور سمندر کے دُور دُور کے جزیروں کے وحشی وہ جزیرے میں اپنے ہاتھ سے

بڑے بڑے گڑھے کھود کر رہتے ہیں - درختوں کی جڑیں پھول پھل کھاتے ہیں۔ یا ایشیا کی وحشی قومیں یا خود ہمارے ہندوستان کی وحشی مثلاً بھیل گونڈ وغیرہ جنہوں نے ابتک ذرہ برابر ترقی نہ کی اور جہاں مستورات کا درجہ مویشیوں غلاموں لونڈیوں سے بڑھ کر نہیں۔ وہاں بھی انکی وہی خدمتیں ہیں جو سنگ مرمر اور جواہرات کے محلوں اور مہذب ملکوں میں رہنے والی شائستہ کہلانے والی مستورات کے ذمہ ہیں۔ گو زمانہ گذشتہ کی نسبت اب مستورات کی حالت بہت بدل گئی ہے اور روز بروز تبدیل ہو رہی ہے اور آئندہ ہوتی رہیگی لیکن ان کے فرض اب بھی وہی ہیں اور رہینگے جو کسی زمانے میں وحشی قوموں میں تھے۔ انتظام خانہ داری - پرورش اولاد - ظاہرا تو یہ ایک معمولی سی باتیں ہیں اور ہر ایک عورت کے کان اس سے آشنا ہیں لیکن درا صل نہایت وسیع و مشکل کام ہیں کہا جاتا ہے کہ مستورات کے ذمہ صرف معمولی سے دو کام ہیں اس لئے زیادہ علم کی ضرورت نہیں لیکن یہ خیال محض غلط ہے۔ جاننا چاہیے کہ انتظام خانہ داری اور پرورش اولاد بہت بھاری اور اہم کام ہیں جنکے لئے بہت لیاقت درکار ہے بیشک جاہل مستورات بھی یہ دو کام انجام دیتی ہیں لیکن کچھ ایسی بے قاعدگی سے کہ جسکے خیال سے بے انتہا افسوس ہوتا ہے۔ انتظام خانہ داری کا مفصل ذکر انشاءاللہ آیندہ کرونگی - اسوقت مجھ کو پرورش اولاد کی بابت کچھ کہنا ہے۔ پرورش اولاد ایک ایسا لفظ ہے جسکو بالتفصیل بیان کرنے کے لئے بہت وقت درکار ہے۔ افسوس کہ ہم مستورات بالکل اس سے ناواقف ہیں۔ پرورش اولاد میں ایسی ایسی غلطیاں بے احتیاطیاں ہوتی ہیں کہ جس کی بدولت نصف سے زیادہ معصوم جانیں تو ایک

سال سے پہلے ہی خارج ہو جاتی ہیں اور باقی ماندہ مریض کمزور خلاق بگڑے ہوئے غرضکہ ننھے ننھے پودوں کی جن سے آئندہ قوم کی ترقی کی اُمید ہو نہایت بُری طرح پرورش ہوتی ہو۔ جبتک مستورات پرورش اولاد کے عمدہ و اصلی طریق سے واقف ہونگی ہرگز بچوں کی پرورش اس طریق پر نہیں کرسکتیں جن سے قومی ترقی کی اُمید ہو اور جبتک مستورات تعلیم نہ پائینگی بچوں کی پرورش سے واقف نہ ہونگی پس مرد اگر قوم کی ترقی اور اپنی بہتری چاہتے ہیں تو مستورات کو جو قوم کی مائیں ہیں جن پر قومی ترقی و تنزل منحصر ہے جو شجر ترقی کی جڑ ہیں اعلیٰ تعلیم دیں۔

گو پرورش اولاد کے متعلق بہت سے مضامین لکھے جاچکے مگر بہنوں کی خاطر میں بھی قلم اُٹھاتی ہوں - اسوقت اس ناچیز مضمون میں عنوان کھلائے گئے ہیں اور آئندہ اسکی کچھ مختصر تفصیل ہوگی - مجھے کافی لیاقت نہ ہونیکا خود اقرار ہے مگر جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ صرف بہنوں کی خدمت منظور ہے۔ پس اگر کچھ غلطیاں ہوں تو اس عاجزہ کی کم علمی پر نظر فرما کے ازراہ کرم چشم پوشی کو کام فرمائیں۔

کارآمد جملے

۱ - اولاد والدین کا نمونہ ہوتے ہیں -

۲ - بچوں کی پرورش پہلے دن سے خاص توجہ کے ساتھ ہونی چاہئے۔ لفظ پرورش میں تعلیم تربیت اخلاق بھی شامل ہے -

۳ - بچوں کی تعلیم کا کوئی وقت مقرر نہیں بلکہ جب سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ اسکی تعلیم شروع ہوتی ہے۔

۴ - بچوں کو اس طریق پر چلانا چاہئے جو کہ قدرت ہم کو سکھاتی ہے -

۵ - بچوں سے اُنکے خلاف مرضی کوئی کام نہ لینا چاہئے۔ اگر ضرورتاً لیا بھی جائے تو اُسکو ایسا دلچسپ بنانا چاہئے کہ بچوں کا دل اس میں لگے -

بچوں کی تعلیم کے وقت اپنی خواہشوں کو بالائے
طاق رکھنا چاہیئے اپنے آپ کو بھول جائے۔
صرف بچے کی بہتری کو مدنظر رکھے۔
لڑکپن ہی میں بچوں کی صحت کا خیال ازبس ضروری
ہے اور اس ہی پر انکی آیندہ کی تعلیم تربیت خصلت
اعمال میں منحصر ہو۔ لفظ صحت کے اندر جسمانی
صحت اور اخلاق کو شمار کرنا چاہیئے۔
۔ بچے کے اخلاق و عادات کو شروع ہی سے
سدھارنا چاہیئے۔
۔ بچے کی سمجھ میں بری بھلی جو باتیں ہیں اس کے
بزرگوں سے میراث میں ملی ہیں۔ ذرا غور طلب
جملہ ہے۔
۔ بچے کی تعلیم کے لئے پہلے اپنی فطرت کو غور
کرنا چاہیئے۔
۔ انگریزوں کے بچوں کو سوائے تعلیم اور صحت
کے ورثہ نہیں ملتا
۔ بچوں کو بچپن سے صفائی کی عادت
ڈالنی چاہیئے۔ جاننا چاہیئے کہ صفائی پر زندگی
اور صحت سب کچھ منحصر ہو۔

۱۳۔ بچوں کے چھوٹے چھوٹے کاموں اور باتوں
کا خیال رکھنا چاہیئے۔
۱۴۔ جس بات سے بچے کو روکا جائے یہ ضرور غور
کر لینا چاہیئے کہ ممانعت مناسب ہے یا نہیں
منع کرنے میں اپنی بات پر قائم رہنا چاہیئے۔
۱۵۔ بچوں کے ساتھ والدین کا برتاؤ اس طرح
ہونا چاہیئے کہ وہ انکی بات کو بمنزلہ قانون کے سمجھیں
۱۶۔ بچوں کو مناسب آزادی دینی چاہیئے۔
۱۷۔ بچے میں ایذا رسانی خود غرضی ظلم سے
محبت کرنے کی عادت ہرگز نہ ہونی چاہیئے۔
۱۸۔ بچے میں فرمانبرداری کی عادت شروع سے
پیدا کرنی چاہیئے پھر مار پیٹ کی ضرورت نہ ہوگی۔
۱۹۔ بچے کے ساتھ محبت سے برتاؤ کرنا چاہیئے
۲۰۔ بچے کے دل میں ڈر بٹھانا سب خرابیوں
کی جڑ ہے۔
۲۱۔ بچے کو دلیری سکھانی چاہیئے۔
۲۲۔ بچہ گوشمالی سے ڈھیٹ ہو کر باز بنتا ہے۔
۲۳۔ بچے کو کم حوصلہ بنانے سے ساری خصلتیں
بگڑ جاتی ہیں[1]۔

رابعہ بیگم
(باقی آیندہ)

[1] ان جملوں میں ایک کتاب سے کچھ مدد لی ہے۔ (رابعہ بیگم)

مِس میری کارپنٹر

مِس میری کارپنٹر کی زندگی سے ہندوستانی مستورات کو بہت عمدہ اور مفید سبق ملسکتے ہیں۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ کیا عورتیں پڑھ لکھکر نوکریاں کرینگی، مگر مس کارپنٹر کی زندگی سے معلوم ہوگا کہ پڑھنا لکھنا صرف حصولِ زر کیلیئے نہیں سیکھا جاتا بلکہ یہ وہ چیز ہے کہ جس کے ذریعہ انسان بہت کچھ بھلائی دوسروں کے ساتھ کرسکتا ہے۔ مس کارپنٹر نے اپنی تمام زندگی دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں صرف کی، وہ زرین پوشش و قیمتی زیورات کی دلدادہ نہ تھیں بلکہ انہوں نے علم کا بہترین استعمال کیا اور تمام عمر محنت کرکے دوسروں کو فائدہ پہنچایا۔ انکی عزت محض اسوجہ سے نہیں کہ وہ ایک فیشن ایبل خاتون تھیں۔ بلکہ اس وجہ سے تھی کہ وہ زیورِ علم سے آراستہ تھیں، وہ جب تک زندہ رہیں ہمیشہ غریب اور دکھیاوں کی امداد کرتی رہیں بجائے اسکے کہ وہ اُن سے متنفر ہوں اور سختی کے ساتھ پیش آئیں۔ اُنہوں نے ہمیشہ اُن کے ساتھ محبت کا برتاؤ کیا۔

مس کارپنٹر سنہ ۱۸۰۷ء میں پیدا ہوئیں، انکے والدین نے جب یہ معلوم کیا کہ لڑکی ہونہار اور ذہین ہے تو اسکو خوب اچھی طرح تعلیم دی۔ طالب علمی کے زمانہ ہی میں انہیں غریب اور بیکس لڑکوں پر بہت ترس آتا تھا۔ جب وہ تعلیم سے فارغ ہوچکیں تو اُنہوں نے ایک انجمنِ نسوان قائم کی؟ اس انجمن کا یہ مقصد تھا کہ اس کی شریک مستورات اپنے غریب ہمسایوں کے گھروں میں جاکر انکی خبرگیری کیا کریں۔ مس کارپنٹر نے جو گھر اپنے لئے چُنے تھے وہ سب سے زیادہ غریب اور دُکھیا تھے، وہ ایسے ایسے چھوٹے گھروں

میں جاتی تھیں کہ جہاں نہ تو بیٹھنے کی جگہ میسر ہوتی تھی اور نہ اُن میں کبھی آفتاب کی روشنی پہنچتی تھی۔ گھر والوں کے جسم اور کپڑوں سے سخت بدبو آتی تھی، اس پاس اسقدر گندگی ہوتی تھی کہ دماغ پریشان ہوجاتا تھا۔ آہ! یہ تقاضائے محبت تھا جو انہیں ایسی جگہوں کی کھینچکر لیجاتا تھا۔ جب اس انجمن نے اپنا کام شروع کیا تو پہلے مس کا رپنٹر بھی ایسے گھروں میں جانے سے ہچکچاتی ہیں، مگر اُنہوں نے اپنا دل مضبوط کیا اور وہاں انکے جانے لگیں۔ گھروں میں اُنہوں نے بچوں کو کھانا پڑھانا بھی شروع کیا، مگر کچھ دنوں بعد اِس کام کو اُنہوں نے ناقابلِ اطمینان پاکر یہ ارادہ کیا کہ میں اُن بچوں اور گھروں کو سُدھارونگی جو محض غریبی کی وجہ سے بدافعالیوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ جب اُنہوں نے یہ دیکھا کہ جو بچے ارتکابِ جرم کی وجہ سے جیلخانہ میں بھیجے جاتے ہیں وُہ سُدھرنے کے بجائے بدمعاشوں کی صحبت میں رہ کر اور بھی بدتر ہوجاتے ہیں تو اُنہوں نے برسوں سخت کوشش کی کہ ایسے بچے جو کسی جرم کے مرتکب ہوں جیلخانہ کی بجائے علیحدہ کسی مدرسہ میں رکھے جائیں اور وہاں اُنکی ایسی تعلیم وتربیت ہو کہ وُہ ایمانداری اور محنت ومشقت سے روٹی کمانے لگیں۔ آخر اُنکی محنت ٹھکانے لگی اور پارلیمنٹ نے قانون نافذ کردیا کہ مجرم بچے بجائے جیلخانہ کے مدرسہ میں بھیجے جائیں!

مگر اس قانون کے بعد اُنہیں اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایسے بچے بھی مدرسہ میں داخل ہوا کریں کہ جنکے ماں باپ کسی جرم کی پاداش میں سزایاب ہوتے ہیں، کیونکہ ماں باپ کی عدم موجودگی میں اُن کا کوئی نگران نہیں ہوتا۔ اور اس لئے وُہ آوارہ ہوجاتے ہیں۔ اُنہوں نے کوشش کی اور بالآخر یہ قانون بھی نافذ ہوگیا۔ علاوہ ازیں انہوں نے کئی یتیم خانے بھی کھولے۔

۱۸۳۳ء میں جب راجہ رام موہن رائے انگلستان پہنچے تو دونوں کی باہم ملاقات ہوئی اور اُن سے جب مس کارپنٹر نے ہندوستان کی مستورات کی حالت خراب معلوم کی تو اُن کے دل کو سخت صدمہ پہنچا، مگر اسوقت وُہ چند وجوہ کے باعث کوئی خاص اور عملی حصہ مستورات ہند کی بہتری و بہبودی میں نہ لے سکیں. لیکن یہ کانٹا برابر ان کے جگر میں کھٹکا کیا، اور جب اُن سے زیادہ صبر نہ ہوسکا تو ۱۸۶۶ء میں جبکہ اُن کی عمر ساٹھ سال کی تھی ہندوستان کی طرف روانہ ہوئیں تاکہ یہاں کی مستورات کی حالت کو ملاحظہ کر کے کوئی رائے قائم کرسکیں. کیسی عجیب اور قابل غور بات ہے کہ ساٹھ سالہ ایک ضعیف عورت اپنے ملک اور اپنے بھائی بندوں کو چھوڑ کر ایک غیر ملک میں آئے جو وطن سے ہزاروں کوس دُور ہے، جہاں کوئی عزیز و یگانہ نہیں، اس دور دراز سفر کے طے کرنے میں کوئی ذاتی غرض بھی ملحوظ نہ تھی، مگر صرف اِس لئے آئی کہ مستورات ہند کو کچھ فائدہ پہنچا سکے. اگر یورپ والوں کی ترقی کا کوئی راز ہے تو صرف یہی ہمت اور شوق ہے. مس کارپنٹر نے ہندوستان میں پہنچکر گورنمنٹ سے جابجا لڑکیوں کے لئے مدارس جاری کرائے، درمیان میں ایک دو مرتبہ ولایت گئیں اور پھر آگئیں اور اپنے ہمراہ تین مددگار بھی لائیں تاکہ سب مل جل کر کام کریں. مستقل طور پر بمبئی کی سکونت اختیار کی اور خود سکول کی نگرانی کرنے لگیں اور کئی سوشیل ریفارم کی انجمنیں قائم کرائیں کچھ عرصہ بعد پھر ولایت تشریف لیگئیں، اور اسدفعہ حضور ملکہ معظمہ نے بھی آپ کو شرف ملاقات بخشا، مس کارپنٹر نے اپنی تجویزوں کو حضور قیصرہ کے روبرو پیش کیا اور اُنہوں نے انکے نیک کاموں کی قدردانی فرما کر اظہار خوشنودی فرمایا. اپنی وفات سے کوئی چھ سات روز پیشتر مس کارپنٹر انگلستان میں ہندوستان کے بارے میں لیکچر دیتی رہیں. ۱۴ جون ۱۸۷۷ء کو رات کے وقت وہ سوگئیں اور ایسی سوئیں کہ پھر نہ جاگیں. بہنو! انکی زندگی سے سبق سیکھو اور ہمیشہ یاد رکھو کہ ہماری زندگی دوسروں کی بھلائی میں

صرف ہونی چاہیئے [illegible] م۔ل۔ح

زنانہ دستکاری

نمائشی چیزیں بنانے کے اون

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

۱۵- وُول پپاڈور (Wool Pompadour) اس اون میں ریشم ملا ہوتا ہے اون مختلف رنگوں کا ہوتا ہے لیکن یہ بہت قیمتی ہے اسلئے اوسط درجہ کی چیزوں کے لئے غیر موزوں ہے

۱۶- وُول کرسٹل (Wool Crystal) اس اون میں بھی ریشم ملا ہوتا ہے اور مختلف رنگوں کا ہوتا ہے۔ بھڑکدار اور نمائشی چیزوں کے لئے موزوں ہے مگر قیمتی ہے۔

۱۷- وُول پرسِلا (Wool Priscilla) یہ اون بھی مختلف رنگوں کا ہوتا ہے اور خاصکر کروشیہ کے کام کے لئے نہایت موزوں ہے۔

۱۸- وُول پیکوک فنگرنگ (Wool Peacock Fingering) یہ اون بھی دولڑی۔ سہ لڑی۔ چولڑی مختلف رنگوں کا ہے بچوں اور زنانہ نفیس لباس کیلئے موزوں ہے مگر قیمتی

۱۹- ڈبل برلن وُول (Double Berlin Wool) یہ اون بھی مختلف رنگوں کا ہوتا ہے۔ مردوں کے واسکٹ کی پیٹن منبر اور دیگر عمدہ نمائشی کام کیلئے موزوں ہے۔

۲۰- برلن فنگرنگ وُول (Berlin Fingering Wool) یہ بھی مختلف رنگوں کا ہوتا ہے شال بستر بند۔ اور دیگر عمدہ نمائشی چیزوں کے لئے موزوں ہے۔

۲۱- فلیسی وُول (Fleecy Wool) یہ سہ لڑی۔ چولڑی۔ چھ لڑی اور بارہ لڑی تک ملتا ہے۔ سایہ ٹوپی اور دیگر زنانہ چیزوں کے لئے موزوں ہے۔

۲۲۔ پیرل فنگرانگ وُول (Pearl Fingering Wool) اس اون میں ریشم ملا ہوتا ہے یہ دوری۔ سہ لری ہوتا ہے اور نفیس شال۔ نیچے کے پہننے کی پوشاک کے لئے موزوں ہے بعد دھونے کے بھی اس میں چمک قائم رہتی ہے۔

۲۳۔ بیٹی وُول (Betty Wool) یہ اون دوری۔ سہ لری۔ چولری صرف سفید بنتا ہے اور بچوں کی پوشاک۔ شال۔ اور نیچے پہننے کے لباس کے لئے موزوں ہے۔

۲۴۔ ولیش یارن Welsh Yarn یہ اون صرف سفید ہوتا ہے اور دھونے پر سمٹتا نہیں ہے بچوں کی جاکٹ موزے وغیرہ کے لئے موزوں ہے۔

۲۵۔ شیٹ لینڈ وُول (Shetland Wool) یہ بچوں کے موزے۔ بوٹ نما۔ پاتاوے نیچے کی لباس عمدہ جاکٹ۔ شال۔ اوڑھنی۔ عورتوں کی نقاب اور ایمبرائیڈری یعنی بیل بوٹے پھول پتے وغیرہ بنانیکے لئے موزوں ہے۔

۲۶۔ انڈیلوزین وُول (Andalusion Wool) یہ اون کف دستانے بچوں کے کوٹ۔ جرابیں شال اور نیچے کے لباس کے لئے موزوں ہے اور ایمبرائیڈری کے کام کے لئے بھی مناسب ہے۔

۲۷۔ پائرینیز وُول (Pyrenees Wool) سب سے اعلیٰ درجہ کا اون جو شال چادر اور نقاب کے لئے موزوں ہے۔

۲۸۔ کاکاٹو وُول (Cakatoo Wool) یہ اون سیاہ۔ سفید۔ خاکستری نقرئی ہوتا ہے

۲۹۔ اوسٹرچ وُول (Ostrich Wool) مختلف چمکیلے رنگوں کا ہوتا ہے اور شال کیلئے موزوں ہے

۳۰۔ فیدر وُول (Feather Wool) یہ بھی مختلف چمکیلے رنگوں کا ہوتا ہے اور شال وغیرہ کے لئے موزوں ہے۔

۳۱- ریبٹ وُول (Rabbit Wool) یہ سیاہ۔سفید۔خاکستری۔ رنگوں کا ہوتا ہے اور ہاتھوں کے موزے۔کف۔اور ٹوپیوں کیلئے موزوں ہے۔

۳۲- آیس وُول (Ice Wool) یہ بھی سیاہ سفید۔نقری رنگوں کا ہوتا ہے شال اور چادروں کے لئے موزون ہے۔

۳۳- کریول وُول (Crewel Wool) یہ کل رنگوں کا ہوتا ہے اور مختلف قسم کے نمونے بنانے۔خانہ بھرنے اور ایمبرڈری کی مشین کیلئے موزوں ہے۔

۳۴- وُول روز جمپنگ (Wool Rose Jimping) یہ دواری۔سہ لڑی۔ چواری وغیرہ مختلف خوبصورت رنگوں کا نہایت مضبوط ہوتا ہے اور عموماً پائیدار چیزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

۳۵- نکر بوکر یارن (Knicker Bocker Yarn) یہ عموماً چولڑی ہوتا ہے اور شکاری لمبے موزے کے لئے نہایت موزوں ہے۔

۳۶- وُول وسٹ سپر (Wool Vest Super) یہ بھی دواری۔سہ لڑی چولڑی وغیرہ مختلف ہلکے رنگوں کا ہوتا ہے اور نفیس زنانے اور بچوں کے لباس کے لئے مستعمل ہے۔

۳۷- آلوا یا وہیلنگ یارن (Alloa or Wheeling yarn) یہ اون مختلف رنگوں کا نہایت عمدہ اور نفیس کاموں کے لئے موزون ہے۔

۳۸- وُول سکسونی (Wool Saxony) یہ اون مختلف رنگوں کا ہوتا ہے اور عموماً بازار میں بکثرت بکتا ہے اور قیمت میں بھی بہ نسبت دوسروں کے بہت ارزاں ہوتا ہے۔انشاء اللہ اسی تفصیل سے دوسرے نمبر میں ریشم کا حال لکھوں گا +

تمیز الدین خان عظیم آبادی

(باقی آیندہ)

ہَوَا

گذشتہ اشاعت سے آگے

اب ایک وجہ تم کو اور بتاتی ہوں جسکے سبب سے ہَوا کی حرارت جلدی زائل نہیں ہوتی ورنہ رات کو جس وقت سُورج سامنے نہیں ہوتا اور زمین کی گرمی نکل کر فضائے آسمان میں جاتی ہے اسوقت ہَوا کو یخ ہو جانا چاہئے تھا لیکن ایسا نہیں ہے تا رات کو بھی کچھ نہ کچھ گرمی باقی رہتی ہے۔ تم سُن چکی ہو کہ ہَوا میں بخارات آبی ملا ہوا ہے۔ یہ بخارات گرمی کو جذب کر کے روک لیتے ہیں جس کی وجہ سے رات کو گرمی بالکل زائل نہیں ہوتی۔ جن ملکوں کی ہَوا بخاراتِ آبی کے کم ہونے سے محض خشک ہوتی ہے وہاں کی راتیں نہایت سرد ہوتی ہیں تم نے دیکھا ہوگا جس روز رات کو بدلی ہوتی ہے وہ رات زیادہ گرم ہوتی ہے اِس لئے کہ زمین سے جو گرمی نکلتی ہے اسکو بدلی روک لیتی ہے اور حرارت بخارات آبی میں جذب ہو کر قائم رہتی ہے۔

تم نے اپنی جغرافیہ میں مطالعہ کیا ہوگا کہ کرہ ارضی پر صرف ایک حصّہ زمین ہے جس پر ہم لوگ آباد ہیں باقی تین حصّہ پانی ہے اور اس لحاظ سے ہَوا جو زمین کی چاروں طرف غلاف کی طرح لپٹی ہوئی ہے اُس کا تیسرا حصّہ ایسا ہے جو پانی کی سطح سے ملا ہوا ہے یہاں کی ہَوا بخارات آبی سے بھری ہوئی ہے گرم ملک کے سمندروں کا پانی سُورج کی گرمی سے تاؤ کھا کر کھولتا رہتا ہے اور پانی کی بھاپ اُڑ کر ہَوا میں بھرتی جاتی ہے۔ یہ بخارات آبی سے لدی ہوئی بڑے بڑے بحرِ ذخار کی سطح پر لہراتی ہوئی زمین کی جانب آتی ہے اور کیوں آتی ہے۔ آگے بیان کروں گا اور اسی طرح سُورج کی حرارت کو ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچاتی ہے۔

اس جگہ میں تم سے اب یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ہوا سورج کی گرمی سے کن کن طریقوں سے گرم ہوتی ہے اور اسکے کیا کیا اصول ہیں سنو جب ایک چیز سے دوسری چیز میں حرارت اس طرح داخل ہوتی ہے کہ ایک ذرہ دوسرے ذرہ میں حرارت پہنچا دیتا ہے اور گرمی تمام پھیل جاتی ہے تو اس اصول کو اشتداد حدت کہتے ہیں مثلاً ایک لوہے کی چھڑ کا ایک سرا آگ میں ڈال دو تو تم دیکھو گی کہ چند ساعت میں دوسرا سرا جو تمہارے ہاتھ میں ہے گرم ہو جائیگا اور حرارت تمام دوڑ جائیگی۔ اسلئے کہ قدرت نے لوہے میں یہ خاصیت عطا کی ہے کہ اس کے ذرات جو باہم پیوستہ ہیں ایک دوسرے کی آگ سے گرم ہوتے جاتے ہیں اور اس طرح حرارت اوپر کو چڑھتی جاتی ہے۔ لیکن یہ بات لکڑی میں نہیں پائی جاتی ۔ ایندھن جو تم چولہے میں جلاتی ہو اس کا ایک سرا جلتا ہوتا ہے لیکن دوسرے سرے کو چھو کر دیکھو تو اس کو گرمی کی خبر تک نہیں۔ غرض ہوا میں یہ بات موجود ہے کہ اس کے ذرے لوہے کے ذرات کی طرح ایک دوسرے کی لاگ سے گرم ہوتے ہیں چنانچہ جب زمین سورج کی گرمی سے تپ جاتی ہے تو اس کے اوپر کی ہوا جو زمین کی سطح سے ملی ہوئی ہے اشتداد حرارت کے اصول سے گرم ہوتی جاتی ہے۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ جو چیز گرم ہوتی ہے اس کے ذرے گرمی کو خود لئے پھرتے ہیں اور اس طرح حرارت کو ایک حصے سے دوسرے حصے میں پہنچاتے ہیں اس قاعدہ کو احمال حرارت کہتے ہیں۔ تم سمجھ سکتی ہو کہ یہ صرف پانی کی سی پتلی یا ہوا کی سی لطیف چیزوں میں ممکن ہے۔ جو چیزیں منجمد ہیں، انکے ذرات باہم جکڑے ہوئے رہتے ہیں اور اس وجہ سے ان میں احمال حرارت نہیں ہو سکتا۔ جس وقت تم ادھن

لے پانی گرم کرتی ہو تو پہلے نیچے کا پانی گرم ہوتا ہی جسکی وجہ سے وُہ ہلکا پڑجاتا ہی اور اوپر کو چلا جاتا ہی اور اوپر کا سرد پانی جو بہ نسبت گرم پانی کے بھاری ہوتا ہی تہ نشین ہو جاتا ہی۔ جب یہ عمل جلد جلد ہونا شروع ہوتا ہی تو تمہارا ادھن تیار ہو جاتا ہی اور پانی کھولنے لگتا ہی۔ ہر مرتبہ پانی کے ذرّے حرارت کو لئے ہُوئے اوپر کو جاتے ہیں اور اسی طریقہ سے گرمی تمام پانی میں پھیل جاتی ہی احمال حرارت کے اصُول کو تم نے سمجھ لیا اب یہ خیال کرو کہ جب زمین گرم ہوتی ہی تو ہوا کے ذرّے جو زمین کی سطح سے لپٹے ہوتے ہیں گرم ہوکر اوپر کو صعُود کرتے ہیں اور اوپر کی ہوا نیچے کو آتی ہی اور اس طرح سے سُورج کی گرمی جو زمین میں جذب ہوتی ہی وُہ ہوا میں مل جاتی ہی۔ علاوہ اس کے گرم ملکوں سے جو ہوا کے جھونکے آتے ہیں وُہ حرارت کو ساتھ لے آتے ہیں۔ ہوا کی مَوجیں حرارت کو دُور دُور پہنچاتی ہیں اور احمالِ حرارت کے اصُول سے سُورج کی گرمی ہوا کے ذریعہ سے ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچتی ہی۔

قبل اسکے کہ مَیں تم کو تیسرا اصُول بتاؤں پہلے تم ایصال حرارت اور احمال حرارت کے فرق کو ذہن نشین کرلو۔ ایصالِ حرارت میں ذرّے اپنے مقام سے حرکت نہیں کرتے بلکہ حرارت خود ایک ذرّے سے گذر کر دوسری ذرّے میں جاتی ہی لیکن احمالِ حرارت میں ذرّے خود ایک جگہ سے دُوسری جگہ حرکت کرتے ہیں اور حرارت کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔ لو اب تیسری قاعدے کو سُنو کہ وُہ کیا ہی جب کوئی چیز جلتی ہی تو اس سے حرارت نکلتی ہی جو حرارت کو بلا کسی لاگ کے دَوڑ جاتی ہی اس اصُول کو اشعاع حرارت کہتی ہیں جاڑوں میں جب تم ہاتھ تاپتی ہو تو تمہاری انگیٹھی کے دہکتے ہوئے کوئلوں سے حرارت خارج ہوتی ہی اور اسی اصُول کے مطابق تم تک آتی ہی۔ سُورج کی گرمی جو تمام حیوانات اور نباتات کی زندگی کی باعث ہی زمین تک اشعاع حرارت کی قاعدہ سے آتی ہی اور رات کو جو گرمی زمین سے نکلکر فضائی آسمانی میں جاتی ہی وُہ بھی اسی اصُول کے مطابق ہوتا ہی تم کو سُن کر حیرت ہوگی کہ اشعاع حرارت میں جب جلتی ہوئی چیزوں سے گرمی نکلکر دوسری چیزوں میں داخل ہوتی ہی تو ہوا جو درمیان میں حائل ہوتی ہی وُہ گرم نہیں ہوتی چنانچہ

سیّدۃ النسا

چاہیئے کہ مدینہ پہنچکر آنحضرتؐ کو کوئی دن اطمینان کا نصیب ہوتا۔ تو بہ۔ کسی طرح یہاں بھی وُہی روز روز کے قضیے قضیئے اور ہر وقت کی لڑائی جھگڑے۔ خود اہلِ مدینہ اور گرد و نواح کے یہودی اگر ذرا موقعہ پاتے تو مسلمانوں کو اذیت پہنچانے میں کسر نہ اُٹھا رکھتے۔ بہت سی لڑائیاں ہُوئیں اور مسلمان کامیاب بھی ہُوئے مگر تعصب کی آگ کسی طرح فرو نہ ہُوئی

یوں تو شروع ہی سے حضرتِ علی کی محبت رسُولِ اکرمؐ کے دل میں جگہ پائے ہُوئے تھی اور کیوں نہ ہوتی بچوں کی طرح پالا۔ بیٹوں کی طرح رکھا۔ لیکن اس پریشانی میں حضرتِ علیؓ نے کچھ ایسا ساتھ دیا اور ایسے کارنمایاں کئے کہ حد درجہ کی محبت میں اعلیٰ درجہ کی وقعت بھی شامل ہوگئی۔ اسوقت حضرت سیدہ بھی بچپن کا زمانہ ختم کر چکی تھیں۔ ہوشیار ہونا تھا کہ چاروں طرف سے نکاح کے پیغام آنحضرتؐ کے پاس آنے لگے لیکن رسالت مآب نے سب کو صاف جواب دیدیا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ دوپہر کے وقت حضرتِ عمرؓ ایک طرف سے آ رہے تھے رستہ میں دیکھا کہ حضرتِ علیؓ جنگل میں اپنا اونٹ چرا رہے ہیں حضرت عمرؓ نے کہا علی! تم بانیِ اسلام صلعم سے فاطمہؓ کی درخواست کیوں نہیں کرتے۔ میرے خیال میں تم کو ضرور کامیابی ہوگی۔ حضرتِ فاروق کے یہ الفاظ سُنکر حضرت علیؓ کچھ آبدیدہ سے ہوگئے اور فرمایا اے عُمر! کیوں اس آگ کو بھڑکاتے

ہو جسکو میں مدت سے اپنے سینہ میں دبائے ہوئے ہوں"۔ اتنا کہکر حضرت علیؓ کے چہرہ سے کچھ اُداسی ظاہر ہونے لگی۔ مگر بالآخر حضرت علی معہ حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ آنحضرتؐ کی خدمت میں اسی غرض سے حاضر ہوئے۔

اس وقت رسالت مآب اُم سلمہ کے گھر میں تشریف فرما تھے۔ حضرت علیؓ نے آکر دروازہ پر ہاتھ مارا۔ آنحضرت نے اندر بلایا اور حضرت علی شرم کے مارے گردن نیچی کر کے آ بیٹھے۔ کچھ دیر تک خاموشی طاری رہی۔ آخر آنحضرت نے فرمایا اے ابوالحسن! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ کہنا چاہتے ہو اور شرم اجازت نہیں دیتی جو کچھ کہنا ہے کہو۔ حضرت علیؓ نے عرض کیا اے خدا کے سچے رسول۔ میں بچپن ہی سے اپنے باپ ابوطالب اور ماں فاطمہ بنت اسد سے علیحدہ ہو کر آپکی خدمت میں حاضر ہوا مجھے آپ نے اپنی روٹی سے پالا اور اپنی صحبت میں ادب سکھایا ماں ہیں تو آپ اور باپ ہیں تو آپ۔ بلکہ دونوں سے بہتر ہیں آپ۔ آج میری دُنیا و آخرت کی پونجی جو کچھ ہیں وہ آپ۔ مجھے شرف غلامی حاصل ہے کیا یہ ممکن ہے کہ فاطمہ کا نکاح مجھ سے ہو جائے۔

یہ سنکر آنحضرتؐ نے تبسم فرمایا اور حضرت علیؓ سے دریافت کیا کہ فاطمہؓ کے نکاح کے واسطے تمہارے پاس کچھ جمع ہے حضرت علی نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے مال و متاع کا حال آپ کو معلوم ہے ایک تلوار ایک اونٹ اور ایک زرہ ان تین چیزوں کا مالک ہوں اور اس کے بعد اللہ کا نام ہے +

باقی آئندہ

راشد الخیری

عصمت

قطعہ

بس اسی پر ہے سب انتظامِ خانہ داری منحصر
عالمِ ایجاد میں وہ چیز عورت ہی تو ہے

عصمت ایسی جو ہو اپنی خوبیوں سے دلپذیر
دی خدا جس گھر کو وہ اس گھر کی زینت ہی تو ہے

زینت ایسی جس سے ہر صورت پر رونق گھر کی ہو
اہلِ دنیا کے لئے دنیا میں نعمت ہی تو ہے

نعمت ایسی جس سے آسودہ نہو دل عمر بھر
وہ خدا کی دین ہی تو ہے وہ دولت ہی تو ہے

دولت ایسی جس سے روشن ہو جہاں میں گھر کا نام
اپنے گھر والوں میں وہ خوبیِ قسمت ہی تو ہے

قسمت ایسی خوب جس پر ناز ہو انسان کو
خلق پر وہ خالقِ عالم کی رحمت ہی تو ہے

رحمت ایسی جو ہو نازل گھر میں باراں کی طرح
جس میں نازل ہو وہ گھر دنیا میں جنت ہی تو ہے

جنت ایسی جس سے نظارے کو حاصل ہو بہار
چشمِ شوہر میں ان خوبیوں کی صورت ہی تو ہے

صورت ایسی جس سے آئینہ ہو زن کا انکسار
قلبِ شوہر کے لئے تحریکِ رغبت ہی تو ہے

رغبت ایسی جس سے دل مائل ہو سوئے اتحاد
راغب و مرغوب میں وہ شکلِ الفت ہی تو ہے

الفت ایسی جس سے باہم ہو نہ رنجش کا ظہور
اتفاقِ باہمی سے گھر کی عزت ہی تو ہے

عزت ایسی جو کرے پیدا نگاہوں میں وقار
روئے زن کے واسطے وہ حسنِ غیرت ہی تو ہے

غیرت ایسی خوبیِ عفت پہ ہو جس کی بنا
خلق میں اے شوق اسکا نام عصمت ہی تو ہے

احمد علی شوق لکھنوی

بہن!

نیک بخت و نیک طینت ہو وہی پیاری بہن
جو کرے ہر دم بہن کی فکر و غمخواری بہن

جس سے دل کو رنج پہنچے وہ بہن کاہے کو ہے
کب بہن کی اپنی کرتی ہے دل آزاری بہن

ہے بہن جس کی اسے کچھ فکر و رنج و غم نہیں
کرتی ہے اپنی بہن کی سچی غمخواری بہن

جی لگاؤ علم کی جانب سعی کرکے گھر کی فکر
رکھتی ہو تم کو پریشانی میں بیکاری بہن!

جاہلہ ایسی تم رہوگی کیا بھلا
ہو لباسِ علم و فن سے تم اگر عاری بہن!

ایک سی حالت نہیں رہتی کسی کی دہر میں
غم نہ کھاؤ ہو اگر افلاس و ناداری بہن!

اپنے شوہر کو رکھو خوش تو خدا تم سے ہو خوش
اپنے شوہر کی کرو ہر لحظہ غمخواری بہن!

جو تمہارے واسطے زحمت اٹھاتا ہے مدام
چاہئے تم کو بھی اسکی ناز برداری بہن!

جو بڑا اپنے سے ہو تعظیم تم اس کی کرو
ہو اگر چھوٹا ہے لازم اسکی دلداری بہن!

چاہتی ہو اپنی گر عزت تو سیکھو علم بھی
ہر جگہ ہے علم کی سمجھو علمداری بہن

وقت تھوڑا سا ہے جو کرنا ہے کر لو اب بھی تم
جہل میں تم نے گنوا دی زندگی ساری بہن!

داغِ نقص و جہل دامن سے تمہارے کب مٹے
کب تک دیکھے ذہن آنکھوں سے یہ خواری بہن!

بزمِ عصمت

گو میری رائے میں اُن خطوط کا بزمِ عصمت میں جگہ پانا (جن میں رسالہ کی تعریف کے سوا عام دلچسپی کی کوئی بات نہ ہو) ضروری نہیں لیکن ح۔ب صاحبہ کا خط جو شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب کی حقیقی نواسی ہیں بلحاظ شکر اس وجہ سے درج کیا جاتا ہے کہ عصمت کی کوششوں پر پسندیدگی کا اظہار اس خاندان سے ہوا جہاں سے تعلیم نسواں کی صدا سب سے پہلے بلند ہوئی اور یہ اب تک جو کچھ بھی ہوا اور ہو رہا ہے سب اُسی کی بدولت +

جائنٹ اڈیٹر

خواہر عزیزہ! میں نے آپ کو جون میں رسالہ عصمت بند کرنیکی اطلاع دی تھی اس وجہ سے کہ میں اس سال کیواسطے زنانہ رسالوں میں انتخاب کرنا چاہتی تھی چنانچہ میں نے پچھلے پرچے سب کے دیکھے اور مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے عصمت کو صرف عنوانوں ہی کی فوق البھڑکی پر نہیں چھوڑ دیا کہ خوان بڑا خوان پوش بڑا کھول کے دیکھو تو آدھا بڑا بلکہ ہر ضروری مضمون پر نہایت مفصل اور مفید بحث ہوتی ہے۔ سب سے زیادہ ضروری بات زنانہ رسالے میں بجائے مردانی اور

اخباری زبان کے ہماری اپنی زبان کا ہونا ہے۔ اور اس اعتبار سے جو کامیابی عصمت کو ہوئی مجھے اس پر بہت ہی تعجب ہے۔ کمال یہ ہے کہ شروع سے آخر تک رسالے بھر میں ایک سطر بیکار نظر نہیں آتی۔ میرے خیال میں عصمت قوم کے واسطے ایک نعمت ہے۔ رسالہ جاری فرما کر ممنون کیجئے +

ح۔ب

ایک علم دوست معزز بہن نے رسالہ عصمت کے اگست نمبر صفحہ ۹۳ میں ایک پہیلی تحریر فرما کر بوجھ دریافت کی ہے۔ جس کا جواب میری ناقص عقل میں یہ ہے:-

عربی زبان میں اس کو جراد اور فارسی میں ملخ اور دکن میں اس کو ٹڈا کہتے ہیں۔ شاید دہلی میں بھی ٹڈا ہی بولتے ہوں۔

(محمد عبد الحمید خان حیدرآبادی)

مکرمہ بہن صاحبہ!

اگست کے پرچہ میں مسز ڈاکٹر محبوب علیخاں صاحبہ نے پیاز کی کھیر کا نسخہ دریافت کیا ہے۔ لہٰذا ایک نایاب نسخہ ارسال ہے:۔

مسز محمد شمس الدین

پیاز کی کھیر کا نسخہ

نمبر	نام اشیا	وزن	ضروری ہدایات
۱	پیاز	ایک سیر	اس کو حسب خواہش باریک تراش لو
۲	دودھ عمدہ	چار سیر	
۳	شکر	دو سیر	
۴	کھوپا	نیم سیر	
۵	مغز بادام	ادھ پاؤ	پوست نکالکر باریک بند تراش لو
۶	گلاب	ادھ پاؤ	یعنی عرق گلاب

پیاز کو حسب خواہش باریک تراش کر پانی میں سو دھو کر سات بار پانی بدل بدل کر ادبالو اور نچوڑ دو اس طرح کہ پانی باقی نہ رہے یا نمک ڈال کر باریک کپڑے میں باندھ کر لٹکا دو نمک گھلکر متقطر ہو جائیگا اور بو اُڑ جائیگی۔ پھر اسکو خوب دھو کر اس طرح کہ نمک کا اثر باقی نہ رہے۔ دودھ میں گلنے تک پکاؤ اگر دھونے میں ذرا بھی اثر نمک کا باقی رہیگا تو دودھ پھوٹ جائیگا۔ پیاز دودھ میں گلنے کے بعد پھر دوسرے اجزا شریک کر کے پکانا ختم کرو اور کھیر زیادہ رقیق نہ رکھو۔ ٹھنڈی کر کے کھاؤ اور ہمیں بھی ضرور یاد کرو۔

مائی ڈیر ایڈیٹر صاحبہ! تسلیم۔ اگست کے پرچہ میں معزز بہن مسز ڈاکٹر محبوب علیخاں صاحبہ نے پیاز کی کھیر کا نسخہ طلب فرمایا تھا۔ مجرب نسخہ بھیجتی ہوں۔ براہ عنایت عصمت میں درج فرما کر ممنون فرمائیے۔ (عزیزہ بیگم۔ حیدرآباد)

نمبر شمار	اشیاء	مقدار	کیفیت
۱	سفید پیاز	آدھ پاؤ	تراشی ہوئی بلا پوست
۲	دودھ	۲ سیر	
۳	شکر سفید	½ سیر	
۴	گلاب خالص	۴ تولہ	
۵	بادام	۵ تولہ	بغیر پوست

پیاز کا بالائی پوست دور کر کے مغز کو باریک تراش لو اور چار یا پانچ پانی سے اسکو خوب دھو ڈالو اور تھوڑا سا پانی ڈالکر پانچ منٹ تک جوش دو۔ اسیطرح چار دفعہ پانی بدلو پھر پیاز جو پونا حصہ گلجا دے۔ اسکو ٹھنڈے پانی سے دھو ڈالو۔ دودھ کو آگ پر رکھکر جوش دو اور کفگیر سے ہلاتے رہو۔ جب تیسرا حصہ دودھ باقی ہو پیاز مذکورہ کے بندوں کو اس دودھ میں ڈالکر جوش دو جب حسب مقصود پیاز گل جائے شکر اور تراشے ہوئے بادام داخل کر کے تھوڑی دیر دم پر رکھو۔ اس کے بعد

[illegible]

عالمِ نسواں

ایک خاتون کی بہادری اور جان نثاری کا عجیب واقعہ میلبورن کے پچھلے جلسہ میں بیان کیا گیا۔ گولبرن ویلی ٹرین جو صبح نو بجکر بیس منٹ پر سیٹمور سے روانہ ہوئی۔ مآہرنگ سٹیشن سے دو میل ادھر تھی کہ دفعتہً انجن چلانیوالے نے دیکھا کہ ایک ساڑھے تین برس کا بچہ بیچ میں بیٹھا ہے۔ یہ دیکھکر اُس نے نہایت زور سے سیٹی دی جسکی آواز مسز لیونیا کنیڈی کے کان میں پہنچی جو پٹری کی مرمت کرا رہی تھی۔ دیکھا تو چھوٹی سی لڑکی ایلین پٹری کے قریب بیٹھی ہوئی ہے۔ اُسوقت ٹرین پچیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہی تھی اور لڑکی سے پندرہ گز کے فاصلہ پر تھی۔ دفعتہً خاتون موصوف جھپٹی اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر لڑکی کے قریب پہنچ گئی اور گود میں اُٹھالیا۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے ٹرین ایک پٹری سے دوسری پر بدلی جاتی ہے۔ مس لیونیا کنیڈی کا ان بچی کو کلیجہ سے لگائے اس طرح پڑی ہوئی تھی کہ انکا سر پٹری سے نواینچ کے اندر تھا۔ نہایت نازک وقت تھا ٹرین کے پہیے مس لیونیا کنیڈی کے بالوں کو چھوتے ہوئے پٹری پر سے گذر گئے۔ آرتھر کولم بھونکنے والے کا بیان ہے کہ جب گاڑی رُکی اور ہم نے جاکر دیکھا تو بہادر لیونیا کنیڈی اور ایلین فنوں صحیح وسالم تھے۔

اِس بہادر عورت کو جس نے محض دوسروں کی خدمت میں اپنی جان تک کی پروانہ کی میلبورن کی کیمٹی نے سونیکا ایک ایسا تمغہ دیا ہے جو آج تک کسی عورت کو نہیں ملا۔

بارہ بنکی کے مدرسہ پارچہ بافی میں ایک زنانہ شاخ کھولی گئی ہے جہاں کشیدہ اور رنگائی کا کام سکھایا جائیگا۔

ٹرکی کے ایوان مبعوثان کو ایک خاتون نے لکھا ہے:۔ ہم آپکی رعیت عورتیں کریٹ کی حفاظت میں اپنی جانیں قربان کرنیکو موجود ہیں ہم عورتیں تیار ہیں کہ اپنے بچوں کو اپنے ہاتھ سے ہتھیاروں سے آراستہ کریں اور میدانِ جنگ میں بھیجدیں +

دو نوعمر ہندوستانی عورتیں تار کا امتحان پاس کرنیکے بعد کراچی کے دفتر تار میں ۵۰ روپیہ ماہوار پر مقرر ہو گئیں +

فہرست مضامین رسالہ عصمت اکتوبر ۱۹۰۹ء

صفحہ


بڑھاپا

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مثال سے مَیں عورت اور مرد کے باہمی رشتے کا فرق ظاہر کرنا چاہتی ہوں۔ میری ملنے والیوں میں ایک بی بی ہیں جو بہت پڑھی لکھی اور صاحب تصنیف ہیں مگر اِن کا شوہر ایک معمولی لیاقت کا آدمی ہی جو کسی حیثیت میں کامیاب نہیں۔ گو وُہ بیچارہ کسی طرح وقت کو ضائع نہیں کرتا تاہم محدود لیاقت سے مجبُور ہی اس پر بھی بیوی کا یہ حال ہی کہ اپنی لیاقت کبھی نہیں جتاتی اور زندگی کے ہر کام میں ہر وقت اُسے شریک کرتی ہی۔ اپنے کام کا جب ذکر کرتی ہی تو کہتی ہی "ہمارا کام" آمدنی کی بات ہو تو باوجود اس کے کہ ساری آمدنی تقریبًا اس کی اپنی ہی کہتی ہی "ہماری آمدنی" اپنی موٹر گاڑی کو "ہماری موٹر گاڑی" اور اپنے خرید کئے ہُوئے گھر کو "ہمارا گھر" بولتی ہی۔ یہانتک کہ اُسکی باتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہی جیسے اِحسان کرنے والا شوہر ہی اور وُہ اسکی احسانمند اور شکر گذار بیوی۔ اب بتائے کہ دُنیا میں کوئی نامور اور کامیاب شوہر بھی ایسا ہی جو اس طرح اپنی ناموری میں معمُولی لیاقت کی بیوی کو شریک کرے اور یہ تسلیم کرے کہ آمدنی دونوں کی مشترکہ محنت کا نتیجہ ہی۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہی کہ یہ بی بی جس کا میں نے ذکر کیا ہیں اپنے خاوند کو بگاڑ تو نہیں رہی ہیں۔ زور سے کہتی ہُوں کہ "نہیں" یہ بگاڑنا نہیں بلکہ سنوارنا ہی بشرطیکہ شوہر بالکل ہی گیا گذرا نہ ہو اور انصاف کی تو یہ ہی کہ بالکل گئے گذروں سے ہمیں بحث نہیں۔ کیونکہ جو پہلے ہی بگڑے ہُوئے ہیں انکو کوئی کیا بگاڑے گا۔ میرا مطلب یہ ہی کہ جس شوہر میں کچھ بھی قابلیت اور کچھ بھی نیکی ہی وُہ ایسے اچھے سلوک سے زیادہ قابل اور زیادہ نیک ہو جائیگا۔ محبت کبھی بگاڑتی نہیں بلکہ دُنیا میں سب سے بڑی اور حقیقی قوت اِصلاح کی ہی۔

اگر کوئی بیوی اپنے میاں کی نیکی یا دانائی یا ہمدردی کی تعریف میں کسی قدر مُبالغہ کرتی ہے اور اصل سے بڑھا کر دکھاتی ہے تو وُہ رفتہ رفتہ اُسے اس درجہ پر لارہی ہے کہ وہ اپنی تمام عُمدہ صفات کو ترقی دے اور حقیقت میں نیک اور لائق اور ہمدرد بننے کی کوشش کرے۔ اوسط درجہ کا اچھا شوہر حُسن سلوک سے بہت اچھا ہو سکتا ہے اور بے پروائی سے بگڑ سکتا ہے۔ بعض بیویاں یہ سمجھتی ہیں کہ شوہر کی زیادہ خاطر کرنا اُسکی چھوٹی سے چھوٹی ضروریات کا خیال رکھنا اس کی مرضی پر چلنا اور اپنی خواہشوں کو اُس کی خواہشوں کے تابع کرنا اُس کو بگاڑ دینا ہے۔ مگر میں پوچھتی ہوں کہ ہم اپنی قیمتی چیزوں کی حفاظت کے لئے جو طریقہ کام میں لاتے ہیں اور جس طرح انہیں بگڑنے سے بچاتے ہیں کیوں وُہی طریقہ شوہروں کو بگڑنے سے محفوظ رکھنے کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔ اگر ہمارے پاس انمول موتیوں کی ایک لڑی ہو تو ہم اُس کی حفاظت کیونکر کرتے ہیں؟ ان کو مناسب ڈبیا میں رکھتے ہیں اور ہر طرح کی ٹھیس سے اُنہیں بچاتے ہیں۔ پھُولوں کو ہم احتیاط سے پانی دیتے ہیں اور خیال رکھتے ہیں کہ سردی و گرمی سے انہیں بچائیں۔ اپنی پیاری کتابوں کو سجا سجا کر شیشے کی الماریوں میں لگاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ گرد و غبار سے وُہ بچی رہیں۔ مگر تعجب ہے کہ شوہر کو بسا اوقات ہم بُرا بھلا کہہ کر جا و بیجا شکوہ کر کے اور بڑبڑانے اور مُنہ پھُلانے سے بگاڑ دیتے ہیں۔ ہر وقت اُس کے کاموں میں نقص نکالنا یا اپنی ناراضگی ظاہر کرنے سے زیادہ مؤثر ذریعہ اُس کے بگاڑنے کا نہیں ہوسکتا۔ ہمیں جاننا چاہیے کہ تخم محبت کے جمنے کے لئے مہر و وفا کی آبیاری درکار ہے۔ اور اس کے پودے کو غم و غصہ آندھی

کی طرح اکھیڑ دیتے ہیں اور روٹھ روٹھ بیٹھنا اور آنسو بہانا اس کے لئے ایک مہلک پالا ہو۔ شاید کوئی بی بی یہ پوچھے کہ یہ سب ہدائتیں بیچاری عورت کے لئے کیوں دی جارہی ہیں اور اسی پر کیوں تاکید ہو کہ وُہی صبر اور تحمل اور شیریں زبانی کی مشق کرتی رہے۔ اس کا جواب آسان ہو۔ میں اس وقت شوہروں کے بگڑنے کا ذکر کر رہی ہوں اگر مضمون کا عنوان یہ ہوتا کہ بیویاں کیونکر بگڑتی ہیں تو شاید میں اس سے بھی زیادہ ہدایات شوہروں کے لئے لکھتی۔ اس مضمون کا مدعا فقط اسی قدر ہو کہ بیاہی ہوئی عورتوں کو یہ بتایا جائے کہ وُہ کسی طرح ناخوشی سے بچیں اور خوشی کی زندگی بسر کریں۔ ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ اپنی زینت سے غافل نہ ہوں بظاہر یہ غفلت ایک خفیف سی بات معلوم ہوتی ہو مگر شوہر کو بگاڑنے اور بددل کرنے کا ایک آسان نسخہ ہو۔ مرد گو ظاہر میں بہت باتیں نہ بھی ہو۔ اس غفلت کو ضرور تاڑ لیتا ہو۔ مرد کی فطرت میں یہ داخل ہو کہ نقص پر زیادہ نظر کرے اور خوبی کی تعریف کم کرے۔ اسواسطے ہمیں لازم ہو کہ ان کو کوئی موقعہ بجا شکایت کا نہ دیں۔

کئی اور چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن کا خیال نہ کرنے سے کبھی کبھی اچھے بھلے شوہر بگڑ جاتے ہیں۔ مثلاً بعض عورتیں بچوں کو بے موقع پیار کرنے سے نقصان اُٹھاتی ہیں اور اُس وقت اُن کی طرف زیادہ توجہ کرتی ہیں جب شوہر کی طرف زیادہ توجہ کی ضرورت ہوتی ہو۔ بچوں سے ماں جس قدر پیار رکھے کم ہو۔ مگر ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہو۔ فرض کرو شام کو بچوں کا باپ تھکا ماندہ گھر میں آئے تو اُس وقت اس کی خبرگیری اور مدارات بچوں کی خبرگیری سے

مقدم ہوتی ہے۔ تھوڑی دیر کے لئے اس کی طرف پورا متوجہ ہوجانا اس کی محبت کو بڑھانے اور اس کے دل پر قبضہ رکھنے کے لئے اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ عورتیں اپنے خاوندوں کی بیجا خوشامد کرتی رہیں یا غلامانہ اطاعت کریں بلکہ اپنی جائز آزادی کو قائم رکھ کر وہ سلوک کریں جو سچی محبت انہیں سکھائے۔ لڑائی جھگڑے سے گریز کریں اور سرد مہری اور نکتہ چینی کی بجائے نرمی اور شیرینی سے کام لیں۔ کیونکہ وہ تمام نیکی اور دانائی جس سے شوہروں کے نہ بگاڑنے کی ترکیبیں پیدا ہوتی ہیں۔ لفظ محبت کے مفہوم میں شامل ہے +

راقمہ بیاہی ہوئی بہنوں کی ایک ہوا خواہ

شریف بی بی

بنت محبوب عالم صاحبہ و منشی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار کی ایڈیٹری و نگرانی میں ۴۴ صفحہ کا ماہواری رسالہ جولائی سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ رسالہ ہر اعتبار سے مفید ثابت ہو اور خواتین اس کا شوق سے مطالعہ کریں۔ سرورق سنہری بیل سے مزین ہے اور مضمون کے لحاظ سے جابجا لیتھو کی تصویریں بھی ہیں۔ ہم ایڈیٹر صاحبہ کو اس کوشش پر مبارکباد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ انکی یہ محنت ملک و قوم میں وقعت کی نظر سے دیکھی جائیگی۔ قیمت سالانہ ع۸ر

پیسہ اخبار - لاہور

سہیلیوں کے اوصاف

مجھے پچھلے دنوں حضرت امام غزالی علیہ الرحمہ کی ایک کتاب کے اُردو ترجمہ پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ قابل مصنّف نے اس کتاب میں ایک باب دوستی و محبت کے عنوان سے بھی تحریر کیا ہے۔ یہ تو ظاہر ہی کہ ہم سب کو آپس میں سہیلی بننے کا بہت شوق رہتا ہے۔ لیکن سہیلیاں بناتے وقت متعدد بہنوں کے سوا شاید کسی کو یہ خیال تک بھی نہ آتا ہوگا۔ کہ کن اوصاف کی سہیلی ہونی چاہیے اس اہم اور ضروری بات کو مدِ نظر نہ رکھنے کی وجہ سے اکثر سہیلیوں کی محبت بہت دیر تک قائم نہیں رہتی۔ بلکہ بسا اوقات یہ اُلفت نفرت سے تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس لئے اس کے متعلق اُن ہدایتوں کو جو حضرت امام غزالیؒ نے اپنے قابلِ قدر مضمون میں مردوں کے متعلق لکھی ہیں۔ میں تھوڑی تبدیلی کے ساتھ اپنی بہنوں کے لئے مخصوص کرکے ذیل میں نقل کرتی ہوں۔

امام صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ

۱۔ اِس عالم میں بہ عیش و خوشی زندگی بسر کرنے کے لئے بہنا پا فرض ہے۔ یہ وُہ جوشِ محبت ہے جو قدرت سے صرف انسان ہی میں نہیں۔ بلکہ حیوانات مطلق میں بھی کسی قدر پایا جاتا ہے۔ اور اگر کسی عورت کی کوئی سہیلی نہ ہو۔ اور نہ اُس میں سہیلی بنانے کی صلاحیت ہو۔ تو بہتر ہے۔ کہ وُہ دُنیا سے سفر کر جائے"۔

۲- ایسی عورت کو سہیلی بنانا چاہئے - جو سہیلی کے راز کو پوشیدہ رکھے - اور اُس کے عیب کو کسی پر ظاہر نہ کرے - بلکہ اس کی بُرائیوں کو تہ کر رکھے - اُس کی خوبیوں کو روشن کرے مصیبتوں میں اُس کا ساتھ دے -

پھر امام صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ تمام حکما اس قول پر متفق ہیں کہ :-

۳- "ہوا خواہ بہت سے بنا - مگر سہیلیاں بہت کم - سب کے ساتھ اچھی طرح مل - مگر صلاح کار ہزار میں سے ایک کو اپنا بنا"

پھر فرمایا ہے :-

۴- "بہناپا تھوڑی عورتوں سے کر - اور کسی کو دشمن نہ بنا - کیونکہ بہناپے کا نبھانا مشکل ہے - سہیلیوں کی تعداد کے ساتھ ہماری مشکلیں بڑھتی جاتی ہیں - اور دشمن سے اپنے تئیں محفوظ رکھنے میں ہمیشہ دقت ہوتی ہے - بگڑی ہوئی سہیلی سے زیادہ خطرناک کوئی دشمن نہیں - وہ ہمارے عیوب اور بھیدوں سے واقف ہوتی ہے - اور ہزاروں ایسی مضرتیں پہنچا سکتی ہے - جو ناواقف دشمن کے خیال میں بھی نہیں آسکتیں" -

پھر فرمایا ہے :-

۵- " ایسی دو عورتیں کبھی سہیلیاں نہیں بن سکتیں جن میں سے ایک اپنے آپکو دوسری سے اعلیٰ سمجھے - یا جو صاف باطن اور ثابت قدم نہو - بہت کم انسان ایسے ہیں - جو دوستی و محبت میں اپنے رُتبے اور وجاہت کا خیال نہ رکھیں اور یہی سبب ہے کہ مختلف درجے کے انسانوں میں دوستی و محبت کا ہونا شاذ و نادر ہے "-

مالک ابن دینار رحمۃ اللہ فرماتے ہیں - کہ

۶۔ "دس عورتوں میں دو کا اتفاق جبھی ہوگا۔ کہ ایک میں دُوسری کا کوئی وصف پایا جائے۔ اُن کی مثال پرندوں کی سی ہے۔ کہ جس طرح اُڑنے میں دو قسم کے پرند کبھی متفق نہیں ہوتے۔ اور بدونِ مناسبت اُنکی پرواز ایک ساتھ نہیں ہوتی جیسا کہ مشہور ہے۔ کہ

کُند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

ایک روز کوّے کو کبوتر کے ساتھ اُڑتے دیکھکر مجھے تعجب ہوا۔ کہ باوجود مختلف شکلوں اور قسموں کے یہ کس طرح ہم پرواز ہوئے۔ لیکن جب بغور دیکھا۔ تو دونوں لنگڑے تھے"۔

۷۔ "دو سہیلیوں کی مثال دو ہاتھوں کی سی ہے۔ کہ ایک دُوسرے کو دھوتا ہے"۔

۸۔ "سچی سہیلی سے بڑھکر دُنیا میں کوئی دولت نہیں۔ وُہ رنج اور خوشی میں ہماری یکساں ہمدردی کرتی ہے"۔

۹۔ "وُہ عورت نہایت نادان بلکہ خائن ہے۔ کہ جو اپنی سہیلی کے بھیدوں کی تشہیر کرتی پھرے"۔

۱۰۔ وفا شعار اور راستباز سہیلیاں تلاش کرکے اُنکی حمایت میں زندگی بسر کرو۔ کیونکہ وُہ عیش کے وقت زینت ہیں۔ اور مُصیبت کے وقت سامان۔

۱۱۔ "چار قسم کی عورتوں سے بہناپا کرنا نہایت خطرناک ہے۔

(۱) دروغ گو عورت۔ کہ اُس سے تمہیں دھوکا ہوگا۔ اُس کا حال مثل سراب کے

ہی - بعید کو قریب اور قریب کو تم سے بعید کرے گی -
(۲) **احمق عورت** - کہ اُس سے تمہیں کچھ وصول نہ ہوگا - وہ تم کو نفع پہنچانا چاہیگی - لیکن اپنی بیوقوفی سے ضرر پہنچاویگی -
(۳) **بخیل عورت** - کہ جب تم کو اُس کی حد سے زیادہ حاجت ہوگی اُسوقت وہ تم سے محبت توڑکر کنارہ کر جائیگی -
(۴) **بزدل عورت** - کہ مصیبت کے وقت تمہیں چھوڑکر آپ رفوچکر ہو جائیگی"

۱۲ - "نالائق عورت اگر خوش خلق ہو - تو اس سے اتحاد پیدا کرنا ایسی عورت کے مقابلہ میں جو قاری ہو مگر بد خلق - بہتر ہے"

۱۳ - برے ہمنشین سے تنہائی بہتر ہی - اور تنہائی سے نیکبخت ہمنشین اچھا ہے" +

راقمہ س - ف ازپھلور

مفید الاطفال الموسوم بہ گفتار خوبتر

خواجہ سید نجم الدین احمد صاحب نے اپنی صاحبزادی کی ابتدائی تعلیم کے واسطے یہ سود مند کتاب لکھی ہی جس میں حروف سے لیکر الفاظ و محاورات تک نہایت خوبی سے قلمبند کئے ہیں - چھوٹے چھوٹے سبق جن میں زبان کا خصوصیت سے لحاظ رکھا ہی بچوں کے واسطے بہت مفید ہیں - چونکہ یہ کتاب لڑکے اور لڑکیوں کے واسطے یکساں مفید ہی امید ہی کہ خواجہ صاحب کی یہ تصنیف مقبول ہوگی - **قیمت ۳**

ملنے کا پتہ :- بلیہ گھٹن روڈ کلکتہ - خواجہ سید نجم الدین احمد صاحب

محنت

اللہ میاں نے تمام چیزیں آدمی کے آرام کے لئے پیدا کی ہیں مگر کوئی چیز ایسی نہیں ہی جو بغیر محنت کے حاصل ہو سکے۔ جب تک اناج بویا نہ جائے کون اسکے کاٹنے کی اُمید کر سکتا ہی۔ جب تک سونا چاندی کانوں میں سے کھود کے نکالا نہ جائے کوئی انکو استعمال نہیں کر سکتا۔ اور جب تک روئی یا اون یا ریشم وغیرہ کو صاف نہ کیا جائے اور بُنا نہ جائے کوئی اُن کے پہننے کی توقع نہیں کر سکتا۔ کاہل آدمی کا آرام سے زندگی بسر کرنا بہت دشوار بلکہ ناممکن ہی۔ مُنہ کا نوالہ آسانی کے معنوں میں بولا جاتا ہی مگر سچ پُوچھو تو یہ بھی بہت مشکل سے ملتا ہی۔ محنت کی ایک زندہ مثال ہمارے سامنے موجود ہی۔ ہماری سرکار کو دیکھئے کس محنت اور جانفشانی سے ہندوستان کی سلطنت کو حاصل کیا ہی۔ پہلے پہل انگریز لوگ ہندوستان کی شہرت سُنکر یہاں محض تجارت کرنے آئے تھے مگر اپنی لگاتار محنت سے اُنکو خدا نے یہ دن دکھایا کہ وُہ تمام ہند کے شہنشاہ بن گئے اور مسلمانوں نے کاہلی کی بدولت یہ دن دیکھا کہ روٹیوں کو محتاج ہو گئے۔ انکو اس بات کی پرواہی نہیں کہ دُنیا کی نامور قوموں میں سے کہلائیں۔ آخر پہلے بھی تو مسلمان تھے۔ وُہ کس قدر عروج پر تھے۔ صرف اس کی وجہ یہ ہی کہ ہم محنت سے نفرت اور کاہلی سے رغبت رکھتے ہیں۔ خیر اس گفتگو کا اس وقت موقع نہیں میں اپنے اصلی مضمون کی طرف رجُوع کرتی ہُوں اور مجھ کو محنت کے فوائد کے بارے میں

ایک قصہ یاد آگیا جو لکھنے کے لائق ہے:-

جس زمانے میں امریکہ میں سونے کی کانیں دریافت کرنے کی کوشش ہو رہی تھی اور کامیابی بھی ظہور میں آنے لگی تھی۔ اُس زمانے میں انگلستان میں ایک شخص کو اس بات کی دھن لگی کہ مَیں بھی امریکہ جا کے سونے کی کانیں دریافت کرنے میں قسمت آزمائی کروں۔ چنانچہ اس نے اپنے بڑے بھائی سے جو نہایت ہی محنتی شخص تھا۔ اس بارے میں کہا کہ بھائی کیا ہی اچھا ہو جو مَیں اور آپ سونے کی تلاش میں امریکہ جائیں اور خدا کے فضل سے اپنے ارادے میں کامیابی حاصل کریں۔ بڑے بھائی نے جواب دیا کہ مَیں نہیں جا سکتا بلکہ تم کو بھی نصیحت کرتا ہوں کہ اس خیال سے باز آؤ اور اس مثل پر کاربند رہو کہ "محنت سونے سے بہتر ہے"۔ چھوٹا بھائی یہ سُنکر ہنسا اور کہنے لگا یک شُد دو شُد۔ بجائے اس کے کہ آپ میرے ساتھ چلیں اُلٹا مجھے ہی روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاید آپ نے جوئندہ یابندہ کی مشہور مثل نہیں سُنی۔ آپ ضرور میرے ہمراہ چلیں۔ اول اول تو بڑا بھائی انکار کرتا رہا لیکن جب چھوٹے بھائی نے زیادہ اصرار کیا تو اس نے مجبوراً جواب دیا۔ "اچھا چلو"۔ آخرش چھوٹا بھائی تو کان کھودنے والے مزدوروں کی تلاش میں گیا اور بڑے بھائی نے کچھ مویشی۔ تھوڑی سی اناج کی بوریاں اور دو تین آدمی اپنے ہمراہ لئے۔ جب چھوٹا بھائی مزدور لے آیا اور بڑے بھائی کی کارگذاری کو دیکھا تو بہت حیران ہوا اور کہنے لگا کہ یہ آپ نے اناج وغیرہ اپنے ہمراہ کیوں لیا ہے؟ آپ سونے کی کانیں دریافت کرنے چل رہے ہیں یا وہاں جا کر زراعت کرنیکا ارادہ ہے۔ بڑے بھائی نے نہایت ہی بے پروائی سے جواب دیا "تجھ کو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو"۔ خواہ مَیں وہاں جا کر ہل چلاؤں یا بیل چراؤں چلتا تمہارے ساتھ ہوں۔ الغرض وہ

دونوں جہاز پر سوار ہوئے۔ خدا کے فضل سے ہوا موافق تھی۔ جہاز تھوڑے ہی عرصے میں منزلِ مقصود پر جا پہنچا۔ اب چھوٹا بھائی تو مزدور لے کر سونے کی کان دریافت کرنے کے واسطے جانیکو تیار ہوا مگر جب اُس نے بڑے بھائی سے اپنی ہمراہی کے واسطے کہا تو جواب ملا کہ تم کان دریافت کرنے جاؤ میں یہیں رہونگا۔ جب تم دریافت کرکے واپس آؤ گے تو میں بھی تمہارے ساتھ چلا چلونگا۔ یہ جواب سُنکر چھوٹا بھائی تو سونے کی تلاش میں روانہ ہوا۔ اور بڑے بھائی نے کچھ زمین لیکر وہاں ہل چلوا کے اناج ڈالدیا۔ خوبیٔ قسمت سے بارش وقت پر ہوئی اور فصل اچھی ہوئی۔ اب چھوٹے بھائی کا حال سُنیے وہ بیچارا تکلیفیں اُٹھاتا ایک ایسی جگہ جا پہنچا۔ جہاں اُسکو بہت سا سونا مل گیا مگر کھانیکا ذخیرہ ہو چکا تھا تمام مزدور وغیرہ بھوک سے بیتاب ہوئے۔ اس سے شکایت کرنے لگے تو بڑی پریشانی ہوئی۔ ناچار بڑے بھائی کے پاس آیا۔ بڑے بھائی نے جواب دیا میں ایسے وقت میں تمہاری کیا مدد کرسکتا ہوں۔ اپنے دام خرچ کرو اور کھاؤ۔ یہ سُنکر چھوٹا بھائی بہت پریشان ہوا اور آخر اسکو سونا دیکر اناج لینا پڑا۔ تھوڑے دنوں میں سونا سب ختم ہو گیا۔ بڑا بھائی ہنسا اور کہنے لگا۔ پھر میں تمہارے ساتھ کیا ہمدردی کرسکتا ہوں اب جہاں سینگ سمائیں چلے جایئے۔ چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے ایسا روکھا جواب پایا تو آنکھوں میں آنسو بھر گئے اور مایوس ہو کر چلنے لگا۔ مگر جب بڑے بھائی کو صبر نہ آیا تو چھوٹے سے کہا۔ لو اپنا سونا لو اور یہاں ٹھہرو میری فصل کے پکنے میں تھوڑا عرصہ ہے اسکے تیار ہونے پر گھر چلینگے۔

میں تم سے پہلے ہی کہتا تھا محنت سونے سے بہتر ہے۔ تم نے نہ مانا۔ جس کا نتیجہ تمہارے سامنے آگیا۔ اگر اس وقت میں بھی تمہارے ساتھ چلا چلتا تو بتاؤ کیا ہوتا

تمہاری وجہ سے سب کو تکلیف ہوتی اور وطن میں جا کر خفت اُٹھانی پڑتی وہ الگ
تو بھائی آئندہ سے اس بات کا خیال رکھنا کہ بغیر محنت کئے کسی چیز کا حاصل کرنا
خیالِ خام ہو۔ میں نے مانا کہ سونا تلاش کرنا بھی محنت سے خالی نہیں مگر اس محنت
میں پھر بھی کچھ آرام طلبی کا خیال شامل ہو۔ جب چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے
نصیحت سُنی تو اپنے کئے پر نادم ہوا اور اس دن سے عہد کیا کہ لالچ سے پرہیز کرونگا
اور سچی محنت سے اپنے ہر ایک کام کو انجام دیا کرونگا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے دنوں
میں خاصا امیر آدمی ہو گیا اور اپنے بال بچوں کو بھی یہی سبق دیتا رہا کہ محنت سونے
سے بہتر ہو۔ اب ہم کو اس کہانی سے سبق لینا چاہئے کہ "محنت سونے سے بہتر ہو"
اور اگر ہم لوگوں کا اس پر عمل ہوا تو انشاء اللہ تعالیٰ ہم بھی دُنیا کے با وقار آدمیوں
میں سے ہو جائینگے۔ ہم کو اس بات پر غور کرنا چاہئے کہ جس طرح ہمارے خاوند
بھائی اور والد محنت سے روپیہ کماتے ہیں خُدا ہم کو اس بات کی توفیق دے کہ
ہم بھی گھر کے انتظام میں اپنی جان ماریں تاکہ اُن کی دِل شکنی نہ ہو اور ہماری
محنت سے انکو اور خود ہم کو نفع پہنچے۔ ہم کو گھر کے کاموں میں بڑی محنت اور
سرگرمی کرنی چاہئے۔ انہی سے خانہ داری کا انتظام اچھی طرح ہو سکتا ہو۔ اب
میں اپنے مضمون کو اس ضرب المثل پر ختم کرتی ہوں کہ "محنت سونے سے بہتر ہو"۔
سونے سے مراد پڑا رہنا نہیں۔ محنت تو اس سونے سے بہتر ہے جبکا
گہنا بنتا ہو۔

راقمہ صغیرہ خاتون چشتی دہلوی

آہ! وُہ محبّت بھری نظریں کہاں ہیں؟

خوش نصیب ہیں وُہ بہنیں جو ساس اور خُسر کی زندگی کو نہایت میٹھا اور پھلدار درخت سمجھتی ہیں جسکے سائے کے نیچے ہم خوشی و آرام سے اپنی زندگی بسر کرتے ہیں۔ سعادتمند ہیں وُہ بہنیں جو اپنی ساس کی خدمت کرتی ہیں اور انکی زندگی سے اپنی زندگی پُر لطف بسر کرتی ہیں۔ میری آرزو تھی کہ میری محترم خوشدامن صاحبہ میرے سر پر موجود ہوں اور مَیں اُنکے زیرِ سایہ رہوں۔ مگر میری خوشدامن صاحبہ نے دُنیائے ناپائدار سے جسوقت کوچ کیا تو میرے سرتاج چار برس کے تھے۔ لیکن ہمارے بزرگوار جناب قبلہ و کعبہ صاحب نے دُوسری شادی نہ کی۔ اِسوجہ سے کہ اگر کوئی بدمزاج یا بُری عورت ہوئی تو بچوں کی زندگی برباد ہوجائیگی اور گو سب نے مجبور کیا مگر جناب قبلہ و کعبہ نے قطعی انکار کردیا۔ اپنی اولاد کی تعلیم کو فرضِ منصبی سمجھا جسکا یہ نتیجہ ہوا کہ آج سب اچھے اچھے عہدوں پر ممتاز ہیں۔ یہ سب کچھ ہی مگر جب مَیں خیال کرتی ہُوں کہ میری خوشدامن صاحبہ مرحومہ کا سایہ میرے سر پر نہیں تو دل کو نہایت بیقراری ہوتی ہے۔ اگر آج خوشدامن صاحبہ مرحومہ دُنیا پر سلامت ہوتیں تو ہماری زندگی کیسی اچھی بسر ہوتی۔ میری تقدیر میں اتنا بھی نہ تھا کہ مَیں زیارت حاصل کرتی خوش نصیب ہیں وُہ بہنیں جنکے سروں پر نعمت موجود ہے انکو کسی بات کی فکر نہیں۔ بزرگ سر پر سلامت ہیں تو گھر کی رونق ہی کچھ اَور ہو جاتی ہے۔ ساس اگر بدمزاجی سے بھی بہو سے پیش آئے تو بھی بہو کو ہمیشہ خدمت کرنی چاہیئے اور خوش رکھنا چاہیئے میری تقدیر میں والد مرحوم کا سایہ بھی نہ تھا انکو بھی دنیائے فانی سے کوچ کئے ۱۵ سال گذر گئے ہماری والدہ معظمہ نے ہماری تعلیم پر توجہ کی خداوند کریم انکا سایہ ہمارے سر پر سلامت رکھے اور جناب قبلہ و کعبہ صاحب برقرار رہیں۔ جسوقت خوشدامن صاحبہ مرحومہ اور والدہ صاحبہ مرحومہ کا خیال آتا ہے تو کلیجہ پکڑ کے رہ جاتی ہُوں۔ میری معزز بہنو! یہ رام کہانی تو ختم نہ ہوگی اور مضمون بہت طویل ہوجائیگا اِسلیئے اپنے قلم کو روکتی ہوں۔

راقمہ مسز زمان مہدی خاں۔

پردہ اور میل جول

جب سے نئی تعلیم اور تہذیب شروع ہوئی ہے۔ پردے کا جھگڑا بھی ساتھ ہی شروع ہو گیا ہے۔ تقریباً ۵۰ فیصدی تعلیم یافتہ یہ پسند کرتے ہیں کہ پردہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہماری عورتیں بالکل اس قابل نہیں کہ وہ کسی سوسائٹی میں مل جل سکیں۔ یا اعلیٰ تعلیم اور تجربہ حاصل کر سکیں۔

کسی حد تک ٹھیک تو ہے مگر سر دست اگر اس پر عمل کیا جائے تو بہت نقصان اُٹھانا پڑیگا۔ کیونکہ کسی چیز کو دفعتہً ابتدائی حالت سے انتہا تک پہنچا دینے میں اکثر مشکلات پیش آتی ہیں۔ اور کم از کم بسا اوقات وہ چیز نامکمل رہ جاتی ہے اور اپنی حالت سے بھی گر جاتی ہے۔ میرا اس بیان کرنے سے یہ مطلب ہے کہ ابھی تو ہماری تعلیم بھی پوری نہیں ہوئی۔ جیسا کہ میں نے اپنے پہلے مضمون میں لکھا تھا کہ سب سے پہلے ہماری تعلیم لازمی ہے۔ اگر ہندوستان میں تعلیم و تہذیب اور علم و ہنر پھیلانے کی ضرورت ہے تو عورتوں کو تعلیم دیجائے۔ جب یہ مکمل ہو تو پھر کسی اور بات کا خیال کیا جائے۔ جب تعلیم مکمل ہو گی تو تمام دھندے حل ہو جائینگے۔ اور بیڑا پار ہو جائیگا لیکن اس وقت ایک رسم جو ہم میں صدیوں سے چلی آئی ہے دنوں اور مہینوں میں کس طرح مٹ سکتی ہے۔ اس کے نیست و نابود کرنے کے لئے بھی ایک مدت چاہئے۔ اگر یورپ کی مثال لی جائے تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ یہ طریقہ ان میں آبا و اجداد سے چلا آرہا ہے۔ ان میں جہاں تک مجھے معلوم ہے کبھی پردہ نہیں ہوا۔

مگر اتنا ضرور ہی کہ شریف عورتیں ان میں بھی باہر بے باکانہ نہیں نکلتیں۔

سر دست دقت یہ ہی کہ مردوں اور عورتوں میں اگر ایک ہی قسم کی آزادی ہو جائے تو گھر بار کا کام سنبھالنا بموجب ہمارے طریقوں اور رسموں کے بہت مشکل ہو جائے۔ شروع سے ہی یہ طریقے کچھ اس طرح ترتیب دیئے گئے ہیں کہ اب ان کا آناً فاناً علیحدہ کرنا دشوار ہی۔ ہاں البتہ اتنا ضرور ہی کہ عورتوں کو اپنی بہنوں۔ سہیلیوں سے ملنا جلنا اُن کے گھر جانا اور اُن کو اپنے گھر بلانا ضرور مفید ہی۔ اس سے واقفیت بڑھتی ہی۔ تجربہ بڑھتا ہی۔ اتفاق بڑھتا ہی۔ دنیا میں اتفاق جیسی کوئی چیز نہیں۔ اتفاق سے ہی انسان ہر ایک مشکل کو حل کر سکتا ہے

ہماری پنجابی میں بھی ایک مثال ہی کہ اتفاق سے شیر مارا جاتا ہی اور بے اتفاقی سے ایک چنا بھی نہیں پھوڑا جاتا۔

عورتوں کو آپس میں ایک دوسرے سے ملاقات ضرور کرنی چاہیئے۔

اگر عورتیں یہ چاہتی ہیں کہ باہمی ملاقات سے فائدہ حاصل کریں تو یہ کوشش کریں کہ انکی بات چیت کسی مفید مضمون پر ہو۔ مثلاً تعلیم و تہذیب۔ گھر با کے کاروبار۔ اور سینے پرونے وغیرہ پر۔ ان کی ملاقات محض ایک دوسرے کی شکایات کے واسطے نہ ہونی چاہیئے۔

اگر ہم یہ کوشش کریں کہ ہماری خاص سوسائٹی ہونی چاہیئے جو مہینہ میں ایک بار ہو۔ تو اس کے قائم کرنے کے لئے بڑی احتیاط ضروری ہی۔ یہ پارٹی عام نہیں ہونی چاہیئے۔ خاص چند شریف عورتوں کے آپس میں ملنے جلنے کے لئے ہونی چاہیئے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ جتنی وسیع ملاقات ہوگی اتنا ہی فائدہ ہوگا۔ مگر یہ وہی بات ہوگی کہ گھر بار بال بچے سب کو چھوڑ کر پارٹیز ہی میں مشغول رہنا ہوگا۔ اور یہ سوال حل طلب ہے۔

پردہ کے متعلق میں اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے پاس ایک بڈھا اندھا ملنے کے لئے آیا۔ اس وقت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلعم نے بی بی صاحبہ کو فرمایا کہ اندر ہو جاؤ۔ وہ بولیں کہ یہ تو اندھا ہے۔ اس کو تو کچھ دکھلائی نہیں دیتا۔ آنحضرت نے فرمایا کہ تم کو تو دکھائی دیتا ہے۔ یہ سنکر بی بی صاحبہ فوراً اندر ہو گئیں۔

پیاری بہنو! شریعت میں پردہ کی اس درجہ تک پابندی ہے+

راقمہ مسز احمد سعید

بچوں کی پرورش

گذشتہ اشاعت سے آگے

۲۴۔ اکلوتے بچے کی تعلیم دینے میں بہت کوشش کرنی چاہئے۔

۲۵۔ بچے کے دل سے خودغرضی خودپسندی کے خیالات دور کرنے میں بھی کوشش درکار ہے۔

۲۶۔ بچے کو ظاہرداری سے بچانا چاہئے

۲۷۔ بچے کو اطاعت فرمانبرداری خوش گفتاری سنجیدگی سکھانی چاہئے۔

۲۸۔ بچے کے آگے کبھی ناشائستہ و بدماغ نہ ہونا چاہئے۔ پندونصیحت سے کبھی فائدہ نہ ہوگا جب تک مثال بنکر اس کے آگے پیش نہ کریں۔

۲۹۔ بچے کو سچے ڈر کا چنداں مضائقہ نہیں جھوٹا ڈر کبھی نہ بٹھانا چاہئے۔

۳۰۔ بچے کا کمرہ علیحدہ ہونا چاہئے۔

۳۱۔ بچے کی تخصیص کا خیال رکھنا چاہئے اب ڈاکٹروں کو بھی اس کا خیال ہوتا چلا ہے۔

۳۲۔ قدرت میں یکایک تبدیلی نہ کرنا چاہئے۔

۳۳۔ بچے کو سدھارنے سے پہلے یہ خیال کرلینا چاہئے کہ کس بات میں مداخلت کی ضرورت ہے۔

۳۴۔ بچے کے مزاج میں آناً فاناً جو تبدیلی ہوجاتی ہے وہ صرف صحت کی تبدیلی کا باعث ہو۔

۳۵۔ شوخی تندخوئی سستی۔ کاہلی۔ چوری وغیرہ کا نرمی اور حلم سے علاج کرنا چاہئے۔

۳۶۔ بچے کی توجہ شروع ہی سے کسی نہ کسی بات میں ضرور مشغول رکھنی چاہئے۔

۳۷۔ بچوں کو اس بات کی کبھی تعلیم نہیں دینی چاہئے کہ بڑوں پر حکومت کریں۔ خواہ وہ نوکر کیوں نہ ہوں۔

۳۸۔ بچہ خودبخود کوئی نئی چیز یا نئے خیالات ایجاد نہیں کرسکتا۔

۳۹ - بچوں میں قوتِ متخیلہ بہت تیز ہوتی ہے۔

۴۰ - قدرت ہمیشہ خوبصورت ہوتی ہے۔ جہاں تک ہو سکے بچوں کو قدرت سے محبت سکھانی چاہئے۔ خوش قسمت ہے وہ شخص جو قدرت سے لُطف اُٹھاتا ہے۔

۴۱ - جو شخص قدرت سے محبت رکھتا ہے وہ کبھی حیوان نہیں بن سکتا۔

۴۲ - اگر بچپن ہی سے سر بلا رک سُننے کی عادت ہو تو بچہ عمر بھر بیہودہ گوئی سے بچا رہیگا۔

۴۳ - بچے کے اِرد گرد تعلیم یافتہ لائق اشخاص ہونے چاہئیں۔

۴۴ - اگر والدین کو توفیق ہو تو بچپن میں بہت سی زبانیں سکھلا سکتے ہیں۔

۴۵ - بچوں کو مختصر اور دلچسپ نصیحت آمیز کہانیاں ضرور سُنانی چاہئیں۔

۴۶ - محبت اور انسانی ہمدردی بچوں کو ضرور سکھانی چاہئے۔

۴۷ - بچوں کو پند و نصیحت ہرگز سود مند نہ ہوگی جو کچھ انہیں سکھانا چاہیں خود نمونہ بنکر بتائیں۔

۴۸ - سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ والدین پرورش اولاد سے بخوبی آگاہ ہوں۔

۴۹ - سب سے زیادہ اچھا طریقہ تعلیم کا یہ ہے کہ اپنی طبیعت کو قابو میں رکھیں۔

۵۰ - بچوں کی تعلیم دلچسپ پیرائے میں ہونی چاہئے۔ باتوں باتوں میں کھیلوں میں بچوں کو تعلیم دینی چاہئے جہاں تک ممکن ہو یہ خیال پیدا نہ ہونے دیں کہ بچے کو کچھ سکھلا رہے ہیں۔ ختم

رابعہ بیگم

بی بی ڈارکس

زمانۂ قدیم میں ملکِ کنعان میں ایک مشہور شہر یافا تھا جو بحرِ اعظم کے قرب میں واقع تھا۔ آجکل بھی اس جگہ ایک خوشنما بستی آباد ہے جس کے باشندوں کی تعداد کوئی پندرہ ہزار ہوگی۔ سنہ ۳۰ء کے قریب کا ذکر ہے کہ اسی شہر یافا میں ایک نیک۔ دیندار اور غریب دوست خاتون رہتی تھی جسکا نام ڈارکس تھا۔ وہ بہت ہی نیک کام اور خیرات کیا کرتی تھی۔ قضا کار وہ بیمار ہو کر مر گئی اور جب لوگوں نے نہلا کر اُسے بالاخانہ میں رکھدیا تو یافا کی بہت سی بیوہ عورتیں روتی ہوئی اسکی لاش کے پاس آ کھڑی ہوئیں اور جو کُرتے اور دیگر کپڑے محنت سے اپنی زندگی میں بنا کر انہیں دیے تھے ایک دوسرے کو دکھانے لگیں۔ آہ! وہ نظارہ کس قدر دردناک تھا۔ بیچاری غریب عورتیں اپنی مہربان دوست کی لاش کے سرہانے کھڑی آنسو بہا رہی ہیں۔ آہ! آج اُن کے سروں پر غم کا ایک پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے۔ دُنیا اُنکی نظروں میں تاریک ہو گئی ہے۔ اُنہیں اب کوئی ایسا ہمدرد نظر نہیں آتا جو ڈارکس کی طرح اُنکا خبر لیوا ہو۔ پھر بھلا وہ کیوں غم نہ کریں۔

ڈارکس کے حق میں لکھا ہے کہ "وہ اپنے نیک کاموں سے جنہیں وہ کرتی تھی، مالا مال تھی" مگر کہیں نہیں لکھا کہ وہ اُن کاموں سے مالا مال تھی کہ جن کے کرنے کا ارادہ رکھتی تھی۔

پیاری بہنو! ہم میں بہت سی مستورات کسی نیک کام کے کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں مگر "کل کریں گے" کہکر اُس سے رُک جاتی ہیں۔ مگر ڈارکس صرف اپنے کاموں سے مالا مال رہتی تھی۔ باتوں سے ہرگز نہیں۔ یہ ایک بڑا بھاری فرق ہے جو اس کے اور ہم میں سے بعض کے درمیان ہے۔ ڈارکس کی کامیابی کا راز صرف ایک ذراسی سوئی تھی جس کے ذریعہ اُس نے

ہمیشہ امداد کا سلسلہ جاری رکھا۔ ہم میں کتنی بہنیں ایسی ہیں جو سینا پرونا جانتی اور ڈارکس کی تقلید کرتی ہوں؟ دوسروں کی مدد کرنا تو درکنار بعض کو اپنی بچیوں کی تربیت کرنا بھی وبالِ جان ہے۔ ہزار ہا لڑکیاں صرف اپنے ہی گھروں میں تباہ ہو گئیں۔ نہ تو وہ سینا پرونا جانتی ہیں۔ نہ کھانا پکا سکتی ہیں اور نہ گھر کی دیکھ بھال ہی ان سے ہوسکتی ہے۔ اگر وہ کچھ جانتی بھی ہیں تو صرف بدمزاجی۔ بات بات پر بگڑنا۔ بڑی بوڑھی عورتوں کو جواب دینا۔ کیا ان عادات سے امید کی جاسکتی ہے کہ وہ کوئی اچھا کام کرسکیں گی یا شادی بیاہ والی ہوکر اپنے گھر بار بنا سکیں گی؟

اس بیسویں صدی میں ڈارکس پھر زندہ ہوگئی ہے۔ یورپ میں مستورات کی بہت سی انجمنیں اُس کے نام پر چل رہی ہیں۔ ان کا یہ مقصد ہے کہ وہ اس سلسلہ امداد کو جاری رکھیں جسے ڈارکس نے شروع کیا تھا۔ بعض بہنیں شاید یہ عذر کریں کہ "یورپین خواتین میں پردہ کا رواج نہیں ہے۔ اس لئے وہ کھلے بندوں ہر کہیں آ جاسکتی اور جو چاہیں کرسکتی ہیں۔ ہم بھلا کیا کرسکتی ہیں؟" لیکن یاد رکھئے نیکی اور بھلائی کی سچی خواہش کو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی نہیں روک سکتی ہے۔ ڈارکس اپنے پڑوسیوں کی مدد کیا کرتی تھی۔ وہ کسی دوسرے محلہ یا شہر پر نظر دوڑا کر اور دوری کا خیال کرکے چپ چاپ نہیں بیٹھ گئی۔ بلکہ اُس نے اپنا کام اُسی احتیاج مند بیوہ سے شروع کیا جو اُس کے ہمسایہ میں رہتی تھی۔ وہ ہمیشہ اسی کوشش میں لگی رہی کہ اپنی زندگی کو زیادہ مفید اور کارآمد ثابت کرے۔ کیا آپ اپنے ہمسایہ اور محلہ والی غریب عورتوں کی کچھ مدد نہیں کرسکتی ہیں؟

یورپ میں ڈارکس سوسائیٹیوں کا آجکل بڑا چرچا ہے۔ طبقہ نسوان کے اخبارات

کے علاوہ مردوں کے اخباروں میں کبھی کبھی ڈارکس پر مضامین نکلتے ہیں۔ حال میں ایک اخبار میری نظر سے گذرا جس میں ڈارکس کی خوبیوں پر ایک دلچسپ مضمون درج تھا۔ اس مضمون کے آخری حصہ میں جوانوں سے اس طرح خطاب کیا گیا ہے:-

"جوانو! خبردار۔ کوشش کرنا کہ تمہیں ڈارکس جیسی بیوی ملے۔ وہ صرف تمہیں کو نہیں بلکہ دوسروں کو بھی کپڑے پہنائیگی۔ جس طرح تم اور اچھی چیزوں کی تلاش کر کے اپنے لئے انتخاب کرتے ہو۔ اسی طرح اس معاملہ میں بھی ذرا ہوش سے کام لینا۔ تم مبارک ہو گے اگر تمہیں ڈارکس ایسی بیوی مل جائے۔ اُس سے تمہارا گھر "بہشت کا نمونہ" اور تمہاری زندگی ایک مبارک زندگی ہوگی"

بہنو! ذرا ان الفاظ پر غور کرو۔ ان میں ڈارکس کی کیسی عمدہ تصویر کھینچی گئی ہے۔ کیا آپ آئندہ اس امر کی کوشش نہ کرینگی کہ آپ کا گھر "بہشت کا نمونہ" بن جائے؟ کاش! میری ہندوستانی بہنوں میں بہت سی ڈارکس پیدا ہوں اور اپنے پیچھے ایک نیک نام اور نہ مٹنے والی یادگار چھوڑ جائیں۔ سلیمان بادشاہ نے کیا خوب کہا ہے:-

"حسن دھوکا ہے اور جمال میں پائیداری نہیں! پر وہ عورت جو خدا سے ڈرتی ہے ستودہ ہو جائیگی .... اُس کے کام پھاٹکوں کی مجلس گاہوں میں اُس کی ستائش کرینگے۔"

ح۔م۔ب

انجمنِ بیگماتِ حامیِ اُردو لاہور

اکثر بہنوں نے اس انجمن کے قیام کی خبریں مختلف اخبارات میں ملاحظہ فرمائی ہونگی۔ یہ انجمن لاہور کی بیگمات کی طرف سے اُردو زبان کی حمایت اور ترقی کے لئے قائم کی گئی ہے۔ اور نہایت خوشی کی بات ہے کہ بہنوں نے اس ضروری کام میں کافی دلچسپی سے شمولیت فرمائی ہے۔ اس انجمن کا سب سے ضروری مقصد یہ ہے کہ اُردو زبان میں مستورات کے لئے مفید اور دلچسپ کتابیں تصنیف کرواکر شائع کی جاویں۔ انجمن کا ماہوار چندہ لاہور کی بہنوں سے ۴ ماہوار اور بیرجات کی بہنوں سے ۲ ماہوار مقرر کیا گیا ہے۔ چنانچہ اب تک ۲۵ معزز بہنوں نے اس مفید انجمن کی ممبری منظور فرما کر سکرٹری کی ہمت افزائی کی ہے۔ امید ہے دیگر بہنیں بھی اس طرف متوجہ ہونگی۔ اور اس مفید کام میں شامل ہو کر علمی دلچسپی کا اظہار فرماوینگی۔ اُردو زبان کے مشہور مصنفوں کی خدمت میں باادب التماس ہے کہ اگر کوئی مفیدِ نسواں کتاب تحریر فرماویں تو انجمن حامیِ اُردو کو فراموش نہ کریں۔ اُردو زبان میں مفید نسواں کتابیں چھپوا کر شائع کرنے کے لئے یہ انجمن بڑی خوشی سے تیار ہے۔ اخیر میں اُن بھائیوں اور بہنوں کا صدقِ دل سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے جنہوں نے اس انجمن کے انعقاد پر دل سے اظہارِ پسندیدگی فرما کر ہماری ہمت افزائی کی ہے۔ انجمن کے قواعد و مقاصد تیار ہو چکے ہیں۔ طلب کرنے پر فوراً بھیجے جاوینگے ؎

راقمہ بنتِ محبوبِ عالم

جنرل سکرٹری انجمن بیگماتِ حامیِ اُردو لاہور

بیماری تیمار داری

گذشتہ اشاعت سے آگے

کاظم حسین۔ میری بھی یہی رائے ہے۔ لیکن آپ ہماری سالی صاحبہ کے مزاج سے واقف نہیں۔ وہ ہرگز راضی نہ ہونگی۔

علی نقی خان۔ کیسے معلوم ہوا تم نے اُن سے اِس کے بارہ میں ذکر کیا تھا؟ سمجھانے سے سمجھ جائینگی۔

کاظم حسین۔ واہ بھائی صاحب! وہ کیا سمجھنے والی ہیں۔ بلکہ اُن کو اس بات کا فخر ہے کہ کوئی اُنکو سمجھا نہیں سکتا۔ میں نے سُنا ہے کہیں اور لڑکی کی نسبت ٹھہرتی ہے۔

علی نقی۔ پھر مجبوری ہے ٹھہرانے دو۔ جاہل عورتوں سے کسی کا زور چل سکتا ہے۔ خود ہی پشیمان ہونگی۔ آجکل تو لڑکی کو بیمار بنا رکھا ہے۔ کسی مولوی نے کہا کہ آسیب ہے۔ ایسے مولوی کے پیچھے میں تو کبھی نماز نہ پڑھوں۔ آسیب خدا جانے کس شئے کو یہ لوگ سمجھتے ہیں۔ میری سمجھ میں تو آجتک نہیں آیا۔ کوئی جن عورت کی گردن پر بیٹھا رہتا ہے۔ یا کوئی جن کے اُڑتے وقت عورت اُس کے نیچے یا اُس کے سایہ میں آجاتی ہے۔ یا جن ہوا بنکر اُسی کے ناک کے راستے بدن میں سما جاتا ہے۔ واہ اس حماقت کی بھی کچھ انتہا ہے۔ لیاقت النسا بیگم تو ایک جاہل عورت ہیں۔ میرے دوست سید جان صاحب ایک مرد آدمی پڑھے لکھے ہوکر ایسے لغویات پر اعتقاد رکھتے ہیں اور پھر سمجھتے ہیں کہ انہی باتوں سے انکے

گھر بچہ ہونیوالا ہے۔ یعنی فقیر صاحب اور مولوی صاحب کی دی ہوئی رُوح اُترنے والی ہے۔ نعوذ باللہ یہ شرک نہیں ہے تو کیا ہے۔ دُوسروں کو مُشرک کہتے ہیں۔ اور آپ خود خدا کے سیکڑوں بیٹے اور سیکڑوں خدا بنائے پھرتے ہیں۔ میرے نزدیک تو خُدا کا ایک لائق بیٹا ہونا بہتر ہے نسبت ایسے لُچے لنگے ہیوں کے۔ یہاں پہ دونوں بھائیوں نے خوب ٹھٹھے لگائے۔ مزہ یہ کہ اپنے اوپر سے سید صاحب ہر روز نظر بھی اُتروا تے ہیں۔ ایک روز میں بھی بیٹھا ہوا تھا کہ ماما اندر سے آئی کوئی چیز مُٹھی میں دبائے ہوئے تھی لاکر سر سے پاؤں تک سات دفعہ چھوا کر کچھ بڑبڑا کر لے چلی گئی۔ میں نے پُوچھا یہ کیا تماشا ہے؟ کہنے لگی میرا مزاج آج اچھا نہیں ہے۔ ہاتھ پاؤں ٹوٹتے ہیں۔ آج میں اپنا فراک کوٹ پہنکر گیا تھا حسین جان صاحب نے اس کی بہت تعریف کی اس لئے نظر اُتروا ڈالتا ہوں۔ میں نے کہا آپ کو کیونکر نظر ہوئی ہے۔ نظر تو آپ کے فراک کوٹ کو ہوئی ہوگی جسکی تعریف کی گئی تھی اسکو تو دیکھ لیجئے کہیں سکڑ نہ گیا ہو یا کہیں اینٹھ نہ گیا ہو۔ اس کے اوپر سے بھی نظر اُتروا ڈالیے۔ بہت خفا ہوئے کہ آپ مجھے مسخرا بناتے ہیں۔ تمام دُنیا نظر کی قائل ہے کیا میں ہی اکیلا تھوڑا ہوں۔ اور نظر تو ایسی لگ جاتی ہے کہ پتھر کو پھاڑ دے میں نے کہا تمام دُنیا بیوقوف ہے۔ تو کیا ضرورت ہے۔ آپ بھی اُن کا ساتھ دیجئے اور تمام انگلینڈ کے تعلیم یافتوں کا نام بدنام کیجئے۔ جب مردوں کے ایسے خیال ہوں تو پھر عورتوں بیچاریوں کا کیا ذکر جو تمام عُمر سوائے چار دیواریوں کے کہیں باہر قدم بھی نہیں رکھتیں۔

کاظم حسین۔ اُن کے زنانہ مکان کو کبھی آپ نے غور سے دیکھا ہے اس قدر

بلند دیواریں ہیں کہ باغ عامتہ کی دیواروں کی بھی کچھ حقیقت نہیں جب بی بی بیٹھ جاتی ہیں تو ٹھیک بارہ بجے دوپہر کے میانہ آتا ہی اس میں بیٹھ کر وہ بھی اس طرح کہ اوپر سے غلاف اس پر ایک جاجم - مجھے اندیشہ ہی کہ کسی دن اسی میں دم گھٹ کر مر نہ جائیں - کہیں ہوا کا نام تک نہیں ہوتا -

کاظم علی - مجھ کو اس کا افسوس ہی کہ سجاد کی والدہ اور نانی کی کی ہوئی منگنی ہی یہ صرف لیاقت النسا - کی کم فہمی سے ٹوٹ جائیگی تو مایہ بدنامی ہوگا - اور تو کسی چیز کا افسوس نہیں - بلکہ میں سمجھتا ہوں - شاید اس لڑکی سے اور سجاد سے بنے کی ہی نہیں اس لئے کہ میں سنتا ہوں بدمزاج ہی اور محض ان پڑھ - یہ بھی لیاقت النسا بیگم کی ضد اور جہالت کا نتیجہ ہی - میں نے بہت کہا کہ لڑکی کو تعلیم دینا ضرور ہی - آجکل انگریزی کا زمانہ ہی انگریزی پڑھایئے - سجاد کی تو جہانتک مجھ سے ممکن تھا میں نے اعلیٰ درجہ کی تعلیم کردی ہی - آپ کو چاہئے کہ آپ قدرت کی بھی اچھی تعلیم کیجئے تاکہ آیندہ زندگی اچھی طرح بسر ہو - میاں بی بی میں ہمخیالی ہو اور یہی ذریعہ محبت ہی بس بگڑ گئیں اور کہنے لگیں واہ میاں میری لڑکی آئے دن کی بیمار ہی میں کیوں اس کی طبیعت پر اتنا بار ڈالوں سجاد میاں کو انگریزی درکار ہی تو کسی انگریزنی سے کرلیں تم کو بھی غرض ہو تو کرو نہیں تو ابھی سویرا ہی - چھڑالو کیا میری لڑکی ایسی ان پڑھ تھوڑا ہی ہی - قرآن مجید کے پانچ سپارے ختم کرچکی ہی اور اردو کی بھی تیسری پڑھتی ہی - سوائے اس کے میں غریب بیوہ آدمی کہاں سے اتنا مٹھی بھر کے روپیہ لاؤنگی کہ ہر مہینہ میں فرنگن کو دیا کرونگی اتنا بچے تو میں قدرت کے لئے کوئی چیز بنا کر ڈال رکھوں

وقت پر پڑے پاؤں کی طرح کام آئے۔ میں نے کہا آپ کو تنخواہ سے کیا غرض۔ کہنے لگیں۔ میری لڑکی ہے مجھے نہیں تو پھر کسے غرض ہے۔ میں نے کہا ہمشیرہ صاحبہ انہی مختوں سے کیا واسطہ۔ میں میم کو دیدونگا۔ آپ لڑکی کو پڑھنے دیجیے مگر نہ مانیں اور کہنے لگیں میں آپ پر کیوں بوجھ ڈالوں کل کو آپ لوگ طعنے دینگے کہ میں نے میم نوکر رکھوادی تھی۔ میں نے بہت سمجھایا کہ میرے نزدیک جیسے سجاد ویسے قدرت۔ استغفراللہ۔ طعنے دینے کی کس کی مجال ہے۔ میم کی تنخواہ ہوتی ہی کیا ہے۔ مگر اُس جاہل بدزبان عورت نے ایک نہ مانی۔ سجاد کی والدہ خدا مغفرت کرے۔ انکی چھوٹی بہن تھیں مگر مزاج میں دونوں سے کوئی نسبت نہیں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا۔ میر قدرت علی مرحوم سے اور ان کی کیونکر بنتی تھی۔ اُن کے وقت میں یہ سب باتیں سُننے میں نہ آتی تھیں۔ میاں کا ان پر بہت دباؤ تھا۔ اُن کے مرنے سے یہ حالت ہوگئی۔ میر قدرت علی سے اور مجھ سے بہت دوستی اور محبت تھی۔ مجھے چھوٹے بھائی کے برابر سمجھتے تھے۔ یہ بیت سعدی علیہ الرحمۃ نے بہت ٹھیک فرمائی ہے: ؎

زنِ بد در سرائے مردِ نکو ہم دریں عالم است دوزخِ او

مجھے اس کی بھی بہت فکر ہے کہ معلوم نہیں اپنی ضد میں لڑکی غریب کو کسی اندھے کنوئیں میں جھونک دینگی۔ افسوس صد ہزار افسوس۔ خدا پناہ میں رکھے ایسی جاہل عورتوں سے۔

باقی آئندہ

بُڑھاپا

آسٹریا کے پایۂ تخت وائنا میں ایک نہایت عالیشان گیلری قدِ آدم تصویروں کی ہی۔ جس میں بڑے بڑے مشہور اُستادانِ فن کی صنّاعی کے نمونے جمع کئے گئے ہیں - بہت سی لاجواب تصویریں وہاں نظر آئیں - مگر دو تصویروں نے چشمِ عبرت کے لئے سُرمہ کا کام دیا - ڈینز نامی ایک نقّاش نے ایک بڈھے اور ایک بُڑھیا کی تصویریں بنائی ہیں - جن میں بُڑھاپے کے سارے نقشِ خدّوخال سے عیاں ہیں - دونوں صورتیں ایسی انتخاب کی ہیں جو جوانی میں حُسن صُورت کے زیور سے آراستہ ہونگی - مگر اب دونوں بُڑھاپے کی تصویریں ہیں - اُستاد کا کمال یہ ہی کہ پیشانی اور چہرہ کی ایک ایک جُھرّی الگ نظر آتی ہی - اِن دونوں تصویروں کے فوٹو لئے گئے ہیں اور اکثر سیّاح یہ فوٹو اپنے ساتھ یادگار کے طور پر لے جاتے ہیں - بُڑھیا کی تصویر کے فوٹو کی نقل آج ہدیہ ناظرین و ناظراتِ عصمت کی جاتی ہی - اور اِس تصویر کی اشاعت سے دو مقصد ہیں - اوّل تو یہ کہ یورپ کی نقاشی کی ترقی کا اندازہ ہوسکے - ماہرِ فن کے تخیّل کو دیکھئے - بُڑھاپے کا تصوّر کرکے اس کو جسمانی صُورت دی ہی - اس خوبی کے ساتھ کہ دیکھنے والا محوِ حیرت ہو جائے - فوٹو میں بھلا وہ خوبی کس طرح نظر آسکتی ہی جو اصل تصویر سے نمایاں ہی - مگر پھر بھی پتا چل سکتا ہی کہ اصل تصویر کیا ہوگی - افسوس یہ نقل در نقل جو ہمارے لئے تیار ہوئی

نہ اس میں وہ خوبی اور بھی کم ہو گئی ہے۔ مگر دیکھنے والے پھر بھی پتا لگا سکتے ہیں۔ دوسرا مقصد اس تصویر کے پیش کرنے سے یہ ہے۔ کہ بڑھاپے کا تصور جوانوں کی ہمت کے لئے تازیانہ کا کام دے۔ بڑھاپا کیا ہے۔ قویٰ کی کمزوری۔ ہاتھ پاؤں آنکھ کان سب رفتہ رفتہ جواب دینے لگتے ہیں جھریاں نہ صرف چہرہ کی رونق کو زائل کر دیتی ہیں۔ بلکہ ہاتھوں اور بازوؤں تک پہ نمودار ہو کر یہ بتا سکتی ہیں کہ تھوڑے عرصہ میں گوشت اور استخوان کا دیرینہ ساتھ چھٹنے کو ہے۔ میر انیس مرحوم کیا خوب فرماتے ہیں: ؎

یہ جھریاں نہیں ہاتھوں پہ دست قدرت نے
چنا ہے جامہ ہستی کی آستینوں کو

یہ چُن چُنا و تیاری سفر آخرت کی دلیل ہے۔ پس جو لوگ بڑھاپے کے اصلی معنی سمجھتے ہیں اور اس کے انجام سے واقف ہیں۔ وہ جوانی کو غفلت سے نہیں گزارتے اور کوئی کام اس خیال سے ملتوی نہیں کرتے۔ کہ یہ بڑھاپے میں کر لیا جائے گا۔ بڑھاپا رخصت قبل از علیحدگی کا زمانہ ہے۔ کام کا اصلی وقت جوانی ہے۔ اسے بیکار نہیں کھونا چاہئے۔ جو کچھ سیکھنا ہو۔ جو نیک کام کرنے ہوں۔ جو فرائض ادا کرنے ہوں۔ جوانی میں کر لو پیشتر اس کے کہ ضعف پیری آ کر دبا لے۔ اور کھوئی ہوئی جوانی کا پچھتاوا باقی رہ جائے۔

عبد القادر

رنگائی

زمانہ روز بروز ترقی کر رہا ہے جو کام روپوں اور اشرفیوں میں نکلتے تھے اب وہ پیسوں اور کوڑیوں میں ہوتے ہیں جن باتوں میں دن اور مہینہ لگتے تھے اب گھنٹوں اور گھڑیوں میں پورے ہوتے ہیں۔ اس ترقی سے انکار نہیں۔ سچی بات ہے ایک ذرا سے کپڑے رنگنے میں گھنٹوں اہتمام کرنا پڑتا تھا انگریزی رنگوں نے گھنٹوں اور پہروں کی محنت کو چٹکیوں کا کر دیا۔ ایک ڈھیلے پائنچے مرکا بخیہ کہیں مہینوں میں ہوا کرتا تھا اب مشین کی یہ کیفیت ہے ادھر لگا یا اُدھر ختم لیکن جہاں ہم اس سہولت پر خوش اور ترقی پر نازاں ہیں وہیں ہم ایک کمی پر خاموش اور ایک نقصان پر متاسف بھی ہیں۔ جس وقت ان چیزوں کا وجود نہ تھا سنگر سیونگ مشین اور مائکروسوپ کا کوئی نام بھی نہ جانتا تھا۔ اُس وقت کی لڑکیاں آج دادی نانیاں بن بنا رخصت ہوئیں ادائیگی فرائض میں چاق اور ہر فن میں طاق تھیں اُنکی دسوں انگلیاں دسوں چراغ اور آج دونوں ہاتھ پھاڑ کے ٹھوں ہیں۔

دُور کیوں جاؤ کپڑوں کی رنگائی ہی کو لے لو ہمارے ہوش کا ذکر ہے کہ اگر ہفتہ میں ایک دفعہ نہیں تو مہینہ میں دو تین دفعہ انگنائی میں الگنی پر رنگے ہوئے کپڑے لٹکتے دکھائی دیتے تھے۔ دیکھتے دیکھتے یہ فرق ہو گیا کہ اب مہینوں بھی وہ سماں نظر نہیں آتا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اگر آجکل کی کسی لڑکی سے پوچھو کہ فیروزی کپڑا کیونکر رنگتے ہیں اور کیا کیا احتیاط کرتے ہیں تو وہ منہ دیکھ کر چپ ہو جائیگی۔

یہ کتنا بڑا نقصان ہوا اور ہو رہا ہی اور کیسی قابل افسوس کمی دیکھی اور دیکھ رہے ہیں کپڑے دھو سکنے کے قابل نہیں تو کپڑے رنگ سکنے کے قابل تو ہر لڑکی کو ہونا چاہیئے اور اگر نہ ہو تو اسکا قصور سیر بھر باپ کا ڈیڑھ سیر اور ماں کا دو سیر۔

رنگ کی اصلی کیفیت یہ ہی کہ اسکا انحصار روشنی پر ہی کبھی آفتاب کی طرف دیکھو تو پتلی پتلی لکیریں سی دکھائی دیتی ہیں جو کرنیں کہلاتی ہیں۔ یہ کچھ سورج ہی پر موقوف نہیں۔ ہر روشن چیز میں سے نکلتی ہیں۔ ان ہی کرنوں کے ذریعہ سے روشنی دوسری چیز پر پڑتی ہی اور یہ باری تعالیٰ کی قدرت ہی کہ شعاعوں میں یہ طاقت رکھی کہ کسی چیز پر پڑ کر منعکس ہوتی ہوئی دوسری جگہ بھی اثر پہنچاتی ہیں اسی واسطے کمرے والان در دالان تک میں جہاں کرنیں نہیں پڑتیں اُجالا ہوتا ہی۔

یہ بات تحقیق ہو چکی ہی کہ اصل رنگ زرد سیاہ سُرخ تین ہی ہیں اور باقی جسقدر بھی رنگ ہیں ان ہی تین رنگوں کی شاخیں ہیں لیکن یہ تعجب کی بات ہی کہ سب رنگ مل کر سفید رنگ ہوتا ہی۔

کبھی دیکھا ہوگا کہ صابن کو پانی میں گھول کر ایک خول تنکے سے جو بچے بلبلے اُڑاتے ہیں تو وہ بلبلے رنگ برنگ کے ہوتے ہیں یا کبھی مینہ برس چکنے کے بعد آسمان پر کمان نکلی دیکھی ہوگی یا کبھی جھاڑ کی قلم میں سے دیکھا ہوگا کیسی رنگ برنگ کی چیزیں نظر آتی ہیں۔

اہل علم نے معلوم کیا ہی کہ یہ دھوپ جو بالکل پھیکی اور بے رنگ سی معلوم ہوتی ہی۔ سات رنگ کی شعاعوں سے مرکب ہی۔ مینہ برس چکتا ہی تو پانی کی بہت ننھی ننھی بوندیں یا ذرّے ہوا میں رہ جاتے ہیں اور جب سورج سامنے آتا ہی تو

اسکی شعاع اُن پانی کے ذروں میں رنگین دکھائی دیتی ہے۔

رنگائی کی کیفیت یہ ہے کہ جن رنگوں سے کپڑے رنگے جاتے ہیں انمیں سے بعض تو یہیں کے دیسی ہیں اور بعض ولائتی لیکن کپڑے رنگنے میں بہت بڑی احتیاط کی ضرورت ہے۔

جس برتن میں کپڑا رنگا جائے وہ مٹی کا ہو اور بالکل صاف بلکہ کورا ہو اگر اس سے پہلے اس برتن میں کسی اور رنگ کا کپڑا رنگا گیا ہے یا اب ہی اور رنگ کی ایک بوند بھی گر گئی تو رنگ خراب ہو جائیگا۔

رنگ کو کسی دھات کی چیز سے جیسے چاقو چھری وغیرہ سے ہلانا رنگ کو خراب کرتا ہے۔

اصل رنگ تو نئے کپڑے ہی پر خوب آتا ہے لیکن اگر پہنا ہوا بھی ہو تو جس قدر اچھا دھلا ہوا اجلا صاف شفاف اُسی قدر اچھا رنگ ہوگا۔ رنگ کر دھوپ میں اس غرض سے ڈالنا کہ جلد سوکھ جائے رنگ کو کمزور کرتا ہے بعض رنگ تو بالکل ہی اُڑ جاتے ہیں۔ سایہ میں خشک کرنا چاہئے۔ رنگنے میں سب سے بڑی بات اور اُستادی صرف اتنی ہے کہ کپڑے پر رنگت بالکل برابر ہو یہ نہ ہو کہ ایک جگہ زیادہ ایک جگہ کم بعض دفعہ لاپروائی کے رنگنے سے دھبے پڑجاتے ہیں اس لئے اگر بہت زیادہ گہرا رنگنا چاہو تو کئی دفعہ کرکے رنگو یہ نہیں کہ بہت سا رنگ ڈالدیا اور رنگنے بیٹھ گئے۔ رنگ اتنا ہی ڈالو جتنا ہلکا رنگنے کے لئے درکار ہے۔ جب رنگ لو تو پھر دوبارہ رنگ ڈالکر ڈوب دو اور اُسوقت تک رنگ ڈالو جبتک حسب خواہش رنگ نہ چڑھ جائے اسکے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کپڑا دبیز ہے تو اسکو پہلے پانی میں ایک ڈوب دیکر نچوڑ لینا چاہئے اور پھر رنگنا چاہئے اگر رنگنے میں کوئی چُرس یا سلوٹ پڑگئی ہو تو خشک کرنے سے پہلے صاف کرلو۔

کپڑے کو اسوقت خشک سمجھو جب اس میں یُوں ہی سی نمی باقی رہ جائے اُسوقت تہ کرلینے سے کپڑا سخت نہ ہوگا۔ کپڑے کو کلف دینا بھی بہت ضروری ہے اور چاول کی پیچ کا کلف سب سے اچھا ہے۔ راشدالخیری

خواتینِ مغلیہ کی علمی فیاضیاں

زمانہ سلف میں مسلمانوں کو تحصیلِ علوم و فنون کا اِسقدر شوق تھا۔ کہ وہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے واسطے سیکڑوں کوس کی مسافت کو طے کرنا ایسا آسان سمجھتے تھے جیسا آج ہم ایک محلہ سے دوسرے محلہ جانا آسان جانتے ہیں۔ شاید ہی کوئی فاضل ایسا ہوگا جس نے سیکڑوں کوس کی مسافت طے کرکے متعدد اہلِ فضل و کمال سے فیض حاصل نہ کیا ہو۔ اور اپنے فن میں نامور ہوا ہو۔ اِس کے مقابلہ میں آج یہ حالت ہے کہ باوجود طرح طرح کی آسانیوں کے تعلیمی حالت میں مسلمان ہی سب قوموں سے گرے ہوئے ہیں اور جو تھوڑا بہت پڑھتے بھی ہیں تو علم کو علم کی غرض سے نہیں بلکہ محض گورنمنٹ کی ملازمت حاصل کرنے کے واسطے پڑھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اصلی علمی ترقی مفقود ہے۔

دنیا میں جب تک چھاپہ خانہ کا رواج نہ تھا کتابوں کی بڑی قدر ہوتی تھی۔ ایک ایک کتاب سیکڑوں ہزاروں روپے کے صرف سے تیار ہوتی تھی۔ آج چھاپہ کی برکت سے وہ نادر و نایاب کتابیں جو ایک زمانہ میں عام طور سے دیکھنے کو بھی نصیب نہ ہوتی تھیں۔ گھر گھر اور دوکانوں پر موجود اور ماری ماری پھرتی ہیں۔

ہندوستان میں مسلمان فرمانرواؤں اور امیروں نے ہزاروں لاکھوں روپے کے صرف سے نادر و نایاب کتابوں کو لکھوایا۔ بڑے بڑے کتب خانے قائم کئے قدیم کتابوں کو بڑی تلاش و جستجو سے بہم پہنچا کر اُن کے فارسی میں ترجمے کرائے

اور اُن سے اپنے کُتب خانوں کو زینت دی۔ ہندوستان کا کوئی شاہی خاندان ایسا نہ تھا جس کا عظیم الشان کُتب خانہ موجود نہ ہو۔ عُلما۔ فُضلا۔ اُمرا۔ وُزرا نے اپنے اپنے علیحدہ کُتب خانہ قائم کر رکھے تھے جو اکثر طالب علموں کے واسطے وقف تھے۔

قاعدہ کی بات ہو کہ علمی قدر دانی اور کتابوں کی حفاظت امن و امان کے زمانہ میں ہوا کرتی ہو۔ ہندوستان کے روزمرہ کے ملکی تغیرات نے یہاں کے تمام کُتب خانوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ سب سے آخر میں سلاطین مُغلیہ نے جو بے نظیر کُتب خانہ قائم کیا وُہ ۱۸۵۷ء کے خوفناک غدر میں ضائع ہو گیا۔ اور مُلک کی سیکڑوں ہزاروں نادر و نایاب کتابیں کس مپرسی کی حالت میں ہمیشہ کے لئے دُنیا سے نیست و نابود ہو گئیں۔ کچھ قدردانان اہل یورپ کے ہاتھ لگیں جو اُن کے کُتب خانوں کی زیب و زینت کا باعث ہوئیں۔ اور جو کچھ باقی رہ گئیں وُہ روزمرّہ معدوم ہوتی جاتی ہیں۔

سلاطینِ مغلیہ کے علاوہ خواتینِ مغلیہ میں علمی قدردانی کا بے انتہا جوش تھا علی العموم صاحب علم۔ سخن شناس سخن فہم اور اہل سخن کی قدردانی میں شہرۂ آفاق تھیں۔ ان سب میں سلیمہ سلطانہ بیگم۔ گلبدن بیگم۔ نورجہاں بیگم۔ زیب النسا بیگم اور اکبری بیگم خاص طور سے ممتاز اور قابلِ ذکر ہیں۔

سلیمہ سلطانہ بیگم ہمایوں کی بہن اور گلرخ بیگم کی صاحبزادی تھیں جو نہایت خوش بیان۔ شیریں کلام اور حاضر جواب بیگم تھیں۔ کتاب کے مُطالعہ کا بہت شوق تھا۔ اور اہلِ سخن کی قدردانی میں مشہور تھیں۔ جہانگیر نے

اُن کی لیاقت کی بہت تعریف کی ہی ۱۰۱۲ھ میں ساٹھ برس کی عمر میں انتقال کیا اور اپنے باغ واقع موضع ٹڈہ کر (جو آگرہ اور فتحپور کے درمیان ہی) میں دفن ہوئیں
گلبدن بیگم ہمایون کی بہن تھیں ۹۸۲ھ میں یہ اور سلیمہ سلطانہ بیگم گجرات کے رستہ سے حج کو گئی تھیں۔ چار حج متواتر کئے ۹۹۰ھ میں واپس آئیں۔ ہمایوں نامہ اُن کی حسن قابلیت کی یادگار ہی۔ جس میں بابر اور ہمایوں کے عہد کے تاریخی واقعات مُندرج ہیں۔ اور جس کا انگریزی ترجمہ حال ہی میں مسز اے۔ ایس بیوریج صاحبہ نے لندن سے شائع کیا ہے۔

نُورجہان بیگم اور ارجمند بانو بیگم (جس کا دُوسرا نام ممتاز محل ہی) کی علمی قابلیتیں عام طور سے مشہور ہیں۔ اِن دونوں نے سوائے چند اشعار کے اور کوئی علمی یادگار نہیں چھوڑی۔
جہاں آرا بیگم شاہجہان اور ممتاز محل کی بڑی صاحبزادی اور نہایت قابلِ خاتون تھیں۔ شاہجہان کی سلطنت میں اُنکو بے حد اختیار اور اقتدار حاصل تھا۔ ساٹھ لاکھ روپیہ سال کی اُن کی جاگیر تھی۔ اُن کی سرکار سے بہت سے عُلما، فضلا، اور مشائخین کے وظیفے مقرر تھے۔ علمی یادگار سے کتاب مونس الارواح ہی جو حضرت خواجہ معین الدین چشتی الاجمیری کے ذکرِ خیر میں مشہور ہی اور جس کا اُردو میں بھی ترجمہ ہوگیا ہی۔ اِس کے علاوہ تاریخ عاقل خاں میں اُن کے اُس خط کی بھی نقل موجود ہی۔ جو اورنگزیب کے نام جبکہ وہ شاہجہان کی بیماری کی حالت میں دکن سے معہ فوج کے دارالخلافت کی طرف

آرہا تھا روانہ کیا گیا تھا۔

آگرہ کی جامع مسجد بھی جہان آرا بیگم کی یادگار سے ہی۔ اُس میں اُنھوں نے ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا۔ جو اس وقت تک جاری ہی۔ اور مسجد کی دوکانوں کی آمدنی سے جو اُس کے اور مسجد کے اخراجات کے واسطے وقف کی گئی تھیں اس کا خرچ چلتا ہی۔

شہنشاہ عالمگیر کی بیٹی زیب النسا بیگم خاندانِ مغلیہ کی خواتین میں سب سے زیادہ علم دوست تھیں۔ عُلما، فضلا، اور شعرا کی قدردانی میں اپنی کل آمدنی صرف کر دیتی تھیں۔ اُن کی سرکار میں بڑے بڑے عالم۔ فاضل اور خوشنویس کاتب مُلازم تھے۔ شاہزادی موصوف نے ہندوستان کے مختلف مقامات اور ایران و توران سے نادر و نایاب کتابوں کی نقلیں صرفِ کثیر سے بہم پہنچا کر ایک ایسا بے نظیر کُتب خانہ قائم کیا تھا۔ جس کا شہرہ دُور دُور تک پھیلا ہوا تھا۔ چونکہ کشمیر کا کاغذ بہت اچھا تھا لہذا وہاں کتابت کا دفتر بہ نگرانی مُلّا محمد شفیع الدین قائم تھا۔ اور وہاں سے کتابیں نقل ہو ہو کر دہلی میں آتی تھیں اور شاہزادی کے ملاحظہ کے بعد کُتب خانہ میں رکھی جاتی تھیں۔

زیب النسا بیگم کے حکم سے مُلّا محمد شفیع الدین اور مُلّا عنایت احمد نے قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھ کر اُس کو زیب التفاسیر کے نام سے موسوم کیا اور اس خوبصورتی سے اُسکو آراستہ کرایا کہ شہنشاہِ عالمگیر اسکو دیکھ کر پھڑک گیا۔ یہ بینظیر قلمی نسخہ اب تک دولتِ ایران کے شاہی کُتب خانہ میں موجود ہی۔

زیب النسا بیگم کی بہت سی تصانیف بتلائی جاتی ہیں۔ مگر ہندوستان

میں عام طور سے سوائے دیوان کے اور کوئی تصنیف ستیاب نہیں ہوتی -

اکبر آبادی بیگم شاہجہان کی ایک بیگم کا نام یا خطاب تھا - یہ بڑی نیک اور قابل بی بی تھیں - انہوں نے آگرہ اور دہلی میں ایک ایک مسجد تعمیر کرائی تھی - دہلی کی مسجد ۱۰۶۰ھ میں بنکر تیار ہوئی - بادشاہ بھی اُنکی خاطر سے ملاحظہ کے واسطے تشریف لیگئے - بیگم صاحبہ نے جواہرات اور مرصع آلات پیشکش کئے - یہ مسجد دو برس کے عرصہ میں ڈیرہ لاکھ روپے کے صرف سے تعمیر ہوئی اس کے اخراجات کے لئے جائداد وقف کی گئی - مسجد کے احاطہ میں ایک مدرسہ بھی تعمیر کیا گیا جس کے معلموں اور طالبعلموں کا خرچ اُسی وقف سے دیا جانا قرار پایا -

ماہم بیگم اکبر کی انّا (دودہ پلائی) اور ادھم خاں کوکہ کی ماں تھیں - اُنہوں نے دہلی میں پُرانے قلعہ کے پاس ایک عظیم الشان مدرسہ اور اس کے پاس ایک مسجد تعمیر کرائی تھی - اس مدرسہ کی کچھ عمارت ابتک موجود ہے - اور اس پر یہ تاریخ کندہ ہے :ے

بدوران جلال الدین محمد — کہ باشد اکبر شاہان عادل
چو ماہم بیگم عصمت پناہی — بنا کرد ایں بنا بہر افاضل
ولے شد ساعی ایں بقعہ خیر — شہاب الدین احمد خان باذل
پئے خیریت ایں بقعہ خیر — کہ شد تاریخ او خیر المنازل

ماہم بیگم کی علمی قدردانی کا حال سُن کر علامہ فخری بن امیر الہروی نے سندہ سے کتاب تذکرہ جواہر العجائب اس کے نام پر لکھکر ارسال کی تھی ⁂

ہدایت اللہ شیدا

زنانہ دستکاری

گذشتہ اشاعت سے آگے

ریشم۔ باریک نازک اور نہایت نرم و نفیس چیز ہونیکے علاوہ مضبوطی میں بھی دیگر جملہ اقسام کے دھاگوں سے بہت زیادہ مضبوط و خوبصورت ہوتا ہے۔ خصوصًا سن کے دھاگوں سے سہ چند مضبوط پایا گیا ہے۔ اسکی پیدا وار ایک کیڑے سے ہوتی ہے جسکو لاطینی زبان میں Bombyx mori (بامبز موری) کہتے ہیں۔ اردو میں عمومًا ریشم کا کیڑا کہتے ہیں۔ ریشم کا تار کیڑے کے سر میں سے نکلتا ہے علی العموم کیڑے کے سر میں دو سوراخ ہوتے ہیں اس لئے وہ ہمیشہ دولڑا نکلتا ہے۔ کیڑے کے سر میں ایک قسم کی قدرتی وارنش ہوتی ہے جس سے دونوں لڑیں ملکر چپک جاتی ہیں۔ کیڑا اپنے سر کو آگے پیچھے گردش دے کر جالا تن لیتا ہے جسکو کویہ کہتے ہیں۔ اس میں ریشم کی گچھی ہو جاتی ہے اس موقعہ پر ریشم اور کیڑے سب کو کاکون کہتے ہیں۔ مذکورہ بالا کاکون کو گرم پانی میں ڈالنے سے وارنش گھل جاتی ہے تب چھلکے کو اتار دیتے ہیں اور دھاگے آسانی سے کھل جاتے ہیں۔ اسوقت ریشم کچی حالت میں ہوتا ہے جس کو مختلف مشینوں سے ریلوں پر چڑھا لیتے ہیں۔ پھر پکا کرنے کے لئے دو تین ریلوں کے دھاگے مثل سوت کے بٹ لئے جاتے ہیں۔ ریشم کے کیڑے کا اصلی وطن ملک چین ہے لیکن یورپ میں مختلف مقامات کے علاوہ ہندوستان

میں بھی اس کیڑے کی پیدائش معدوم نہیں۔ مگر ہندوستانی جب اس سے بڑے بڑے صدہا کاروبار کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کئے تھے تو ایسی چھوٹی تجارتوں کے مٹ جانے کا رونا فضول ہی۔ انگریزی عملدرآمد کے ابتدائی زمانہ میں جان کمپنی کے کاروبار میں بنگال کی بڑی بڑی کوٹھیاں یورپ کے ساتھ ریشم کی خوب تجارت کیا کرتی تھیں۔ احاطہ بنگال کے شہر چیباسہ میں زمانہ دراز سے ریشم کے کیڑوں کی پرورش ہوتی تھی اور شاید اب بھی ہوتی ہو۔ جنگلی شہتوت پر ریشم کا بنا ہوا ریشم قدیم الایام سے شمالی مغربی ہندوستان والوں کے لباس کا جزو تھا۔ لیکن ریشم نکالنے والوں کی لاعلمی۔ کم توجہی اور سب سے بڑھکر ہندوستانی حاسدانہ بخل اشاعت ہنر وغیرہ اسباب نے اس نادر و نفیس صنعت کا ستیاناس کر دیا۔ آجکل بنگال میں ریشم کی تیاری صرف ضعیف العمر اشخاص اور کم سن اطفال کا مشغلہ رہ گیا ہی اور ممالک خارجہ کو اس کی روانگی قطعی بند ہو گئی ہی۔ البتہ کشمیر میں ریشم کی تیاری کا ایک فائدہ مند کام جاری ہوا ہی۔

معزز بہنو! اب میں تم کو مختلف اقسام کے ریشم اور دیگر چیزوں کی کیفیت حسب وعدہ بتاتا ہوں۔ اُمید ہی کہ خالی از دلچسپی اور فائدہ نہ ہوگا۔ مزید گذارش ہی کہ جن انگریزی الفاظ کے ترجمے گذشتہ نمبروں میں ہو چکے ہیں اُن کا بار بار دُہرانا مناسب نہیں اس لئے وہ بہنیں جو انگریزی نہیں جانتیں اپنی سہولیت کے لئے یا تو یاد کر لی جاویں یا وقت ضرورت دیکھ کر سمجھ لیا کریں۔

مندرجہ ذیل اقسام کے ریشم پختہ رنگوں کے نہایت پائدار ہوتے ہیں۔ رنگوں کا انتخاب بہنیں اپنی اپنی پسند کے مطابق کریں۔ ایمبرائڈری کام کے

ریشم عموماً (Skein.) اسکین لچھی کی صورت میں ملتے ہیں۔ اور سلائیوں اور کروشہ سے بُننے کے ریشم عموماً (Ball) بال۔ گیند کی صورت میں ملتے ہیں

(۱) - Super Knitting Silk. - سپر نٹنگ سلک یہ ریشم مختلف رنگوں کا گیند کی صورت میں بکتا ہے اور ٹائیاں دو پٹے ریشمی زنانے موزے۔ اور گلوبند وغیرہ کے لئے نہایت موزون ہے۔

(۲) Super Knitting stout silk. سپر نٹنگ اسٹاوٹ سلک یہ ریشم صرف سفید اور سیاہ رنگوں کا دس لڑہ ہوتا ہے اور گیند کی صورت میں بازار میں ملتا ہے۔ یہ نہایت مضبوط موزے۔ کف۔ گلوبند اور مفلر وغیرہ بُننے کے لئے ہے - اس کی تیار کردہ چیزیں بہت پائدار ثابت ہونگی۔

(۳) Fine pure Knitting silk. فائن پیور نٹنگ سلک یہ نہایت نازک۔ اور نفیس ریشم چولڑہ ہوتا ہے۔ سفید سیاہ۔ اور ہلکا زرد رنگوں کا گیند کی صورت میں ملتا ہے اعلیٰ درجہ کے نفیس زنانے موزے دستانے۔ کرتیاں۔ ہلکی ٹائیاں۔ خوشنما کمربند وغیرہ بننے کے لئے موزون ہے۔

(۴) Pure Knittnig silk. پیور نٹنگ سلک۔ یہ مندرجہ بالا ریشم سے قدرے مضبوط ہوتا ہے اور مختلف رنگوں کا ملتا ہے خصوصاً مردوں کے موزے۔ جرابوں اور ہاتھوں کے کف دستانے وغیرہ بنانے کے لئے موزون ہے۔

(۵) Knitting waist coat Silk. نٹنگ ویسٹ کوٹ سلک
اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک بیس لڑی دوسری تیس لڑی۔ پہلی قسم کا ریشم
کل رنگوں کا ملتا ہے یہ واسکٹ کی پیٹیاں۔ بنیان اور مضبوط جرابوں اور
کمربند وغیرہ کے لئے موزون ہے۔ دوسری قسم کا ریشم صرف سفید سیاہ
اور ہلکا زرد رنگوں کا ملتا ہے۔ یہ نہایت مضبوط ہوتا ہے اور مردوں کے۔
شکاری اور کھیل کے وقتوں کی واسکٹ بنیان۔ رومال اور کوٹ بننے
کے لئے موزون ہوتا ہے۔

(۶) Crochet waist coat Silk. کروشٹ ویسٹ
کوٹ سلک۔ یہ ریشم صرف سفید سیاہ اور ہلکے زرد رنگوں کا ہوتا ہے۔ یہ کار
کھیلنے اور ہوا خوری کے موقعوں کی واسکٹ کمربند خوان پوش میز پوش
رومال وغیرہ بنانے کے لئے موزون ہے۔

(۷) The Queens pure silk crochet Twist. دی کوین
پیور سلک کروشٹ ٹواسٹ۔ یہ ریشم مختلف رنگوں کا ملتا ہے اور اعلیٰ درجہ کا خالص
ریشم ہے۔ نازک و نفیس ٹاپیاں۔ خواتین کے لئے روپئے۔ نوٹ وغیرہ رکھنے
کی تھیلیاں ہاتھوں میں رکھنے کے لائق خوشنما بیگ۔ کمربند۔ کف۔ شال۔
دوپٹے وغیرہ بنانے کے لئے موزون ہے۔

(۸) Crochet Silk Twist — کروشٹ سلک ٹوایسٹ
یہ ریشم مختلف رنگوں کا ہوتا ہے اور اپنے قسم کے مندرجہ بالا ریشم سے ذرہ
گھٹیا اور ارزاں ہے اور کروشے سے جملہ قسم کی چیزوں کے بنانے کے

لئے موزون ہی مگر سلائیوں کے کام بنانے کے لئے مناسب نہیں ہی۔

(۹) Crochet waist Coat Silk. — فائن

کروشٹ ویسٹ کوٹ سلک۔ یہ ریشم مختلف رنگوں کا ملتا ہی۔ واسکٹ کی پیشیاں۔ کمربند۔ بنیائن اور سن کتان کے کپڑوں پر ایمبرائڈری کا کام کرنے کے لئے موزون ہی۔

(۱۰) Empress pure Crochet waist Coat Silk.

دی ایمپرس پیور کروشٹ ویسٹ کوٹ سلک۔ یہ ریشم مختلف صوفیانہ رنگوں کا ملتا ہی۔ یہ بالکل خالص ہوتا ہی اور عمدہ ونفیس واسکٹ کی پیشیاں۔ گلوبند۔ مفلر۔ شال۔ زنانی ٹوپیاں۔ بچوں کی ٹوپیاں۔ دوپٹے۔ خوان پوش۔ اور کپڑوں پر ایمبرائڈری کے کاموں کے لئے نہایت موزون ہی۔

(۱۱) The King pure waist Coat Silk : —

دی کنگ پیور ویسٹ کوٹ سلک۔ یہ ریشم مختلف رنگوں کا ملتا ہی اور کروشیہ وسلائی دونوں قسم کے کاموں کے لئے موزون ہی۔ اس ریشم کی بنی ہوئی واسکٹ کی پیشیاں۔ اور قسم کے ریشم کی پیشیوں سے اچھی ہونگی۔ مفلر۔ گلوبند اور ہلکے دوپٹے وغیرہ نہایت خوبصورت بُنے جاسکتے ہیں +

(باقی آئندہ)

بچّوں کی صحت

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

یہی اصول غذا کے بارے میں بھی مدِ نظر رکھنا چاہئے۔ شیر خوار بچوں کے لئے ماں کے دُودھ سے بہتر اور زیادہ مقوّی کوئی غذا نہیں اور نہ قدرت نے پیدا کی۔ اِس لئے اگر بچہ پیدا ہونے کے بعد ماں صحیح اور تندرست ہو اور اس کو کسی قسم کا اندیشہ دُودھ پلانے سے نہیں ہو تو ہرگز ہرگز کوئی دوسرا طریقہ بچہ کو دُودھ پلانے کا استعمال نہ کیا جائے۔ دُودھ پلانے میں بھی کئی باتوں کا خیال لازمی ہو۔ اوّل یہ کہ بچہ کو کبھی لٹا کر دُودھ نہ پلانا چاہئے۔ جب بچہ دُودھ پیئے تو اس کے جسم کے اوپر کا حصہ کسی قدر اونچا رہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوتا ہو کہ دُودھ آسانی سے معدہ میں چلا جاتا ہو اور بچہ دُودھ نہیں ڈالتا۔ دُوسرے یہ بات بہت ضروری خیال رکھنی چاہئے کہ بچہ کو دُودھ پلانے میں وقت کی پابندی رہے۔ اس کا خیال اگر شروع ہی سے رکھا جائے تو بچہ بھی اس کا عادی ہوجاتا ہو۔ یُوں تو وقت کی پابندی ہر کام میں چاہے وہ چھوٹا ہو یا بڑا لازمی اور ضروری ہو لیکن شیر خوار بچوں کی غذا میں وقت کی پابندی بہت ہی ضروری ہو کیونکہ وقت مقررہ پر دُودھ دینے سے بچہ کو پہلا دُودھ اچھی طرح ہضم کرلینے کا موقع ملتا ہو اور بدہضمی۔ نفخ یا معدہ میں کوئی فتور نہیں

پیدا ہوتا۔ ہمارے یہاں بچوں کو آئے دن بیماریاں لگی رہتی ہیں اس کی زیادہ تر کیا بالکل یہی وجہ ہی کہ مائیں ایک تو بچوں کو دُودھ وقت پر نہیں دیتیں اور دُوسرے جب دُودھ دیتی ہیں۔ تو یہ خیال نہیں کرلیتیں کہ پہلا دُودھ ہضم ہوگیا یا نہیں۔ محبت کے مارے اناپ شناپ بچہ کے پیٹ کو انا ڑی کی بندوق کی طرح بھرتی چلی جاتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ آج بچہ دودھ زیادہ ڈال رہا ہی کل اس کو دست آرہے ہیں۔ پرسوں پیٹ میں درد ہی۔ بچوں کو زیادہ اور بہت غذا دینے سے وُہ طاقتور اور مضبوط ہوجاتے ہیں۔ یہ خیال بالکل غلط ہی۔ ضرورت سے زیادہ جو چیز دیجائیگی وُہ نفع نہیں کرسکتی اُلٹا نقصان کریگی۔ قدرت نے جو انسان کے بدن میں کل پُرزے یعنی معدہ۔ آنتیں وغیرہ بنائی ہیں۔ اُن سب کا فعل وقت اور کام اسی طرح مقرر اور معین ہی جس طرح نظام فلکی میں سُورج چاند اور ستاروں کا۔ ہم روز دیکھتے ہیں کہ چاند سورج ایک طرف سے نکلتے ہیں اور دوسری طرف غروب ہوتے ہیں۔ اس میں بال برابر بھی فرق نہیں پڑتا اسی طرح ہمارے جسم کے اعضا اپنے کاموں میں وقت کے پابند ہیں مثلاً معدہ میں جب غذا پہنچ گئی تو اس کا جو کام ہی وہ شروع ہوجائیگا اور جب تک اچھی طرح غذا کو ہضم نہ کرلیگا ختم نہ ہوگا اس درمیان میں اگر اور غذا دیجائے تو معدہ اس کو ہرگز قبول نہیں کریگا۔ حتیٰ کہ کمسٹری کے ماہروں نے تحقیق سے یہ دریافت کیا ہی کہ قدرت نے معدہ کو ایک مقررہ تعداد میں غذا کے ہضم کرنے کی قوت دی ہی۔ اُس سے زیادہ اگر غذا معدہ کو دی بھی جائے تو وہ اُس کو بغیر ہضم کئے ضائع کردیتا ہی۔ یعنی وُہ غذا جزو بدن

نہیں ہوتی اور جسم کو اس سے کوئی نفع نہیں پہنچتا۔ گذشتہ سرما میں جب میں دہرہ دون میں تھا
وہاں فارسٹ کالج کے ایک بڑے زبردست اور مشہور ماہر کیسٹری سے میں اور
میرے ایک دوست ملنے گئے۔ دورانِ گفتگو میں ہماری اور انگریزوں کی طرزِ معاشرت
باتیں ہو رہی تھیں۔ میں نے یہ کہا کہ انگریز لوگ اگرچہ تھوڑا تھوڑا ہی کھاتے
ہیں لیکن اُن کی غذا کی مجموعی تعداد بہ نسبت ہم لوگوں کے بہت زیادہ
ہو جاتی ہے۔ اس پر اُنہوں نے کہا کہ غذا پر استدلال بالکل غلط بات ہے انگریز
لوگ چاہے کتنا ہی زیادہ کھائیں اور ہم کتنا ہی کم لیکن جزوِ بدن ہونے کے
لئے جس قدر غذا کو ہضم کرنے کی معدہ میں قوت قدرت نے دی ہے اتنی ہی
غذا جزوِ بدن ہو گی باقی بیکار جائیگی اس لحاظ سے غریب و امیر۔ چھوٹے بڑے
اچھے یا بُرے جو بھی ہیں سب برابر ہیں مستورات کو چاہئیے کہ اس اصول پر پابند
ہو کر اپنے بچوں کو غذا دیں۔ ہضم ہونے کے لئے وقفہ کا یقین بچہ کی صحت کے
لحاظ سے ہونا چاہئے۔ اگر بچہ صحیح اور تندرست ہے تو شروع میں ڈھائی گھنٹہ
کا وقفہ کافی ہو گا۔ لیکن اگر بچہ بہت کمزور ہے تو دو دو گھنٹہ بعد اس کو دُودھ
دینا چاہئے۔ جُوں جُوں وقت گذرتا ہے یہ وقفہ زیادہ کر دینا چاہئے۔ رات
میں بچوں کو دن کی طرح دو دو گھنٹہ یا ڈھائی ڈھائی گھنٹہ بعد دُودھ دینے
کی ضرورت نہیں۔ بہت شروع میں تو چاہے رات میں دو دفعہ دودھ
پلا دینا مناسب ہے لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد رات کو سوتے وقت
دودھ پلا کر پھر صبح ہی کو پلانا چاہئے۔

ماں کے دودھ میں قدرت نے تمام ضروری اجزاء زندگی قائم رکھنے

کے لئے پیدا کر دیتے ہیں۔ اس لئے بچوں کو شروع میں کم سے کم جب تک بچہ سات مہینہ کا نہ ہولے سوائے دودھ کے اور کوئی چیز نہیں کھلانی چاہئے۔ ہاں تیسرے چوتھے مہینہ یہ ممکن ہی کہ ایک وقت گائے کا دودھ بچہ کو دیا جائے اور ایک وقت ماں کا تاکہ بچہ گائے کے دودھ کا بھی عادی ہوجائے لیکن سات مہینہ تک اراروٹ۔ آٹے کی روٹی۔ ڈبل روٹی وغیرہ کے ٹکڑے۔ شوربے وغیرہ میں بھیگے ہوئے چھوٹے چھوٹے روٹی کے ٹکڑے غرض اس قسم کے کوئی چیز سوائے دودھ کے دینی نہیں چاہئے۔ بچہ کا معدہ انکو ہضم کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا اس وجہ سے ہاضمہ میں فتور واقع ہوتا ہی۔

گائے کا دودھ دینے کے لئے بھی بہت کچھ احتیاط شرط ہی۔ ماں کے دودھ میں اللہ نے یہ صفت رکھی ہی کہ وہ ہر مہینہ بچہ کے معدہ کے موافق تبدیل ہوتا رہتا ہی۔ یعنی پہلے مہینہ میں ماں کا دودھ دوسرے مہینہ کے دودھ سے بہت مختلف ہوتا ہی۔ اس لئے دو مہینہ کے بچہ کو پہلے مہینہ والا دودھ پلایا جائے تو ہرگز موافق نہیں ہوگا۔ یہی وجہ ہی کہ ماں کی علالت یا کسی اور خاص وجہ سے بچہ کو دودھ پلانے کے لئے جب کسی دایہ کی ضرورت ہوتی ہی تو یہ بات دیکھ لیجاتی ہی کہ جتنا بڑا بچہ ہی اتنا ہی بڑا بچہ یا قریب قریب اتنا ہی بڑا بچہ دایہ کی گود میں بھی ہی تاکہ بچہ کے معدہ اور دایہ کے دودھ میں اختلاف نہ ہو یا اگر کچھ اختلاف ہو بھی تو بہت زیادہ نہ ہو۔

یہی لحاظ رکھ کر گائے کا دودھ بھی بچہ کو دینا چاہئے۔ تحقیق سے یہ بات معلوم ہوئی ہی کہ ماں کا دودھ شروع میں بہت پتلا اور بہت کم چکنا ہوتا ہی لیکن

رفتہ رفتہ وُہ گاڑھا ہوتا جاتا ہی یعنی جُوں جُوں بچّہ کا ہاضمہ بڑھتا جاتا ہی۔ دُودھ میں گاڑھا پن آتا جاتا ہی۔ اِس لئے جب شروع میں گائے کا دُودھ دیا جائے تو اس کو پہلے گرم کرکے اس کی بالائی نکال ڈالنی چاہئے تاکہ چکنائی دُور ہوجائے اور بعدہٗ ایک چوتھائی دودھ اور تین چوتھائی پانی ملاکر بچّہ کو پلانا چاہئے لیکن رفتہ رفتہ دودھ کی مقدار زیادہ اور پانی کی کم کرتے رہنا مناسب اور ضروری ہی یعنی چار مہینے کے بچّہ کو جب دُودھ دیا جائے تو دُودھ اور پانی کی مقدار برابر ہو اور چھٹے مہینے بچّہ کو دُودھ میں پانی ملاکر دینے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ایک ڈاکٹر نے تو یہ لکھا ہی کہ چوتھے ہی مہینے میں بچّہ کو بغیر پانی کے دُودھ دینے میں کوئی حرج نہیں لیکن بچّہ کے ہاضمہ کا خیال کرلینا مناسب ہی اگر چوتھے مہینہ میں بچّہ کو خالص دودھ موافق نہ ہو تو پانی ضرور ملادینا چاہئے۔

گائے کے دُودھ میں ایک بات اور قابلِ لحاظ یہ ہونی چاہئے کہ دُودھ ایک ہی گائے کا ملے تو بہتر ہی بدقسمتی سے ہماری قوم میں کم استطاعت تو درکنار متوسط الحال طبقہ کے لوگ بھی اتنی استطاعت نہیں رکھتے کہ پانچ چھ مہینے کے لئے دودھ کا انتظام ایک گائے خاص طور پر رکھ کر کرسکیں۔ خیر ایسی حالت میں مجبوری ہی لیکن اگر اس کا انتظام ہوسکے تو اب اور افضل ہی نُمااور جو صاحب استطاعت ہیں اُنکا تو فرض ہی کہ یہ انتظام خاص طور پر کریں۔

گائے کا دُودھ دینے کے لئے چمچہ کا استعمال کرنا مناسب نہیں۔ بازار میں دُودھ پلانے کی شیشیاں بہت کثرت سے بکتی ہیں وُہ کافی ہوتی ہیں لیکن جن میں ربڑ کی نلکی وغیرہ لگی ہوتی ہیں۔ وُہ اِس خیال سے اچھی نہیں ہوتیں کہ

اُن کو صاف کرنا ناممکن ہوتا ہی۔ شیشے میں دُودھ بھر کر رکھنا مناسب نہیں ایک دفعہ کے پلانے کے لئے جتنا ضروری ہو اُتنا ہی بنایا جائے اور اُس کے بعد شیشی کو خُوب دھوکر صاف کرکے رکھدیا جائے۔ رَبڑ کا نپل جس کو مُنہ میں لیکر بچہ دُودھ پیتا ہی اُس کو بھی خوب گرم پانی سے دھوکر کپڑے سے صاف کرکے سکھا لینا چاہیے اور خشک کرلینا چاہیے ۱۰۔ سید محمد ابراہیم انجم

مسز جنکِسن اپنے ایک مضمون میں لکھتی ہیں کہ ہمارے ملک کی عورتوں کی بربادی کا باعث زیادہ تر یہ ہی کہ وہ اُن فرائض سے جنکو انجام دینے کی قدرت اُن سے متوقع ہو نا واقف ہوتی جاتی ہیں لڑکیوں کی شادیاں کم سنی میں ہوتی ہیں مگر اکثر ایسے وقت کہ اُنکو اسباب کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ وہ بچہ کی پیدایش اور پیدایش کے بعد اسکی پرورش کے قابل ہیں انکو برائے نام تھوڑی سی تعلیم تو ضرور ہوتی ہی وہ غالباً آسانی سے بتا دینگی کہ فلاں شہر کس دریا کے کنارے واقع ہی وہ سود در سود کا سوال آسانی سی نکال دینگی لیکن خانہ داری کے متعلق پرانے زمانہ کی تعلیم جو پہلے ماں اور پھر کسی نہایت قابل اور شفیق اُستانی کے ذریعہ ہوتی تھی گئی گذری ہوئی۔

مسز جنکِسن خانہ داری کے ان طریقوں سے بھی موجودہ خواتین کی غفلت اور ناواقفیت ظاہر ہوتی ہی افسوس کرتی ہیں۔ وہ لکھتی ہیں:-

نوکروں کی بدتمیزی کا چرچا ہر اخبار میں ہوتا ہی اور چاروں طرف سے اصلاح کی کوششوں کا غل ہو رہا ہی۔ مگر یہ تمام تصور نوکروں ہی کا نہیں ہی اُنسے کیوں یہ توقع کیجاتی ہے کہ تمام خوبیاں ان میں ہی ہوں اور سالکی رکھنی والیوں میں ایک بھی نہو۔ وہ کیوں سفید کپڑے پہنیں محنت سے کام کریں سنجیدگی سے رہیں جبکہ ان کے مالک بدتمیزی سے لباس کا استعمال کریں فضول مشاغل میں وقت گذاریں اور چھچھورپن سے رہیں یہانتک کبھی ایک منٹ کیواسطے گھر کے کام دھندوں کی طرف متوجہ نہ ہوں۔

تفریح کھیل کود وغیرہ عورتوں کے واسطے بہت سہی لیکن اسی حد تک کہ وہ فرصت میں دل بہلانیکا مشغلہ ہے نہیں کہ ابتدا بھی اسپر ہوئی اور خاتمہ بھی اسپر ہو گیا + دو گھنٹہ روز کی تفریح نہ انکی خانہ داری پر برا اثر کریگی نہ بچوں کی پرورش پر اگر ایک لڑکی اپنی تمام عمر دلچسپی کے مشاغل میں بسر کرنی چاہتی ہی اسکو شادی کرنیکا کوئی حق نہیں ہے۔ ایک سرکاری ملازم مرد اپنی ملازمت کا بیشتر وقت کھیل میں گذارنا چاہے تو وہ کبتک نوکر رہ سکتا ہی۔ بیوی اگر خانہ داری سے غفلت کرے جبکہ اسکا خاوند اسکو اچھے سے اچھا کھلاتا ہے پہناتا ہی اور اسکی پرورش کرتا ہی تو ایسا ہی ہوگا جیسے اسکے خاوند نے ملازمت سے انکار کر دیا۔ لیکن اگر درحقیقت ایسا ہو تو نتیجہ کیا ہوگا؟

فرانسیسی خواتین اس دنیا میں خانہ داری میں بہت محنت کرتی ہیں اور نہایت مستعد ہیں۔ جرمنی خانہ داری کے طریقوں سے اچھی طرح واقف ہیں اور گھروں کو بہت اچھی طرح سے رکھنی والیاں ہیں عورتوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ انتظام خانہ داری اور پرورش اولاد ان کے واسطے بلائے جان نہیں۔ بلکہ انکی زندگی کا مقصد ہی +

طریقۂ تعلیمِ نسواں

اِس سے تو کسی دشمنِ عقل ہی کو انکار ہوگا کہ "عورتوں کی تعلیم مردوں کی تعلیم سے بھی زیادہ ضروری ہے" کیونکہ مردوں کا مہذب اور تعلیم یافتہ ہونا صرف عورتوں کے اعلیٰ تعلیم و تربیت یافتہ ہونے پر منحصر ہے۔ مَیں صرف طریقۂ تعلیمِ نسواں کی بابت کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔

ہمارے اکثر نئے تعلیم یافتہ جو مغربی تمدن کے دلدادہ ہیں اور جن کے دماغوں میں مغربی خیالات کے دریا موجزن ہیں۔ باوصف دعویٰ روشن خیالی معیارِ تعلیمِ نسواں بی۔ اے یا ایم۔ اے کی ڈگری کو جو کسی یونیورسٹی سے حاصل کیجائے قرار دیتے ہیں۔ مَیں اس کی مخالفت کرنے پر مجبور ہوں۔ اُمید ہے کہ میرے وہ دوست جن کے مخالفتِ خیال کی مَیں جرأت کرتا ہوں مجھے معاف فرمائینگے۔

چشمِ انصاف سے دیکھئے اور غور فرمایئے کہ بی۔ اے یا ایم۔ اے کا ڈپلوما حاصل کرلینا مقصدِ تعلیمِ نسواں کو کہانتک پورا کرسکتا ہے۔ اِس جگہ مجھ کو تعلیمِ نسواں کا مقصدِ اعلیٰ بھی ظاہر کردینا چاہیئے۔ "اصل مقصد کاروبارِ خانہ داری کو سنجیدگی اور کفائت شعاری سے اعلیٰ طریق پر انجام دینا اور اولاد کی پرورش و تربیت ہے"۔ چونکہ عورتوں کے لئے کسی یونیورسٹی میں جداگانہ کورس نہیں ہیں اس لئے اُن کے مفیدِ مطلب اُمور کو مدِنظر نہیں رکھا گیا ہے

ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں کا نصابِ تعلیم اس قدر خراب ہے کہ ہماری

قوم ضرور تاً اسکی پابند ہونے پر مجبور ہی کیونکہ نہ ہمارے ہاتھ میں تجارت ہی نہ صنعت و حرفت۔ ایسی حالت میں کیا چارہ؟ مگر ملازمت اور کسی ملازمتِ سرکاری کا ہی یونیورسٹی سے ڈگری یا سرٹیفکیٹ حاصل کئے بغیر ملنا ناممکن۔

مگر نہ تو عورتوں کو ملازمت کی ضرورت ہی اور نہ تعلیمِ نسواں کا یہ مقصد ہی تو پھر عورتوں کو بی۔اے۔ایم۔اے بنانے کا خیال خام خیالی اور وحشتِ دل کے سوا اور کیا ہو سکتا ہی؟

پُرانے خیال کے بزرگ تو سرے ہی سے تعلیم نسوان کے مخالف ہیں خیر۔ اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انہیں کچھ نہ کہو۔ آجکل جو طریقہ مروج ہی یہ ہی کہ لڑکا ہو یا لڑکی چھ سات سال کی عمر میں قرآن پاک کی تعلیم دینا شروع کراتے ہیں خصوصاً لڑکی کے لئے تو نہایت ضروری خیال کیا جاتا ہی اور ان بزرگانِ دین کے نزدیک یہی معیار تعلیم نسوان ہی۔ اگر لڑکی ذہین ہی تو پانچ چھ برس میں قرآن پاک حفظ کر لیتی ہی۔ قرآن مجید کو طوطے کی طرح رٹ کر حفظ کر لینے سے کوئی فائدہ نہیں ہی اور خصوصاً بچوں کو اوائل عمر میں قرآن پاک کی تعلیم بلا سمجھائے دینا سخت غلطی ہی۔ اسوقت مجھ کو ایک حافظ صاحب یاد آگئے جو میرے بھائی کو قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے۔ میرے ایک عزیز نے حافظ صاحب ممدوح سے مذاقاً دریافت کیا کہ لفظ زُبان درست ہی یا زَبان؟ صاحب موصوف نے اُسوقت عذرِ لاعلمی ظاہر فرمایا مگر جب نماز پڑھنے کو کھڑے ہوئے تو کچھ خیال آیا اور مجھ کو پاس بلا کر ارشاد فرمایا کہ دیکھو نہ زُبان درست ہی نہ زَبان بلکہ صحیح لفظ زِبان ہی۔ وجہ دریافت کرنے پر فرمایا کہ دیکھو کلامِ پاک میں ہی فَبِاَیِّ آلَاۗءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ○

حافظ صاحب صورت معنی شکل کو ہمیشہ (ں) سے لکھا کئے جس کا ثبوت بھی کلام پاک سے دیتے تھے کہ سورۃ قرآن میں (ں) سے ہے۔ ایک اور لطیفہ حافظ صاحب کا یاد آگیا گو خارج از بحث ہے مگر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ حافظ صاحب علم طب کا مخزن ملک تبت کو قرار دیتے تھے اور اسی بنا پر تبت کو ہمیشہ (ط) سے لکھا کئے۔

میں نہیں کہہ سکتا کہ اس طرح کلام مجید کو پڑھنے سے کیا فائدہ متصور ہے۔ ہر ملک اور ہر قوم کا عام دستور ہے کہ اوّل بچے کو اس کی مادری زبان میں تعلیم دیتے ہیں مگر وائے بر حال ہمارے کہ جو کام کرتے ہیں دُنیا کے خلاف۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طریقہ تعلیم نسوان کیا ہونا چاہئے؟

عمر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جائے۔ ایک وہ حصہ جو ماں باپ کے گھر ایام التخدائی میں گذرتا ہے یہ حصہ عمر صرف تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لئے مخصوص ہو جس کی تعداد ۱۸ سال یا کم از کم ۱۶ سال ہونی چاہئے۔

دُوسرا حصہ جبکہ شادی کے بعد نئے لوگوں میں نئے گھر میں بسر کرنی پڑتی ہے۔ یہاں سے ایک نئی زندگی شروع ہوتی ہے۔ اگر اوّل حصہ عمر میں اس نے اعلیٰ تعلیم و تربیت حاصل کی ہے تو اپنی عقلمندیوں سے سُسرال والوں کو اپنا مطیع کریگی اور اپنے مجازی خدا یعنی شوہر کو ہمیشہ خوش رکھنے میں کامیاب ہوگی۔ دوسری حالت میں جو واقعات آئے دِن پیش آتے رہتے ہیں۔ ہمارے ناظرین سے پوشیدہ نہیں۔

۹ برس کی عمر تک اخلاق و تہذیب کی تعلیم دینا ماں باپ کا فرض ہے جس وقت بچہ بولنے اور سمجھنے لگے تو اس کو کلمہ طیبہ و اصُول دین یاد کرا دیئے جائیں اور ہمیشہ

اس کی طبیعت کو نیکی کی طرف مائل کیا جاتے ۔ اس عمر میں جو باتیں بچوں کے ذہن نشین کردی جاتی ہیں وہ اس کے لوحِ دل سے ہمیشہ نہ مٹنے والا نقش ہوجاتی ہیں ۔

۷ برس کی عمر سے اسکو نماز کا عادی بنانے کی کوشش کرنا چاہیے اور اردو پڑہانا اور لکھانا شروع کرایا جائے جس وقت اچھی طرح اردو لکھ پڑھ اور سمجھ سکنے کے قابل ہوجائے تو مذہبی کتابیں (میرا مطلب کتبِ مناظرہ سے نہیں ہی) اردو میں پڑھائی جائیں اور موافق ضرورت حساب و تاریخ جغرافیہ پڑہایا جائے ۔ جس وقت اردو میں بخوبی استعداد حاصل ہوجائے تو فارسی شروع کرائی جاتے ۔ پڑھنے کے ساتھ ساتھ دستکاری جو عورتوں کے لئے پڑھنے سے بھی زیادہ ضروری ہی ۔ مثلاً چکن نکالنے کپڑے سینے وغیرہ کے لئے وقت مقرر کیا جائے ۔ پابندی اوقات کا خیال رکھا جائے ۔

کتابیں اردو کی ہوں یا فارسی کی وہی پڑھائی جائیں جن سے اخلاق اور انتظام خانہ داری کے متعلق معلومات وسیع ہو ۔ کفائت شعاری کے فوائد سمجھ سکے ۔

خیال رکھا جائے کہ مخربِ اخلاق ناول و فسانے لڑکیوں تک نہ پہنچ پائیں مثلاً ناولِ سکینہ بنت حسینؑ جس کا لائق مصنف ایک امام زادی کی ہتک کرنے کے علاوہ ایک بڑے اخلاقی گناہ کا مرتکب ہوا ہی ۔ یا کنیز فاطمہ جس میں قابل مصنف نے ایک فرضی شریف زادی کو ایکٹریس بنا کر چھوڑا ہی ۔ خداوہ دن ہم کو نہ دکھلائے کہ ہماری بہنیں بیٹیاں فرضی کنیز فاطمہ کا نمونہ بنکر تھیٹر میں

سبز و سرخ پری کا پارٹ ادا کریں۔ اِن کے علاوہ اَور سینکڑوں مخربِ اخلاق و تہذیب ناول موجود ہیں جو مردوں کے اخلاق پر بھی بُرا اثر ڈالے بغیر نہیں رہ سکتے۔

اُردو اور فارسی میں اچھی طرح مشق بہم پہنچانے کے بعد قرآن مجید پڑھایا جائے۔ اسوقت اُس کا علم اور اُس کی عقل آسانی سے کلامِ پاک کو بامعنی ور جلد پڑھنے اور سمجھنے میں کافی امداد پہنچائینگے۔ اِس وقت قرآن شریف کا پڑھنا ایک خاص اثر ڈالیگا۔

اِس کے بعد انگریزی پڑھانا بھی ضروری ہے۔ طبِ یونانی یا ڈاکٹری کا اِس قدر پڑھانا بھی لازمی ہے جس سے وُہ اپنے بچّوں کو صدہا بیماریوں سے جن میں وُہ صرف ماں کی غفلت سے آئے دن مبتلا رہتے ہیں۔ محفوظ رکھ سکے۔

مذہبی و اخلاقی تکمیل کے بعد جس علم کو جس قدر حاصل کرے نہایت مناسب ہے۔ اِس کی وُہی مخالفت کر سکتا ہے جو عقل کے پیچھے لٹھ لئے پھرتا ہو۔

سید علی حیدر زیدی

غالبًا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر ہے ایک دفعہ بازار میں دیکھا کہ ایک جوان شخص ایک بڑھیا عورت کو کندھے پر اُٹھائے آرہا ہے۔ دریافت کیا تو معلوم ہُوا کہ بڑھیا اس جوان کی ماں ہے۔ فرمایا یہ شخص بار احسان ادا کر رہا ہے۔ اِتنا سنتے ہی وُہ جوان کہنے لگا امام! آپ کو میری اندرونی کیفیت نہیں معلوم۔ جس وقت مجھ میں اتنی طاقت بھی نہ تھی کہ اپنے ہاتھ سے مکھی اُڑا سکوں اور یہ مجھے گود میں اُٹھاتی تھی اسوقت محبت کا دریا اسکے دل میں لہریں لیتا تھا۔ یہ میرے مقابلہ میں سلطنت بھی ہیچ سمجھتی ہوگی۔ لیکن آج جبکہ میں طاقتور جوان ہوں اور یہ اپاہج تو اسکی زندگی مجھے وبال اور اسکی خدمت بار ہے لیکن جب یہی خدمت اسکے سپرد تھی تو یہ میری زندگی کیا میری ادنیٰ تکلیف کے مقابلہ میں بھی اپنی جان قربان کرنے کو موجود ہوگی اور میں اس کے مرنے کا منتظر ہوں کہ کسی طرح اس مصیبت سے چھٹی پاؤں۔

ساس اور بہو

ساس اور بہو کا رشتہ بلحاظِ نوعیت ایک عجیب اور قابلِ قدر رشتہ ہے۔ بہو دو بول یعنی عقدِ نکاح میں آکر گویا ترکیب کیمیاوی پاتی ہے۔ اُس کا نفع سُسرال والوں کے نفع سے۔ اُس کی عزت اُن کی عزت سے۔ اُس کی وقعت اُن کی وقعت سے۔ اُس کی خوشی اُن کی خوشی سے۔ اُس کا رنج اُن کے رنج سے۔ غرض اس کی زندگی انکی زندگی سے بالکل وابستہ ہوجاتی ہے۔ والدین کی تربیت ونگرانی سے علیحدہ ہوکر وہ حقیقی وارث (شوہر) اور مجازی والدین (ساس اور سُسرے) کے زیرِ سایہ اپنی نئی زندگی کا پہلا دَور شروع کرتی ہے۔

ہندوستانی ماؤں کو اپنے بیٹا بیٹی کے شادی۔ بیاہ کا جس قدر شوق اور چاؤ ہوتا ہے۔ غالبًا اس سے کوئی ہندوستانی دُنیا دار ناواقف نہ ہوگا کہ بڑی کوشش نہایت مصروفیت۔ اور بے انتہا تگ و دَو سے منگنیاں کیجاتی اور دل کے ارمان نکالے جاتے ہیں۔

چونکہ پسندیدگی اور ناپسندیدگی کا تمام انحصار ساس یعنی لڑکے کی ماں پر ہوتا ہے نتیجہ یہ ہونا چاہیئے تھا کہ ساس اس انتخاب کی خود قدر کرتی۔ اور دُوسروں کی نظروں میں اپنے آپ کو مردم شناس اور بہو کو قابلِ قدر و منتخب ثابت کرتی۔ لیکن صورت معاملہ اس کے برعکس۔ بالکل اس کہاوت کے مطابق ظاہر ہوتی ہے۔ کہ "جب بہو کنواری ساس گیتی واری۔ بہو کا آیا ڈولا ساس کے لگا گولا"۔

ہاں تو خیر شادی ہوتی ہے۔ اور حد درجہ کے اخلاص اور بے انتہا خوشی سے دُلہن کا خیر مقدم کیا جاتا ہے لیکن زیادہ عرصہ نہیں گذرنے پاتا۔ کہ یہ گرم جوشی سوڈا واٹر کے جوش کی طرح بالکل ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ اور اگر بخت و اتفاق سے دُولہا میاں کچھ اُدھر متوجہ معلوم ہوتے ہیں تو اوّل حصنت ہی سے۔ سعادتمندی۔ خدمتگذاری۔ فرمانبرداری۔ غرض کہ نیک چلنی کا سرٹیفکیٹ ضبط کر لیا جاتا ہے۔ رہی دلہن۔ اس غریب کا تو کیا پوچھنا۔ جب تک نئی نویلی رہی معذور رکھی گئی۔ اِدھر شادی پر سے برس چھ مہینے گذرے۔ اُدھر بی ساس صاحب آڑی ترچھی آنا شروع ہوئیں۔ اوّل اوّل اشاروں کنایوں میں دل کا بخار نکالا پھر ماما۔ چھوچھو۔ دوا دائی کی آڑ میں ملاحی شروع کیں۔ اور جب تشبیہ و استعارے بے مزہ معلوم ہونے لگے۔ یا یہ فیشن پُرانا ہو چلا۔ تو نیا ٹھاٹھ بدل۔ کھلم کھلا۔ مورچہ بندی کی۔ اور انگنائی اچھا خاصہ میدان جنگ بن گئی۔

اب اگر بہو پاس بڑوں کی شرم۔ نیک نہادی۔ یا اپنی رُسوائی کے خیال سے تُرکی بہ تُرکی جواب نہیں دیتی۔ تو اس کو بد دماغ۔ مغرور۔ اور بس کی گانٹھ کہا جاتا ہے۔ اور اگر بول پڑتی ہے۔ تو بے حیا۔ بے غیرت۔ مُنہ پھٹ۔ اکھل کھری اور کیا کیا کہلاتی ہے۔

ہم بہو کو بالکل بے گناہ اور بے قصور نہیں سمجھتے۔ اُس کو بھی خطاکار اور مجرم مانتے ہیں لیکن کم۔ اس خانہ جنگی کا زیادہ سبب اکثر اوقات ساس ہی ہوتی ہے۔ اس لئے کہ وُہ مقابلتاً تجربہ کار۔ دانا اور عمر رسیدہ ہوتی ہے۔ خطاپوشی اور رہنمائی اس کا فرض ہے۔ بہو کے اخلاق و عادات کی اصلاح وُہ خود کر سکتی۔ یا بہنوں ۔

پہنیلیوں، ہمجولیوں، سہیلیوں کی وساطت سے کراسکتی ہی۔ پھر کہاں کی دانائی ہو کہ خواہ مخواہ لڑائی مول لیجائے۔

جب یہ ہنگامہ بپا ہوتا ہی۔ تو گھر میں دو فریق ہوجاتے ہیں۔ ایک بہو کا خیرخواہ دُوسرا ساس کا جانبدار۔ اور خوب لگاتے بجھاتے رہتے ہیں۔ بہرحال خواہ کسی وجہ سے ہو اوّل بہو ساس کے ساتھ تو تُو مَیں مَیں اور دُو بدُو نہیں ہوتی آخر کہاں تک؟ وُہ بھی آدمی ہو۔ ساس کے کڑوے بول سُنتے سُنتے کلیجہ پک جاتا ہی۔ انجام کار یہ مواد پھُوٹ بہتا ہی۔ اور خوب دِل کی بھڑاس نکلتی ہی۔

ساس سلطنت منزل یعنی گھر کی چار دیواری کے اندر بمنزلہ خود مختار بیگم کے ہوتی ہی۔ بہو کا تلخ جواب نہیں سُن سکتی۔ پنجے جھاڑ کر اُس کو چمٹ جاتی ہو اور ایک مستقل جنگ کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہی۔ بات بات پر ایک آدھ جھوڑ ہوجاتی ہو ایک دوسرے کی شکل تک دیکھنے کا روادار نہیں ہوتا۔

دیکھنا یہ ہو کہ آخر اس رشتے میں ایسا کیا زہر ملا ہی۔ جو یہ شرمناک واقعات پیش آتے ہیں۔ چاہیے تو تھا یُوں کہ ساس جس طرح بہو کو پرکھ پرکھا کر لائی تھی۔ اسکو عزیز رکھتی۔ اور بھاری بھرکم رہ کر اس کو اپنا مطیع و فرمانبردار بناتی اور بہو کو لازم تھا کہ ساس کا ادب ملحوظ خاطر رکھتی۔ اور ماں کی جگہ سمجھتی۔ اُلٹا ایک دُوسرے کی صُورت سے بیزار ہوجاتے ہیں۔

اگرچہ اصولاً موجُودہ طرز تمدّن کے خراب نتائج میں سے ایک نتیجہ یہ بھی کہا جاسکتا ہی لیکن دُوسری وجہ اس کی عام جہالت بےعلمی اور سُوء تربیتی بھی ہی۔ لڑکی ایسی جماعت میں نشو ونما پاتی ہی۔ جہاں دِن رات "ساس نند موری جہنم کی بیرن"۔

کے گیت گائے جاتے۔ اور اُن کے بغض و حسد کی کہانیاں کہی جاتی ہیں گوئی ساس نند اور دیورانی۔ جیٹھانی سے بہ ادب و ملاطفت ملنے اور بہ حسنِ اخلاق پیش آنے کا مشورہ دیتا ہے۔ اور نہ یہ خود ایسا کرتی ہے۔ اور چونکہ میکے میں چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے ایسی ہی نامعقول اور بیہودہ باتیں سُنتی رہتی ہے۔ اس لئے ساس" نند" کا بیر مذہبی باتوں کی طرح اُس کے ذہن نشین ہوجاتا ہے۔ آگے سُسرال والے بھی اُسی کھیت کی دساور ہوتے ہیں۔ یہاں ویسے ہی واقعات پیش آتے ہیں۔ جو ماں۔ بھاوج اور بہنوں میں دیکھ آئی ہوتی ہے۔ طرفین میں جہالت کسی کو سیدھی راہ نہیں سُوجھنے دیتی۔ لہٰذا یہ اپنی واجب التعظیم بزرگ اور وہ اپنی آس مراد سے یُوں کٹی مرتی ہے۔ جیسے کوئی جانی دشمن تعلیم و تربیت ہی سے اس شرمناک جُوتی بیزار کا دفعیہ ہو تو ہو۔ ورنہ اس سلسلہ کا منقطع ہونا معلوم۔

اگرچہ مُلک میں عورتوں کو تعلیم دلانے کا شوق پیدا ہوچلا ہے۔ اور اکثر مقامات میں مدارس نسوانی قائم بھی ہوگئے ہیں۔ اور بعض تعلیم یافتہ خواتین بھی میسر آسکتی ہیں۔ لیکن ابھی مدّت دراز تک ضرورت ہے۔ کہ تعلیم یافتہ اور مہذّب مرد اور سلیقہ شعار و شائستہ پڑھی لکھی بیبیاں اپنی اپنی جگہ ان ناگوار واقعات و حالات کی اصلاح کے لئے کوشش بلیغ فرمائیں۔ اگر طرفین میں اس خانہ جنگی کے خلاف خیالات پیدا ہوجائیں۔ اور کم از کم بہو ساس کا ادب واجب فرض سمجھنے لگے۔ تو ہمیں یقین کرنے کی ایک وجہ پیدا ہوجائے۔ کہ یہ خانہ جنگی عنقریب ہمارے مُلک سے رخصت ہونے والی ہے +

عبد الحسین واسطی

سیّدۃ النّسا

حضرت علی کے اس جواب پر آنحضرت ؐ کے چہرۂ مبارک پر مسکراہٹ آئی فرمایا علیؓ! تلوار کے بغیر تمہارا کام نہیں چل سکتا دشمنوں کے مقابلے اور اپنی حفاظت کیواسطے یہ ضروری چیز ہے۔ رہا اونٹ اسکو علیحٰدہ کرنا بھی مشکل ہے۔ البتہ ایک زرہ رہ گئی۔ مَیں فاطمہ کو تمہارے نکاح میں دینے پر رضامند ہوں۔ اسی زرہ کی قیمت میں سے مہر بھی ہوجائیگا اور ضروری سامان بھی۔ اتنا سنتے ہی حضرت علی بشاش ہوگئے خوش خوش باہر نکلے اور زرہ کے بیچنے کا ارادہ کیا۔ رستہ میں ابو بکر صدیق اور فاروق اعظم سے ملاقات ہوئی۔ ان دونوں بزرگوں نے کیفیت پوچھی حضرت علی نے مفصل حال بیان کیا اور کہا رسالت مآب ابھی مسجد میں تشریف لاتے ہیں تجویز یہ ہوئی ہے کہ لوگ مسجد میں جمع ہوجائیں۔ تاکہ نکاح کا علم سب کو ہوجائے۔

صاحب ناسخ التواریخ کا بیان ہے کہ جس وقت حضرت علی باہر چلے گئے تو رسُول اکرم نے حضرت سیدہ سے فرمایا کہ علی تیری خواہش لیکر میرے پاس آیا ہے جس کے جواب میں سیدۃ النسا خاموش ہوگئیں۔ سرورِ عالم باہر آگئے اور فرمایا فاطمہ کی خاموشی اُس کی رضامندی ہے۔

ابو بکر صدیق عمر فاروق معہ علی کرم اللہ وجہ کے مسجد میں آئے ابھی اندر نہ پہنچے تھے کہ جناب سرورِ کائنات بھی تشریف لائے۔ چہرہ مبارک سے خوشی ٹپک رہی تھی بلال سے کہا کہ مہاجر و انصار کو جمع کرو۔ جب لوگ جمع ہوگئے تو آنحضرت

سلہ صفہ ۳ الصدۃ ۱۱ جلد ۲ ... ناسخ التواریخ

منبر پر تشریف لائے اور بعد خطبہ فرمایا میں نے اپنی بیٹی فاطمہ کو چار سو مثقال کے عوض علی کے نکاح میں دیا۔ اسکے بعد حضرت علی سے فرمایا اے علی اُٹھو اور خطبہ کے قاعدہ کو بجا لاؤ چنانچہ حضرت علی اُٹھے اور فرمایا تحقیق میرا نکاح رسول اللہ صلعم نے اپنی ارجمند صاحبزادی فاطمہ کے ساتھ کیا اور مہر میری زرہ مقرر کی۔ میں اس پر راضی ہوں مسلمانوں کی جماعت اس نکاح[۵۵] کی گواہ ہوئی اور چاروں طرف سے دعاؤں کی آوازیں آنے لگیں۔

نکاح ہو چکا تو رسالتمآب نے فرمایا علی جاؤ زرہ بیچ ڈالو اور اسکی قیمت مجھے لا دو۔ چنانچہ حضرت علی زرہ بیچنے کے ارادہ سے روانہ ہوئے۔ عثمان غنی نے زرہ خرید لی اور چار سو[۵۶] درم حضرت علی کو دیئے۔ جس وقت زرہ حضرت عثمان اور قیمت حضرت علی کے قبضہ میں آگئی تو حضرت عثمان نے کہا اے علی! یہ زرہ تم کو مجھ سے اچھی معلوم ہوتی ہے زرہ بھی لیجاؤ میں نے بقاعدہ شرعی سے تم کو ہبہ کی۔ حضرت علی نے وہ زرہ لی اور قیمت چادر کے ایک کونے میں باندھ کر آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تمام واقعہ بیان کیا۔ سرور کائنات نے حضرت عثمان کے حق میں دعا کی اور مٹھی بھر کر درم حضرت ابو بکر کو دیئے۔ تاکہ سامان ضروری خرید لائیں سلمان اور بلال کو ساتھ کیا کہ اگر کوئی وزنی چیز ہو تو اٹھا دیں۔ ابو بکر صدیق کا بیان ہے میں نے وہ درہم گنے تو تین سو ساٹھ تھے۔ اب میں نے حضرت سیدہ کا جہیز تیار کرنا شروع کیا۔ ایک بچھونا ایک چمڑے کا تکیہ جس میں اون بھرا ہوا تھا۔ ایک مٹی کا پیالہ چند مٹی کے آبخورے ایک پردہ[۵۸] یہ سب چیزیں لیکر میں سرور عالم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسالتمآب نے جسوقت یہ سامان دیکھا تو چشم مبارک میں آنسو بھر آئے۔ آسمان کی طرف دیکھا اور ہاتھ اُٹھا کر فرمایا اے اللہ برکت دیجیو اس قوم کو جسکا بہتر سامان مٹی کے برتن ہیں۔

باقی آیندہ

رشتہ سنجری

۵۵ تاریخ نکاح میں اختلاف ہے حافظ مغلطائی اور احمد ابن عبداللہ طبری لکھتے ہیں صفر میں ہوا مصنف عمادہ کی رائے ہے کہ محرم اور کتاب جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رجب۔ ابو عمر کا بیان ہے کہ یہ نکاح واقعہ بدر کے بعد شوال سنہ ۲ ہجری میں ہوا۔ ۵۶ مصنف ناسخ التواریخ نے ۴۸۰ لکھے ہیں۔ ۵۸ صاحب ناسخ التواریخ نے دو بازو بند بھی چاندی کے لکھے ہیں ۱۲

اِنصاف

اِنساں کی جبلت میں ہی اِنصاف وعدالت ۔۔۔ خوش رہتی ہی انصاف سی ہر قسم طبیعت
سُنتے ہیں جب مظلوم کا افسانۂ ادبار ۔۔۔ ہوتا ہی غم و رنج و الم دل کو نہایت
ملتی ہی سزا پاتی دشمن کی خبر جب ۔۔۔ ہوجاتی ہی بس شاد و مغموم طبیعت
اے دوستو اب اسکو سنو کان لگا کر ۔۔۔ ہوتی ہی بیاں دخترِ برہمن کی حکایت
کہتے ہیں کسی شہر میں تھا ایک برہمن ۔۔۔ آسودہ و خوشحال زمانہ میں نہایت
اچھی سی اسے بیٹی ایک اللہ نے دی تھی ۔۔۔ ماں باپ کو تھی جس سی بہت اُلفت و رغبت
سسرال سے وہ باپ کے گھر آئی ہوئی تھی ۔۔۔ اور آئے ہوئے ہو بھی چکی تھی اُسے مدت
اب اسکو بلانے کے خطوط آئے ہوئے تھے ۔۔۔ ماں باپ کی خواہش تھی کہ کردیں اسی رخصت
ایک رہتا تھا تجار قریب اسکے مکاں کے ۔۔۔ تھی جس سی برہمن کو نہایت ہی محبت
رکھتے تھے نشست ایک جگہ اپنی وہ اکثر ۔۔۔ تھے معتبر اور معتمد آپس میں نہایت
تجار نے ایک روز برہمن سے کیا ذکر ۔۔۔ ہی مجھ کو فلاں شہر میں جانے کی ضرورت
تجار سی یہ سُنکے برہمن نے کیا عزم ۔۔۔ ساتھ اس کے کرے اپنی وہ دختر کو بھی رخصت
القصہ کیا ہمرہ تجار روانہ ۔۔۔ دیکر اسے اسباب زر و زیور و دولت
کوس سے زیادہ وہ سفر کر چکے جب طے ۔۔۔ چلنے لگے تو پڑنے لگی دھوپ بشدت
ٹھہرائی درختوں کے تلے جا کے سواری ۔۔۔ دو چار گھڑی تاکہ ملے سایۂ رحمت
پانی کی تجسس میں گیا ہانکنے والا ۔۔۔ تھے پیاس سے بل اسکے جو بیتاب نہایت
اُسوقت بدی آگئی تجار کے دل میں ۔۔۔ اس دخترِ برہمن کا جو دیکھا زر و دولت

وہ تیشہ کو پتھر پہ لگا تیز جو کرنے — دہشت سے اڑی دخترِ مذکور کی رنگت
جب دل نہ رہا بس میں تو نجار سے پوچھا — کس کام کی خاطر ہے چچا تم کو یہ عجلت
بولا کہ میں چھانٹوں گا اشجار کی شاخیں — بیلوں کے لئے ہے مجھے چارہ کی ضرورت
القصہ کھڑا ہو کے پسِ دختِ برہمن — نجار ستمگار نے کی قتل کی جرأت"
جس وقت کہ تیشہ کو پئے قتل اٹھایا — آئی نہ ذرا یاد برہمن کی محبت"
بیٹھا تھا وہاں مار سیہ شاخ شجر پر — تیشہ جو اٹھا سمجھا وہ آئی میری شامت
نجار ستمگار کو فوں کر کے جو کاٹا — جان اسکی جہنم کی طرف کر گئی رحلت
کیا اچھا ہوا اس نے جو نجار کو کاٹا — ہر شخص یہ کہتا تھا جو سنتا تھا حکایت
ہو جاتی اگر قتل برہمن کی وہ دختر — ہوتا غم و اندوہ و الم دل کو نہایت
دونوں میں سے تھی موت ضرور ایک کی آئی — نجار کی تھی یا دختِ برہمن کی تھی حلت
تیشہ سرِ دختر پہ جو دیکھا تو ہوا رنج — نجار کے مرنے سے ہوئی شاد طبیعت
ظالم سے ہے انسان کا دل کیوں متنفر — کس واسطے مظلوم کی کرتا ہے حمایت
بہنو میری! اس رنج و خوشی کا سبب ہے — انسان کی نیچر میں ہے انصاف و عدالت

دنیا میں اگر رہ کے ہم انصاف کرینگے
اس داورِ دادار کی بھی ہوگی عنایت

صفیہ خاتون

بزمِ عصمت

ہم بیحد خوشی سے محترمہ ممتاز جہاں بیگم صاحبہ کے اس خط کو نقل کرتے ہوئے انہیں اور نواب بیگم صاحبہ اوف سچین کو دلی مبارکباد دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ خداوندکریم مولود مسعود کو عمرِ طبعی عطا فرمائے اور والدین کے سایۂ عاطفت میں اس نونہال کو پھولنا پھلنا اور پروان چڑھنا نصیب ہو۔ آمین۔

میری پیاری بہن ایڈیٹرس صاحبہ عصمت! تسلیم۔ ایک خوشخبری عصمت کے کسی گوشہ میں درج کرنے کے لئے روانہ کرتی ہوں۔ میرے داماد نواب ابراہیم خاں بہادر زالدولہ نصرت جنگ بہادر آف سچین اور میری بیٹی سلطان جہاں نواب بیگم صاحبہ آف سچین کے ہاں مورخہ ۲۵ شعبان ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۱ ستمبر ۱۹۰۹ء کو بوقت دوپہر ڈیڑھ بجے خدایتعالیٰ نے فرزند نرینہ عطا کیا۔ پیدائش کے روز ریاست سچین میں بہت بڑی دھوم دھام ہوئی۔ گیارہ توپیں سر ہوئیں اور بہت خیرات غریب محتاج رعایا کو بٹی۔ اللہ تعالیٰ نونہال کی عمر میں برکت دے اور اپنے والدین کے سایہ عاطفت میں پرورش پانا پھلنا پھولنا نصیب کرے۔ ولیعہد کا نام نواب محمد حیدر خان عرف بالو میاں رکھا گیا۔ چھٹی کی تقریب میں مردانہ زنانہ معزز مہمان شامل تھے۔ نواب صاحب نے چھٹی اور عقیقے کا جلسہ اور دربار بڑی شان وشوکت و دھوم سے کیا۔ امید کہ آپ کا مزاج بخیریت ہو۔

راقمہ

خاکسار ممتاز جہاں بیگم نواب زادہ نصراللہ خاں بیرسٹر ایٹ لا سچین

خواہر عزیزہ مسز محمد شمس الدین صاحب کی عنایت قابلِ شکریہ ہے کہ باوجود عدیم الفرصت ہونیکے اپنی بہنوں کے لئے ایک نایاب نسخہ ارسال فرما رہی ہیں۔

آلو کے لوز بنانے کی ترکیب

تعداد اشیاء	نام اشیاء	مقدار اشیاء	ضروری ہدایت
۱	۲	۳	۴
۱	آلو	ایک سیر	
۲	دودھ عمدہ	ایک سیر	
۳	شکر قند	۲ سیر	اس میں پاؤ سیر کا آٹا پیسکر علیحدہ رکھو
۴	گھی خالص	نیم سیر	
۵	کھویا	تین پاؤ	
۶	مغز بادام	۵ تولہ	پوست نکالکر اسکے باریک باریک ہنر تراش کر پکتے وقت ملا دو
۷	پستہ	۵ تولہ	
۸	کشمش	۵ تولہ	
۹	زعفران	۶ ماشہ	

آلو کو باریک تراش کر دودھ میں اچھی طرح گلالو اور منجملہ مذکورہ بالا شکر کے پونے دو سیر کینے میں شریک کر دو اور پاؤ سیر کا آٹا بناکر علیحدہ رکھو جب آلو اچھی طرح گل جائیں تو دوسرے مندرجہ بالا اجزاء شریک کر کے حلوے کی طرح پکاؤ۔ حلوا جب گولہ بننے لگے تو جس قدر دبیز چاہو ایک سینی میں پھیلا کر شکر کا پیسا ہوا آٹا اس پر پھیلاؤ۔ سیرد ہونے کے بعد ٹکڑے یا لوز کاٹ لو اور خیر الرازقین کا شکر کرتے ہوئے کھالو مگر ہمیں ضرور یاد کرو۔

مسز محمد شمس الدین منشی فاضل

جو بہنیں ن۔ب صاحبہ مراد آبادی کے اس معمہ کو حل کرینگی انکا خط معہ قیمت تاریخ روقت خواہر معروفہ کی خدمت میں روانہ کر دیا جائیگا۔

معمّا:۔ ایک ترکی بادشاہ کے نام کے حرف ہیں عصمت کی خریدار بہنیں اسکو بتائیں کہ یہ کس بادشاہ کا نام ہے۔ جو سب سے پہلے اس کا جواب بھیجینگی اُنکو ایک مفید کتاب راہ نجات جس میں کہ ایک خوبصورت لفافہ رکھا ہوگا روانہ کیجائیگی۔ اور نمبر دوم کو صرف ایک راہ نجات بھیجی جائے گی۔ حرف:۔

ا۔ا۔ا ت۔ ح۔ ح۔ و۔ س۔ ص۔ ط۔ ف۔ ل۔ ل۔ ن۔ ن۔ لا۔ ی

پہیلی:- یکے دیدم عجب حیوان کہ پشتش پا و دو چشم دارد۔ تعجب تر ازاں بشنو میان پشت دم دارد۔ ناظرین بہنیں اور بھائی اسکی بوجھ بتائیں۔ راقمہ ایک خریدار عصمت ریاست گوالیار

عالمِ نسوان

شیخ عبداللہ صاحب سکرٹری نمائش صنعتِ نسوان اعلان کرتے ہیں کہ حسبِ معمول کانفرنس کے ساتھ رنگون میں بھی دسمبر آئندہ میں زنانہ نمائش ہوگی۔ امسال بہت کافی وقت پہلے سے اعلان کر دیا گیا ہے۔ تاکہ جو خواتین اس نمائش میں اپنی اشیاء بھیجنا چاہیں اُنکو تیاری کا کافی وقت مل جائے۔ رنگون میں اشیاء کے بھیجنے کا یہ انتظام ہوگیا ہے کہ جو حضرات نمائش کے لئے اپنے مصنوعات بھیجنا چاہتے ہیں۔ وہ اُن چیزوں کو اول موم جامہ میں لپیٹ کر اور پھر لکڑی کے بکس میں بند کر کے بنام بشیر مرزا صاحب نمبر ۵۳ رتو سرکار لین کولو ٹولہ کلکتہ بھیجدینگے اور وہاں سے بشیر مرزا صاحب کمیٹی کے خرچ سے بذریعہ کمپنی جہاز کے رنگون پہنچا دینگے کمیٹی نمائش پھر یہ اشیاء اپنے صرف سے معرفت بشیر مرزا صاحب موصوف مالکوں کے پاس حسبِ ضابطہ بھیجدیگی۔ اس طرح پر صرف کلکتہ تک محصول مالکو نکو دینا پڑیگا۔ باقی سب کمیٹی برداشت کریگی۔ اب تک مسلمان خواتین نے اُن کل نمائشوں میں جو ہندوستان میں ہوئیں قوم سے اپنی صنعت کی داد پائی۔ اب غیر ملک میں نمائش ہونیوالی ہے۔ اُسکے لئے زیادہ تیاری کی ضرورت ہے۔ تاکہ برہما کی خواتین کے مقابلہ میں بھی وہ کم نہ رہیں۔

تبریز کی آخری لڑائی کے بعد جس وقت شہداء کو غسل دینے لگے تو معلوم ہوا کہ شہیدوں میں بائیس عورتیں ہیں جو مردانہ لباس سے آراستہ ہو کر میدان جنگ میں آئیں اور ملک و قوم پر قربان ہو گئیں۔

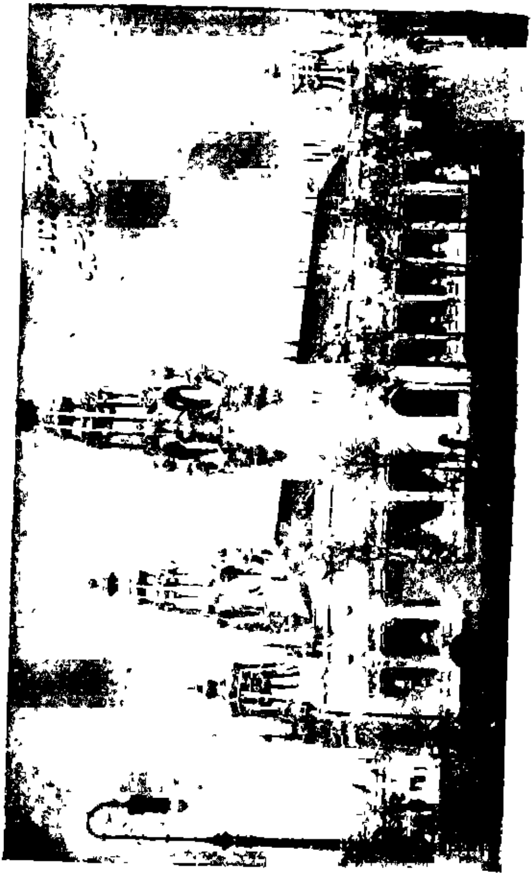
ماہ گذشتہ میں جب شہر کناس سے بیس میل کے فاصلہ پر ایک ریل گاڑی دریائے معموری میں گری اور بہت سے مسافر سخت زخمی ہو گئے تو ایک ہمدرد خاتون ڈاکٹر فرز لونیونگ نے ۲۷ مسافروں کی موقعہ پر مرہم پٹی کی اور انکو سخت تکلیف سے بچایا۔

ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال نے مدرسۃ صولتیہ مکہ معظمہ اور محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے واسطے بارہ سو روپیہ سالانہ بطور امداد مقرر فرمایا۔

---

۴ ماہ حال دوشنبہ کو سہ پہر کے وقت راجہ صاحب نابھہ نے شملہ پر بچوں کو ایک پارٹی دی جس میں ہر اکسیلنسی کونٹس منٹو اور لیڈی ڈین صاحبہ شریک تھیں۔ وائسرائے کا بینڈ باجہ بج رہا تھا اور مہمان بچے اپنے کھیلوں سے حاضرین کو محظوظ کر رہے تھے۔

فہرست مضامین رسالہ عصمت ماہ نومبر ۱۹۰۹ء



عبرت

شاہ ایران

غور وفکر سے دیکھنے والوں کو [illegible] تاریخ میں [illegible]

واقعات [illegible] ہوئے [illegible]

[illegible] انقلاب [illegible]

[illegible] انسانیت کا تقاضا [illegible]

[illegible] موجودہ حالت [illegible]

[illegible] وقت [illegible]

دنیا میں [illegible] انسان [illegible] حالت [illegible]

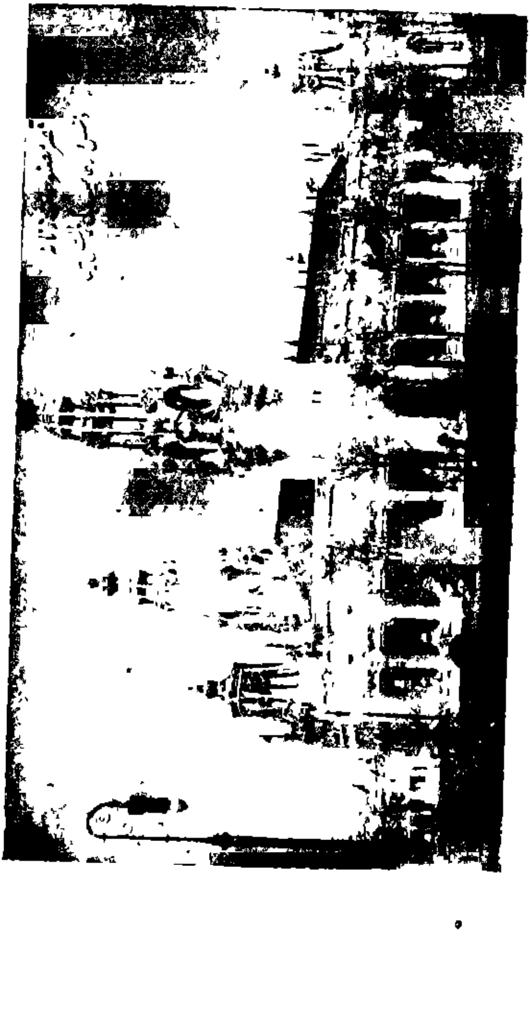
[illegible] کے بعد [illegible]

انقلاب [illegible] عقل [illegible]

[illegible] طرح [illegible]

[illegible] والے [illegible]

[illegible] لاکھوں [illegible] شاہی [illegible]





شاہ ایران

خوبصورت ... دیکھنے والی ... آنکھیں ... [illegible]

اوقات ... ملے ہوئے ... بالکے ... [illegible]

... ایران ... انقلاب ... [illegible]

... [illegible]

... موجودہ ... [illegible]

... وقت ... [illegible]

... حالت ... [illegible]

... ایران ... نے ... بعد ... [illegible]

انقلاب ... عقل ... [illegible]

... طرح ... [illegible]

... والے ... [illegible]

... ہزاروں ... [illegible]



عصمت

شاہ ایران

غور و تامل سے دیکھنے والی بہنوں کو انسانی تاریخ میں بیسیوں کیا سیکڑوں واقعات ایسے ملے ہونگے جو اس بات کا پتہ دے رہے ہیں کہ شہنشاہ عظیم الشان ہو یا بہادر پہلوان۔ انقلابِ زمانہ نے چٹکی بجانے میں تختوں کے نیچوں کو پونچادیا اب یہ ہماری غفلت یا انسانیت کا تقاضا سمجھو کہ کبھی یہ اندیشہ نہیں ہوتا کہ ہماری موجودہ حالت پل مارنے میں بدتر سے بدتر ہو سکتی ہے۔ جو دم گذر گیا اچھا ہے اور جو وقت اطمینان سے بسر ہو رہا ہے غنیمت ہے۔ دُنیا اور ہر وہ چیز جو دُنیا میں موجود ہے فانی۔ نہ انسان کو ثبات نہ انسانی حالت کو قرار۔ خوش نصیب ہیں وہ بہنیں جنہوں نے عروج کے بعد زوال کی صورت نہ دیکھی اور دریائے انقلاب کی زبردست موجوں کے تھپیڑے نہ کھائے عقل و ہوش والی بہنیں اس نعمت کا شکر کریں اور یہ اچھی طرح سمجھ لیں کہ آسمان طوطے کی طرح دیدے بدلنے والی چیز ہے اسکو رُخ پلٹتے دیر نہیں لگتی۔ یہ پیر زال دُنیا مشہور بیوفا ہے اس نے ہزاروں اور لاکھوں ہم ہی جیسی اللہ کی بندیوں کو تختِ شاہی سے

اُتار کر بھیک منگوادی۔ تاج شاہی چھنا در در کی ٹھوکریں کھلائیں۔ جو ہاتھ ہمیشہ سونے چاندی اور جواہرات سے کھیلتے رہتے تھے دُوسروں کے محتاج ہو

امام ابوسُفیان ثوری نے ہارون رشید کو ایک خط میں کیسی معقول بات لکھی ہو فرماتے ہیں:۔ سلطنت پر زیادہ گھمنڈ نہ کیجیو۔ یہ وفادار ہوتی تو تجھ تک نہ پہنچتی۔ جس طرح ہرتی پھرتی تجھ تک آئی اسی طرح چندروز تیرے پاس رہ کر اَور کے پاس جانے والی ہو۔ اس بے ثباتی کا ثبوت مامون رشید کی اُس مناجات سے ملتاہے۔ جس وقت مرض الموت شروع ہوا تختِ شاہی چھوڑکر فرشِ خاک پر لیٹا۔ آسمان کی طرف رُخ کیا اور کہنے لگا:۔

"اے وہ شخص جس کی سلطنت کو کبھی زوال نہیں آج اُس شخص پر رحم کر جسکی سلطنت ختم ہوئی"۔

چندروز ہوئے میں نے تاریخ بغداد میں ایک ایسا واقعہ دیکھا جسکو سُن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں اور انقلابِ زمانہ کی پُوری تصویر آنکھ کے سامنے پھر جاتی ہو۔ جب ہارون رشید کا مشہور وزیر جعفر برمکی (یعنی وہ شخص جس کی بخشش نے ہزاروں خاندان پوتڑوں کے امیر بنا دیئے۔ جس نے ایک ایک قصیدہ کے صلہ میں لوگوں کو مالا مال کر دیا جس نے ایک ایک سائل کو لاکھوں درم خیرات کیے۔ جس کے دروازہ سے مہمان مکانوں کے قبالے اور جائداد کے ہبہ نامے لیکر نکلے) قتل ہوچکا ہو تو ایک روز عید کی صبح کو جس وقت بغداد کے لوگ عیدگاہ جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ ایک عورت اپنے لڑکے کے واسطے کپڑے درست کر رہی تھی۔ دفعتًہ اس گھر میں ایک

بڑھیا عورت داخل ہوئی جس کے پاجامہ میں کئی پیوند تھے اور سر پر نہایت کثیف پھٹی ہوئی چادر تھی اُس بڑھیا کی باتوں میں صاحب خانہ ایسی محو ہوئی کہ بچے کے کپڑوں کا مطلق خیال نہ رہا جب نماز کا وقت قریب آگیا تو لڑکا باول ناخواستہ میلے ہی کپڑوں سے چلا گیا۔ مگر واپس ہوکر ما سے شکایت کی کہ اس بڑھیا کی باتوں میں ایسی پھنسیں کہ میری عید کی خوشی ہی کرکری کردی۔ یہ بڑھیا کون تھی؟ ماں نے یہ سُنکر ٹھنڈا سانس بھرا۔ بیٹے کی طرف دیکھا اور دیکھکر کہا یہ خاتون جعفر برمکی وزیر ہارون رشید کی ماں تھی۔ جس نے آج ہی کے روز گذشتہ عید کو چارسو خلعت گراں بہا تقسیم کیے تھے۔

ابھی کل کا ذکر ہو کہ عبدالحمید خاں کی حسرت ناک کیفیت کان سُن چکے ہیں آج وہی آواز محمد علی شاہ ایران کی بابت آرہی ہو۔ یہ وہی محمد علی ہو جس کے اوپر سے ہزاروں مسلمان اپنی جانیں قربان کرگئے اور آج جنگل بیابان میں سو رہے ہیں۔ یہ وہی شاہ ایران ہو جس کے ادنیٰ اشارے پر نمکخواروں نے مملکت ایران میں خون کے دریا بہا دیئے۔ یہ وہی شخص ہو جس کے تیوری پر بل آتے ہی سیکڑوں گھر غارت اور ہزاروں آدمی خانمان برباد ہوگئے۔ غرض جس شخص کے قبضۂ قدرت میں ہزاروں اور لاکھوں بندگان خدا کی جانیں تھیں جو ۱۲ جولائی کی رات کو یہ حکم دے رہا ہو کہ مفسدوں کا سر کچل دو۔ اُن کا ایک مرد زندہ باقی نہ ہو ۱۳ کی صبح اس پر یہ روز سیاہ لاتی ہو کہ شہر کے تمام حصوں پر گولہ باری ہورہی ہو۔ خطرناک گولے محل شاہی سے آآکر ٹکرا رہے ہیں۔ فوج سپاہی نوکر چاکر جانوں کے خوف سے روپوش ہیں اور جس شخص کے تلووں کے نیچے بڑے بڑے جلیل القدر

آنکھیں بچھاتے تھے آج اس کے پاس بیوی اور بچوں کے سوا اللہ کا نام ہو۔ بچے رُو رہے ہیں۔ بیگم گریہ وزاری کر رہی ہو اور محمد علی شاہ اتنا موقعہ ڈھونڈھ رہا ہے کہ اگر تھوڑی دیر کی بھی مہلت ملجائے تو بیوی بچوں کا ہاتھ پکڑ کر کسی طرف نکل جائے

اے فلک کجرفتار اور اے دُنیائے ناپائدار لعنت ہو تیری نیرنگیوں پر! محلوں کی بیٹھنے والی بیگم گم سم کھڑی ہو پہلو اسی بچے بھوک سے بیتاب ہو رہے ہیں اور مرزا محمد علی شاہِ ایران حسرت سے بیوی بچوں کا مُنہ تک رہا ہو۔ ایک نامہ نگار کا بیان ہو کہ ۱۶ تاریخ کو بادشاہ بیگم اور بچوں سمیت رُوسی سفیر کی پناہ میں مقام ارگندہ پہنچے اس وقت بیگم کی آنکھ سے آنسو بہ رہے تھے سفیر کی میم نے اپنے رومال سے آنسو پونچھے اور ہر طرح کی تسلی و تشفی دی۔

۹ ستمبر کی صبح اس سے بھی زیادہ دِل خراش تھی جس روز بادشاہ اور بادشاہ بیگم کو تخت و تاج سے دست بردار ہو کر جلاوطن ہونا پڑا دونوں میاں بیوی بیٹھے اپنی قسمت پر رو رہے تھے۔ وطن کی محبت تاج شاہی کا فراق کلیجہ مسل رہا تھا اور مصیبت پڑے دِل اسوقت کا انتظار کر رہے تھے۔ جب طہران پر ایک آخری اور حسرت بھری نظر ڈال کر ملک و سلطنت کو ہمیشہ کے واسطے الوداع کہدیں۔

ایک ایرانی اخبار کا بیان ہو کہ محمد علی اس وقت دم بخود تھا مگر بیگم کی گریہ و زاری لمحہ بہ لمحہ ترقی کر رہی تھی۔ وُہ اپنے کلیجہ کے ٹکڑے پرنس سلطان احمد مرزا کے فراق سے ڈاڑھیں مار مار کر رو رہی تھی۔ شہزادے کی جدائی جس کی عمر ابھی تیرہ سال کی ہو ماں کو خون کے آنسو رلوا رہی تھی۔ دنیا اس کی آنکھوں میں اندھیر تھی ہر چند لوگ تسلی دے رہے تھے مگر وُہ بچہ کے مقابلہ میں سلطنت اور وطن سب کو ہیچ سمجھ رہی تھی

شہنشاہ بیگم کے اس فقرے سے جو اس وقت ایک انگریزی لیڈی سے کہا کلیجہ پر چوٹ لگتی ہے۔ یہ خاتون ہمدردی کے الفاظ کہہ رہی تھی کہ دفعتہً بیگم نے اس کی طرف دیکھا اور حسرت سے کہا :-

"آپ دیکھتی ہیں مجھ پر کیا گذر گئی"

چار بجے کا سین نہایت دردناک تھا جب یہ انقلاب زمانہ کی تصویر دونوں میاں بیوی طہران سے روانہ ہوئے۔ لوگ کھڑے حسرت سے دیکھ رہے تھے بدنصیب بادشاہ اور مصیبت ماری بادشاہ بیگم گاڑی میں بیٹھے سلطنت کو خدا حافظ کہا اور ارگندہ سے رخصت ہوئے +

بلقیس

ہمیں یہ دیکھکر بیحد مسرت ہوئی ہے کہ ناظرات عصمت روز بروز قدردانی کی طرف زیادہ متوجہ ہو رہی ہیں۔ انکی کوشش صرف توسیع اشاعت اور مضمون نگاری ہی پر ختم نہیں ہے بلکہ وہ اپنی نادار بہنوں کو بھی اس علمی دسترخوان پر برابر بٹھانا چاہتی ہیں بیگم صاحبہ مظہر الحق صاحب بیرسٹرایٹ لا بانکے پور ایک سال کا چندہ عنایت فرما کر لکھتی ہیں کہ اس رقم سے عصمت کسی نادار بہن کے نام جاری کر دیا جائے اس لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ جو بہنیں عصمت کے مطالعہ کا شوق رکھتی ہیں اور خریداری سے مجبور ہیں وہ اطلاع دیں اور بہن مسز مظہر الحق صاحبہ کی اس عنایت سے فائدہ اٹھائیں۔

برتنوں کا استعمال اور صفائی

میں نے اکثر گھروں میں دیکھا ہے کہ بعض سست اور کاہل لڑکیاں برتنوں کے دھونے اور مانجھنے کی طرف اچھی طرح توجہ نہیں کرتیں اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ علاوہ کراہیت اور گھن کے جب ان میلے کچیلے رات کے جھوٹے اور دن کے پڑے برتنوں میں کھانا پکتا ہے۔ تو باسی کھانے کے اجزا میل کچیل کسیاؤ وغیرہ تازے کھانے میں مل کر پیٹ میں پہنچتے ہیں اور صحت بگاڑ دیتے ہیں۔ تکلیف کی تکلیف ہوتی ہے خرچ کا خرچ ہوتا ہے۔ اور اگر وقت پر علاج کی طرف توجہ نہ کی گئی تو جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ تعجب یہ ہے کہ ہماری ہندوستانی بہنیں انگریزی خواتین کے میل جول سے متاثر ہو کر ان کے طرز معاشرت کی تو حد سے زیادہ دلدادہ ہو گئیں لیکن کبھی یہ بھی تو دیکھیں کہ ان میں وہ ایسا کیا جوہر ہے جس کی بدولت یہ آج اس قابل ہوئیں کہ ہم ان کی ہر بات پر فریفتہ ہو رہے ہیں۔ وہ انکی محنت ہے۔ خواہ گھر میں ایک چھوڑ دس نوکر ہوں لیکن یہ بہت مشکل ہے کہ یہ ان پر قطعی بھروسہ کر کے اپنے فرائض سے غافل ہو جائیں۔ مثال کے طور پر اسی ایک برتنوں کی صفائی کو لے لیجئے۔ ناممکن ہے کہ باورچی یا خانساماں جب تک برتن کو دھو مانجھ کر چاندی کا پتر انہ کرلیں اس میں کچھ پکا سکیں۔ یہ ان گھروں کی کیفیت ہے۔ جنکا شمار طبقہ امرا میں ہے اور جنکو خانہ داری کے بہت سے کام خود کرنے پڑتے ہیں تاہم یہ نہیں ہوتا کہ وہ برتنوں کو نوکروں پر چھوڑ دیں اور آپ اس وقت کے منتظر رہیں۔ جب پکا پکایا لگے

اجائے۔ ایک دو دفعہ ضرور وہ خود باورچی خانہ میں جائینگی۔ ہر چیز کی دیکھ بھال اُن کا فرض ہو۔ اور اگر نوکر نے غفلت کی تو انکو اس میں کچھ عذر نہیں کہ وہ اپنے ہاتھ سے برتن صاف کرلیں۔

اب رہے بیچ کی راس کے لوگ ایک آدھ نوکر اُنکے ہاں بھی ضرور ہوتا ہو لیکن صبح اُٹھکر باورچی خانہ کے متعلق اُنکا پہلا کام یہ ہو کہ وہ برتنوں کو اچھی طرح سے دھو مانجھ کر صاف کرلیں یا اپنی نگرانی میں صاف کروالیں۔

جن بہنوں کو بڑے بڑے شہروں کے بازاروں میں گذرنے کا اتفاق ہوا ہوگا۔ اُنہوں نے گاڑی کی جھلملیوں میں سے اتنا تو کبھی دیکھا ہوگا کہ خاصی اچھی میمیں کنجڑے میوہ فروش بزاز وغیرہ کی دکان پر سے سودا لے رہی ہیں۔ اس کا جواب کوئی بہن یہ نہ دے کہ ہم تو باہر نکل ہی نہیں سکتے۔ میری غرض صرف اُنکی محنت دکھانے کی ہو۔ جو کام اُن کے متعلق ہیں انکو انجام دینا وہ فرض سمجھتی ہیں۔ نہ یہ کہ خلافِ شان خیال کریں۔ برخلاف اس کے ہماری یہ کیفیت ہو کہ باسی برتن پڑے ہیں۔ ماما آئی اور اُس نے ایک آدھ گیلا ہاتھ اندر باہر پھیر الگ کیا وہ جانتی ہو کہ کوئی کہنے سننے والا تو ہو ہی نہیں۔ جو کچھ ہوگیا بہت ہو۔ بیوی تو صرف اس کام کی ہیں کہ کھانا پکا پکایا ان کے آگے آیا اور انہوں نے اُلٹا سیدھا نکال الگ کیا۔

مَیں نے بعض گھروں میں دیکھا ہو اور مَیں نے ہی کیا اکثر بہنوں نے دیکھا ہوگا کہ پانی پینے کی آبخورے میں دودھ اور کٹورے میں شربت آرہا ہو۔ اب دھونے اور مانجنے کا سوال تو الگ ہو۔ پہلی تکلیف تو یہ ہوئی کہ اگر کسی ناواقف

کو ضرورت ہوئی تو آبخورا لیا اور پانی سمجھ کر پھینک دیا۔ اور وہی آبخورا مٹکے میں ڈال پانی نکال لیا۔ مٹکے کا مٹکا خراب ہوا پانی کا الگ ناس ہوا۔

المختصر برتنوں کے جائز استعمال کی ہم کو اشد ضرورت ہو۔ دھونا مانجنا وغیرہ سب اسی میں آگیا۔ بارہا دیکھا ہو کہ چاہ کی پیالی منہ سے لگائی تو چار میں ایک آدھ تُس پڑا ہوا ہو۔ گگر پر ایک آدھ تنکا لگا ہوا ہو نیچے پیندے پر راکھ لگی ہے اس سے حد درجے کی بے تمیزی ظاہر ہوتی ہو۔ ہمارے ہاں جو تانبے کے برتنوں کو قلعی کا طریقہ ہو۔ وُہ اس غرض سے ہو کہ بے قلعی برتن میں کھانا پکانے یا کھانے پینے سے کسیاؤ وغیرہ کی تکلیف نہ ہو۔

اتنا کچھ لکھنے سے میری غرض صرف اتنی ہو کہ بہنیں برتنوں کے استعمال اور اُن کی صفائی کا خصوصیت سے لحاظ رکھیں۔ تانبے کا برتن جیسا اچھا راکھ سے صاف ہوتا ہو اور کسی چیز سے نہیں ہوسکتا ہو بشرطیکہ راکھ اُپلے کی نہیں لکڑی کی ہو۔ کیونکہ اس میں ایک قسم کا مادّہ نمک کا موجود ہو۔ لیکن چینی اور شیشے کے برتن بجائے راکھ کے گرم پانی سے دھوئے جائیں۔ وُہ اس طرح کہ برتن میں گرم پانی ڈالکر صاف صافی سے ملیں یا فلالین کا کپڑا اچھی طرح گرم پانی سے بھگو کر اس سے صاف کریں۔ اگر چھُری کانٹے وغیرہ کو دھونا ہو اور فولاد کے ہیں تو انکو ہرگز گرم پانی میں نہ ڈالنا چاہئے ورنہ اُنکے دستے چند روز میں بالکل ڈھیلے ہوجائینگے۔ چاندی کے چمچے یا چھوٹے برتن نیبو کے رس کھریا اور آنولہ کے عرق سے خوب صاف ہوسکتے ہیں۔ ایک طریقہ یہ بھی ہو کہ گنگنے پانی میں تھوڑا سا سوڈا ڈالکر دھوؤ اور فلالین سے صاف کرو سادے چینی کے برتن کثرت استعمال سے بدرنگ پڑجاتے ہیں اور اگر اُن کے صاف

حُرّیتِ نسواں

اس لکھوئی کھوائی تعلیمِ نسواں کا احساس نہ معلوم کس منحوس گھڑی میں مسلمانوں کو ہوا کہ جس وقت سے بزرگانِ قوم اس طرف متوجہ ہوئے اُس وقت سے اَجتک بیسیوں رخنے اور سیکڑوں جھگڑے پیش آرہے ہیں۔ چند روز تو یہ کیفیت رہی کہ جہاں تعلیم نسواں کا نام آیا اور لوگوں نے کانوں پر ہاتھ رکھا خدا خدا کرکے وہ نفرت کچھ کم ہوئی تو کتابوں پر بوچھاڑ پڑنی شروع ہوئی۔ یہ پڑھنے کے قابل ہو۔ یہ نہیں ہو۔ اس میں یہ نقص ہو اس میں وہ نقص ہو۔ اب جبکہ یہ زور بھی کچھ کم ہوا تو حُریّت کا مسئلہ بھُس میں چنگاری کا کام کر رہا ہو۔ کئی خاندان ایسے ہیں کہ جہاں تعلیم نسواں کا خاصا اچھا چرچا ہو چلا تھا مگر اس حُریّت کا نام سُنکر وہ سرے سے تعلیم ہی کے مخالف ہو گئے۔ گو اس مضمون پر لکھنا بھڑوں کے چھتّے کو چھیڑنا ہو لیکن مناسب معلوم ہوتا ہو کہ اس کے متعلق مَیں بھی اپنی رائے کا اظہار کروں مگر چونکہ یہ میری ذاتی رائے ہو اس لئے ممکن ہو کہ مَیں غلطی پر ہوں۔ اگر بہنیں میری اس رائے سے متفق نہ ہوں تو مَیں اپنی رائے تبدیل کرنے کو تیار ہوں بشرطیکہ وہ معقول وجوہ سے بدلی جائے۔

اِس میں کلام نہیں کہ بعض گھرانوں میں عورتوں کے ان جائز حقوق کا لحاظ نہیں ہو جو فطرت اور قانونِ اسلام نے اُنکو عطا کئے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ جتا دینا بھی میرا فرض ہو کہ خود خواتین ہی اپنے ان حقوق سے لاپرواہ ہوتے

ہوتے اسقدر غافل ہو گئی ہیں کہ اب ان میں اس حق تلفی کے احساس کا مادّہ نہیں ہے انکی طبیعتیں موجودہ طرز معاشرت کی اس درجہ عادی ہو گئی ہیں کہ اگر انکے حقوق کا لحاظ کیا جائے جس کا اثر ان کی روزمرہ زندگی پر پڑے تو شاید اکثر بیویوں کو خوشگوار ہونے کے بجائے اُلٹا ناگوار ہو۔ مثلاً یہ خیال اگر صحیح ہے کہ پردہ کی موجودہ سختی اسلام کی شان سے بعید ہے اور شارع نے عورتوں کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ ضرورت سے باہر نکل سکیں۔ سودا سلف خریدیں۔ مردوں سے بات چیت کریں تو بھی میں سمجھتی ہوں کہ بہت سی عورتیں اور کچھ اگلے ہی زمانہ کی نہیں آجکل کی بھی شاید مردوں سے کھلم کھلا بات کرنا پسند نہ کرینگی۔

ایسی حالت میں اس کمی کا احساس اس طرح پیدا کروانا اور ان حقوق کا جن کے قائم نہ رہنے سے کوئی نمایاں[۱] نقصان نہیں۔ اس طرح مطالبہ کرنا انکو شہ دینا یا ایک ایسی ترغیب دینا ہے جو انہیں آئے دن کے جھگڑوں میں ڈال کر انکی زندگی تلخ کردے۔

ان خاص خاص خاندانوں کو چھوڑ کر جہاں بیوی سے مراد محکوم ہے عام طور پر پڑھے لکھے آدمی حقوق نسواں پر خاص طور سے متوجہ ہیں انکی بیویاں چار دیواری کے اندر ملکہ ہیں۔ سفید و سیاہ کا اختیار بچوں پر پوری حکومت ملنے جلنے کے کامل اختیارات اور روپیہ پیسہ کی قطعی مالک۔

ان دو قسموں کو چھوڑ کر ایک تیسری قسم کے خاندان بھی ہیں جو ان دونوں حالتوں کے بین بین چل رہے ہیں۔ ان گھروں میں بیویاں گو پوری آزاد نہیں لیکن قید

[۱] نمایاں نقصان پر ایک مفصل بحث کی ضرورت ہے جو کبھی آیندہ دیکھی جائیگی۔

بھی نہیں ہیں۔ روپیہ پیسہ کے معاملات میں انکو صرف کے کُلّی اختیار ہیں۔ اس شرط پر کہ وُہ اس کا حساب دیں۔ انکو دوسروں کے ہاں جانے دُوسروں کو اپنے ہاں بُلانے میں کوئی روک ٹوک نہیں۔ اگر وُہ درخواست کریں۔ انکو خاوندوں کی اگر شکایت ہو تو صرف اتنی کہ ساس نندوں کا دباؤ انکی زندگی بےچین کر رہا ہو۔ ہر وقت کی سوختنی اور ہر دم کے طعن تشنیع بلا وجہ انکی تکالیف کا سبب ہیں۔

انکو حُرّیت کی ٹُور پر لگانا اس میں شک نہیں کہ اُنکے دلوں کو فتح کر لیا ہو۔ ایسے شخص سے یا وہ (جو اس موقعہ پر انکی جھوٹی سچی ہمدردی کر... بتائے کہ مردوں نے تمہارے حقوق غصب کر لئے انکو غ... وُہ لڑ کر جھگڑ کر بگڑ بگڑا کر اپنے حقوق حاصل کریں) کون عزیز... ہو تو وُہ دوست ہو تو وُہ کتاب ہو تو وُہ رسالہ ہو تو وُہ اخبار ہو تو وُہ اگر کچھ ہو تو وُہ اور صرف وہ جو ایسے موقعہ پر یہ کہے کہ قدرت نے جو تھا تمہارے مردوں نے زبردستی چھین لیا۔ تمہارے گلوبند گلے... ہیں اور تمہاری زندگی زندگی نہیں غلامی ہو۔

لیکن میرا خیال (ممکن ہو کہ غلط ہو) یہ ہو کہ بجائے ان بہنو... بھڑکانے اور اُکسانے کے اگر انکے خاوندوں سے یہ درخواست... تو زیادہ بہتر ہوگا۔

ہم کو تمہارے افضل ہونے میں انکار نہیں۔ فکرِ معاش ہو جتنی... مصیبتیں تم کو اُٹھانی پڑتی ہیں۔ ہم اسے اچھی طرح دیکھتے اور جانتے...

گو تمہاری گاڑھے پسینہ کی کمائی تمہاری محنت و مشقت سے پیدا کی ہوئی کو نئی
ہم بے غل و غش خرچ کرتے ہیں۔ مگر ہمارے دل تمہاری اس پریشانی سے
جو تم نے اس دولت کے حاصل کرنے میں اٹھائی ہے آگاہ ہیں لیکن اس کے ساتھ
ہی ہم تم کو اس انقلاب کی طرف بھی متوجہ کرتے ہیں جو شادی نے ہماری حالت
میں کیا۔ وہ بیفکری کا زمانہ جبکہ ماں باپ کے گھر اپنی نیند سوتے اور اپنی نیند
اُٹھتے تھے آج ہم سے کوسوں دُور ہو گیا۔ ماں جیسی ناز بردار جو گھڑیوں اور
گھنٹوں منت خوشامد کر کے کھانا کھلاتی تھی علیحدہ ہوئی اور باپ جیسا شفیق
جو ہمارے پھانس لگنے سے بیچین ہوتا تھا جدا ہوا۔ تم نے ہم کو محبت کے
وعدوں اور خوش رکھنے کے اقراروں پر ان عزیزوں کی آنکھ سے اوجھل کر دیا
جن کی ہمارے چین و آرام کے ساتھ جانیں لڑی ہوئی تھیں وہ جان چھڑکنے والے
جنکا ہمیں دیکھ دیکھ کر چلوؤں خون بڑھتا تھا۔ ہم سے چھوٹ گئے۔ تم ہمارے سرتاج
ہو مگر ہم کو بھی دیکھو ہم نے کیسے کیسے عزیز تم پر سے قربان کر دیئے منصف
مزاج خاوندو! انسان ہونے کی حیثیت سے ہم تم دونوں یکساں اور میاں بیوی
ہونے کے لحاظ سے غم و رنج میں برابر کے شریک ہیں۔ ہماری تکلیفوں پر بھی
نظر ڈالو۔ قدرت نے ہم کو جو کچھ عطا کیا تھا وہ ہم تم پر سے لُٹا بیٹھے اور زبردستی
نہیں ہنسی خوشی اور راضی رضا۔ گھرلائے کی لاج رکھو اور وہ وقت یاد کرو
جب ہمارے پیاروں سے تڑا اپنے قبضہ میں لاتے اور آج جبکہ ہمارا ڈھانچ
رہ گیا ہم سے طوطے کی طرح دیدے نہ بدلو۔ دن بھر کی محنت و مشقت کے بعد
تمہیں رات کو چین ملجاتا ہے لیکن ہماری تقدیر میں وہ بھی نہیں۔ آنکھیں دُکھتے بچے

بخار چڑھے بچے رات رات بھر ٹہلاتے ہیں۔ ہماری کوشش یہ ہوتی ہو کہ تمہاری آنکھ نہ کھل جائے ہمارا ساری ساری رات اور پورے پورے دن کندھے لگائے ٹہلنا بہت بڑے رحم کا مستحق ہو۔

ہم نے تمہارے بچوں کے پالنے میں اپنی جوان جان قربان کردی۔ جب آج یہ پیارے بچے اچھلتے کودتے دکھائی دے رہے ہیں "سارا جوبن گھل گیا تب ایک لالہ پالو" جن مشکلوں کا ہمیں سامنا ہوا جو جو آفتیں ہم نے جھیلیں اور جیسی جیسی مصیبتیں ہم نے جھیلیں اُنپر غور کرو اور پھر انصاف سے دیکھو کہ ہم کس سلوک کے مستحق ہیں۔

تمہاری بیماری کے آگے ہم اپنی بیماری بھولیں تمہارے دُکھ میں ہمیں اپنا دُکھ یاد نہ رہے۔ ہمیں بخار ہو ہمارے سر میں درد ہو مگر ہم تمہارا آرام مقدم سمجھیں۔ تم سے پہلے کھانا قسم تم سے پہلے سونا گناہ تم سے بہتر کھانا حرام۔ آخر ہم بھی انسان ہیں۔ ماں باپوں کی بیٹیاں بھائیوں کی بہنیں ہم بھی ہیں۔ ناز و نعم سے پلے ہاتھوں چھاؤں بڑھے ہم وہی ہیں جنکو اندھیری کوٹھری میں جاتے ڈر لگتا تھا اور آج سُنسان گھر میں جب بچہ بچہ پڑا سوتا ہو آدھی آدھی رات تک تمہارے واسطے کھانا لئے بیٹھے رہتے ہیں۔ ہم بے وارثے نہیں وارث دار ہیں۔ اب بھی ایسے ایسے حمایتی موجود ہیں کہ اگر اُڑتی سی خبر سُن پائیں تو تمہارے پسینہ کی جگہ خون بہا دیں۔ مگر نہیں ہم جو کچھ کر رہے ہیں فرض سمجھ کر اور واجب جانکر ہماری حالتوں پر غور کرو اور عقل سے کام لو۔

میں سمجھتی ہوں کہ یہ تجویز حریت سے زیادہ کارگر ہوگی میں

بہنوں کو یہ صلاح دینے پر آمادہ نہیں ہوں کہ وُہ خواہ مخواہ کے جھگڑے پیش کرکے بدنام ہوں۔ انکو سمجھ لینا چاہئے کہ جب گھی سیدھی اُنگلیوں سے نکلے تو ٹیڑھی اُنگلیاں کرنی بالکل فضول کیا وہ عورت جو حُریت کے شوق میں میکے پہنچوا دی گئی اس بات پر ناز کرسکتی ہے کہ اُس نے اپنے حقوق حاصل کرلئے۔ ضرورت یہ ہے کہ میاں بیوی اپنی آیندہ زندگی ہنسی خوشی سے بسر کریں اور جہانتک ممکن ہو کسی قسم کی رنجش درمیان نہ آنے دیں۔ انکو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ مسلمان ہیں انکا مذہب اسلام ہے اور حالانکہ اسلام نے عورت کی حمایت ہر مذہب سے زیادہ کی۔ لیکن وُہ مقدس کتاب جسکو خدا کا کلام یقین کررہے ہیں یہ فیصلہ کررہا ہے کہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ مردوں کو فضیلت دی عورتوں پر اس کے ساتھ ہی قانونِ اسلام نے دو عورتوں کی گواہی کو ایک مرد کے برابر تسلیم کیا ہے مجھے افسوس ہے کہ میرا یہ مضمون بعض بہنوں کو ناخوش کردیگا۔ مگر مجھے اُمید ہے کہ عصمت اُن کے گھروں میں دیا سلائی کا کام نہ کریگا عصمت اس غرض سے اُن کے مطالعہ میں نہ جائیگا کہ انکی زندگی برباد اور تلخ کردے۔ عصمت اُن کے جائز حقوق کی ہمیشہ حفاظت اور حمایت کریگا اور عصمت کی کوشش یہ ہوگی کہ وُہ دین اور دُنیا دونوں میں عزّت و حُرمت سے زندگی بسر کریں ؛

اہلیہ مولوی عبدالجبار

پُرانے زمانہ کی انگریز شریف زادیاں

عصمت کی خوش نصیبی ہے کہ قوم کی قابل و تعلیم یافتہ خواتین اس کی اشاعت کی طرف روز بروز متوجہ ہو رہی ہیں۔ مسز عبدالقادر صاحبہ جن کے اسم گرامی سے زمانہ اخبار و رسائل اچھی طرح آشنا ہیں یہ بیش بہا مضمون عنایت فرماتی ہیں جو بصد شکر درج کیا جاتا ہے۔ ترجمہ کی خوبیوں کے علاوہ اس مضمون کا انتخاب خصوصیت سے قابل داد ہے مطالعہ سے معلوم ہو گا کہ انگلستان جسکی ہر ادا پر آج ہندوستان شیدا ہو رہا ہے ہمیشہ سے ایسا ہی نہ تھا بلکہ کسی وقت وہ بھی تقریباً ایسی ہی حالت میں تھا جسکی وجہ سے ہم بدنام کئے جا رہے ہیں اور وہ رسوم جنکی بدولت آج ہم پر چاروں طرف سے لعن طعن ہو رہی ہے اس میں بھی تھیں لیکن اس نے یہ نقائص محسوس کئے رفع کرنے کی کوشش کی اور چند صدیوں ہی میں انگلستان معراج کمال پر پہنچ گیا۔ اے کاش ہندوستان اس سے سبق لے۔

جو انگریز ہندوستان کی رسوم اور عادات کو غور سے دیکھتے ہیں وہ اکثر کہتے ہیں کہ یہاں کی بہت سی رسمیں انگلستان کی پُرانے زمانہ کی رسموں سے ملتی جلتی ہیں چودھویں پندرھویں صدی تک ایشیا اور یورپ کے تمدن میں کوئی بڑا فرق نہ تھا ہوا یہ کہ یورپ والے اس زمانہ کے بعد برابر بڑھتے چلے گئے اور ہم جہاں تھے وہیں کے وہیں بیٹھے رہے۔ تمثیل کے طور پر ایک مختصر سا خاکہ اس طرز زندگی کا پیش کیا جاتا ہے جو انگلستان کی شریف زادیوں میں چودھویں پندرھویں صدی میں مروج تھا اس زمانے کے مکانوں کی ساخت یہ تھی کہ بڑے بڑے وسیع گھر قلعہ نما بنائے جاتے تھے اوپر کی منزل اس خیال سے کہ وہ حصہ زیادہ محفوظ ہے عورتوں کے لئے مخصوص ہوتی تھی اور انہیں کے سونے کے کمروں میں

گھر کا مال و دولت چھپا کر رکھا جاتا تھا۔ مردوں کے لئے نیچے کی منزل میں ایک کھلا سا ہال ہوتا تھا جہاں غیر مرد بہ آسانی آجا سکتے تھے۔ ان گھروں میں نہایت سادہ وضع سے یہ بیبیاں محنت اور مصروفیت کی زندگی بسر کرتی تھیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ لڑکیاں شادی کی عمر تک پہنچ جاتی تھیں۔ بغیر اس کے کہ انہیں گھر سے پانچ میل تک بھی سفر کرنے کا اتفاق ہوا ہو۔ متوسط طبقہ کی بعض لڑکیاں کبھی کبھی قریب قریب کے مقامات میں تربیت کے لئے بھیجی جاتی تھیں مگر کسی تعلیمگاہ میں نہیں بلکہ کسی برابر کے شریف گھر میں تاکہ وہاں کسی بڑی بوڑھی کی زیر نگرانی گھر بار کے کام کاج سیکھیں۔ وہاں وہ بطور مہمان کے خوشی سے بلائی جاتی تھیں مگر انکا رہنا کسی پر بار نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ علاوہ گھر والی کی شان بڑھانے کے وہ گھر کا بہت سا کام کرتی تھیں اور فرصت کے وقتوں میں کاتنا۔ بننا۔ سینا۔ پرونا اُن کے مشاغل تھے اور ان سب کاموں کا فائدہ گھر والی بی بی کو پہنچتا تھا۔

آجکل انگلستان میں ہر پڑھی لکھی جوان لڑکی کا یہ حق سمجھا جاتا ہے کہ گھر میں اس کے لئے ایک کمرہ علیحدہ ہو جس میں وہ اپنی ضروریات رکھ سکے اور جب چاہے خاموشی اور تنہائی کا لطف اٹھا سکے۔ مگر پرانے زمانہ میں لڑکیوں کو یہ موقع نہ تھا۔ ان کے سونے کے کمرے ان کے اور اُن کی بہنوں کے اُن کی سہیلیوں کے بلکہ خادمہ کے مشترکہ استعمال میں آتے تھے۔ سامانِ آرائش جو ان دنوں کم و بیش ہر غریب امیر کے گھر میں موجود ہوتا ہے اسے کوئی نہیں جانتا تھا زیادہ سے زیادہ آرائش یہ تھی کہ کمرے کی دیواروں پر کہیں کہیں

اپنے ہاتھ کی کاڑھی ہوئی رنگین چادریں لٹکا دیجاتی تھیں۔ فرش پر بھُس سے بھرے ہُوئے گدیلے خوشحالی کا نشان سمجھے جاتے تھے۔

صبح خیزی کی عادت عام تھی۔ چھ بجے صبح کے موسم گرما میں و سات بجے موسم سرما میں اُٹھتی تھیں اور نہانے یا مُنہ دھونے کے بعد کام میں مصروف ہوجاتی تھیں۔ البتہ نہانے میں اب سے بہت زیادہ تردّد کرنا پڑتا تھا۔ بجائے مصفّا اور پُرتکلف غسلخانہ کے جو اب انگلستان کے ہر معقول گھر میں موجود ہے اور جہاں گرم پانی مہیّا رہتا ہے۔ اُس زمانہ میں گرم پانی کے بڑے بڑے برتن کمرے میں لانے پڑتے تھے اور ایک لکڑی کا بڑا سا پیپا ہوتا تھا جس میں بیٹھ کر نہاتے تھے۔ گھر میں بہت سی مامائیں رکھنی پڑتی تھیں جن میں سے بعض جوان لڑکیوں کی ذاتی خدمت کے لئے مقرر ہوتی تھیں۔ غسل کے بعد کوئی آئینہ لیکر کھڑی ہوجاتی تھی کوئی کنگھی کرتی تھی کوئی کپڑے پہنانے لگتی تھی کوئی جوتی سامنے رکھ دیتی تھی۔

کپڑے عموماً صندوقوں میں بند رہتے تھے اور جو کپڑے روزمرہ کے استعمال میں آتے تھے وُہ بہت ہی کم ہوتے تھے۔ صبح سے جو کپڑے پہن لیتی تھیں۔ سوتے وقت وہی کام دیتے تھے۔ صبح سے لیکر دس گیارہ بجے تک کچھ کھانا نہ ہوتا تھا اور دس گیارہ بجے کا کھانا آج کل کے لنچ کے بجائے سمجھا جاتا تھا۔ صُبح کی چائے کا کوئی رواج نہیں تھا بلکہ اس وقت چائے ہی کو نہیں جانتے تھے اور اس کی جگہ گرم بیر پی جاتی تھی۔

صبح کے وقت گرجا میں جانا ایک ضروری فرض سمجھا جاتا تھا۔ جو وقت اب

لڑکیاں باغ میں ٹہلنے یا تھوڑا سا تفریحی، لکھنے پڑھنے میں صرف کرتی ہیں وہ اس زمانہ میں عبادت اور مذہبی فرائض کی نذر ہوتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ کی لڑکیاں علم سے عموماً بے بہرہ اور دنیا کے حالات سے نسبتاً بے خبر ہوتی تھیں۔ ان کا لباس سادہ اور کپڑے موٹے جھوٹے ہوتے تھے مگر بحیثیت مجموعی بہت سی نیک صفات سے آراستہ ہوتی تھیں۔ اب بھی کہیں کہیں انگلستان کے دیہات کے بعض پرانے خاندانوں میں اس وضع کی کچھ کچھ جھلک نظر آتی ہے مگر وہ گھر اور گھرانے جلد جلد مٹتے جاتے ہیں اور جیسا کہ لارڈ روزبری نے حال میں ایک تقریر میں کہا تھا جو لوگ اس انگلستان کو دیکھنا چاہیں جو پرانے بادشاہوں کے وقت میں تھا اور جو اب جلد نظر سے غائب ہونے والا ہے انہیں چاہئے کہ وہ ان بڑے دیہاتی گھرانوں کی بود و باش جاکر دیکھیں جو وارک کاسل وغیرہ کے قرب و جوار میں آباد ہیں اور صدیوں میں متغیر نہیں ہوئے"۔

مسز عبدالقادر

ایک ترکی پھوپھی کا خط

پرانے زمانہ کی مثل ہے "لائے سجنوں کی بیٹیاں جو رکھیں بچوں کی لاج" مطلب یہ ہے۔
شریف بیٹیاں کتنی ہی مصیبت کا پہاڑ انپر ٹوٹ پڑے کیسی ہی آفات و تکلیف میں
گرفتار ہو جائیں مگر انکا جوہر شرافت زائل نہ ہوگا۔ فاقے کریں پیوند لگائیں محنت
کریں مزدوری کریں مگر باپ دادا کی عزت بڑوں کی آبرو بچوں کی لاج پر حرف نہ
آنے دیں۔ مال و متاع غارت ہو۔ کلیجے کے ٹکڑے ہمیشہ کو چھوٹیں وہ خود پیوند زمین
ہوں۔ آنکھوں سکھ کلیجے ٹھنڈک مگر بڑوں کی ناک ملک کی آبرو قوم کے وقار میں فرق
نہ آئے اسلامی تاریخ ان بہادر بیویوں سے بھری پڑی ہے اور جبتک دنیا اور دنیا میں
کھرا کھوٹا پرکھنے والے جوہری موجود ہیں ان عفت و عصمت کی پتلیوں اور قوم کی
فدائی دیویوں کے نام پر درود پڑھ رہے ہیں۔ گو یہ گوہر آبدار خاک میں مل گئے اور
موت نے ان پھولوں کو مرجھا دیا مگر تاریخی صبا نے آج بھی انکی خوشبو سے دنیا کو معطر
کر رکھا ہے قادسیہ کی مشہور لڑائی میں جسوقت مسلمانوں کی طاقت کمزور ہوگئی ہے اسوقت
ایک عورت خنساء جو اس معرکہ میں شریک تھی اپنے چاروں بیٹوں سے اس طرح خطاب کرتی ہے

"پیارے بچو! نہ تم اپنے ملک کو دو بھر تھے نہ تم پر کال پڑا تھا مگر تم اپنی
بڈھیا ماں کو یہاں لائے اور فارس کے آگے ڈالدیا۔ خدا شاہد ہے جس طرح
تم ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح ایک باپ کے ہیں نہ تمہارے باپ نے
بد دیانتی کی اور نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا۔ جاؤ لڑو اور آخر تک لڑو۔"

اس اغواث کے معرکہ کو آج سینکڑوں برس ہوگئے خنساء کی ہڈیاں بھی گل کر خاک ہوگئیں مگر
اسکی شرافت کا جوہر آج بھی اسی آب و تاب سے چمک رہا ہے تازہ واقعات اتنا پتہ

دے رہے ہیں کہ کئی نسلوں کے بعد جاکر بھی وہ جوہر آجتک خواتین عرب کی طبیعت سے جدا نہیں ہوا۔ المؤید نے ایک خاتون کا خط نقل کیا ہے جو اُس بھتیجے کے خط کا جواب ہے جسنے اپنی پھوپھی کو لکھا ہے کہ گورنمنٹ مجھے فوج میں بھرتی کرنی ہے اور میں بچنا چاہتا ہوں۔ خاتون موصوف جس نے بھتیجے کو بچوں کی طرح پالا ہے اِس طرح جواب لکھتی ہے:۔

خط

میرے عزیز بھتیجے! تمہارا خط دیکھکر مجھے سخت رنج ہوا۔ اس لئے کہ تم لکھتے ہو کہ ذاتی ضروریات کی وجہ سے میں فوجی ملازمت سے الگ رہنا پسند کرتا ہوں۔ مجھے تمہارا یہ بہانہ اچھا نہ معلوم ہوا خیر تم گورنمنٹ کو لکھو اگر تمہاری مجبوری منظور ہو جائے تو بہتر ورنہ فوج میں بھرتی ہو۔ شریف وُہی جو وطن کے واسطے جوہر شرافت کو کام میں لائے سلطنت کو اپنا خاندان سمجھو اور ملک کو اپنا گھر خیال کرو۔ اگر کوئی دشمن تمہارے خاندان اور گھر پر حملہ کر کے ماں باپ اور بہن بھائیوں کو ذلیل کرے اور تم چُپکے بیٹھے رہو تو لوگ تمہیں کیا کہینگے؟

اگر تم کو کبھی میدانِ جنگ میں جانیکا اتفاق ہو تو میری یہ بات یاد رکھنا کہ یہ اندیشہ اُس اندیشہ سے کم ہوگا جو پہلی حکومت کے زمانہ میں تمہارے ملک بیروت کو ستا رہا تھا۔ مقابلہ میں اگر خُدانخواستہ کوئی حادثہ پیش آئے اور تم کام آجاؤ تو یہ شریفانہ موت ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی سے بہتر ہے۔ اب میں تمہیں اُن اولوالعزم جری بہادروں کی یاد دلاتی ہوں جنہوں نے ہنسی خوشی وطن پر اپنی جانیں قربان کردیں اور محض ہمارے آرام اور ہماری آزادی کی خاطر ہمیشہ کو جا سوئے۔ یہ شریف رُوحیں اور پاک خون اگر نہ ہوتے تو آج ازادی و انصاف کی نعمت سے ہم کس طرح فائدہ اُٹھاتے میری پیاری بھتیجے کیا تمہارے گھر کی طرح ان مرنیوالوں کے گھر اور تمہاری بیوی بچّوں کی طرح اُن کے بیوی بچّے نہ تھے۔ تمہاری طرح اُن کے بھی ماں باپ تھے۔ اُن کے پہلو میں بھی دل تھا۔ مگر وُہ اپنے فرض کو سمجھتے تھے اس طرف متوجہ ہوئے اور وطن پر قربان ہو کر دوامی عزت کا ایسا سہرا اپنے سر باندھا جس کے پھول قیامت تک نہ مرجھائینگے۔ اگر قانون تمہارا عذر نہ مانے تو بہانہ نہ کرنا ورنہ میں تم سے خوش نہ ہونگی۔

آسما

تیجے یا پھول

صلاح رسوم کے متعلق عرصہ سے کوششیں ہو رہی ہیں۔ لیکن بظاہر کوئی نمایاں کامیابی اس وقت تک نظر نہیں آتی۔ اگرچہ یہ کہنا کہ تمام کوششیں محض بے سود رہیں۔ ٹھیک نہ ہوگا۔ کیونکہ بعض جگہ اس کا اثر ضرور ہوا اور ہو رہا ہی لیکن عام طور پر ابھی تک وہ فضول رسمیں جو روپیہ کے صرف اور تضئیع اوقات کے علاوہ جگر خراش بھی ہیں برابر ادا کی جا رہی ہیں۔ اس لئے جب تک یہ مذموم طریقے بالکل نیست و نابود نہ ہو جائیں پوری کامیابی نہیں کہی جا سکتی۔

دیکھنا یہ ہی کہ اس کامیابی میں کیا چیز حائل ہی اور وہ کیا رکاوٹ ہی۔ جو باوجود ان جان توڑ کوششوں اور چیخ پکار کے بھی منزل مقصود تک نہیں پہنچنے دیتی۔ اس کا جواب بلا تامل یہ ہوگا کہ وجہ ناکامی ہم ہیں۔ چونکہ زیادہ تر رسوم کی بجا آوری ہم سے متعلق ہی۔ اس لئے جب تک ہم یعنی فرقہ نسواں ان نقائص کو محسوس نہ کرے۔ اصلاح بہت مشکل ہی۔ مرد اس معاملہ میں بالکل بیگناہ ہیں وہ اپنا فرض ادا کر چکے وہ کہہ چکے وہ بتا چکے وہ جتا چکے کہ آنکھیں کھول کر دیکھو اور نشیب و فراز دیکھ کر کام کرو۔ لیکن رسوم کا ادا کرنا اس طرح ہماری گھٹی میں پڑا ہوا ہی۔ کہ چاہے مذہب کا ایک آدھ حکم ٹل جائے تو بلا سے مگر جو بڑوں سے ہوتی آئی ہی۔ اس میں فرق نہ ہو۔

کہا جاتا ہی۔ کہ تعلیم رفتہ رفتہ ان خیالات کو دور کر دیگی۔ مگر میں دیکھتی ہوں کہ

کہ خاصی پڑھی لکھی بیویاں بھی ان مخمصات میں اس طرح پھنسی ہوئی ہیں کہ چاہے دُنیا اِدھر کی اُدھر ہو جائے۔ مگر وہ اپنی ہٹ سے ٹلنے والی نہیں۔
مثال کے طور پر میں پھولوں کو لیتی ہوں۔ جو موت کے تیسرے روز کئے جاتے ہیں اور جس میں حیثیت کے موافق بریانی متنجن شیرمال روٹی قورمہ غرض جو کچھ میسر ہو سکتا ہے تقسیم ہوتا ہے۔ مہمان جمع ہوتے ہیں اور کھاتے ہیں۔ اگر کسی بیوی کے طباق میں بوٹی یا آگے روٹی نہیں ہوتی تو وہ ناخوش ہو جاتی ہیں اور اتنی کہ پھر منانے سے بھی بہ مشکل منتی ہیں۔
تعجب ہے۔ کہ کس دل سے یہ اللہ کی بندیاں پھولوں میں اس بات کی متوقع ہوتی ہیں کہ بہتر سے بہتر کھانا اُن کے آگے رکھا جائے حیران ہوں کہ کس طرح اُن کے حلق سے یہ تر نوالے اُتر جاتے ہیں۔ میری رائے میں تو یہ بھی ایک قسم کا اخلاقی گناہ اور پرلے درجے کی سنگدلی ہے۔ کہ ایک شخص پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ اس کا ایک عزیز اور کیسا عزیز آنکھوں کا تارا کلیجے کا ٹکڑا سر کا والی یا برابر کا بار و نعمتِ غیر مترقبہ اس سے ہمیشہ کے لئے جُدا ہو اس کا کلیجہ ٹوٹ رہا ہو اس کا دل اُلٹ رہا ہو اور ہم اس بات کے منتظر ہوں کہ ہمارے پاس بریانی تہ دیغی (تہ دیگ) کی آوے۔
ہمارے جانے کی اصلی غرض تو یہ ہے کہ مصیبت زدہ سے ہمدردی کریں اس کا دل بہلائیں غم غلط کریں نہ یہ کہ مُردہ دوزخ میں جائے یا بہشت میں ہمیں اپنے حلوے مانڈے سے کام" سُنا ہے۔ عرب میں یہ دستور ہے کہ جب کسی کا عزیز مر جاتا ہے تو لوگ اپنے گھر سے جو دال دلیا میسر ہوا لیکر

اسکے ہاں گئے اور اس کے دسترخوان پر بیٹھ کر خود بھی کھایا اور اسکو بھی ٹکڑا ٹیڑا جس طرح ہوسکا خوشامد سے سمجھا بجھا کر کھلایا۔ ہمارے ہاں تو یہ آفت ہی کہ مرنیوالا تو مرگیا اب آنیوالوں کی خاطر مدارات میں کمی نہ ہو۔ افسوس ہی اس طبقہ کی حالت پر جس کا طرز معاشرت ایسا ذلیل ہو۔ خدا اس نقص کو ہم سے دُور کرے۔ دیکھئے کب وُہ وقت آتا ہی۔ کہ ہم اس طرف متوجّہ ہوتے ہیں۔

ایک بڑی خرابی یہ ہی۔ کہ اگر کسی خاندان یا گھر میں خواہ مردوں کی زبردستی یا عورتوں کی اپنی ہوشیاری سے ایسی خراب اور بیہودہ رسوم کا کچھ انسداد ہوا بھی اور انہوں نے ان پھولوں دولوں کو بے سود سمجھ کر ترک بھی کیا تو تمام شہر میں رسوا برادری میں ذلیل اور کُنبہ میں بدنام ہونا پڑا۔ بیویاں ہیں کہ ہزاروں باتیں بنارہی ہیں"۔ ایسے منحوس کی خدا صُورت نہ دکھائے غضب خدا کا۔ چاولوں کا نوالہ تک مُردے کو پہنچانا نصیب نہ ہو۔ بس جیتے ہی جی کے محبت تھی۔ آنکھ بند ہوئی اور گڑھا کھود دبوادیا"۔

اِن تمام دقتوں اور مشکلوں پر نظر ڈال کر یہ کہنا ممکن ہی کہ ہم زیادہ قصُوروار نہیں۔ کیا کریں دین سے دُنیا نبھانی مشکل ہی۔ مارنے کا ہاتھ پکڑلیں کہتے کی زبان نہیں پکڑی جاتی۔ لیکن اس کے معنی یہ ہونگے کہ پرائے شگون[۱] کے واسطے اپنی ناک کٹانی۔ اِس سے بڑی غلطی اور کیا ہوسکتی ہی کہ محض اس خوف سے کہ لوگ بُرا نہ کہیں ایسا کام کرنا جس سے حاصل دین نہ حاصل دُنیا۔

[۱] یہ مثل دلّی میں عام طور پر مستعمل ہی جسکی تشریح یوں بیان کیجاتی ہی کہ ایک شخص نے چاند دیکھا وُہ چاہتا تھا کہ چاند دیکھ کر کوئی اچھی چیز دیکھوں ایک دوسرا شخص اپنی ناک کاٹ کر اسکے سامنے کھڑا ہوگیا کہ تمام مہینہ بُرا گذرے۔

یہانتک تو بحث دوسروں سے تھی۔ اب ایک سرسری نظر ان بیویوں پر بھی ڈالنی چاہیے جو ان رسوم کو ضروری اور لازمی خیال کرتی ہیں۔ یہ تو ظاہر ہے کہ مذہب کو ان معاملات سے کوئی واسطہ نہیں۔ مردیکو ثواب پہنچانے کے بہت سے ذریعہ ہیں جن میں مقدم یہ ہے۔ کہ اگر خیرات دیجائے تو کسی ایسے شخص کو جو واقعی مستحق ہو۔ نہ یہ کہ اولفتے کھا کھا کر موچھوں پر تاؤ دے رہے ہیں۔ اور پیٹ پر ہاتھ پھیر رہے ہیں۔ یہی روپیہ اگر یتیموں کے کام آتا یا کسی نیک کام میں صرف ہوتا تو کیسی اچھی بات تھی۔ مگر ہماری غرض یعنی شہرت البتہ پوری نہ ہوتی۔

انسان میں نام و نمود کی خواہش تو فطرتی ہے اور یہ ہر حال میں قابل اعتراض نہ ہو مگر اس معاملہ میں کہ قرض لیکر پھول کریں۔ بچوں کا اور اپنا پیٹ کاٹ کر دھوم دھام سے بریانی پکائیں۔ نہایت نادانی ہے۔ شہرت حاصل کرنے کے بہت سے ذریعے ہیں۔ اگر پڑوس کی غریب بڑھیوں اندھی دھندیوں کی خدمت کوئی عورت اپنے ذمے لے لے تو چند ہی روز میں وہ اتنی عزت پیدا کر لیگی کہ لوگ اس کے قدموں کے نیچے آنکھیں بچھائیں۔ ثواب کے واسطے مذہب بھی یہی کہتا ہے اور عقل بھی کہ حاجتمندوں کی مدد سب سے بڑا ثواب ہے۔ اگر پھول ہی کرنے ہیں تو مردے کی محبت اس بات کی متقاضی ہے کہ خدائے واحد کی اپاہج مخلوق کی خدمت کیجائے اور اسی زبردست شاہنشاہ حقیقی سے یہ درخواست کیجائے کہ اس معاوضہ میں ہمارے اس عزیز جس کی روح آج تیرے قبضۂ قدرت میں ہے اور جہانتک ہمارا

پہنچنا اس وقت محال ہے اور ہم جس کی مدد سے مجبور ہیں رحم فرما کر جس طرح اس لنگڑے لولے اندھے کو جس کا تیرے سوا کوئی وارث نہیں جو جاڑوں کی پہاڑ سی راتیں ٹھٹر ٹھٹر کر کاٹتا ہے۔ ہم نے یہ لحاف دیا اسی طرح ہمارے اس عزیز پر جو شرمسار گنہگار تیرے حضور میں حاضر ہے۔ اپنے فضل و کرم سے شفقت فرما الٰہ العالمین اس دکھیاری بیوہ کو جس کے ننھے ننھے بچے فاقے کر رہے تھے جس وقت ہم نے کھانا کھلایا ہے۔ اس وقت تیرے سوا کوئی دیکھنے والا نہ تھا۔ عالم الغیب یہ ہماری خدمت قبول فرما اور اپنے دامن رحمت میں فلاں عزیز کے گناہوں کو چھپالے +

مسز محمد اکرام

بیٹیوں کی نسبت

جاہلیت کے زمانہ میں تھی یہ رسم عرب — کہ کسی گھر میں اگر ہوتی تھی پیدا دختر
سنگدل باپ اُسے گود سے لیکر ماں کی — گاڑ دیتا تھا زمیں میں کہیں زندہ جا کر
رسم اب بھی یہی دُنیا میں ہے جاری لیکن — جو کہ اندھے ہیں ہے کے نہیں کچھ انکو خبر
لوگ بیٹی کے لئے ڈھونڈھتے جب ہیں شوہر — سب سے اول انہیں ہوتا ہے یہ منظور نظر
ایسے گھر بیاہیے بیٹی کو جو ہو آسودہ — اور مہر و مہر سے جو ذات میں ہو افضل تر
ایک ہی شہر میں ہوں دونو گھرانے آباد — دونوں نزدیک قرابت میں ہوں باہمدیگر
جیتے جی مرگئی بس اُن کی طرف سے گویا — جا کے پردیس میں بیٹی کو دیا بیاہ اگر
چھان بین اس کی تو کرتے ہیں کہ گھر کیسا ہو — پر نہیں دیکھتا یہ کوئی کہ کیسا ہو بر
بدمزاجی ہو جہالت ہو کہ ہو بدچلنی — کچھ بُرائی نہیں داماد نوشاہو اگر
جاہلیت میں تو تھی ایک یہی آفت کہ وہاں — گاڑ دی جاتی تھی بس خاک میں تنہا دختر
ساتھ بیٹی کے اب پدر و مادر بھی — زندہ در گور سدا رہتے ہیں اور خستہ جگر

حالی

اپنا خاکہ آپ اُڑانا

ہم اکثر یہ بات بڑے تعجب اور افسوس کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ کہ بعض ناعاقبت اندیش مردوں سے گذر کر اب عورتوں میں بھی اندھا دھند یورپ کی تقلید کا شوق پیدا ہوتا جاتا ہے۔ اور زمانہ اخبار و رسالوں میں کچھ اس قسم کے مضمون چھپتے رہتے ہیں جن سے ہنسی بھی آتی ہے اور رنج بھی ہوتا ہے۔ حیف ہے اس قوم پر جو اپنے ہاں کی ہر ایک بات کا یُوں خاکہ اُڑائے یعنی اپنے رسم و رواج کا تو جو پہلو دکھایا جائے وُہ کریہہ پیرائے میں۔ اور دُوسروں کی جو بات ہو وُہ قابلِ تقلید ٹھہرائی جائے۔ حالانکہ ہر ایک انسان جس کو خدا نے عقل دی ہے وُہ اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ۔ ہر ملکے و ہر رسمے۔ یہ کیا ضرورت ہے کہ ہم سب باتوں میں انگریزوں ہی کی پیروی کریں۔ ہر ایک قوم کی تہذیب جُدا ہے۔ اور پھر ہندوستان جنت نشان جس کے تہذیب یافتہ ہونے میں کچھ شک ہی نہیں۔ جس کی تہذیب اتنی مقبول اور پُرانی ہے کہ جس زمانے میں چاروں طرف جہل چھایا ہُوا تھا۔ یہ ملک اس زمانے میں بھی اکثر باتوں میں ترقی کر رہا تھا۔ بقولِ شخصے

اس خاکِ دل نشیں سے چشمے ہُوئے وُہ جاری | چین و عرب میں جن سے ہوتی تھی آبیاری
سارے جہاں پہ جب تھا وحشت کا ابر طاری | چشم و چراغِ عالم تھی سرزمیں ہماری

شمعِ ادب نہ تھی جب یوناں کی انجمن میں

تاباں بھی مہربینش اس ادی کہن میں

اگرچہ انگریزوں کی بعض باتیں فی زمانہ اچھی سمجھی جاتی ہیں۔ کیونکہ حاکم قوم کا اثر محکوم قوم پر ضرور پڑتا ہی۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ ہم اُٹھتے بیٹھتے ہر ایک بات میں ان کی ہی تقلید کریں۔ اور اپنے ہاں کی طرز معاشرت کو بالکل چھوڑ کر رفتار گفتار لباس سب میں یورپ ہی کی نقل اُتاریں۔ یہاں تک کہ اگر کسی بیچارے دیسی کے ہاں مہمان چلے جائیں تو اس کی ہنسی اڑائیں اور ہاں ایک بات جو اس قسم کے مضمونوں ہیں اور دیکھنے میں آتی وہ یہ کہ اکثر مالدار لوگوں کی حالت دکھائی جاتی ہی۔ گویا انگریزی تہذیب کے ساتھ مالدار ہونا لازمی امر ہے۔ اور ہے بھی اگر انصاف سے دیکھا جائے تو یہی بات۔ کیونکہ ایک کوٹھی اس کے ساتھ احاطہ۔ اور ہر ایک کام کے لئے ایک ایک نوکر رکھنے کا مقدور رکھتے ہوں تو دیسی بیچارے انگریزی طریقے کی پیروی کریں نہیں تو وُہی مثل ہو جائے۔ کوا چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھولا۔ ظاہر بات ہی کہ یہ مضمون سب ہی قسم کے لوگوں کی نظر سے گذرتے ہونگے۔ یعنی ان مضمونوں کے پڑھنے والے متمول بھی ہونگے۔ متوسط بھی مفلس بھی۔ اچھا تو اب بیچارے معمولی حیثیت کے لوگ ان کا تہذیب طریقہ کیونکر برت سکتے ہیں۔ میرے خیال میں تو یہ مضمون لڑکیوں کے اخلاق بگاڑنے میں خاصی مدد دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ لڑکیاں جنکا ادھوری تعلیم نے پہلے ہی ستیاناس کر دیا ہی اور ان میں اچھی بُری بات سمجھنے کا مادہ بہت کم ہی انکے دل میں ضرور شوق پیدا ہوگا۔

کہ ہم بھی اسی طریقے پر رہیں ۔ اب اگر ان کے پاس روپیہ کافی ہو اور خوش قسمتی سے اُن کے بزرگ بھی اُن کے موافق ہیں تو وُہ ایک حد تک اپنے شوق کو پورا کر کے اپنا دل خوش کر سکتی ہیں ۔ اور جو برخلاف اس کے ۔ اگر انکے ماں باپ اتنی حیثیت نہیں رکھتے کہ بگڑے خیال کی بیٹی کا ارمان پورا کریں یا بالفرض وُہ ان باتوں کے مخالف ہی ہیں تو اس صورت میں اس کے سوائے اور کیا ہو سکتا ہو کہ اُن کے دل میں بیٹھے بٹھائے رنج پیدا ہوگا ۔ اور اپنے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھیں گی ۔ اور کچھ عجب نہیں کہ یہی بات اُن کے گھروں میں نفاق کی صورت پیدا کرے ۔ اس قسم کے مضمون جو تہذیب و شائستگی کے متعلق لکھے جائیں ۔ ان میں بجائے اس کے کہ ہر ایک بات میں امارت دکھائی جائے ۔ اس پیرائے میں لکھے جانے زیادہ مناسب ہونگے کہ ہر شخص اس پر آسانی سے عمل کر سکے ۔ نہ یہ کہ بجائے اس کے کہ ان کو تمیز آئے وُہ ہر وقت اسی خیال میں غرق رہیں ۔ کہ کاش ہم بھی میز کرسی پر کھانا کھا سکتے اور انگریزی لباس زیبِ تن کر سکتے ۔ یا اپنے بچوں کی تربیت کے لئے یوروپین نرس رکھ سکتے ۔ اور موٹر کار میں بیٹھ کے سیر کو جا سکتے ۔ یا ہمارے پاس ٹینس بیڈمنٹن وغیرہ کھیل کھیلنے کو کافی زمین ہوتی ۔ اُمید ہو کہ بہنیں میری اس سمع خراشی سے ناراض نہ ہونگی ۔ اخیر میں مَیں اپنی بہنوں سے معافی کی خواستگار رہوں ۔

ایک دیسی بہن

ماں کے گھر بیٹی گگو ڈر لپیٹی

بڑوں کی بڑی باتیں۔ ان پانچ سات لفظوں میں ایسا کچھ بھر دیا کہ ورق کے ورق لکھ ڈالو تو وہ بات نصیب نہیں۔ کوار پتے کا زمانہ بچپن کی عمر کھیل کود کے دن پہننے کا ہوش نہ اوڑھنے کا فکر ننگا سر ٹوٹی جوتی میلے کپڑے جو ہیں سب ٹھیک۔ اُجلے کپڑے اِدھر پہنے اُدھر چکٹ۔ نئی اوڑھنی ابھی بنی ابھی غارت۔ عمر کا تقاضا بے فکری سوار کُرتہ میلا ہے تو بلا سے آستین آدھی ہے تو پروا نہیں۔ اِس میں لکھ پتی ہوں یا کروڑ پتی نہ کسی کی عزت پر حرف نہ آبرو پر پانی۔ رہے وہ جنکو سچ مچ ہی نصیب نہیں ہوا اگر کبھی کبھار رتّی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا اور کچھ نصیب بھی ہو گیا تو کواری بیٹی کو پہنائیں یا وقت پر بڑوں کی لاج رکھیں انکو تو کسی طرح آگے سے پتھر سرکانا ہے اور وہ بھی کس طرح کہ چاروں طرف سے لوگ طعنوں کے مارے کلیجہ چھلنی کر دینگے۔ قرض کرو دام کرو بھیک مانگو مگر بیٹی کا بہرنا بھرو ذرا چوکے اور نتار پڑی۔

بیٹی کا بڑھنا ایک پہاڑ ہے جو سامنے چلا آرہا ہے۔ برسوں پہلے آنیوالے وقت کا فکر نہ کریں تو بیٹی ذلیل آپ شرمندہ کنبہ بھر میں بدنامی اور محلّہ بھر میں رسوائی۔

ان ہی باتوں کو مدِ نظر رکھکر "ماں کے گھر بیٹی گگو ڈر لپیٹی" کتنی معقول بات

ہی ہے۔ مائیں دیکھیں سمجھیں اور غور کریں کواری بیٹی نے روپیہ گز کا پہنا پہاڑا تو کھدی ململ اوڑھی پہنی تو ضرورت یہ ہے کہ وقت پر یہ نہ سنیں:-

"اے نگوڑی نفاختن نے خالی بیٹی دینی جانی اور کچھ نہ جانا"

یوں تو اپنی اپنی حیثیت کے موافق جب تک ماں باپ زندہ ہیں جو کچھ ہوگا بیٹی کو دیویں ہی گے۔ مگر دینے کا اصل وقت شادی ہی کا موقعہ ہے پھر تو

"بیاہی بیٹی پڑوسن داخل"

زور اور حق تو ختم ہوا ہاں جو ہاتھ اُٹھا کر دیدو اور بیٹی کا مان رکھ لو وہی بہت ہے۔

اب ان دونوں مثلوں کو ملا کر نتیجہ نکالو تو معلوم ہوگا جس وقت سے بیٹی پیدا ہوئی اُسی وقت سے بیٹی کی وداع کا سماں پیش نظر رہے۔ گھر میں کھانے کو چاہے روپیہ تولے کا کھاؤ تو کوئی نہیں دیکھتا۔ مگر اس وقت عزیز اور رشتہ دار ہی نہیں غیر اور راہ چلنے تک دیکھنے کھڑے ہو جائینگے۔

اِسی لئے دُور اندیش مائیں اپنا پہننا اوڑھنا عارضی سمجھتی ہیں۔ بیٹی سیانی ہوئی اور انکو سہم چڑھا۔ سچی بات بھی یہ ہے اور عقل کے یہی معنی ہیں کہ انسان انجام پر غور کرتا رہے۔ لڑکیوں کو مناسب ہے کہ جس دن سے ماں بنیں اُسی دن سے ساس بننے کے لئے تیار رہیں +

سلمہ

سیر یورپ

(از ہر ہائی نس بیگم صاحبہ جزیرہ جنجان)

۱۲ - جون ۱۹۱۱ء | بہت دیر گیلری میں بحث سنتے رہے - پھر مسٹر بوکیانن آکر ہم کو لے گئے اور نیچے جو مشہور چبوترہ ہے وہاں جاکر بٹھایا اور سپیکر[۵] کی بی بی کو خبر کی کہ ہم آئے ہیں - یہاں بہت بڑا مجمع تھا بہت سے ممبر اپنے اپنے دوستوں کی خاطر کر رہے تھے - پیشتر جو عطیہ بھی آئی تھی تو اسے اس جگہ پر سرہنری کاٹن اپنے ہمراہ لے آئے تھے - تھوڑا وقت باقی تھا اس لئے ہم چبوترہ پر ٹہلتے رہے - میری طرف لوگ بڑی حیرت سے دیکھتے تھے - شاید انہیں کوئی غیر معمولی آدمی معلوم ہوتی ہونگی ! عین وقت پر مسز بوکیانن آئیں اور ہمیں بالکل دوسرے سرے پر لے گئیں جہاں ایک بڑی میز رکھی ہوئی تھی - یہ جگہ خاص سپیکر کی بی بی کے دوستوں کے لئے ہے - سپیکر صاحب یعنی مسٹر لاوتھر آپ ہم کو لینے آئے - صاحب موصوف عجیب اختیارات اور قوت رکھتے ہیں - مثلاً اجلاس میں کسی کو بھی فوراً خاموش ہونے کا حکم دے سکتے ہیں اور بٹھا بھی سکتے ہیں - ضرورت ہو تو کمرے کے باہر بھی نکال سکتے ہیں - بہت سے حق انہیں حاصل ہیں - اسی کوٹھی میں انکے رہنے کا علاقہ ہے مگر کیا عالیشان موقعہ ہے اہا ہا - سپیکر صاحب اپنے ہمراہ ہم کو اوپر اپنی بیوی کے پاس لے گئے - اُن سے اور انکی صاحبزادی سے ملاقات ہوئی - کمرے میں جتنی

[۵] سپیکر انگلستان کی پارلیمنٹ میں ایک بڑا عہدہ ہے - وہ گویا جلسہ پارلیمنٹ کا صدر نشین ہوتا ہے اور جلسہ کے متعلقہ تمام اختیارات [illegible]

تاریخی چیزیں تھیں دکھائیں۔ جتنے سپیکر ہو چکے ہیں ان سب کی تصویریں عمدہ عمدہ
تھیں۔ ہمیں اُنہوں نے کھانے کے بڑے چھوٹے کمرے دکھائے اور سال
بھر میں کتنی دعوتیں دینی پڑتی ہیں اس کا ذکر کیا اور ان تمام باتوں کے متعلق
تاریخی بیان کرتے رہے۔ اور یہ بھی کہ لباس بھی انہیں نرالا پہننا پڑتا ہے
سب کھانے اور سمجھانے کے بعد نیچے لے آئے۔ جہاں چائے نوشی کا انتظام
تھا۔ لذیذ ناشتہ چنا ہوا تھا۔ ہم سب نے شوق سے کھایا۔ اتنے میں ایک صاحب
آئے جن سے مسز لاؤتھر نے اس طرح شناخت کرائی کہ میرے شرعی بھائی ہیں جو
ابھی ابھی قسطنطنیہ میں سفیر معین ہوئے ہیں۔ بہت اچھا ہوا کہ ان صاحب سے
پہلے ہی تعارف ہو گیا۔ اب استنبول میں آرام ہوگا۔ میں چاہتی تھی کہ اُن سے
کچھ باتیں کروں مگر اخیر تک موقع نہ آیا۔ تھوڑی دیر بعد دو اور بیبیاں آئیں
جنہوں نے کرٹسی[1] کی۔ یہاں اکثر لوگ ہم کو کرٹسی کرتے ہیں لیکن ہم کو بہت
بے چینی ہوتی ہے۔ انہیں سے ایک ڈچس آف بکنگ ہم تھیں جنہوں نے حضور کے
ساتھ سلسلہ گفتگو شروع کیا اور دوسری ابھی پیرس سے آئی تھیں۔ اُنکا نام سمجھ
میں نہ آیا۔ بہت اچھا وقت گذرا اور ہم نہایت محظوظ ہو کر ہوٹل میں آئے۔
اور بہت جلد لباس تبدیل کر کے تماشگاہ کی سیر کے لئے آمادہ ہو گئے جب
نواب داد مسٹر دت آگئے وہ حضور کو لے گئے۔ اور سعید کی سعید اور میں گاڑی
میں ماربل آرچ[2] تک گئے اور وہاں سے ٹیوب ریلوے میں سفر کیا۔ ہمارے
لئے یہ نئی چیز تھی کبھی پیشتر اتفاق نہ ہوا تھا۔ طرفہ چیز ہے اس میں شک نہیں

[1] ایک زانو ٹیک کر یا جھک کر سلام کرنا۔ [2] یعنی مرمر کا دروازہ۔ ہائیڈ پارک کے دروازوں میں یہ
دروازہ سب سے بڑا اور پُر رونق ہے ۱۲

زمین میں گول سوراخ ہی جس میں سے یہ بجلی کی ٹرین سانپ کی طرح گذر جاتی ہی۔ جگہ صرف اتنی ہی کہ ٹرین بآسانی گذر جائے۔ نیچے جانے کے لئے بہت بڑی لفٹ کا انتظام ہی کہ جس سے زمین کے شکم میں انسان گھستا ہی۔ ہوا کا ایسا کامل بندوبست ہی کہ ذرا جی نہیں گھبراتا۔ بلکہ روشنی اور ہوا کا ایسا اثر ہوتا ہی کہ خیال بھی نہیں گذرتا کہ کھلی ہوا میں نہیں ہیں۔ عین میں روز روشن۔ کیونکہ بجلی سے سب کارخانہ چلتا ہی۔ نمائش کے واسطے اس کی وسعت اور بھی ہوگئی ہی تاکہ آمدو رفت میں سہولت ہو۔ اب ٹھیک نمائش گاہ تک جاتی ہی۔ لوگوں کے لئے آرام دینے اور آسانی کرنے میں یہ لوگ کسر نہیں رکھتے۔ اس سوراخ میں ایک ہی ریل جا سکتی ہی۔ اس لئے کسی قسم کے حادثہ کا ہرگز خوف نہ رہا۔ آخر کار ہمارا اسٹیشن آیا۔ اور ہم سب فوراً اتر گئے۔ ہر اسٹیشن پر آدھی منٹ ٹھہرتی ہی۔ خیال میں ایسا معلوم ہوتا ہی کہ آدھا منٹ اُترنے کے لئے بہت کم ہی لیکن اتنا وقت کافی ہی۔ ہم فراغت سے اُتر گئے۔ اور سب کو لطف آیا۔ نمائشگاہ میں پیشتر مستورات کبھی نہ آئے تھے خوب سیر کی اور میں نے ایک جگہ سے نہایت عمدہ رومال خریدے۔ معمولی سُوتی کپڑے کس حد تک نفیس اور اعلیٰ ہو سکتے ہیں۔ اس کے نمونے دیکھے۔ چھوٹی چھوٹی پوشیں جن پر بہت اور آرش کروشیے کی لیس ٹکی ہوئی۔ دو سو پچیس شلنگ کی۔ ایک ایک غضب ہو رہا ہی۔ خریدار ہیں تو چیزیں بھی تیار ہوتی ہیں اور اس درجہ قدر و قیمت سے لی جاتی ہیں۔ اس کمپنی کے اشتہارات کی کتاب سے کئی چیزوں کے دام لکھتی ہوں۔ جنکے پڑھنے سے تعجب معلوم ہوگا۔ ایک جوڑی تکیوں کے غلاف

قیمت نو پاؤنڈ۔ ایک چادر اِن کے جوڑ کی بارہ پاؤنڈ! علیٰ ہذا القیاس امیر اپنی دولت کا معقول حصہ اعلیٰ اور نفیس چیزوں پر صرف کرتے ہیں۔ اِن کپڑوں کو دھونا بھی یہی لوگ جانتے ہیں۔ ایسی ایسی بے نظیر چیزیں دیکھیں کہ واہ واہ جی خوش ہو گیا۔ لیڈی ماڈ وانڈر کے یہاں عطیہ بھی مہمان گئی تھی اُسوقت کا ذکر کرتی ہی کہ لیڈی موصوف کے یہاں تقریباً ایسی گراں قیمت لینن کی چیزیں برتی جاتی ہیں۔ اور استراحت کا کمرہ تمام ایسے لینن سے بھرا ہوا تھا۔ کہ کیا بیان ہو کیمرک پر اس قدر مہین کام کرتے ہیں کہ جس کی حد نہیں آجکل ایسی چیزیں بھر نور کام کی لینے کا رواج ہوا ہی۔ کرسیوں اور کوچوں کے غلاف تکیوں کے غلاف۔ سنگھار دان کی پوششیں گردے۔ پردے وغیرہ مطلب یہ کہ جس کا قیاس کر سکو تمام ایسی اشیاء سے ڈھکی ہوئی ہوتی ہیں اور بڑے بڑے صندوقوں پر بھی اسی کے غلاف چڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ آٹھ یا پندرہ دن بعد بدلنا لازمی ہو جاتا ہی کیونکہ برف کی سی سفیدی ہونا نہایت ضروری ہی! مہین اور نازک ہونے کے باعث بہت دُھل نہیں سکتا ہی۔ واقعی روپیہ برباد ہونا معلوم ہوتا ہی۔ مگر سب فیشن والا گروہ ایسا ہی کرتا ہی۔ فیشن کی وبا سے اللہ ہماری قوم کو بچائے بلکہ میری دُعا ہی کہ کسی دن ان فضول پابندیوں کا پرتو ہم پر نہ پڑے۔ اور ہر چھوٹی بڑی چیز میں ان لوگوں کے پیرو نہ بنیں۔ ورنہ چندروز میں ہماری مٹی پلید ہو جائیگی ان میں بھی بہت سے ایسے ہیں جو فیشن کی مصیبت سے ناراض ہیں لیکن کیا کریں مجبوری ہو گئی ہی اور ڈھنگ ایسا پڑ گیا ہی۔ اِس لئے بیشتر ہی ہم کو

سوچ سمجھ کر اِن چیزوں کا دلدادہ نہ بننا چاہئے۔

اور چیزیں دیکھنے کے بعد ایک جگہ کھانا کھایا جہاں ہر فرد کے لئے بارہ شلنگ چھ پنس مقرر تھے۔ سوڈا وغیرہ زائد چیزوں کی علیحدہ قیمت دینی ہوتی ہے۔ ہم نے اپنے اِرد گرد میزوں پر بیٹھے ہوئے لوگوں کا ایسا جمگھٹا دیکھا کہ حیران رہ گئے۔ بہت سے ایسے لوگ تھے جنہوں نے آٹھ آٹھ اور دس دس گنیاں وہیں خرچ کیں۔ کیونکہ قیمتی شرابیں بکثرت پی رہے تھے پیٹ پوجا کون سے درجے تک پہنچی ہے۔ اس کا خواب خیال ہونا مشکل ہے۔ فرانس میں اس سے بڑھکر ہے۔ کھانے سے فراغت پاکر آتشبازی دیکھی اس میں انار ایسے تھے کہ سلگا کر پانی میں پھینک دیتے تھے تو وہ ہل ہل کر سیدھے ہوکر چھوٹتے تھے اور چکر کھاتے تھے۔ اس قسم کی بہت سی نادر آتشبازی چلی۔ آدھ گھنٹے میں ختم ہوگئی۔ اس کے بعد ہم تماشگاہ سے ہوٹل واپس آگئے ۔۔

اکثر گھروں میں یہ دستور ہے کہ پیدایش کے بعد دوسرے یا تیسرے روز بچے کو ماں کا دودھ دیا جاتا ہے اور اُس وقت تک گھٹی اور شہد وغیرہ پلاتے اور چٹاتے ہیں۔ جس کی کثرت بعض بچوں کے واسطے مضر ہونے کے علاوہ ماں کے واسطے بھی دودھ نہ نکلنے کی وجہ سے تکلیف دہ ہوتی ہے۔ حکما کا خیال ہے کہ ولادت کے چند ہی گھنٹے بعد بچے کو اگر ماں کا دودھ دیں تو زچہ اور بچہ دونوں کے

بچّوں کی پرورش

ایامِ حمل میں احتیاط چونکہ اس وقت میں بچّوں کی پرورش پر کچھ لکھ رہی ہوں اس لئے دو چار معمولی باتوں کا جو بچّوں کے لئے ضروری ہیں ذکر کرتی ہوں پیدائش سے بعد ہی نہیں بلکہ ایامِ حمل سے ہی ماں کا اثر بچّہ پر ہوتا ہے۔ دورانِ حمل میں ماں کی طبیعت کا میلان جس بات یا جس مضمون کی جانب ہوگا اس کا گہرا اور حیرت انگیز اثر بچّہ کی طبیعت پر ہوتا ہے۔ مثلاً اگر ایامِ حمل میں ماں لڑائی شجاعت بہادری وغیرہ کی کتابیں دیکھتی رہیگی تو بچّہ بھی شجاع دلیر بہادر ہوگا۔ اگر خاکساری صبر قناعت تحمّل وغیرہ کی طرف دھیان رکھیگی تو بچّہ بھی صابر قانع بُردبار خاکسار متحمل ہوگا غرضکہ ماں ایامِ حمل میں جیسی رہیگی اس کا گہرا اثر بچّہ کی طبیعت پر ہوگا۔ اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ متّحدہ امریکہ سے صوبہ مونتانا کے ایک لڑکے ہیری مارشن (جس کی آجکل بہت شہرت ہی) کی عجیب حالت سے اس قول کی تصدیق ہوتی ہی۔ ڈاکٹروں کا قول ہی کہ بچّہ اپنی ماں کی خصلتیں اور اس کے جذبات وراثت میں پاتا ہی۔ اور یہ بات بھی مسلّم ہی کہ جو چیزیں یا شکلیں ماں دیکھا کریگی۔ اس کا بہت سا اثر بچّہ کی شکل و شباہت پر ہوگا اس بات کے کل ڈاکٹر وغیرہ قائل ہیں زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں۔ پس حاملہ کو چاہیے کہ عمدہ عمدہ اخلاقی کتابوں کو زیرِ مطالعہ اور اچھی اچھی باتوں

کی جانب طبیعت کا میلان رکھے۔ ہر وقت طبیعت خوش بشاش رکھنی چاہیے۔ رنج غم غصہ فکر پریشانی وغیرہ کو حاملہ کے پاس پھٹکنے بھی نہ دینا چاہیے۔ بچہ کے لئے یہ بہت مضر ہے۔ خوبصورت خوشنما تصویروں۔ چیزوں شکلوں کو پیش نظر رکھے۔ وزنی چیز اٹھانا سخت محنت کرنا سخت بیمار کی عیادت کو جانا وحشت انگیز و خوفناک تصاویر دیکھنا کسی عورت کے وضع حمل کے وقت جانا۔ تیز جلاب لینا بیمار کے لئے زیادہ مقدار میں کونین کھانا۔ دانت اکھڑوانا نشتر لگوانا۔ دور و دراز کا سفر۔ چھکڑے یا اسی قسم کی اور سواریاں یا دوسری بدن ہلانے والی سواری۔ رنجیدہ وحشتناک خبروں کا دفعۃً سننا وغیرہ بھی منع ہے۔

زچہ خانہ | ہندوستان کے زچہ خانے عموماً ایسے تنگ و تاریک بند ہوا کرتے ہیں۔ جس میں صحیح سالم آدمی کا تندرست رہنا ہی ناممکن ہے۔ زچہ جو بجائے خود ایک مریضہ ہوتی ہے اور بچہ جس کے سب اعضا کمزور اور جسکو دنیا میں آئے تھوڑا عرصہ ہوا ہے۔ اسکا تو اس مکان میں زندہ رہنا بھی تعجب کی بات ہے۔ ایسے مکانوں کی ہوا کو سم قاتل زہر ہلاہل سے کم نہ سمجھنا چاہیے۔ خصوصاً جب کہ اس میں تیل کا چراغ روشن ہو۔ آگ جل رہی ہو۔ اجوائن وغیرہ کا دھواں گھٹا ہوا ہو لوگوں کی بھیڑ بھاڑ ہو۔ زچہ بچہ کے لئے ایسا مکان مناسب ہے جو نہ بہت ٹھنڈا ہو نہ بہت گرم۔ دونوں طرف دروازے کھڑکیاں ہوں جنمیں ہوا کی آمد و رفت بخوبی ہو سکے۔ تازہ و عمدہ صاف ہو لیکن سرد ہوا کے سخت جھونکے بھی زچہ بچہ کے لئے سخت مضر ہیں۔ کمرہ میں آفتاب کی روشنی ہو لیکن تیز دھوپ بھی مناسب نہیں۔ ہوا صاف ہونے کے لئے بھی کبھی عود لوبان جلانے میں مضائقہ نہیں +

(باقی آئندہ) رابعہ بیگم

ماں کی محبت

دُنیا میں انسان کو ایک دوسرے کی محبت سے متمتع ہوکر تمام دشوار گھاٹیاں طے کرنی پڑتی ہیں لیکن ماں کی محبت ایسی ہو جو بغیر کسی معاوضہ کی اُمید کے اولاد سے برتی جاتی ہو۔ ایک چھوٹا بچہ جو بلا دوسروں کی امداد کے ایک دن نہیں جی سکتا اسکو سالہا سال پالنا۔ پال پوس کر بڑا کرنا ہر قسم کی مصیبت برداشت کرنی اور تیوری پر بل تک نہ لانا ماں ہی کا کام ہو۔

یقیں خبر اولاد کی مائیں نہ گر بچپن میں یاں
خالی کبھی کا نسل سے آدم کی ہوجاتا جہاں (حالی)

مفلس نادار بیوہ ماؤں کا سلائی سیکر اور پسائی پیسکر بچوں کو پالنا ایسی نظیریں ہیں جنکا جواب کسی دوسرے تعلق میں نہیں۔ بیماری کے وقت جبکہ تیماردار دق ہوجاتے اور بیمار کی خدمت سے تنگ آجاتے ہیں تو ماں نہیں اکتاتی اور راتیں آنکھوں میں گذار دیتی ہو اور اس کا نہ تھکنے والا دماغ پھر اسی طرح جاگنے پر آمادہ ہوجاتا ہو۔

باپ جس کی اولاد ماں ہی کی طرح ہوتی ہو پاس ہی بسا اوقات آرام میں ہوتا ہو۔ لیکن بقول مولانا آزاد کے " وہ محبت بھری نگاہوں سے بچے کے مُنہ کو تک رہی ہوتی ہو" اور اس کی شکل دیکھ کر اس قدر شاد ہوتی ہو کہ دُنیا کی کوئی خوشی اُس خوشی کا مقابلہ نہیں کرسکتی۔

جب یہی اولاد نافرمان اور بے تمیز ہوتی ہے۔ اور اس کے حقوق ادا کرنے کے بجائے سخت سست سُناتی ہے۔ اُس وقت بھی اُس کے سینہ میں وہی محبت بھرا دل ہوتا ہے۔ جو بچپن میں بچے کے لئے تھا۔

ہمیں یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ بعض لڑکے بڑے ہو کر کسطرح ماؤں سے دفعتہ الگ ہو جاتے ہیں اور اُن سے بات کرنے کے بھی روادار نہیں ہوتے لیکن اِس وقت بھی اِن کے مُنہ سے کوئی بُری بات اولاد کی بابت نہیں نکلتی اور وُہ حاضر غائب اس کے لئے دُعا گو رہتی ہیں۔ انکی خوشی سے خوش اور رنج سے رنجیدہ۔

آخر وقت جبکہ انسان دُنیا میں چند گھنٹوں کا مہمان ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ مَیں اب جانیکو تیار ہوں۔ اُسوقت بھی ماں کو اپنے بچّوں ہی کا خیال ہوتا ہے اور وُہ بار بار انہیں کی نسبت تاکید کرتی ہے۔

افسوس ہے اُن بچّوں کی حالت پر جو میری طرح ماں کی محبت سے بچپن ہی میں محروم ہو گئے ہوں۔ آہ! ان سے بہت سے محبت کرنے والے محبت کرتے ہیں لیکن جو اطمینان اور خوشی ماں کے دم سے تھی وہ اس سے محروم ہیں۔ اور انکو ماں کے برابر کوئی محبت کرنے والا نظر نہیں آسکتا۔

بنت حفیظ اللہ

بیماری تیمارداری

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

علی نقی خانصاحب - یہ نہو تو کیا ہر وقت وزیر بی امیر بی کی صحبت رہیگی تو انہی کا زیادہ اثر بھی ہوگا -

کاظم حسین صاحب - واللہ ایسا ہی تو ہی پھر اتنا ہم لوگوں کی رائے اور ناراضی کا خیال نہیں جتنا ماماؤں کے باتیں بنانے کا ڈر ہی جتنا انکا کہنا اثر کرتا ہی اس کا آدھا بھی ہمارا کہنا اثر نہیں کرتا -

علی نقی خاں - ظاہر ہی اس کے سوائے تم کس چیز کی امید رکھتے ہو - امیر بی اور وزیر بی اور لیاقت النسا بیگم میں فرق کیا ہی - یہ بھی عورت ہیں وہ بھی عورت یہ بھی جاہل وہ بھی جاہل - نہ انکو کوئی اچھی صحبت نصیب ہوئی نہ انکو بس - پھر وزیر بی امیر بی کی نہ سنینگی تو پھر کس کی

کند ہم جنس باہم جنس پرواز

کاظم حسین - جی ہاں! سچ ہی - کچھ ایسی تدبیر کرنی چاہئے کہ ہمارے یہاں کی لڑکیوں میں بچپن سے اچھی تعلیم ہو - اچھی صحبت میں رہیں - آپ بڑے خوش نصیب ہیں کہ آپ کو بھابی جان ایسی بی بی ملیں اور لڑکیوں کو اپنی خوبی کے ساتھ تعلیم دی -

علی نقی خاں - بیشک بیشک عورتوں کی تعلیم نہ ہوگی تو مردوں کی

بھی تعلیم پورے طور سے نہیں ہو سکتی۔ انگلینڈ جانے پر بھی تعویذ گنڈے فال فلیتے نحس منحوس دن تاریخ دل سے نہیں نکلتے۔ میری بی بی کو تو مطلق ان چیزوں کی پروا نہیں۔ نہ کبھی انہوں نے کسی بچہ پر سے نظر اُتروائی نہ کسی کے تعویذ گنڈے فلیتے باندھے۔ ہاں خیرات کرنے کی وہ ضرور قائل ہیں۔ آپ مرزا محمود بیگ صاحب کو جانتے ہیں۔ پانچ برس انگلینڈ میں رہ کر آئے ہیں۔ مگر لاحول ولاقوۃ الا باللہ ویسے پست خیالات کا آدمی میں نے نہیں دیکھا۔ خیالات کے حساب سے تو ان کا نام دوا جینلی یا کلثوم ننہ رکھنا چاہیے مجھ سے پرسوں ملاقات ہوئی کچھ بچوں کا ذکر چھڑا۔ کہنے لگے جناب میرے بچے نہیں جیتے۔ اِس لئے میں اپنی بی بی کو لیکر مولوی نیاز احمد صاحب کے مکان کے قریب جاکر رہا ہوں۔ وہ کہتے ہیں اُن پر آسیب ہے۔ کچھ تعویذ گھول کر پلانے کو دیتے ہیں اور فقیر محمد شاہ بھی روز آکر میری بی بی پر کچھ پڑھ پڑھ کر پھونکتے ہیں اور ایک تعویذ باندھنے کو دیا ہے اس سے میں کیا بتاؤں کتنا فائدہ ہے۔ اب خدا کے فضل سے پھر بچہ ہونے کی اُمید ہے میں نے مولوی صاحب اور فقیر صاحب کو بہت خوش کیا اور انشاء اللہ پھر کرونگا۔

مجھے اس قدر غصہ آیا کہ کیا بیان کروں۔ میں نے کہا مرزا صاحب! اپنے ہوش کی دوا کیجئے۔ آپ پڑھے لکھے ولایت کے تعلیم یافتہ متقی پرہیزگار ہوکر اس قدر کفر اور شرک کو جائز رکھتے ہیں۔ ہمارے مذہب میں تو مشرک کا درجہ کافر سے بھی بدتر ہے۔ افسوس کہ مسلمان خود پھر شرک اور کفر میں غلطاں و پیچاں ہو گئے۔ مسلمانان در گور و مسلمانی در کتاب۔

کاظم حسین۔ رفتہ رفتہ یہ خیالات سب مٹ جائینگے۔ جتنا جتنا مرد علم وفضل حاصل کرتے جائینگے اور دُنیا کے افسانے پڑھکر عبرت حاصل کرینگے اور عورتوں کو اپنا ہمدم اور اپنی قوم کا جزو اعظم سمجھیں گے اور انکو عزت کی نگاہوں سے دیکھیں گے۔ اُن کی تعلیم کی طرف توجہ کرینگے۔ اتنا ہی اتنا انکی مفید صُحبت سے متاثر ہوکر پست خیال سے مبرا ہوجائینگے۔

علی نقی خاں۔ سجاد حسین کہتے ہیں کہ ہم لوگوں کو ایک انجمن قائم کرنی چاہیئے۔ جس کا مقصد یہ ہو کہ تمام اُن رسُوم کو جو شادی بیاہوں میں ہوتی ہیں موقوف کروائیں اور اُن کے مضر نتائج کو بتائیں۔

کاظم علی۔ خیال تو اچھا ہی۔

یہ باتیں تو آپ لوگ سُن چکے۔ اب درخت کے نیچے چلئے اور سنیئے وہاں کیا باتیں ہو رہی ہیں۔ وہاں حیدری بیگم جمیلہ بیگم کے کان کے نزدیک مُنہ رکھے کہ رہی تھیں۔ آپنے کچھ سُنا لیاقت النسا بیگم تک خبر پہنچ گئی کہ سجاد رسمیں کرنے پر راضی نہیں ہیں۔

جمیلہ بیگم۔ کس نے کہا ہوگا۔ یہی رحمت وغیرہ نے جا کر کہا ہوگا۔ ان لوگوں کی تو عادت ہی اِدھر سے اُدھر جا لگائی۔

حیدری بیگم۔ مَیں اُنکے یہاں گئی تھی آگ بگولہ ہو رہی تھیں خوب بکیں خوب چلّائیں۔ مَیں کچھ نہ بولی چپکی اپنے گھر چلی آئی۔ اُنھیں کے یہاں کی ماما کی زبانی معلوم ہُوا کہ ایک مشاطہ بُلائی گئی ہی اسکو حکم ہُوا ہی کہ ایک لڑکا قدرت کے لئے تلاش کرلے۔ آپ کسی سے ظاہر مت کیجئیگا۔

جمیلہ بیگم۔ میں کیوں کسی پر ظاہر کرنے لگی۔ مگر دیکھ لینا وہ خود سب سے کہتی پھرینگی۔ اُن لوگوں سے نہیں کوئی بات چھپائی جاتی ہی۔ خدا کرے کہیں اچھی جگہ کریں مجھے یہ ڈر ہی کہیں اپنی ضد میں لڑکی کا خرابہ نہ کریں۔

راحت بیگم۔ لیاقت النسا بیگم ایسی جاہل عورت ہی کہ خدا کی پناہ۔ ہمارے یہاں کی عورتیں سب ہی ایسی ہوتی ہیں میں کیا کروں۔ میری زبان جب کھُلتی ہی بُری طرح سے کھُلتی ہی۔ تمام دن بکریوں کیطرح پان چبانے کے سوائے کوئی کام نہیں کرتیں۔ سارا بھیجا پان کے راستے اُگالدانوں میں تھوک دیتی ہیں۔ کوئی ایسے مسلمان ہونے سے باز آیا کہ دن اور رات ایک کوٹھری میں بڑبڑایا کرے۔ تمام کان چھید کر چھلنی کر دیئے جائیں گیارہ برس کی عمر تک میرے کان ناک کچھ نہیں چھدے تھے۔ میری خالہ صاحبہ نے آن کر یہ تحفہ میرے گلے لگایا کانوں کو اُٹھا کر چھلنی کر ڈالا اگر کوئی مرہم ایسا ہی جس سے سب کانوں کے چھید کے نشان مٹ جائیں تو میں ابھی لگا لوں۔ مجھے زہر معلوم ہوتا ہی۔ ناک میں نتھ لٹکانا ریچھ کی طرح پر ہلاتے پھرنا بالکل بندر کی شکل عورتیں اپنی بنالیتی ہیں۔ پھر نہال نہال ہوئی جاتی ہیں کہ کس قدر خوبصورت معلوم ہوتی ہیں۔ ایک طرف سے بازو پر سے کپڑے اُترے پڑتے ہیں دوسری طرف سے چھلے گرے پڑتے ہیں۔ چوڑیاں کہنیوں تک پہنی ہوئی ہیں۔ پاؤں میں قیدیوں کی طرح زنجیریں پڑی ہوئی ہیں۔ جب چلتی ہیں تو قیدیوں کی سی چلنے کی آواز آتی ہی۔ یہ کہکر راحت بیگم کسی کام کے واسطے چلی گئیں۔ باقی آئندہ

ساسوں کی فریاد

بیوی صاحبزادیوں! دکھیاریوں کی بھی سُننا! - اولاد والیوں! ایمان نہ نکلنا ہم غریب آپا بیچ تمہارا ہاتھ تکنے والی میٹھی زبان کی طلبگار دعاگو خدمتگزار، گھر کی چوکیدار۔ بچوں کی خدمتگار آج اپنا اور وقر عزت آبرو سب کو طاق پر رکھ تمہارے پاس فریاد لائی ہیں دل پر ہاتھ رکھکر کہنا! الٰہی تمہارے لال پھلیں پھولیں ہزاری عمر ہو ہمارے منہ میں خاک۔ ہو سکتی ٹوکر نہیں سچ بتانا اِن ٹانگ برابر کے ٹلووں کی کتنی ممتا ہے؟ دم بھر کو آنکھ سے اوجھل ہوں تو جان پر بن جائے انکی پھانس سے تم بیچین انکی ہوں پر تم نثار انکی ہائے پر تم قربان کیوں بیٹے والیوں یہ اتنے بڑے کس تکلیف سے کئے راتوں کی نیندیں کھوئیں دلیں کے چین گنوائے۔ سارا جوبن گھلا جب ایک لالہ پالا۔ ہمارا دل دیکھو ہم بھی آدمی ہیں ہمنے بھی یہی آفتیں بھگتی ہیں خدا گواہ ہے اِس آس پر رنڈاپا کاٹا کہ یہ دکھ درد غریبی مفلسی تو سب گذر جائے گی مگر ایک لال بھی پروان چڑھ گیا تو بڑھاپے میں اسکی طرف سے ٹھنڈی ہوا آجائیگی۔ آہ پیاری بہوؤں تمنے وہ امیدیں خاک میں ملادیں ہمنے یہ کلیجے کے ٹکڑے پال پوس تمھارے حوالے کئے اور تم ہماری جان کی دشمن نکلیں اللہ اللہ آج ہم اس قابل ہیں کہ تمہاری مامائیں تک ہمیں ٹھٹھے لگائیں ڈرو خدا سے بڑھاپا تمہیں بھی آئیگا بہوئیں تم بھی لاؤگی۔ تمنے ہمیں کتے کے ٹھیکرے میں پانی پلادیا۔ انصاف کرو اور سوچو۔ خدا کی لاٹھی بے آواز ہے جو کروگی وہ بھروگی جو دوگی وہ پاؤگی جو عزت آج تمنے ہماری کی اگر یہی تمہاری ہو تو دلپر کیا گذرے ما ہمنے اِسی دن کو اپنا عیش حرام کیا تھا کہ جب یہ پل پلا گھر والے ہوں تو تم گھر کی مالک اور ہم

گھر کے رکھوال! بیویوں ہمنے مرکرمٹ کر اپنی جان گھلاکر یہ لال اس قابل کئے ہیں اتنے دن دل سے ہیں کھی کسطرح نکال پھینکا۔ آخر ہمارا حق نہیں ہماری خدمت کا معاوضہ نہیں نوکر سمجھو خدمتگار سمجھو اور ہماری اس تھوڑی سی زندگی کو برباد نہ کرو۔ یہ ڈاڑھی موچھوں والے جنکے بل پر آج پہول رہی ہو یہ لیس اور یہکیس ہماری گود ونمیں رہے ہیں! بیوی گھر والیوں تمہارا سہاگ رہتی دنیا تک ہمنے انکے ساتھ جانیں لڑائی ہیں۔ فاقے کیے نہیں کھلایا۔ لیریاں لگائیں انہیں پہنایا۔ مگر آہ آج جب یہ کسی قابل ہوئے تو تم انکی مختار بنیں اور ہمارا ہڈرا لونڈیوں سے بدتر کردیا۔

پیاری بہوؤں عمر ٹیر ہوگئی اور کچھ دن باقی ہیں جب تک سانس موجود ہے دل سے یہی دعا نکلیگی تمہاری پہول پہلواری تمہارا باغ باغیچہ پہولے پھلے، کچھ ہی کرو مگر یہ دل بد دعا نہ دے گا۔ اس مصیبت مارے دل کی قدر کرو اور اس دعا کو غنیمت سمجھو آنکھ بند ہونے کی دیر ہے یہ دعا کا دروازہ ہمیشہ کو بند ہو جائیگا۔

دنیا عالم اسباب سہی مگر مالک حقیقی سر پر ہے۔ جوانی ہرتی پہرتی چھاؤں ہے۔ یہ دن سدا رہنے والے نہیں۔ لکھ رکھو ایک وقت آئے گا جب ہماری طرح تم بھی ساس ہوگی۔ اور یہ ننہے ننہے کیڑے جو آج معصوم ہیں انشاءاللہ گھر بار والے ہونگے انکی بیویاں تمہاری طرح گھر تین برتین ہونگی اور جو کچھ تم ہمسے کر رہی ہو وہ تم سے کرینگی۔ اس وقت کو آیا سمجھو۔ یاد رکہنا اور دیکھنا، گو ہماری ہڈیاں بھی گلکر خاک ہو چکی ہونگی۔ مگر تمہارے جسم کا ایک ایک رونگٹا یہ صدا دیگا۔

"کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے"

راشد الخیری

وعظ

نہایت خوشی کی بات ہو کہ طبقۂ خواتین اپنی پستی کو روز بروز محسوس کر رہا ہو اور وہ فرقہ جو اپنا فرض صرف بچوں کو پال لینا اور ربا ئی معمولی خدمت کر دینا سمجھتا تھا اب ترقی کے میدان میں ہاتھ پاؤں مارتا نظر آرہا ہو۔ خواتین کی یہ بیداری چشم ما روشن دل ما شاد لیکن اتنا کہنے کی ضرورت ہو کہ اس دنیوی ترقی کی دُھن میں یہ خیال رہے کہ دین کا سہرا ہمیشہ تمہارے سر رہا ہو۔ اگلے زمانہ کی بڑی بوڑھیاں (خدا انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے) گو آج جاہل نادان کچھ ہی سمجھی جائیں مگر عذاب الٰہی کے نام سے تھرّا اُٹھتی تھیں اگرچہ اُنکے دن جلسوں پارٹیوں لکچروں سپیچوں میں نہ گذرے مگر اُن کی راتیں حاکم حقیقی کے آگے سجدوں میں بسر ہوئی ہیں۔ اِن میٹھی نیند سونیوالیوں کی نشانیوں! خوفِ خدا کا ورثہ ہاتھ سے نہ کھو دینا اور اُسوقت کو آیا سمجھنا جب ایک خوفناک گڑھے میں لیٹنا ہوگا۔ چاروں طرف اندھیر گھپ جنگل بیابان والی نہ وارث۔

ارادہ ہو کہ کلام الٰہی کے وُہ احکام جو عورتوں سے متعلق ہیں عصمت کے ذریعے بالتفصیل بیان کئے جائیں اور اگر ناظراتِ عصمت اسکو مفید سمجھیں تو یہ سلسلہ قائم رہے۔ آج اس ارادہ کی تمہید ہو اور

مقصود اصلی سے پہلے قرآن شریف کی ضروری تاریخ اور موٹی موٹی باتیں بیان کی جاتی ہیں:۔

زمانۂ آنحضرت میں کلام الٰہی کی صورت گو رسالت مآب کی حیات میں تمام کلامِ ربانی موجود تھا اور نہ کیوں ہوتا جب وہ آنحضرت ہی پر نازل ہوا مگر کس طرح کہ کچھ ایک کے پاس کچھ دوسرے کے۔ کہیں کاغذ پر کہیں چمڑے پر۔ کیونکہ پیغمبر اسلام صلعم کی یہ عادت تھی کہ جہاں کوئی آیت نازل ہوئی اور فوراً ہی کسی کو بلوا کر لکھوا دیا۔ مکہ کے مشہور کاتب عبداللہ بن سعد ہیں اور ہجرت کے بعد جب آنحضرت صلعم مدینہ تشریف لے گئے ہیں تو مدینہ کے مشہور کاتب زید بن ثابت ہیں۔

قرآن شریف کی موجودہ صورت جس صورت میں آج اس کلامِ ربانی کو ہماری آنکھیں دیکھ رہی ہیں۔ یہ صورت آنحضرت صلعم کے زمانہ میں نہ تھی بلکہ متفرق و پریشان۔ لیکن رحلت کے بعد جب خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں ایک شخص نے جس کا نام مُسیلمہ کذاب تھا نبوت کا دعویٰ کیا اور بہت سے آدمی اس کے معتقد ہو گئے تو خلیفۂ اول نے ایک لشکر اس کے مقابلہ میں بھیجا۔ گو اس لڑائی میں مُسیلمہ کذاب مارا گیا لیکن سات سو کے قریب ایسے مسلمان بھی ضائع ہوئے جو حافظِ کلام اللہ تھے۔ اُس وقت حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کو یہ تردد ہوا کہ اگر صحابہ جو حافظ ہیں رفتہ رفتہ اسی طرح ضائع ہو گئے تو قرآن مجید جو نکہ متفرق حیثیت

۱؎ عبداللہ بن سعد ایک دفعہ اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو گئے تھے مگر پھر مسلمان ہوئے

میں ہر ایسا نہ ہو کہ ایک آدھ آیت تلف ہو جائے۔ کسی طرح اس کو یکجا ہو جانا چاہیے تاکہ یہ اندیشہ باقی نہ رہے۔

زید بن ثابت جو زمانہ جناب رسول اللہ صلعم میں کاتبِ وحی تھے انکے سپرد یہ کام ہوا اور یہ بھی ہدایت ہوئی کہ وہ آیتیں جو لوگوں کے پاس ہیں انکو لیکر مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جب تک ہر آیت کے صحیح ہونے کے دو معتبر گواہ نہ پیدا ہوں داخلِ قرآن نہ کرنا۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور زید بن ثابت نے تاوقتیکہ دو معتبر گواہیاں اس امر کی نہ لے لیں کہ یہ آیت ہمارے سامنے نازل ہوئی قرآن مجید میں شامل نہ کیا۔

اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہر لیکن بعض اہلِ تشیعہ کی رائے یہ نہیں۔ انکا عقیدہ یہ ہر کہ قرآن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جمع کیا۔

مصحفِ عثمانی کلامِ ربانی کے جمع ہو جانے کے بعد قرأت پر جھگڑا تھا چنانچہ حضرت عثمان کے عہد میں قرأت مختلف تھی اور ہر وقت جھگڑے ٹنٹے ہوتے رہتے تھے۔ حضرتِ عثمان نے مسلمانوں کو جمع کیا اور اس معاملہ کو سب کے سامنے پیش کر کے رائے پوچھی۔ عام طور پر مسلمانوں کی یہ رائے ہوئی کہ کلام اللہ قریش کے محاورے کے مطابق نازل ہوا ہر۔ اس لئے اسی قرأت کے موافق قرآن مجید تیار کیا جائے۔ وہ قرآن مجید جو حضرت صدیق نے تیار کیا تھا اور انکے بعد حضرت عمرؓ اور پھر حضرت حفصہؓ کے پاس تھا اسکو لیکر ایک ہی قرأت کا قرآن مجید مرتب کیا جسکو مصحفِ عثمانی کہتے ہیں اسکی پانچ نقلیں ہوئیں ایک حضرتِ عثمانؓ نے خود رکھی اور چار نقلیں چار طرف بھیجدیں۔ (باقی آئندہ)

راشد الخیری

مِس جین انجیلو

اَے شاعرہ خاتون جس کی زنانہ رُوح رحم خلوص اور ہمدردی میں
ڈوبی ہُوئی تھی موسمِ گرما کی مؤثر و دلکش صبح کی طرح اب تک
تو ہمارے دلوں پر قبضہ کیے ہُوئے ہے۔ تیرے نازک ہاتھوں نے
ہمارے واسطے وُہ گھر بنا دیا جہاں ہماری رُوحیں سچّے خدا کی
آوازیں سُنیں گی۔

انگلستان کی اُن چند شاعرہ عورتوں میں سے جن کا نام مُدۃ العمر زندہ رہیگا ایک مس جین انجیلو بھی ہے۔ نازک خیالی کی اس جمی ہُوئی مجلس میں جہاں ایلزا کوک اور فلیشیا ہیمنز جیسی عورتوں کے مُنہ سے پھُول جھڑ رہے ہیں وہاں صدارت کا سہرا مس جین کے سر پر ہے۔

یہ فخر انگلستان خاتون بمقام ٹوسن ۱۸۳۰ء میں پیدا ہُوئی۔ اس کا باپ ایک دولتمند ساہوکار اور ماں سکوٹ کی تعلیمیافتہ خاتون تھی۔ کئی بھائی بہنوں میں اسکی پرورش ہُوئی اور بیس برس کی عمر میں اسکی پہلی تصنیف کی ہُوئی کتاب ملک کے ہاتھوں میں پہنچی۔ ابھی اس کتاب کو دیکھ کر لوگ متعجب ہی ہو رہے تھے کہ ۱۸۵۱ء یعنی دُوسرے سال مس انجیلو کی دُوسری کتاب اور ۱۸۶۰ء میں تیسری کتاب شائع ہُوئی۔ گو اس کے بعد قابل مصنفہ نے اور کتابیں بھی لکھیں مگر دو کتابوں نے خیالات کے ایسے پھُول برسائے کہ تمام ملک معطر ہو گیا۔ تینتیس برس

کی عمر میں اس کی کلیات کا نکلنا تھا کہ انگلستانی علم ادب نے بقائے دوام کے دربار میں اسکو کرسی دی اور شہرت عام کا تمغہ پیش کیا۔ ایک جگہ کہتی ہے۔

"شہد کی مکھیاں پھولوں سے رس چوس کر بھنبھنا رہی ہیں۔ سبز گھاس پر کیڑے ہمارے پاؤں میں رینگ رہے ہیں۔ جھنڈ کے جھنڈ ہوا میں اُڑ رہے ہیں۔ یہ سب کے سب اپنی میٹھی زندگی کے نغمے اور خالق الموجودات کی تسبیح پڑھ رہے ہیں"۔

آنے والی نسلیں برسوں اُس کے نام پر فخر کرینگی اور دیکھیں گی کہ مس انجیلو علم ادب کی مجلس میں کیسے کیسے موتی بکھیر گئی۔ وہ اپنی ایک سہیلی کو اپنے بچپن کے حالات اس طرح لکھتی ہے:-

"کچھ بچپن ہی سے میرے خیالات عام بچوں سے جدا تھے۔ میں اُن سے الگ تھلگ رہتی تھی۔ مجھے یاد ہے میں نے ایک دفعہ تارہ چمکتا ہوا دیکھا اور میری ماں نے اسکے متعلق مجھ سے خدا کا ذکر کیا جو وہاں رہتا ہے اور جس نے یہ سب کچھ بنایا۔ یہ موسم گرما کی شام تھی اور خدا کے متعلق سننے کا یہ مجھے پہلا اتفاق تھا جسنے میرے دل پر بہت بڑا اثر کیا۔ مجھے یاد ہے اس کے بعد میں تنہائی میں ادھر اُدھر چپکی بیٹھ کر خدا کی بابت سوچا کرتی۔ میں نے اس تارے کی چمک دمک پر جس نے مجھ کو اچھی زندگی بسر کرنے کا ایک سبق دیا مدتوں سوچا ہے"۔

ترجمہ

زنانہ دستکاری

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

۱۲۔ Ice knitting silk آئس نٹنگ سلک۔ یہ ریشم مختلف قسم کے شوخ رنگوں کا نہایت چمکیلا اور نفیس ہوتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک دولڑی۔ دوسری چار لڑی۔ یہ عموماً نفیس ٹائیاں۔ گلے کے مفلر اور دیگر قیمتی چیزوں کے بنانے میں استعمال ہوتا ہے اور گیند کی صورت میں ملتا ہے اور قیمتی ہوتا ہے۔

۱۳۔ Imperial knitting silk امپیریل نٹنگ سلک یہ ریشم نہایت موٹا پیچدار مختلف شوخ رنگوں کا ہوتا ہے اور گیند کی صورت میں ملتا ہے۔ یہ ولایتی دبیز کپڑوں پر واسکٹ کی پیش نکالنے اور موٹے قسم کی ایمبرائیڈری کے کاموں کے لئے عموماً استعمال ہوتا ہے۔[1] اس سے موزے دستانے بھی بُنے جا سکتے ہیں۔ مگر بہت گراں پڑینگے۔ اس لئے کہ یہ خصوصیت سے زیادہ گراں ہے۔

۱۴۔ Best knitting silk بسٹ نٹنگ سلک۔ یہ ریشم نہایت موزون قد کا ہوتا ہے یعنی نہ بہت موٹا اور نہ بہت باریک اس لئے یہ متعدد قسم کی سلائیوں کے کام۔ اور ایمبرائیڈری کاموں میں استعمال کیا جاسکتا ہے

[1] ان کپڑوں کا بھی مفصل بیان انشاءاللہ کسی آئندہ نمبر میں موقع پر کیا جائے گا۔

یہ گیند کی صورت میں جملہ قسم کے شوخ رنگوں کا ملتا ہے۔ مگر قیمتی ہے۔

۱۵۔ Princess knitting silk پرنسز نٹنگ سلک

یہ ریشم نہایت موٹا دوہرا اور مختلف قسم کے شوخ رنگوں کا گیند کی صورت میں ملتا ہے اور کپڑوں پر رومکٹ کی مثل نکالنے اور دیگر چیزیں بننے کے لئے نہایت موزوں ہے۔

۱۶۔ Empress knitting silk ایمپرس نٹنگ سلک

یہ ریشم بھی اعلیٰ قسم کا گیند کی صورت میں مختلف شوخ رنگوں کا ملتا ہے۔ اور دبیز ٹائیاں اور دیگر مضبوط چیزیں بنانے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

۱۷۔ Coronet knitting silk کورونٹ نٹنگ سلک

یہ ریشم بھی اعلیٰ قسم کا ہوتا ہے اور مختلف قسم کے شوخ رنگوں کا گیند کی صورت میں ملتا ہے۔ ٹائیاں۔ مفلر اور واسکٹ وغیرہ کاموں کے لئے نہایت موزوں ہے۔

۱۸۔ Lustrine knitting silk یہ دراصل ریشم نہیں ہے مگر مثل ریشم کے ہوتا ہے اور مختلف قسم کے شوخ رنگوں کا گیند کی صورت میں ملتا ہے یہ معمولی قسم کی ٹائیاں مفلر اور دیگر اوسط درجہ کی چیزیں تیار کرنے کے لئے نہایت موزوں ہے اور ارزاں ہوتا ہے۔

۱۹۔ Stagecrochet silk. اسٹیگ کروشیے سلک

یہ ریشم مختلف شوخ رنگوں کا ریلوں پر ملتا ہے اور کروشیہ کی ٹائیاں اور دیگر کاموں کے لئے موزوں ہے۔ سلائیوں کی چیزیں بھی بنی جا سکتی ہیں۔ یہ بھی نہایت ارزاں ہوتا ہے۔

Silk Embroidery braiding. سلک ایمبرائڈری بریڈنگ۔ یہ ریشم لچھی کی صورت میں ملتا ہو اور مختلف رنگوں کا ہوتا ہے۔ یہ عموماً بریڈنگ یعنی ڈور ڈالنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ قدرے چوڑا اور موٹا ہوتا ہے۔

۲۱۔ Arrasene Silk. ایرے سین سلک۔
یہ ریشم بھی مختلف قسم کے نہایت شوخ رنگوں کا لچھی کی صورت میں ملتا ہو جس میں قریب ۵ گز کے ریشم ہوتا ہے۔ جس کی قیمت قریب دو آنے فی لچھی ہوتی ہے۔ یہ نہایت نازک و نفیس قسم کے ایمبرائڈری کے کاموں کے لئے موزوں ہے۔ یہ بھی ارزاں ہو۔

۲۲۔ Pearl Rope silk. پرل روپ سلک۔
یہ ریشم صرف سفید۔ گلابی اور نیلے رنگوں کا لچھی کی صورت میں ملتا ہو اور موٹے قسم کی ایمبرائڈری کام کے لئے موزوں ہو۔ یہ بھی ارزاں ہوتا ہے۔

(باقی آئندہ)

ہم دولتمند ہونیکی خواہش تو کرتے ہیں لیکن اپنی فضول خرچیوں کے روکنے کی کوشش نہیں کرتے ہم تندرست رہنے کی ضرورت تو سمجھتے ہیں لیکن اپنے امراض کے علاج کی کوشش نہیں کرتے ہم چاہتے تو ہیں کہ ہمیں اطمینان قلب نصیب ہو لیکن اپنی اندرونی حالت کو درست کرنیکی کوشش نہیں کرتے ہمارا جی تو چاہتا ہو کہ مصیبتوں سے نجات پائیں لیکن گناہوں سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے۔ جو ہمیں کرنا چاہئے وہ تو ہم کرتے نہیں اور جو نہ کرنا چاہئے وہ کرتے ہیں اور اس توکل پر زندگی بسر کرتے ہیں کہ محض اتفاقات ہی ہمیں کامیاب کرینگے لیکن اس کٹھن منزل (دنیا) کے طے کرنیکے لئے ایک عقلمند آدمی کیا سوچیگا۔ جتنا بہتر کام کرسکتا ہو کرا اور کوشش [illegible]

تھرمامیٹر

بہت سی بہنوں نے تھرمامیٹر کا نام سُنا اور صورت دیکھی ہوگی وُہ اتنا بھی جانتی ہونگی کہ بخار معلوم کرنیکا ایک آلہ ہی جسکے ذریعہ سے ڈاکٹر مریض کی حرارت کا درجہ دریافت کرتے ہیں کہ بخار زیادہ ہی یا کم لیکن اکثر بہنوں کو شاید یہ نہ معلوم ہو کہ تھرمامیٹر کے ذریعہ بخار کا پتہ کس طرح چلتا ہی اسلئے اسکی مفصل کیفیت اس طرح ہی کہ

دُنیا میں مادے کی تین صُورتیں ہیں ٹھوس سیّال اور ہوا۔

ٹھوس چیزیں مٹی اور پتھر وغیرہ ہیں۔ سیّال وُہ چیزیں جو بہ سکتی ہیں۔ جیسے پانی اور پارہ۔ ٹھوس چیزوں کو اگر حرارت پہنچائی جائے تو وُہ سیّال ہو سکتی ہیں مثلاً تانبے کو پگھلا کر وضع وضع کے برتن۔ لوہے کو تپا کر طرح طرح کی چیزیں کیل کانٹے وغیرہ تیار کرتے ہیں۔ لیکن یہ یاد رہے کہ حرارت میں کوئی وزن نہیں ہوتا۔ خواہ لوہے کو کتنی ہی دیر آگ میں رکھو اور وُہ کتنا ہی کیوں نہ دہکے لیکن یہ حرارت اُسکے وزن میں کوئی زیادتی نہ کریگی کیونکہ وُہ کوئی مادی چیز نہیں ہی اسی طرح بخار کی حرارت آدمی کے جسم میں وزن کو زیادہ نہیں کرتی ورنہ مریض اور تکلیف کے علاوہ بوجھوں بھی دبتا۔

درجہ حرارت معلوم کرنے کے لئے ڈاکٹروں نے یہ چیز یعنی تھرمامیٹر ایجاد کیا جو ایک قسم کی شیشے کی نلکی سی ہوتی ہی۔ اس میں سے پہلے ہوا خالی کرتے ہیں اور پھر اسکی تہ میں پارہ بھر دیتے ہیں۔ ہوا خالی کرنیکا ایک آلہ ہوتا ہی۔ اگر کسی بوتل کی ہوا نکالنی ہو تو اس کو مُنہ پر لگا کر خالی کر لیتے ہیں۔ اب اگر اس بوتل میں کوئی چوھیا

یا بھر چھوڑ کر منہ بند کر دو تو دم بھر بھی زندہ نہ رہے اور ہوا نہ ہونے سے گھٹ کر مر جائے۔
تو شیشے کی نلکی میں سے ہوا نکال کر پارہ اس میں بھر دیتے ہیں اور نلکی کے اوپر ہندسے لکھ دیتے ہیں۔ جہاں اس نلکی کو گرمی پہنچی پارہ پھیلا اور گرمی کے زور سے اوپر کو چڑھا۔ اب جتنی زیادہ گرمی پہنچیگی اتنا ہی اوپر چڑھیگا بخار کی حقیقت دریافت کرنے کے واسطے تھرمامیٹر کو مریض کے منہ یا بغل میں رکھدیتے ہیں اور جس ہندسے تک پارہ چڑھ جاتا ہی سمجھ لیتے ہیں کہ اتنا بخار ہی۔ اٹھانوے درجہ سے کچھ ہی زیادہ انسان کے جسم میں حرارت ہر وقت رہتی ہی اور یہ تندرستی کا پورا ثبوت ہی۔ خدا نہ کرے جو یہ حرارت کم ہو تب آدمی مرجاتا ہی اور جسم ٹھنڈا پڑجاتا ہی۔ اسوقت یہ حرارت بھی ختم ہوجاتی ہی۔ کیونکہ اس وقت تو جسم بھی مثل ایک بیجان چیز کے ہی۔ اگر اس وقت تھرمامیٹر لگاؤ تو جیسے کسی صندوق میں رکھدیا۔ ہاں زندہ آدمی کی حرارت جب بخار کی وجہ سے زیادہ ہوئی تو پارہ اوپر چڑھ کر حرارت کا درجہ بتادیگا کہ کتنی ہی معمولی بخار میں سوایک سوایک درجہ حرارت ہوتی ہی۔ بخار تیز ہو تو ایکسو دو تین چار پانچ اور نہایت تیز بخار میں ایکسو چھ تک اس کے بعد علی العموم حرارت نہیں ہوتی اور اگر ہو تو تمام جسم پر آگ رکھی معلوم ہو۔

حرارت کا اصلی گھر آفتاب ہی جو یہاں سے نو کروڑ میل دور ہی۔ یہی تمام دنیا میں حرارت پہنچاتا ہی اور حرارت ہی کی وجہ سے انسان اگر کافی احتیاط نہ کرے تو بیمار پڑجاتا ہی۔ بارہا دیکھا اور سنا ہوگا جاڑے کے موسم میں اگر آدمی دالان میں پڑے چھوڑے گرم بیٹھا ہی اور کسی ضرورت سے دفعتہً باہر نکل آیا تو زکام ہوگیا چھینکیں آئیں

سیّدۃ النسا

صاحب ناسخ التواریخ نے لکھا ہے اس کے بعد سرورِ عالم نے ازواج مطہرات کو حکم دیا کہ فاطمہ کے نکاح کی خوشی میں دف بجاؤ اور آپ جناب سیّدہ کے پاس تشریف لائے تو کچھ چپ چپ دیکھا یہ خیال فرما کر کہ شاید حضرت علیؑ کے افلاس کی وجہ سے حضرت سیّدہ غمگین ہیں۔ فرمایا فاطمہؑ! اہلبیت میں کوئی علیؑ سے بہتر نہ تھا جس سے تیرا نکاح کر دیتا۔

نکاح کو مہینہ بھر کے قریب ہو گیا مگر حضرت علی نے شرم کی وجہ سے کبھی ایک لفظ رسالت مآب کی خدمت میں وداع کے متعلق نہ کہا لیکن جب کبھی تنہائی میں ملاقات ہوتی تھی تو آنحضرت صلعم حضرت علیؑ سے یہ فرماتے تھے کہ اے علیؑ! تجھے مبارک ہو۔ تیری بیوی بہت اچھی ہے۔ آخر ایک روز عقیل حضرت علی کے بھائی علی کرم اللہ وجہہ کے پاس آئے اور کہا ہم چاہتے ہیں کہ رخصت بھی جلد ہو جائے۔ یہ سُنکر حضرت علیؑ نے کہا میری بھی یہی آرزو ہے لیکن مجھے اسکے اظہار میں شرم آتی ہے عقیل حضرت علی کا ہاتھ پکڑے رسول اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے سب سے پہلے اُمّ ایمن سے جو رسالتمآب کی کنیز تھیں ملاقات ہوئی اور اس تجویز کو پیش کیا اُنہوں نے جواب دیا زیادہ بہتر ہوگا کہ پہلے ازواج مطہرات اس پر غور کریں۔ کیونکہ ایسے موقعوں پر عورتوں کا خیال مردوں سے زیادہ پسندیدہ ہوتا ہے اور اسکے بعد رسول اللہ صلعم کی خدمت میں عرض کریں۔ چنانچہ یہ حضرت اُمّ سلمہ اور باقی بیویوں کو لیکر عائشہ صدیقہؓ کے گھر میں آئے جہاں رسالتمآب تشریف فرما تھے اور ادھر اُدھر کی باتیں شروع کیں

ل تقریباً یہی الفاظ ابن جوزی نے بھی لکھے ہیں مگر صاحب ناسخ التواریخ اسوقت نہیں مجھ رہا ہے بلکہ

سیدۃ النسا کی وداع کے متعلق اہل تشیعہ کی کسی کتاب میں یہ واقعہ میری نظر سے نہیں گذرا مصنف ناسخ التواریخ اس طرح لکھتا ہے کہ جب نکاح کو ایک مہینہ گذر گیا تو ازواج رسالتمآب حضرت علیؑ کے پاس آئیں اور کہا کہ اگر فاطمہ کی رخصت کی تمہیں جلدی ہو تو ہمیں اجازت دو تاکہ رسول صلعم سے کہیں۔ علی کرم اللہ وجہہ نے اجازت دی اور سب بیویاں انکو ساتھ لیکر خدمت اقدس میں آئیں اور یہ ذکر چھیڑا۔ اُم سلمہ نے دوران گفتگو میں حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا ذکر کیا۔ امور خانگی میں انکا سلیقہ اور انتظام یاد دلایا اور کہا کہ کاش اسوقت وہ زندہ ہوتیں تو فاطمہ کی شادی کی کسقدر خوشی ہوتی۔ ہم کو کسی بات کا تردد نہ ہوتا اور ہم انسی خوشی شریک ہوتے علیؑ رخصت کا خواہشمند ہے اور ہم سب کے سب رخصت کرنیکو تیار اور خوش ہیں اب کیا انتظار ہے؟ سرور کائنات نے جسوقت خدیجۃ الکبریٰ کا نام سُنا آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور فرمایا:"خدیجہؓ کا مثل کہاں ہے اُس نے میری تصدیق اُسوقت کی جب سب مجھے کو جھٹلا رہے تھے اُس نے اپنا سارا مال متاع میرے واسطے راہِ خدا میں لٹا دیا اور اسلام کی حمایت کی"۔ اُم سلمہ نے عرض کیا۔ آپ کا فرمانا درست ہے یا رسول اللہ! خداوند کریم ہمیں اور اسکو جنت میں ملائے اب آپکا بھائی اور چچا کا لڑکا خواہشمند ہے کہ اسکی بیوی کو رخصت کر دیجئے۔ آنحضرت نے فرمایا کہ اے اُم سلمہ علیؑ نے یہ بات مجھ سے نہیں کی۔ اُم سلمہ نے کہا وہ شرمیلا لڑکا ہے کہ نہ سکا۔ سرور کائنات نے فرمایا جاؤ اور علی کو بلا لو چنانچہ وہ آئیں اور حضرت علی کو جو باہر کھڑے تھے بلا کر لیگئیں۔ اُسوقت عورتیں اندر چلی گئیں اور سرور کائنات نے فرمایا۔ علی! کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہاری بیوی کو رخصت کر ...

عا کہ ...

مصنوعاتِ زنانہ

اِن دنوں دو نمائشیں زنانہ دستکاری کی ہمارے ملک میں ہونیکو ہیں۔ ایک لاہور میں پنجاب کی زراعتی اور صنعتی نمائش کے متعلق ہی۔ جہاں ایک کمرہ صرف زنانہ مصنوعات کے لئے خاص کیا گیا ہی۔ اور دُوسری رنگون میں۔ جو حسبِ معمول مسلمانوں کی تعلیمی کانفرنس کے سلسلہ میں ہوگی۔ یہ نمائشیں اپنی اپنی جگہ بہت مفید ہیں۔ اِن سے کئی مطلب حاصل ہوتے ہیں۔ اوّل تو اُن بیبیوں کی حوصلہ افزائی ہوتی ہی جو محنت کرکے کوئی ہنر سیکھتی ہیں اور نمائش میں اپنی محنت کی داد پاتی ہیں۔ دوئم اوروں کو شوق پیدا ہوتا ہی کہ ہم بھی کسی نہ کسی چیز میں کمال پیدا کریں۔ اور عزّت پائیں۔ سوم مردوں کو معلوم ہوتا ہی کہ اگر اچھی طرح عورتوں کی تربیت کی جائے تو کیسے کیسے کام اُنکے ہاتھوں سے نکل سکتے ہیں۔ جس طرح ہم لوگ ابھی ترقی کے ابتدائی زینے پر ہیں۔ اسی طرح ہماری صنعتی نمائشیں چھوٹے پیمانہ پر ہیں۔ انگلستان میں جو بڑی نمائش فرانس و برطانیہ کی طرف سے سال گذشتہ میں ہوئی تھی۔ اس میں ایک آدھ کمرہ کی جگہ ایک ایوانِ عالیشان پورا مصنوعاتِ زنانہ سے پُر تھا۔ جسکی بیرونی عمارت سے اندازہ ہوسکتا ہی کہ فرانس اور انگلستان کی ہنرمند اور باسلیقہ عورتوں کی دستکاری کے نمونے کسقدر اور کس کثرت سے جمع کئے گئے تھے۔

اُس مشہور نمائش کے مصنوعاتِ زنانہ کے قصر کی تصویر دیکھنے کے لائق ہی۔ اور آج ناظرین عصمت کی خدمت میں پیش کیجاتی ہی۔ چاہئیے کہ زنانہ دستکاریوں کی ترقی کے خواہاں اس تصویر کو اپنی ہمتوں کے لئے تازیانہ سمجھیں اور یہ تخیّل اپنے پیشِ نظر رکھیں کہ خدا ہندوستان کو بھی وہ دن دکھائے کہ اپنی مصنوعات کی نمائشوں کو اعلیٰ ترین پیمانہ پر لیجاسکیں اور اُن میں

گڑیوں کا کھیل

وہ دلہن اور وہ گڑیاں وہ اُنکا رکھ رکھاؤ ۔۔۔ اُنکی آرائش کا شوق۔ اُنکا سنگار۔ اُنکا بناؤ
اپنے پڑھنے اور لکھنے سے جو فرصت پا چکی ۔۔۔ لیکے گڑیوں کو میں سینے اور پرونے پر جھکی
صاف کپڑے کا وہ چہرہ۔ وہ سیہ ریشم کے بال ۔۔۔ سُرخ ریشم سے بناتی تھی لب اُنکے لال لال
خوشنما وہ مانگ سیدھی اور وہ چوٹی بلند ۔۔۔ اور اُس چوٹی میں وہ لچکے کا زریں موئے بند
لال کپڑے سے بناتی تھی ہر انگلی کا سرا ۔۔۔ تاکہ پوروں سے ہو ظاہر خوبیِ رنگِ حنا
اُن کی پوشاکوں سے سامانِ تکلف سب عیاں ۔۔۔ گوکھرو۔ لچکا۔ کرن۔ سلما۔ ستارے۔ پچلیاں
قطع کرکے اُنکا سینا اِک ضروری کام تھا ۔۔۔ یہ ضرورت اُنکی تھی جسکا لڑکپن نام تھا
وہ دوپٹا۔ وہ نبت۔ اور اُس پہ پتلی سی دھنک ۔۔۔ اور وہ مقیش کی آنچل۔ عیاں جن سے چمک
اُنکے پاجاموں کی گوٹیں۔ اُس پہ وہ سلمے کا کام ۔۔۔ اور دھنک کی خوشنما چٹکی کا جال اُس پر تمام
لیکے موتی چھوٹے چھوٹے اُنکے زیور کے لئے ۔۔۔ خود بناتی تھی میں چھپکا زینتِ سر کے لئے
ننھے ننھے اُنکے پتے چھوٹی چھوٹی بالیاں ۔۔۔ میں پہناتی تھی۔ نہ سمجھیں گو پہننے والیاں
اپنے گڈّوں کے لئے سیتی تھی مردانہ لباس ۔۔۔ ہوتی تھی میں خوش پہنا کر اُنکو شاہانہ لباس
ٹوپیوں اور اچکنوں پر کرتی تھی سلمے کا کام ۔۔۔ اُن پہ بیلیں اور بوٹے میں بناتی تھی تمام
بیاہ رچتی تھی تو سب سامان خود کرتی تھی میں ۔۔۔ کوئی پھوہڑ کہہ نہ دے۔ اس سے بہت ڈرتی تھی میں
ہم سنوں کو میں سکھاتی تھی طریقے کام کے ۔۔۔ خود پکاتی تھی میں کھانے مختلف اقسام کے
وہ زمانہ کھیلنے کا اب گیا گو مجھ سے دور ۔۔۔ منجھ گئی سینے پرونے اور پکانے میں ضرور
لڑکیاں میری طرح سیکھیں جو یونہی کام کاج ۔۔۔ تو میں یہ سمجھوں کہ ہے معقول گڑیوں کا رواج

احمد علی۔ شوق لکھنوی قدوائی

بزمِ عصمت

ہمشیرہ صاحبہ! تسلیم - ۲۷ - اکتوبر روز جمعہ ۱۹۰۹ء ۴ بجے بمکان سکرٹری انجمن مفید النسوان کی ایک غیر معمولی میٹنگ اس غرض سے منعقد ہوئی کہ سالانہ جلسہ کی کاروائی تاریخ وقت اور صدر صاحبہ کی علالت کیوجہسے دوسرے صدر کا تقرر ہو - چنانچہ ۲۹ - اکتوبر کو یکشنبہ بزیرِ صدارت جنابہ مسز محمد ظہیر الدین صاحب کی بی اے پولیس سپرنٹنڈنٹ میسور - جناب خان بہادر محمد صالح صاحب حرم بالقابہ کے دیوانخانہ میں ۳ بجے سے سواریاں اترنے لگیں - ۴ بجے تخمیناً ۲۰ بیبیاں اپنی اپنی کرسیوں پر جلوہ افروز ہوئیں - جن میں جنابہ دختر خان بہادر محمد صالح صاحب بالقابہ مسز عبد الحکیم صاحب بی - اے تحصیلدار مسز احمد حسین صاحب بی - اے انسپکٹر مدارس - جنابہ مسز سید عبد الحی صاحب سبزواری کیوریٹر گورنمنٹ بک ڈپو - جنابہ اہلیہ منشی قادر محی الدین صاحب کی اہلیہ اکبر محمد عمر شریف صاحب مرحوم - جنابہ مریم بائی صاحبہ سوبانی اہلیہ جناب عبد الحمید سیٹھ صاحب انگلش ویرہوز - مسز عبد الخالق صاحب اکونٹنٹ ملٹری اکونٹ وغیرہما زیب بخش تھیں - ۴ بجے امتہ الحافظ بنت محمد محی الدین زمیندار نے نہایت خوش الحانی میں تبرکاً سورہ الرحمٰن کا ایک رکوع پڑھکر جلسہ کا افتتاح کیا - رحمت النسا اور امتہ الحافظ ۱۰ سالہ لڑکیوں نے رسالہ مخزن سے ع "خواب میں لف کو مکھڑے سے ہٹالے آجا" نعتیہ اشعار سُریلی آواز اور بھولے انداز سے پڑھے - نظم سالگرہ زاہدہ بیگم اور ۸ مختلف ممبروں نے نظمیں پڑھیں اور محبوب خانم نے ممبران انجمن سکرٹری صاحبہ اور صدر صاحبہ کی مدح میں نظم پڑھی - سکرٹری صاحبہ نے سال بھر کی رپورٹ سُنائی - اخیر میں انجمن کی خوش قسمتی سے جنابہ مریم بائی صاحبہ سوبانی نے انجمن کی ممبری اور سرپرستی قبول فرمائی اور انجمن کی ترقی کے لئے ۶ ممبر لڑکیوں کو انتخاب کیا جنہیں بشکاری کی تعلیم دیجائے - اختتام پر پھول برسائے گئے اور جلسہ برخاست ہوا • خاکسار

آم کے اچار کا نایاب نسخہ

عدد اشیا	نام اشیار	مقدار اشیا	ضروری ہدایات
۱	۲	۳	۴
۱	پختہ کیری	۱۰۰ عدد	
۲	مرچ سرخ	۲ سیر	اس کو مراد مرچ کے بیج ہیں نہ کر سالم رہے۔
۳	تیل	۵ سیر	اس سے مراد روغن کنجد ہے۔
۴	لہسن	پاؤ سیر	اس کی پوتیاں چھیل لو۔
۵	ادرک	پاؤ سیر	اسکو صاف کرکے کتر لو
۶	زیرہ	آدھ پاؤ	دو ثلث کو بھونکر باریک کوٹ لو۔
۷	رائی	آدھ پاؤ	ایضاً ایضاً
۸	میتھی	چھٹانک بھر	ایضاً ایضاً
۹	کلونجی	آدھ پاؤ	
۱۰	نمک	۲ سیر	
۱۱	سرکہ	۲ شیشے	
۱۲	کالی مرچ	چھٹانک بھر	
۱۳	ہلدی	آدھ پاؤ	
۱۴	گرم مسالہ ہر ایک جزو	دو دو تولہ	اس کا ہر ایک جز علیحدہ علیحدہ دو دو تولہ لو۔

کیریو نکا منہ کاٹ کر پانی میں بھگنے رکھدو۔ تیسرے روز اسکو چار شاخہ کتر کر مغز نکال دو۔ مرچ اور ہلدی پوری اور زیرہ اور میتھی اور رائی دو ثلث بھونکر باریک کوٹ لو۔ تیل کو گرم کرکے جب پورا جوش آجائے ادرک کی چکتیاں لہسن کی پوتیاں چھیلکر چھنی ہوئی چیزیں اور باقی زیرہ اور میتھی و کلونجی اور کالی مرچ رائی وغیرہ سب اس میں تلو۔ آدھا تلے جانے کے بعد مسالہ تیل سے نکال کر ٹھنڈا کرکے کیریوں میں بھر دو اور روغنی مٹکے یا مرتبان میں ہینگ کا دھواں دیکر رکھدو۔ تیل بھی اسی میں ڈالدو۔ دو مہینے کے بعد سرکہ ڈالتے رہو اسکو پندرہ روز تک متواتر دھوپ دیتے رہو اور ہمیشہ وقتاً فوقتاً دھوپ دیا کرو۔ مٹکا یا مرتبان اچھی طرح بند رکھو ورنہ اچار محفوظ نہیں رہ سکتا۔ احتیاط سے رکھو۔ دو تین سال تک مزے لے لے کر کھاؤ۔ گر ہمیں نہ بھولو۔

مسز محمد شمس الدین منشی فاضل

پہیلی گلشن میں ایک شجر کہ نام ہے نہ چین + صورت تمام حسن ہے تو رنگت تمام حسین۔ خریداران عصمت میں سے جو شخص اس پہیلی کو بوجھیں ان کو نمبر ا رسوم ہالی قیمتی ۱۲۔ نمبر ۲ سیرت قیمتی ۸ اور نمبر ۳ مکتوبات آزاد قیمتی ۸ انعام دیا جائیگا۔ عنایت اللہ خان

ن ۔ ب صاحبہ مرادآبادی کے معمہ کا حل سلطان صلاح الدین فاتح ۔ جن بہنوں نے دفتر عصمت میں روانہ کیا انکے اسم گرامی ترتیب وار لکھے جاتے ہیں نمبر اول اور دوم کی خدمت میں دونوں کتابیں روانہ کر دی گئیں ۔ جو بہنیں دلی میں موجود ہیں انکے حل چونکہ جلدی پہنچ سکتے ہیں اس لئے یہ مناسب ہوگا کہ ہر بہن آیندہ اس قسم کے خط پر روانگی کا وقت لکھدیا کریں ۔

بیگم صاحبہ دہلوی ۔ این ابن بی چشتی بیگم صاحبہ لاہور ۔ فرحت النسا بیگم صاحبہ بنگلور ۔ بنت مولوی محمد رضی الدین حسن صاحب بدایون ۔ اہلیہ مرزا محمد اسحاق صاحب بمبئی ۔ بشیر فاطمہ صاحبہ لاہور ۔ بنت عبدالغنی صاحبہ میانوالی ۔ ش ۔ ف صاحبہ بدایون ۔ مسز قاضی مظفر حسین صاحب بڑودہ ۔ مکرم فاطمہ صاحبہ گوالیار ۔ دختر خان مولوی فصیح الدین صاحب بارہ بنکی ۔ ایک بہن از ریاست راگھوگڈھ ۔ نور جہاں صاحبہ کانپور ۔ شاہ بیگم صاحبہ شملہ ۔ ا ۔ م صاحبہ بہاولپور ۔ مسز ابوالحسن صاحبہ بدایون ۔ مسز ایش صاحبہ دکن ۔ ہمشیرہ سید محمد مرتضی صاحب کرنال ۔ مسز سربلند خان صاحبہ کوئٹہ ۔ مسز محمد فدا علی خان صاحبہ شاہجہانپور ۔ م ۔ ب صاحبہ از ٹونک آئی ۔ جے ۔ بی صاحبہ بھوپال +

راگھوگڈھ والی بہن نے جو پہیلی لکھی تھی سوا نمبر ۶ اور ۱۰ اور ۱۱ اور ۱۴ اور ۱۸ اور ۱۹ اور ۲۰ اور ۲۲ کے باقی ان سب بہنوں نے اسکی بوجھن تراز و لکھی ہے ۔ بہن ا ۔ م صاحبہ نمبر ۱۰ پہیلی کی بوجھن انجن لکھتی ہیں ۔ چھ پاؤں کے چھ پہئے ۔ دو شموں کی دو لالٹینیں اور دم دھوئیں کا پمپ ۔ بہن ایس بی بنت سید محمد شاہ صاحب لاہور صرف پہیلی کی بوجھن تراز و تحریر کرتی ہیں ۔

پہیلی کا استفسار چونکہ ناظرین عصمت سے بھی تھا اس لئے محمد اسحاق خان صاحب دوناپور ۔ ظہیرالدین خان صاحب چھپڑہ محمد یعقوب علی صاحب جبلپور ۔ عبدالودود صاحب بھاگلپور ۔ فتح محمد صاحب امرتسر نے اسکا جواب تراز و

مکرمہ بتسلیم ۔ دونوں کتابیں اور رنگین لفافہ روانہ کرتی ہوں ۔ مہربانی فرما کر نمبر ۱ و ۲ کیخدمت میں روانہ کر دیجئے ۔ سب مجھے یہ دیکھکر خوشی ہوئی کہ بہنیں اپنے مسلمان بادشاہوں کے نام سے واقف ہیں ۔ میری طرف سے سب کو شاباش دیجئے ۔ ایک اور پہیلی لکھتی ہوں ۔ بہنیں اسکو بوجھیں ۔ جو بہن اول ہونگی انکو ایک بڑی جنتری سنہ ۱۹۱۰ء روانہ کرونگی ۔ ن ۔ ب مرادآبادی +

پہیلی ۔ آدھا گھر میں ہے ۔ اور آدھا میخانہ میں + سارا بکتا ہے بستی میں دو ایک آنہ میں ۔ ن ۔ ب

عالمِ نسواں

شاہِ ایران کے معزول ہونے پر مجلس ملی نے جو مفسدوں کی تحقیقات کر رہی تھی ایک شخص سالار حشمت کو پھانسی کا حکم دیا۔ چونکہ حال ہی میں اس شخص کو سلطنتِ رُوس سے تمغہ ملا تھا۔ رُوسی کانسل نے اس کے مکان پہ اپنی حفاظت کا نشان لٹکا دیا۔ لیکن سالار حشمت کی بیوی کو غیر مُلک کی پناہ اچھی نہ معلوم ہُوئی۔ اُس نے سفیر سے کہا۔ ہماری سلطنت اگر ہم کو اور ہمارے بچّوں کو تہ تیغ کردے تو ہم جانیں اور سلطنت۔ تم کو ہمارے مُعاملہ میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ ہمیں اپنی حُکمران جماعت کا ایک ایک بال تمہارے عَلم سے زیادہ عزیز ہے۔

۱۱۔ نومبر کو ہِز ایکسلینسی لارڈ اور لیڈی منٹو صاحبہ بھُوپال میں تشریف فرما ہوئے۔ ہِر ہائی نس بیگم صاحبہ بھُوپال نے اپنے معزز مہمانوں کی خاطر و مدارات میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ریاست بقعہ نور بنی ہُوئی تھی۔ حُسنِ انتظام مہمان نوازی خلوص اور ہِر ہائی نس کی قابلیت ولیاقت نے ہِز ایکسیلنسی کو بیحد محظوظ کیا۔ سلطانیہ گرلز سکول کی آراستگی۔ لڑکیوں کی تعلیم رنگ برنگ کی پوشاکیں۔ ادب۔ تمیز اور سب سے زیادہ تعلیم نسواں میں ہِر ہائی نس کی اس قدر دلچسپی دیکھکر ہِز ایکسیلنسی بہت ہی خوش ہوئیں۔ ایک گنگا جمنی صندوقچہ میں کونٹس صاحبہ کو ایڈریس دیا گیا۔

جسکے جواب میں ہر ایکسیلنسی نے ہر ہائی نس کا شکریہ اور اظہارِ خوشنودی فرمایا ہر ہائینس بیگم صاحبہ نے معزز مہمانوں کی تشریف آوری کا شکریہ ادا کیا اور اپنی تقریر میں فرمایا کہ میں بلا خوف تردید بہ حیثیت مسلمان ہونیکے کہہ سکتی ہوں کہ مسلمانوں کی برٹش گورنمنٹ کے ساتھ وفاداری کسی عارضی یا دنیوی پالسی کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ انکی مقدس کتاب انکو یہی تعلیم دیتی ہے۔

دیر ایکسیلنسی کے زمانہ قیام جوناگڈھ میں ہر ہائی نس بیگم صاحبہ جوناگڈھ نے ایک پردہ پارٹی کی جس میں ہر ایکسیلنسی لیڈی منٹو کو مدعو کیا۔ ساہو محل کا دربار ہال آراستہ کیا گیا اور گنگا جمنی فرش نے اس رونق کو دوبالا کر دیا۔ مہمان جمعہ کی شام کو ساڑھے چار بجے آنے شروع ہو گئے۔ ہر ایکسیلنسی لیڈی ایلین ایلیٹ اور لیڈی انٹرم ٹھیک پانچ بجے پہنچ گئیں۔ گلبٹ وسیٹر شاڑ کا باجا بج رہا تھا۔ ہر ایکسیلنسی بیگم صاحبہ کی دائیں طرف تشریف فرما ہوئیں اور ہندوستانی خواتین سے باتیں کر کے بہت ہی محظوظ ہوئیں ساڑھے چھ بجے تشریف لیگئیں۔

۱۵۔ نومبر کو زنانہ ہائی سکول حیدر آباد کا ایک شاندار جلسہ ہوا مسس وڈ صدر جلسہ نے لڑکیوں کو انعام تقسیم کئے اور لڑکیوں نے اپنی نظموں اور فرحت سے مہمانوں کو محظوظ کیا۔

آریہ سماج اٹاوہ کے جلسہ میں ایک عورت شری متی دیا کیان نے سٹیج پر آ کر نہایت

فہرست مضامین عصمت دسمبر ۱۹۰۹ء

معذرت

معزز بہنوں، دو تین مہینے سے عصمت کی روانگی میں جو دیر ہو رہی ہے اور اس دیر کی وجہ سے آپ کو جو تکلیفِ انتظار ہوئی۔ میں اُس سے دم بھر کو بھی غافل نہیں !۔ آپ کا غصہ بجا۔ خفگی درست۔ ناراضگی سر آنکھوں پر۔ مگر یقین کیجئے کہ میں اس تکلیف میں آپ سے زیادہ آپ کی شریک ہوں۔ جہاں میری یہ کوشش ہے کہ میں ہر مہینے ایک ایسی سہیلی جو زیورِ علم سے آراستہ و پیراستہ ہو آپ کی خدمت میں روانہ کیا کروں وہاں میں یہ بھی چاہتی ہوں اور دل سے چاہتی ہوں کہ بیقاعدگی کا بدنما دھبہ اِسکی ظاہری اور باطنی خوبیوں پر ہرگز نہ آنے پائے۔ مگر اِن دِنوں کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ باوجود سخت کوشش کے بھی عصمت کی قدردان بہنوں کو رجسٹری۔ تار۔ اور غیر معمولی خط لکھنے کی تکلیف ہوئی +

میں نے انتظام کر لیا ہے کہ آیندہ رسالہ کی اشاعت وقت پر ہو۔ کوشش کی ہے کہ جنوری اور فروری کے رسالے بھی اسی مہینے میں روانہ ہو جائیں +

مجھے امید بلکہ یقین ہے کہ میری معزز بہنیں اس تاخیر کو معاف فرمائینگی +

جائینٹ۔ ایڈیٹر

عصمت

مظلوم بھائی کی عاشق بہن

"ماں سے زیادہ چاہے پھاپا کٹنی کہلائے" سچ بھی ہے جس نے اپنا عیش آرام اپنا سکھ چین سب ہم پر سے قربان کر دیا۔ آپ مٹ کر ہم کو انسان اور سیکڑوں تکلیفیں اور مصیبتیں بھگت کر اس چیز کو جسمیں مکھی اڑانے کی بھی طاقت نہ تھی جوان کیا اس سے زیادہ شفیق اس سے بڑھ کر رفیق کون ہو سکتا ہے۔ یوں جھوٹے ٹسوے بہانے پھپھڑ دلالے کرنے سب کو آتے ہیں مگر ہماری پھانس جس کے کلیجہ میں جا کر چبھیگی وہ ماں ہی ہر غم کی شریک دکھ کی ساتھی۔ تکلیف سے بچپن مفت کی نوکر ہاں جی کی تابعدار وقت پر حاضر جی سے قربان جان سے نثار اگر ہے تو ماں۔

"ماں یا ماں کا پیٹ" گو بعض باپ بھی اولاد پر اگر ماں سے زیادہ نہیں تو برابر برابر جان چھڑکتے ہیں مگر عام طور پر اس جگہ کو کوئی نہیں پہونچتا جو ماں کو لگتی ہے ہاں ماں کے بعد اگر کوئی چیز ہے تو وہ ماں کا پیٹ یعنی بہن بھائی۔ سنا ہے غدر کے بعد کسی خاندان کے تین آدمی بغاوت میں گرفتار ہوئے اور پھانسی کا حکم ہوا لیکن ایک عورت کی گریہ وزاری پر رحمدل حاکم نے اتنی رعایت کی کہ ان تین میں سے کسی ایک کی رہائی اس

عورت کی سفارش پر ممکن ہے تین مر طلب عورت کا خاوند ایک بیٹا اور ایک بھائی تھا۔ عورت نے کچھ دیر سوچکر جواب دیا۔ اِن میں سوا بھائی کے سب ملنے ممکن ہیں۔ البتہ اب بھائی ہاتھ آنا ممکن نہیں۔ نہ ماں باپ زندہ ہوکر آئینگے نہ بھائی کی صورت دیکھنی نصیب ہوگی۔

غرض ماں کے بعد اگر قدر کے قابل اور سچی محبت کا کوئی رشتہ ہے تو ماں کا پیٹ۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی تاریخ بہن بھائیوں کی محبت کا ایسا نمونہ مشکل سے پیش کریگی جیسا اسلام نے کیا اور جسکی نظیر اب ملنی مشکل ہے۔ یہ مظلوم بھائی کی عاشق زار بہن فاطمہ سیدہ کی بڑی صاحبزادی سیدہ زینب ہے جس نے میدانِ کربلا میں اپنے دو لال بھائی پر قربان کئے۔

افسوس ہے کہ مسلمانوں نے بجائے اسکے کہ اس دردانگیز واقعہ سے سبق لیتے اور دیکھتے کہ بزرگانِ دین میں کیا خوبیاں تھیں واقعہ کربلا کو تماشا بنا رکھا ہے۔ ماہِ محرم کی وہ نویں شب جسکی صبح نے پیغمبر اسلام صلعم کے کلیجے کے ٹکڑے عدم کو پہنچا دیئے آج مسلمانوں میں کسطرح بسر ہوتی ہے۔ بیویاں بن ٹھن کر پہلے گاڑی میں بیٹھ سیر کو نکلتی ہیں روشنی کا لطف اُٹھاتی ہیں۔ تعزیوں کی بہار دیکھتی ہیں لیکن کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ یہ کیا رات ہے آج کیا ہوا تھا اور جو کچھ ہوا تھا اس سے کیا نتیجہ نکلتا ہے۔

اگر ایک ایسا شخص جو نہ ہندوستان کا رہنے والا ہو نہ یہاں کی کوئی زبان جانتا ہو نویں رات کو یہاں کسی شہر میں لاکر کھڑا کر دیا جائے تو کیا وہ یہ گمان کر سکتا ہے کہ مسلمان کسی قسم کا رنج کر رہے ہیں؟ اگر رنج و غم کے سامان یہ کچھ ہیں تو خدا جانے شادی اور خوشی کی تیاریاں کیا کچھ ہونگی۔

میری پیاری بہنو! ذرا خیال کرنا محرم کی دسویں تاریخ عشرے کا دن ہے۔ گرمی کی شدت اتنی ہے کہ ہر طرف سے شرارے نکل رہے ہیں۔ اور ایک مسلمان کیسا مسلمان امام

معصوم سید مظلوم وہ کون؟ جگر گوشہ رسول فرزند بتول حسینؑ حسرت سے ایک ایک کا منہ تک رہا ہے اس کے چند ہمقوم ہموطن ہم مذہب اس کے نانا کا کلمہ پڑھنے والے اسکو رسول کا نواسا جاننے والے اور ماننے والے اسکے قتل پر کمر بستہ ہیں۔ بہن بھاوج، بیوی بچے بھتیجے بھانجے اسکے ساتھ ہیں اور ان چند گنتی کے آدمیوں کو برباد و تاراج کرنے کے واسطے ہزاروں فوج میدانِ کربلا میں اُمنڈ آئی ہے۔ دریائے فرات لہریں لے رہا ہے۔ دُنیا بھر کی مخلوق اسکے پانی سے سیراب ہو رہی ہے مگر اسکے چند قطروں کو ترس رہے ہیں تو وہی بدنصیب جنکا خدا کے سوا اسوقت کوئی یار و مددگار نہیں۔ تین دن تین رات کامل بسر ہو گئے اور سیدوں کے منہ میں اُڑ کر دانہ نہ گیا۔ پیاس کے مارے ہونٹ خشک ہیں پپیڑیاں بندھی ہوئی ہیں اور پانی کے انتظار میں پورے ۲، گھنٹے گذر گئے ہیں۔ لڑکیاں مچھلی کی طرح تڑپ رہی ہیں ماؤں کے دُودھ خشک ہو گئے ہیں اور شیرخوار بچے سسکیاں لے رہے ہیں اس کشتی کا ناخدا اس خاندان کا بڑا بوڑھا جس ایک دم کے واسطے اعدا نے یہ کچھ انتظام کیا ہے کبھی بہن کو دیکھتا ہے کبھی بیوی کے چہرے پر نظر ڈالتا ہے کبھی معصوم بچوں کے خشک ہونٹوں کو بوسہ دیتا ہے اور کبھی اپنے کلیجہ کے ٹکڑوں کی پیشانی چوم رہا ہے۔ خیمۂ اہلبیت جس میں رسولِ خدا کی نواسیاں اور پوتیاں ہیں جنگل بیابان میں کھڑا ہوا ہے اور گرمی کے مارے سب کے اوسان خطا ہو رہے ہیں۔ ان ننھے ننھے بچوں گھر کی بیٹھنے والی بیبیوں اور رسول زادیوں کو دیکھ دیکھ کر امامِ مظلوم کے کلیجہ پر چھریاں چل رہی ہیں وہ دیکھتا ہے کہ جو بچے عیش و آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے وہ بیوی جس کے قدموں کے نیچے بادشاہ آنکھیں بچھاتے تھے آج میری وجہ سے دو دو دانوں کو محتاج اور ایک ایک چلو پانی کو ترس رہی ہے اسکا شیرخوار بچہ کوئی دم کا مہمان ہے۔ بیوی کی بیقراری۔ ننھے کی حالت لمحہ بہ لمحہ بدتر ہو رہی

تھی معصوم کو کلیجہ سے لگا کر باہر آئے تو دیکھا کہ لو کے تھپیڑے ہر چیز کو جھلسا رہے ہیں۔ شفقتِ پدری نے جوش کیا ایک کپڑے سے بچے کو ڈھانکا دشمنوں کے سامنے آئے اور کہا:

"اے مسلمانو! یہ معصوم بچہ تین دن اور تین رات سے بغیر پانی کے تڑپ رہا ہے اسکی ماں کا دودھ خشک ہو چکا اور اب یہ شیر خوار گھڑی دو گھڑی کا ہے تمہارا خطاوار میں ہوں اس مظلوم پر رحم کرو اور چند قطرے پانی کے دیکر اسکو اور اسکی ماں کو جلالو۔"

ابھی سید کی تقریر ختم نہ ہوئی تھی کہ دشمنِ اہلبیت حرملہ بن کاہل کے تیر نے معصوم کو شربتِ اجل سے سیراب کر دیا۔ جو باپ اس اُمید پر اپنے بچہ کو لیکر آیا تھا کہ شاید یہ شقی القلب اس شیر خوار پر رحم کریں اس کا دل کیا کر رہا ہوگا۔ وہ دیکھتا ہے کہ بجائے پانی میسر ہونے کے یہ پھول میری گود میں تڑپ کر ہمیشہ کے لئے مرجھا گیا۔

مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں۔ کلیجے کے ٹکڑے آنکھوں کے آگے تڑپ رہے ہیں اور وہ صورتیں جنکو ارمان اور محبت سے پالا تھا خاک میں چھپ رہی ہیں۔ برابر کے بھائی سامنے سے اُٹھ رہے ہیں اور جوان شیر دم توڑ رہے ہیں لیکن یہ صابر و شاکر مظلوم و معصوم امام اس حال میں بھی خدا کا شکر ادا کر رہا ہے اور مشیتِ ایزدی پر راضی ہے کوئی چیز اُسکے استقلال میں رخنہ نہیں پیدا کرتی۔ وہ آسمان کی طرف دیکھ رہا ہے اور تسبیح و تہلیل میں مصروف ہے۔

اُن بیویوں میں جو اسوقت امام مظلوم کی مصیبت میں شریک ہیں ایک اس کی حقیقی بہن بھی ہے جو بچپن میں ساتھ کھیلی جوانی میں ساتھ رہی اور اب بھائی پر پروانہ کی طرح نثار ہو رہی ہے بھائی کی صورت اور مصیبت دیکھکر اُسکا کلیجہ اُمڈا چلا آ رہا ہے وہ کہتی ہے میں بھائی پر قربان ہو جاؤں بچوں کو بھائی پر فدا کروں مگر کسی طرح بھائی اس مصیبت سے چھوٹے۔ خون کا جوش

اسکو چین گر رہا ہے دنیا اسکی آنکھوں میں اندھیر ہے وہ سوچتی ہے کہ اسوقت اس قیامت خیز زمین پر یتیم بھائی کی ماں باپ بھائی بہن غرض جو کچھ بھی ہوں میں ہی ہوں۔ بے باپ اور بے ماں کا بھائی اس وقت باپ کی محبت ماں کی شفقت بھائی کی اُلفت سب سے محروم ہے زینب یہ وقت ہے کہ میں ماں کی امانت پر اپنی جان اور مری ہوئی ماں کے ایک لال پر اپنے دونوں لال قربان کردوں۔ مرنا برحق قیامت سچی ماں سے ملاقات ضرور ایسا نہ ہو اسوقت شرمندہ ہوں۔ عون و محمد دونوں بچے بھائی سے زیادہ عزیز نہیں کلیجہ پر پتھر رکھونگی اور ان معصوموں کو ہنسی خوشی اجازت دونگی صبر کرونگی شکر کرونگی دل تڑپیگا کلیجہ کٹیگا اور جن بچوں کو سینے پر سُلایا ہے خاک میں سُلاؤنگی مگر اُف نہ کرونگی۔ یہ مری ہوئی ماں کی نشانی یہ سر بدلے کا سر۔ یہ باپ کی جگہ بھائی۔ کب کب مجھ سے حق مانگنے آئیگا۔ آہ زینب بھائی کہاں اور تو کہاں۔ عمر بھر کی کمائی زندگی کا ماحصل یہ دو چاند کے ٹکڑے ہیں ان کو محبت سے پالا ہے۔ انکی اللہ آمین کی ہے ان پر جان چھڑکی ہے۔ دولت ہیں تو یہ طاقت ہیں تو یہ۔ جمع پونجی ہیں تو یہ اور بچے ہیں تو یہ۔ الہ العالمین مجھ کو صبر دے میرے ارادہ میں ہمت میرے خیال میں استقلال عطا کر۔ میں اپنے کلیجے کے ٹکڑے اپنے دونوں لال اپنے دونوں پیارے آنکھوں کے تارے عون و محمد بھائی پر نثار کروں۔

اولاد والی بہنیں حضرت زینب کی حالت کا اندازہ اچھی طرح کرسکتی ہیں۔ بھائی کی محبت اس دل میں کتنی ہوگی جو ایک چھوڑ دو برابر کے بیٹے بھائی کی نذر کر رہا ہے۔ گو اکثر کے نزدیک مرثیہ لکھنے والوں نے مضمون کو مؤثر کرنے کے واسطے مبالغہ سے کام لیا لیکن واقعات میں کس کو کلام ہوسکتا ہے۔ مرحوم میر انیس نے اس عاشق زار بہن کی تصویر کچھ ایسی یاس و حسرت سے کھینچی ہے کہ بے اختیار آنسو نکل پڑتے ہیں۔

اتنا پتہ تو تاریخ سے بھی چلتا ہے کہ یہ بہن ہمیشہ بھائی پر فدا رہی اور وُہ صرف جوشِ محبت ہی تھا جو اس مخدرۂ قوم بی بی کو مدینہ کی پاک سرزمین سے کربلا کے قیامت خیز میدان میں کھینچ لایا۔ بدنصیب تھی وُہ خود اور مصیبت ناک تھی اس کی زندگی کہ تقریباً پچپن برس تک زندہ رہی مگر ایک روز چین سے نہ بیٹھی۔ وُہ وُہ آفتیں جھیلیں اور مصیبتیں اُٹھائیں کہ زندگی وبالِ معلوم ہونے لگی۔ ابھی بچپن ہی تھا کہ ماں کی گود ہمیشہ کو چھوٹی۔ اور سیدہ فاطمہ جیسی ماں کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ ہوش سنبھالا تو باپ کو موت آئی۔ ابھی پنپی نہ تھی تقدیر نے یہ دن دکھایا کہ جس بھائی پر بھروسا تھا وُہ آنکھوں کے سامنے دم توڑ رہا ہے۔ اسکی انتڑیاں قے میں نکل رہی ہیں اور بدنصیب بہن اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہے۔ یہ صدمہ بھولتا تو کیا کم بھی نہ ہوا تھا کہ سر پر وُہ گھڑی آئی جس نے بھائی بھتیجے بیٹے بھانجے سب کی لاشیں دکھا دیں اور دوپہر ڈھلنے سے پہلے سب کو خون میں نہایا دیکھ لیا۔ آج غیر کی خبرِ موت کلیجہ ہلا دیتی ہے۔ لیکن سیّدہ کو تقدیر سے وُہ وقت دیکھنا پڑا جب ہَوا تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد عزیزوں اور پیاروں کی شہادت کی اطلاع دے رہی ہے۔ لُو کے تھپیڑے چاروں طرف سے آ رہے ہیں اور جلتی جھُلستی ریت اس عاشق بہن کا بچھونا ہے۔ پانی کی صورت کو ترس گئی دانہ کا نام نہیں سُنا۔ مگر بھائی کے عشق میں کمی نہیں۔ میر صاحب نے اس دودھ کے جوش کی تصویر ایسی بےنظیر اُتاری ہے کہ سُبحان اللہ کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

کلیجے کے ٹکڑے ماموں پر قربان ہونے جا رہے ہیں اور ماں انکو رخصت کر رہی ہے؎

زینب نے کہا لے کے بلائیں کہ سدھارو   بس اب میرا دل شاد ہوا اے میرے پیارو
ماں صدقے گئی سر قدمِ شاہ پہ وارو   ہو عید مجھے گر عمر و شمر کو مارو

یہ وقت ہے امداد امام ازلی کا
دے چھوٹے سے ہاتھوں میں خدا زور علی کا

عون و محمد دونوں بچے میدان جنگ میں لڑ رہے ہیں - ماں خیمہ کے دروازہ پر کھڑی ہے

سیدانیاں دروازہ پہ تھیں کھولے ہوئے سر — اصغر کو لیے کانپتی تھی بانوئے بے پر
فضہ تھی پریشاں کئے منہ خیمہ کے اندر — پردے سے لگی کہتی تھی یہ شاہ کی خواہر

بتلا نہ مجھے بچے مرے کیا کرتے ہیں دونوں
وہ کہتی تھی لاکھوں سے وغا کرتے ہیں دونوں

دو رخ پہ نظر آتے ہیں اُڑتے ہوئے گیسو — وہ بچے بجلی کی طرح گرتے ہیں ہر سو
ڈھالیں لئے وہ بھاگتے پھرتے ہیں جا جو — وہ ابر میں چھپ چھپ کے نکل آتے ہیں مہ رو

بہتا ہے لہو چھاتیوں سے جوش میں دونوں
کس طرح پکاروں کہ بہت دور ہیں دونوں

بچے شہید ہو چکے ہیں اور ماں خبر موت سنکر یہ کہتی ہے

بیٹوں سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی — سر پر میرے دنیا میں سلامت رہیں بھائی
اک دولت اولاد لٹائی تو لٹائی — کیا لُٹ گیا وہ کونسی ایسی تھی کمائی

کیوں روؤں میں دنیا میں جو دلبند نہیں ہیں
کیا اکبر و اصغر[۱] میرے فرزند نہیں ہیں

دیکھا جو لہو بچوں کا چھاتی اُمنڈ آئی — نزدیک تھا مر جائے ید اللہ کی جائی
پر فاطمہ کے صبر کی شان اُس نے دکھائی — سب سے یہ کہا نیک لگی میری کمائی

بچے مرے قرباں ہوئے احسان خدا کا

[۱] بھائی کے بچے ۔

آے بیبیو صدقہ ہے یہ شاہِ شہدا کا
روکر شبہ والا نے کہا صدقے میں تم پر دم بھر انہیں رو لو کہ یہ مہماں ہیں خواہر
بانو نے اشارا کیا اَے سبطِ پیمبر قربان گئی آپ بس اب جائیے باہر
گر ضبط اسی طرح سے فرمائینگی زینب
یہ ماتمِ اولاد ہے مرجائینگی زینب

جیسا کہ میں نے اُوپر بیان کیا گو مرثیہ میں فرضی واقعات سے زیادہ کام لیا گیا ہے اور وہاں کا طرزِ معاشرت بھی اپنے ہی جیسا فرض کیا گیا ہے لیکن سچ یہ ہے کہ واقعات کو مؤثر بنانیکی اس سے بہتر تدبیر تھی۔ دیکھنا یہ ہے کہ آج مسلمانوں میں ایسی صابر و شاکر بیبیاں کتنی ہونگی اور بھائی کی ایسی عاشق زار بہن اب بھی قوم میں کہیں نظر آتی ہے؟ اب تو وہ وقت ہے کہ بہنیں بھائیونکی دشمن اور بھائی بہنوں کے خون کے پیاسے۔ اگلے لوگ کہتے تھے بہن سو برس کی بھائی پانچ برس کا یعنی بہن بڑھیا ہو اور بھائی بچہ پھر بھی وہ اسکا مان رکھنے والا ہے۔ ماں باپ کا سایہ سر پر چند روزہ ہے اسکے بعد تو اگر کوئی میکے کی نشانی ماں کا منہ باپ کی یادگار ہے تو بھائی۔ اگر کوئی سچا اور پکا رشتہ ہے تو یہ۔ جسکو موت کے سوا کوئی نہیں توڑ سکتا۔ یوں چھوڑنے کو جو چاہے چھوڑ دے۔ یہ اللہ کی بندیاں جنکے آج افسانے رہ گئے۔ گو رسول زادیاں تھیں مگر تھیں ہم ہی جیسی انسان۔ لیکن وہ کام کر گئیں کہ اُنکے کارنامے صفحۂ دُنیا سے مٹنیوالے نہیں۔ اس سے زیادہ بھائی کی محبت کیا ہوگی کہ گھر چھٹا بار چھٹا۔ دردر کی ٹھوکریں ہوئیں اور گھر گھر کا قیام مگر ایک اس محبت کی کارن سب کچھ گوارا کیا جھیلیں دیکھیں۔ گو آج ان باتوں کو تیرہ سو برس کے قریب ہوگئے مگر یہ معرکہ بچہ بچہ کی زبان پر موجود ہے اور جبتک انصاف کی قدردان ہیں گو سیدہ زینب کی یہ قربانی اور بہن بھائیوں کا عشق ہر سال محرم کے مہینے میں اس واقعہ کی یاد کو تازہ کرتا رہیگا +

زاہدہ بیگم الخیریہ

پھولوں کی کاشت

اس سے تو شاید کسی بہن کو انکار نہ ہو کہ گھر کی صفائی چیزوں کا رکھ رکھاؤ بچوں کی تربیت فرش فروش وغیرہ وغیرہ غرض ان تمام چیزوں کی ذمہ دار زیادہ تر بیوی ہے۔ اگر کوئی گھر اس حالت میں نظر آتے کہ بچھونا بے ڈھنگا چیزیں تتر بتر مکھیاں بھنکتی خاک اُڑتی تو اس کا الزام خاوند پر بہت مشکل سے قائم ہوگا۔ جب اسکو اُختیار قطعی ہے کہ وہ جس حال میں مناسب سمجھے گھر کو رکھے تو آرائش کی عزت اور پھوہڑپنے کی ذلت بلا کسی اَور کی شرکت کے اسی کا حق ہے۔ اسی واسطے یہ اصول مان لیا گیا ہے کہ گھر کا ایک نظارہ گھر والی کے مذاق کا پورا پتہ دیدیگا۔ سگھڑ بیوی کا کام یہ ہے کہ اگر کوئی اجنبی عورت بھی کسی ضرورت سے اس کے گھر میں داخل ہو تو گھر کی ہر چیز اُسکا دل اپنی طرف کھینچ لے وہ دل ہی دل میں منتظمہ کی محنت پر داد دے۔ گھر میں کچھ ایسا مقناطیسی اثر ہو کہ آنیوالی کمبخت کا جی وہاں سے اُٹھنے کو نہ چاہے۔ برخلاف اس کے دوسری صورت یہ ہے کہ اگر کوئی قریبی عزیز اور پاس کی رشتہ دار بھی کسی کام کو آئے تو گھر دیکھکر جی بھر جائے۔ دل ایسا اُکتا جائے کہ گھنٹہ بھر کی بیٹھتی ایک پاؤ ہی گھنٹہ میں اپنا کام کر کرا اُٹھ کھڑی ہو۔

گھر کی آرائش اور زیبائش کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا اور لکھا جا رہا ہے

مَیں آج پھلواری کے متعلق کچھ لکھنا چاہتی ہوں کیونکہ میرے نزدیک دماغ کو فرحت آنکھوں کو طراوت اپنی تفریح غیروں کی دلچسپی کا اس سے بہتر کوئی اور مشغلہ نہیں۔ خوش رنگ و خوشنما پھول معمولی گھروالی کو بیگم اور گھر کو چوتھی کی دُلہن بنانے والی چیز ہے۔ اگر گھر میں صحن کی بساط کے موافق کیاری ہو جس میں قسم قسم کے پودے جابجا رنگ برنگ کے پھول ادھر اُدھر کھلے جن میں گلاب موتیا چنبیلی وغیرہ کھلے ہوئے ہُوں تو نماز صبح کے بعد یہ پہلی چیز ہے جو دِل کو خُدا کی قدرت کی طرف متوجہ کریگی اس کے علاوہ صحت کو برقرار رکھنے کا اس سے بہتر کوئی نسخہ مشکل سے ہوگا۔ آکسیجن جو سب سے اچھی ہَوا ہے۔ اِس کے ذریعہ سے پیٹ میں پہنچتی ہے اور اسی لئے لوگ صُبح اور شام کے وقت باغوں کی سیر کو جاتے ہیں۔ تجربہ سے ثابت ہُوا ہے کہ چمن بندی انسان کے اخلاق پر بہت اچھا اثر کرتی ہے۔ ایک حکیم کا مقولہ ہے۔

یہ انسان کو ہشاش بشاش کرنے والی چیز ہے۔ مہربان رحمدل معقول خلیق بنا دیتی ہے۔

یوروپین خواتین پھول کی بہت دلدادہ ہیں۔ انکے ہاں اگر معمولی دو ایک آدمیوں کی بھی دعوت ہو تو میز پر دو چار گلدستے ضرور ہونگے۔ اِنگلستان میں اکثر گھر ایسے ہونگے جہاں چھوٹا سا باغیچہ ضرور ہے اور گھروالی پھولوں کی کاشت اپنا فرض سمجھتی ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے طرز معاشرت میں آجکل اس چیز کا جو صحت اخلاق عادات وغیرہ پر خاص اثر کرے۔ ذکر بہت کم ہے۔ بہنیں اگر اس طرف توجہ کریں تو گو ابتدا میں یہ مُفت کی بیگار معلوم ہوگی لیکن جب چسکا پڑ جائے گا تو میرے کہنے

کی تصدیق ہوگی۔ علاوہ اندرونی فائدوں کے گھر کی صورت بھی کچھ اَور نکل آئیگی۔
یورپ میں جو اِسوقت پھولوں کی کاشت کا مرکز مانا جاتا ہے۔ عورتیں پھولوں کی غورپرداخت میں مردوں سے بہت زیادہ حصہ لے رہی ہیں۔ اس فن کی اکثر کتابیں عورتوں ہی کی لکھی ہوئی ہیں میڈم الزبتھ والس کی رائے ہے کہ اگر خواتین اپنے باغیچوں کی طرف خود اچھی طرح متوجہ ہوں تو انکے گھر گلزار ارم ہوجائیں۔ پھولوں کی شائقین بیویاں جتنی ہیں اُنکے مزاج میں نفاست انکی عادات پسندیدہ انکے دلوں میں محبت اُنکے تمام طریقے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ وُہ بچّوں کو خوش رکھتی ہیں۔ بڑوں کی خدمت کرتی ہیں۔ پھولوں کا شوق انکو بہت کم غمگین ہونے دیتا ہے وُہ بیمار کم پڑتی ہیں وُہ آرام طلب نہیں ہوتیں کاہلی کا نام تک اُنکے پاس نہیں آتا۔
ایسی مفید اور کار آمد چیز ہم خرما وہم ثواب ایک پنتھ دو کاج جی کا جی خوش ہو فائدہ کا فائدہ ہو تعریف ہو وُہ الگ اِس سے غفلت سخت نادانی ہے افسوس یہ ہے کہ یہ شوق بڑی عُمر میں جاکر پیدا ہونا بہت مشکل ہے۔ ضرورت یہ ہے کہ لڑکیاں کوار پتے ہی سے اِس طرف متوجّہ ہوجائیں اور اگر آج میکے ہی سے یہ شوق لیکر جائینگی تو سسرال پہنچکر جہاں وُہ اپنے صحن میں انواع واقسام کے پھولوں سے دماغ کو تر و تازہ کرینگی وہاں سگھڑ منتظم سلیقہ شعار کے لقب سے بھی اُنکا دل نہال نہال ہوگا۔
یُوں تو پھولدار پودہ اُگنے کے واسطے ہر گھر کی معمُولی مٹی بھی کچھ نہ کچھ مناسبت رکھتی ہے۔ لیکن وُہ جگہ جہاں سُورج کی روشنی اور ہُوا اچھی طرح پہنچ سکے زیادہ

مفید ہو زمین نہ بیحد چکنی ہو نہ بالکل کھوسس۔ نہ قطعی ریتیلی۔ بلکہ وُہ زمین زیادہ مناسب ہے جس میں دو حصّہ چکنی مٹّی اور ایک حصہ ریت ہو

ممکن ہو کہ کسی گھر کی مٹّی اچھّی نہ ہو اور گھر والی پھُولوں کی شوقین ہو تو ظاہر ہو کہ وُہ پھُولوں کی کاشت کے واسطے پرائے گھر میں تو جانے سے رہی اس لیے اپنی زمین کو بیج ڈالنے سے پہلے اس قابل کر لینا چاہیئے کہ پھُول کھِل سکیں اگر اس شہر یا قصبہ میں دریا ہو تو کنارہٴ دریا کی مٹّی ندی ہو تو اُس کے کنارے کی وُہ مٹّی جو پانی اُترجانے کے بعد رہی ہو اس جگہ بچھاویں جہاں کیاری بنانی منظور ہے۔ اگر یہ نہ مل سکے تو کھیتوں کی مٹّی بھی کام دیسکتی ہے بشرطیکہ خراب نہ ہو۔ نیز اس کام کے واسطے کھاد بھی بہت اچھّی چیز ہے۔ چُولہے کی راکھ اگر لکڑی کی ہو تو وُہ بھی زمین کو کاشت کے لایق بنانے میں مدد دیگی۔ ایک اَور تدبیر بھی ہے۔ چند روز پہلے سے اس زمین کو جہاں کیاری بنانی ہے کھدوا دیں اور ہفتہ ہفتہ بھر کے بعد کھُدواتے رہیں۔ تاکہ آفتاب اور ہوا اپنا پوُرا اثر اس مٹّی پر کریں۔ بہنیں اگر اس مضمون کو پسند کرینگی تو مَیں آیندہ اس کے متعلق مفصّل کیفیت لکھوں گی + ر۔ ب

اتالیق نسواں منشی احمد علی خانصاحب نے یہ کتاب لڑکیوں کے واسطے نہایت محنت اور قابلیت سے پانچ حصوں میں لکھی ہے۔ جس میں تعلیم و تربیت انتظام خانہ داری حساب کتاب وغیرہ وغیرہ پر مفصل بحث کی ہے۔ ہمیں امید ہو کہ منشی صاحب کی یہ محنت قدر و قعت سے دیکھی جائے گی اور لڑکیاں اِس کتاب کے مطالعہ سے مستفید ہونگی۔ قیمت حصہ اول۔ حصہ دوم۔ حصہ سوم۔ حصہ چہارم۔ حصہ پنجم۔ + مصنف موصوف سے دہلی کوچہ دکھنی رائے کے پتہ پر ملتی ہے +

زبان

زبان دلی جذبات - دلی خیالات کے اظہار کا ذریعہ اور آلہ ہے - یہ ان عقلمند لوگوں کا خیال ہے - جو دُنیا میں غیور دل لے کر آئے اور اپنی زبان فیض ترجمان کی روشنی سے تمام عالم کو منور کر دیا - یہ خاص لوگ تھے - دُوسری طرف وُہ عام لوگ ہیں جو اس خیال باطل میں ہیں کہ زبان جسم کے دُوسرے اعضاء کی طرح ایک عضو ہے - اگر اس سے وُہی کام نہ لیا جائے گا - تو یہ کفرانِ نعمت میں شمار ہو گا - اور محض اس بنا پر دن بھر بک بک کرنے میں تامل نہیں کرتے - ہم کو تو صرف پہلے خیال کی پیروی کرنی چاہئے - اور اس میں عملی کارروائی کی کوشش بھی ویسے ہی ضروری ہے - جیسے اس کی پیروی اور تتبع یہ بات زبان پر قابو رکھنے سے حاصل ہوتی ہے - آنحضرت صلعم سے عقبہ بن عامر نے پُوچھا - کہ نجات کس بات میں ہے - حضور نے فرمایا - زبان پر قابو رکھ - پھر پُوچھا - یا رسُول اللہ - مَیں کس چیز سے ڈرا کروں - حضُور پر نُور نے اپنی زبان پکڑ کر فرمایا - اس سے - اب بہترین اور احسن طریقہ یہ ہے - کہ ہم ان دونوں خیالوں کے بین بین چلنے کی کوشش کریں - یعنی نہ تو حد سے زیادہ باتیں کریں - اور نہ حد سے زیادہ خاموش رہیں - خَیرُ الاُمُورِ اَوسَطُھا - اعتدال ہر چیز کا اچھا ہے - اور حقیقت میں انسان وُہی ہے جو اعتدال کی مضبُوط رسّی کو ہاتھ سے نہ چھوڑے لیکن اب دیکھنا یہ ہے - کہ مستورات اس پر کہاں تک کاربند ہیں - اور کہاں تک کم گوئی کی حامی ہیں - مردوں کے واسطے کم گوئی عیب ہے اور عورتوں کیلئے چنداں یہ بات عیب

میں داخل نہیں۔ اور چونکہ مستورات میں بھی جو مدّتِ مدید اور عرصہ بعید سے قعرِ جہالت میں بے بس پڑی ہوئی تھیں۔ ترقّی کا احساس پیدا ہوگیا ہے۔ اور ترقی سے دونوں قسم کی ترقی مراد ہے۔ دُنیاوی اور اخلاقی۔ اس لئے یہ ضروری امر ہے۔ کہ وُہ بھی ترقی کے اصولوں سے جو انسان کی رہنمائی کرتے ہیں واقف ہوجائیں۔ اور انہیں اپنا مسلک اور شعار بنالیں۔

ان میں زبان کا نمبر سب سے اوّل ہے۔ بدن کے تمام اعضاء میں سب سے برتر زبان ہے اور سب سے بدتر بھی یہی زبان ہے۔ حکیم لقمانؑ سے اُن کے آقا نے کہا۔ کہ ہمیں وُہ عضو کھلاؤ جو سب سے اعلیٰ اور اشرف ہو۔ چنانچہ زبان پکوا کر کھلائی دُوسرے دِن یہ حکم ہوا کہ سب سے برا عضو کھلاؤ۔ اس دن بھی زبان پکوائی اور آقا کے سامنے دھر دی۔ اسے غصہ آیا۔ اور کہا۔ یہ ایک چیز کس طرح اعلیٰ اور ادنیٰ ہوسکتی ہے عرض کیا کہ اگر زبان کا باقاعدہ استعمال کیا جائے اور اس کی لگام ہر وقت ہاتھ میں رہے۔ تو سب سے افضل ہے۔ ورنہ اس سے بُرا کوئی نہیں۔ اب معلوم ہوگیا ہوگا۔ کہ زبان کو قابو میں رکھنا اور اس کا قاعدہ کے موافق استعمال کرنا کیسا ضروری ہے۔ خصوصاً عورتوں کے لئے۔ جن سے یہ توقع ہے۔ کہ وُہ تمام نیک عادتیں جو ان کی ذات میں موجود ہیں۔ اپنے بچّوں کو بھی سکھلائینگی اس لئے ضروری معلوم ہوا کہ اُنکی تربیت اور نگہداشت خاص طور پر کیجائے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اگر بات کرنا چاندی ہے۔ تو چُپ رہنا سونا ہے۔ بہرحال خاموشی مگر اعتدال کے ساتھ افضل ہے اور نیک سیرت ہے۔ آخر میں مناسب سمجھتی ہوں کہ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے وہ نتائج بد جو صرف زبان کے بیجا استعمال سے

پیدا ہوتے ہیں اور آپنے کتاب احیاء العلوم میں لکھتے ہیں۔ اس جگہ قلمبند کروں تاکہ میری بہنیں ان سے فائدہ اُٹھائیں۔

زبان کے دس گناہ

(۱) کلامِ لایعنی۔ جس سے سوائے مغزخوری کے اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

(۲) محش باتیں۔ جو طول اور لایعنی باتوں میں انسان کے مُنہ سے نکل جاتی ہیں اور اسے معلوم نہیں دیتیں۔

(۳) پوشیدہ اور اخفا باتوں کا ظاہر کرنا۔ حدیث میں آیا ہے۔ کہ جب کسی نے تم سے راز کی بات کہی ہو۔ تو اس کا انکشاف مت کرو۔ ورنہ امانت میں خیانت ہوگی اور یہ کبیرہ گناہ ہے۔

(۴) جھوٹا وعدہ کرنا۔ جو کسی طرح اخلاق کے موافق نہیں۔

(۵) جھوٹ بولنا کہ یہ سب گناہوں کی جڑ ہے۔

(۶) غیبت۔ رسول مقبولؐ فرماتے ہیں کہ اپنے بھائی کی غیبت کرنی اس کے جسم کا گوشت کھانا ہے۔

(۷) چغلخوری۔

(۸) دوزبان ہونا۔

(۹) بیجا تعریف اور تحسین۔

(۱۰) اعتدال سے زیادہ ہنسی مذاق۔ جو دو دلوں کے درمیان رنجش پیدا کرتا ہے۔

مندرجہ بالا زبان کے وہ گناہ ہیں۔ جو اخلاق کے کسی طرح موافق نہیں۔ اور یہ گناہ ہیں۔ جن کا اثر صرف اخلاق اور رُوح پر پڑتا ہے۔

فاطمۃ الکبریٰ خوشنویسہ

چونے کی کھیر یا بیوی کی صحنک

یہ نیاز اُن مسلمان عورتوں میں بیاہ شادی کے موقع اور منت بر آنے پر دلائی جاتی ہو۔ جو شرافت اور عزت میں بے مثل ہیں اور جن کے ہاں پشتوں سے ہوتی چلی آئی ہو۔ اکثر عورتیں اپنے آپ کو اعلیٰ خاندان کا ثابت کرنے کے لئے منگنی کے رسم میں یا ایسی ہی کسی اور موقع پر بطور دلیل کے کہتی ہیں کہ "ہم لوگ چونے کی کھیر کھانے والے ہیں" معلوم ہوتا ہے کہ غالباً دہلی میں اس کا رواج اب تک باقی ہو۔ منجملہ اور رسوم کے جو دہلی سے نکلیں یہ رسم بھی جہانگیر بادشاہ کے عہد میں قلعہ معلّٰی سے ہی نکلی ہو۔ اور آج دکن اور حوالی دکن میں نہایت زور سے ادا کی جاتی ہو۔

میں چاہتی ہوں کہ اسکی وجہ تسمیہ بیان کرنے سے پہلے بہنوں کو اس دسترخوان کی کیفیت دکھا دوں۔ جہاں یہ نیاز دی جاتی ہو اور جہاں مندرجہ ذیل کھانے رکھے جاتے ہیں۔

کھیر۔ دہی کھانا۔ دودھ۔ ملائی بشکر اگر زیادہ تکلف ہو تو کچھ زیادتی ہو جاتی ہو۔ اس پر وہی بیبیاں شریک ہوتی ہیں جو اپنے آپ کو بلند خاندان سمجھتی ہیں اور اُن کے پاس اس دسترخوان کی شرکت وراثتاً آئی ہو۔ اس دسترخوان کے دوسرے جانب ایک دسترخوان بچھایا جاتا ہے جس پر چھوٹی چھوٹی مٹی کی رکابیاں رکھی جاتی ہیں اور اُس میں چونے کی ایک کلیا جاتی ہو۔ جب تمام بیبیاں کھانے کے خوان

پر بیٹھ جاتی ہیں تو جھٹ صاحب مکان خاتون اُن تمام کلیوں میں پانی ڈالتی ہو جب تمام بیبیاں کھانے سے فارغ ہو چکتی ہیں۔ اس چونے کی کلیوں والیاں دسترخوان پر آکر چونا کھالیتی ہیں۔ اس کے بعد مکلفہ خاتون سب کو ایک ایک روپیہ دیکر رخصت کرتی ہو۔

بعض وقت ایسا بھی ہوتا ہو کہ جو بیبیاں ہمیشہ شرکت کرتی ہیں وُہ اب کے شریک نہ ہو سکیں۔ وجہ یہ ہو کہ اُنہوں نے اپنی زچگی ڈاکٹر خانے میں کرائی یا ڈاکٹری دوائی وغیرہ وغیرہ۔

اس کی ابتدا کی روایات بہت سی ہیں جس میں سے میں چند لکھتی ہوں تاکہ معزز اور لائق خواتین کو اس کی اصلیت معلوم ہو جائے۔

جیسا کہ اکبر بادشاہ کے محلات سے اور نیازیں اور رسوم پیدا ہوئی ہیں۔ اسی طرح یہ رسم بھی شاہی محل سے ہی نکلی ہو۔ اس کی ابتدا یوں بیان کی جاتی ہو کہ چونکہ نورجہاں جو جہانگیر کی چہیتی بیگم تھی۔ اور جودھ بائی جو جہانگیر کی شادی والی بیگم تھی۔ دونوں میں ہمیشہ چھیڑ چھاڑ رہا کرتی تھی۔ ایک دفعہ جودھ بائی نے نورجہاں کو زک دینے کی ایک نئی ترکیب نکالی۔ اور حکم دیدیا کہ محل کے ایک گوشہ میں نہایت عمدگی سے صفائی کیجائے یہانتک سختی کی کہ خادمہ عورتیں نہانے کے بعد اس نیاز کے کام میں شرکت کریں جب دُوسری بیگمات میں اس کا چرچا ہونے لگا کہ خلافِ قاعدہ آج کیوں اس قدر صفائی برتی جارہی ہو۔ تو جودھ بائی نے اپنے خیال کو اس طرح ظاہر کیا کہ میں نے منت مانی تھی کہ جب جہاں پناہ (جہانگیر بادشاہ

جنگ سے سلامت تشریف لائینگے تو میں حضرت خاتونِ جنت کے کونڈے بھرونگی۔ اب وہ منت پوری کر رہی ہوں۔ جب نہایت صفائی سے دسترخوان چنا گیا۔ تو اس میں یہ قید رکھدی کہ اس دسترخوان پر وہی بیگم تشریف لا سکتی ہیں۔ جنہوں نے دوسرا نکاح نہیں کیا ہو۔

ایک اور روایت اِسی طرح بیان کی جاتی ہو کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ چیزیں بعد افطار نہایت شوق سے تناول فرماتی تھیں اس لئے بعض گھرانوں میں رمضان کی ۲۰ تاریخ کو بھی اس نیاز کا دسترخوان بچھایا جاتا ہو۔ اور ایک روایت ہو حضرت بی بی خاتونِ جنت نے وقتِ وفات وصیت فرمائی تھی کہ میری فاتحہ بھی اسی احتیاط سے اور ان ہی چیزوں پر ہو اور وہی بیبیاں کھائیں جو افضل ہیں۔ اِس امتحان کے لئے چونے کی کلیاں بھی رکھی جاتی ہیں جو خاتون بلند خاندان نہیں ہوتی ہو اس کی شرکت سے یا تو وہ خود اسی وقت خون کی قے کرکے مرجاتی ہو یا گھر والی بیوی کو بھگتنا پڑتا ہو۔

کیسے افسوس کی بات ہو کہ بعض باتیں ہم عورتوں کی طبیعتوں میں یہانتک جاگزین ہوجاتی ہیں کہ انکا دور کرنا نہایت دشوار ہوجاتا ہو۔ اگر کسی گھر میں یہ نیاز شریف ادا کیجائے جہاں اِس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھی اور اس کے بعد چند روز میں کوئی خلاف مرضی اچانک واقعہ ہوجائے تو کہا جاتا ہو کہ چونکہ حضرت خاتونِ جنت کو یہ نیاز مقبول نہیں ہوئی اِس لئے یہ ناگہانی واقعہ ہوا۔

یہ صرف تعلیم نہ ہونے کا سبب ہو کہ جو باتیں خدا کے اختیار میں ہیں وہ باتیں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا دختر حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف

انکی مرضی کے خلاف منسوب کرتی ہیں۔

کیا حضرت بی بی خاتون جنت یہ نہیں چاہتی ہیں کہ تمام مسلمان طبقہ نسواں کو جو دل سے اُن کا شیدائی ہے اور اپنے آپ کو انکی لونڈیوں کی لونڈیوں میں ہونا بھی فخر سمجھتا ہے۔ اپنی نیاز و فاتحہ سے یکساں مستفیض کریں۔ کیا آپ نے اسکا فائدہ خاص خاص گھرانوں اور خاص خاص لوگوں کے لئے رکھا ہے۔ یہ بات تو حضرت بی بی فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شان کے خلاف اور آپ کے حمیدہ خصائل اور ستودہ عادات سے کوسوں دُور ہے آپ کا فیض عام کوئی خاص طبقہ کے لئے مخصوص نہیں ہے ؎

ہوا کوئی نہیں محروم اُنکے خوانِ نعمت سے وہ کیوں تخصیص کرتیں بنت پیغمبر سلیم کر

میری معزز بہنو! نیاز کے لئے کوئی عزت اور ذات و شرافت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہر شخص بلا امتیاز مرد و عورت جس وقت چاہے نیاز کر سکتا ہے۔ ہاں ضرورت صرف نیت کی ہے کہ نیت خیر رہے۔ جب تمہاری نیت ہی ڈانواڈول ہے تو بیچارے فاتحہ دینے والے پر اور دعوت میں شریک ہونیوالی بیبیوں کی کیا شکایت ہے۔

میری لائق بہنو! اس سے میری غرض یہ ہے کہ آپ نیاز اس طرح کریں جو خدا و رسول کے حکم کے خلاف نہو۔ کیا ہمارا صرف سیدانی کہنا اور اپنے ہمجولیوں میں اپنا شجرہ نسب پڑھتے رہنا ہمارے بلند خاندان ہونے کے لئے کافی ہو سکتا ہے، وقتیکہ خدا اور اسکے رسول کے احکام کے موافق اپنے عادات و خصائل کو پسندیدہ و بنائیں اور حضرت خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی کے پاک حالات سے اور دوسری برگزیدہ بیبیوں کے عمدہ خصائل سے سبق حاصل نہ کریں۔ وہ اصلی شرافت جسکو ایسی لاکھ شرافتوں پر شرف ہے حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ہم ایک شریف بی بی کہلانے کے مستحق ہونگے۔

مسز محمد مظفر الدین

مسز الزبتھ فرائے

اٹھارھویں صدی کے آخری نصف حصّہ میں جان ہاورڈ نے انگلستان کے قیدخانوں کی اصلاح میں بیحد کوششیں کیں۔ مگر وُہ ہنوز اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہونے پایا تھا کہ سنہ ۱۷۹۰ء میں فوت ہوگیا۔ اُس زمانہ میں لنڈن کے "نیوگیٹ جیل" کی جو سنہ ۱۷۷۰ء میں اولڈبیلی میں تعمیر کیا گیا تھا بہت ناگفتہ بہ حالت تھی۔ اگرچہ یہ قیدخانہ اُس پہلے والے قیدخانہ سے جو گویا ہمیشہ بیماری کا گھر بنا رہتا تھا بدرجہا بہتر تھا۔ تاہم اُسکی بھی انتظامی حالت نہایت ناقص تھی۔ سزا یافتہ اور ناسزا یافتہ (زیر مقدمہ) قیدی بہت تاریک اور غلیظ کمروں میں جانوروں کی طرح ایک ساتھ رکھے جاتے تھے۔ اس سے صرف امراض ہی ترقی نہیں پاتے تھے بلکہ ارتکاب جُرم بھی بڑھتا تھا۔ جوان لڑکے جو اپنے آقاؤں کی چوریاں کرنے کے جُرم میں ماخوذ ہوتے تھے اُنہیں بھی خونی مجرموں کے ساتھ رکھا جاتا تھا، یہی حال اُن لڑکیوں کا تھا جو چھوٹی موٹی چوریوں کے جُرم میں قید کیجاتی تھیں۔ انہیں بھی حد درجہ کی خراب عورتوں کے ساتھ رہنا پڑتا تھا۔

جان ہاورڈ کی وفات کے کوئی بیس سال بعد لنڈن میں ایک نیک خاتون نے لاوارث اور مصیبت زدوں کی تکلیفات کو دُور کرنے اور اپنے وقت اور روپیہ کو اُنکی بہتری و بہبُودی میں صرف کرنے میں بڑا نام پایا تھا۔ جب اُس نے "نیوگیٹ جیل" کی دردناک حالت سُنی تو اس کے دل پر بہت چوٹ لگی۔ اُس نے فوراً ذمہ دار

حکام کو جیلخانہ کی حالت سدھارنے پر متوجہ کیا اور بچشم خود جیلخانہ کے حالات کا مشاہدہ کرنا چاہا۔

یہ نیک خاتون کون تھی؟ یہ وہی مسز الزبتھ فرائے تھی جسکا مختصر تذکرہ میں اپنی بہنوں کے سامنے پیش کرنا چاہتی ہوں۔ یہ ایک شریف انگریز کے گھر ۱۷۸۰ء میں پیدا ہوئی تھی۔ ماں کا سایہ اُس کے سر سے قبل از وقت اُٹھ گیا تھا۔ لڑکپن کے زمانہ میں اُسے گاؤں کے غریبوں اور بیکسوں سے ملنے اور انکے حالات دریافت کرنے کا بہت شوق تھا۔ اُس کا باپ بھی بڑا ہی نیک آدمی تھا۔ اُس کی یہ دلی خواہش تھی کہ میری بیٹی لائق عورت بنے۔ چنانچہ اس نے اُسے ایک اچھے راستہ پر ڈالدیا تھا۔ الزبتھ اپنے سترھویں برس میں تھی کہ اُس نے ایک مدرسہ کا اجرا کیا۔ پہلے تو اس کے مدرسہ میں صرف ایک لڑکا داخل ہوا۔ مگر تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں ستر طالب علم جمع ہو گئے۔ اپنی عمر کے انیسویں سال میں اُس نے مسٹر جوزف فرائے سے نکاح کر لیا۔ اولاد کی طرف سے الزبتھ بھی اپنے والدین کی طرح بہت خوش نصیب نکلی۔ چنانچہ اُس کے یہاں بھی گیارہ بچے پیدا ہوئے بچوں کی اس نے نہایت ہوشیاری سے خبرگیری کی۔ انکی چھوٹی چھوٹی تکلیفوں میں بھی خود ہی دیکھ بھال کرتی تھی۔ گھر کا حساب وکتاب بہت باقاعدہ رکھتی تھی یعنی خانہ داری۔ باغ۔ خیرات وغیرہ سلیقے اور ترتیب سے علیحدہ علیحدہ لکھتی تھی۔ اپنے ملازموں کو وہ بہت خوش رکھتی تھی اور اگرچہ کبھی کبھی انکی خطاؤں سے چشم پوشی بھی کر جاتی تھی۔ تاہم انتظام میں ذرا بھی فرق نہیں پڑنے دیتی تھی۔ مستورات کی عام عادت کے مطابق وہ کبھی کسی کو برا بھلا نہ کہتی تھی۔ بلکہ اپنے

چلن کا اُسے بہت خیال رہتا تھا۔ دُعا و نماز کی وُہ بہت پابند تھی اور ہمیشہ خُدا سے مدد اور رہنمائی کی درخواست کیا کرتی تھی۔

۱۸۱۳ء میں پہلی مرتبہ مسز الزبتھ فرائے نے اولڈبیلی کے "نیوگیٹ جیل" کو دیکھا۔ جو باتیں یہاں کے بارے میں سُنی تھیں۔ اُن سے بھی بدتر حالت میں پایا۔ چار کمروں میں قریبًا تین سو مستورات معہ اپنے بچوں کے کھچا کھچ بھری ہُوئی تھیں۔ کپڑا اُن کے پاس کافی نہ تھا بلکہ چیتھڑے پہنے ہُوئے تھیں۔ اُنکی اخلاقی حالت اس درجہ خراب تھی کہ جو کوئی اُدھر آنکلتا تھا اُس سے شراب کے لئے خیرات مانگتی تھیں۔ بلکہ جو کچھ ہاتھ لگتا جبرًا چھین لیتی تھیں۔ چنانچہ داروغہ جیل نے مسز الزبتھ فرائے سے درخواست کی کہ "مہربانی فرما کر اپنی جیب گھڑی دفتر ہی میں چھوڑ جائے۔ کیونکہ اندیشہ ہے کہ میری موجودگی میں بھی آپ کی گھڑی جاتی رہے" اس نیک خاتون نے بہت دیر تک یہاں کی حالت کا ملاحظہ کیا اور جب واپس چلی گئیں تو سر ٹامس فاؤل بکسٹن سے کہا کہ

> "وہاں کے چشم دید مشاہدات کا تذکرہ مختصر الفاظ میں کرنا بالکل ناممکن ہے اور جو کچھ میں بیان کرتی ہُوں اُسکو محض ایک دُھندلی تصویر سمجھئے بند اور گھٹی ہُوئی کوٹھریوں کی غلاظت۔ مستورات کی آپس میں تُندمزاجیاں اور شرارتیں ناقابلِ بیان ہیں"۔

رہنا سہنا۔ کھانا پکانا۔ نہانا دھونا۔ الغرض سب کچھ ایک ہی کمرہ میں ہوتا تھا۔ ایک پمپ بھی وہاں لگا ہُوا تھا۔ مگر پانی قیمتًا ملتا تھا۔

شروع میں جب مسز الزبتھ فرائے نے قید خانہ کی یہ دردناک حالت

دیکھی تو اُسوقت ناممکن تھا کہ حکام اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں۔ لیکن اس کی متواتر تین سال کی کوششوں اور محنتوں کے بعد کچھ کچھ آثارِ امید نظر آنے لگے۔

وُہ پھر جیلخانہ کی اُن گندی اور غلیظ کوٹھریوں میں گئی۔ بلکہ اس دفعہ اپنی ہی درخواست پر چند گھنٹوں کے لئے قیدی مستورات کے ساتھ بند رہی۔ داروغہ جیل نے لاکھ سمجھایا "آپ اُن کے ساتھ تنہا نہ رہیں کیونکہ ممکن ہو کہ وُہ آپ پر حملہ کرکے آپ کو گزند پہنچائیں" مگر اس نے ایک نہ مانی۔ اس کی خوش خلقی، حلیم اطواری اور سرگرمی نے اُن مجرم مستورات کے دلوں پر جن میں سے بعض وحشی جانوروں کی مانند تھیں بہت اثر کیا۔ انہیں یقین ہو گیا کہ الزبتھ فرائے جو کچھ کہتی اور کرتی ہے۔ اس میں سراسر ہمارا ہی فائدہ ہے۔ چنانچہ وہ سب غور اور توجہ کے ساتھ اُس کا کلام سنتی رہیں۔

مسز الزبتھ فرائے نے قیدیوں کی خراب حالت کو درست کرنے اور اُن کو مدد پہنچانے کی غرض سے ایک "انجمن نسوان" بھی قایم کی اور حکام و افسران جیل سے قید خانہ میں کام کرنے کی اجازت حاصل کرکے کام کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس انجمن کے مقاصد یہ تھے کہ جیل خانہ میں دینی و دنیوی تعلیم دیجائے۔ قیدیوں میں اچھی عادات و اطوار پیدا کئے جائیں اور جو قیدی رہا ہوں کوشش کرکے اُنکو کہیں نہ کہیں ملازم رکھا دیا جائے۔ جس وقت یہ مفید کام شروع کیا گیا تھا۔ تو بہت سے بڑے بڑے آدمیوں نے اس کی مخالفت کی اور روکنا چاہا۔ اُن کی نگاہ میں مسز الزبتھ فرائے "کسی سڑی" سے کم نہ تھی۔ اُن لوگوں کے خیال میں یہ بات جمی ہوئی تھی کہ جس جگہ مجرم رکھے جائیں۔ اُسے آرام دہ جگہ بنانا گویا مجرموں کی تعداد کو بڑھانا ہے۔

لیکن مسز الزبتھ فرائے اور اُن کی مددگار اِن مخالفتوں سے پسپا ہونیوالی نہ تھیں
اُنہیں یقین تھا کہ اگر پیار اور محبت سے کام لیا جائے تو خراب سے خراب مستورات
بھی اچھی عادات اختیار کر سکتی ہیں ۔

جب لگاتار کوششوں کا سلسلہ جاری رہا تو مسز الزبتھ فرائے کو بہتری کی صورت
نظر آنے لگی اور اس سے وُہ بیحد محظوظ ہُوئی ۔ قیدیوں میں جو تبدیلی واقع ہُوئی تھی
اس کا ذکر مسٹر بکسٹن اس طرح کرتے ہیں کہ :۔

"اُن میں (قیدیوں میں) اب دنگہ و فساد ۔ بدمعاشیوں اور بُری عادتوں
کے بجائے نیک عادات و اطوار اور اخلاق نظر آتے ہیں ۔ پہلے
کی طرح اب شرابیوں کا جتھا نہیں دیکھا جاتا ۔ اور نہ اب فحش اور واہیات
گیت گائے جاتے ہیں ۔ اِسی جیلخانہ کی نسبت یہ کہا جاتا تھا کہ
یہ دُنیا کا دوزخ ہے ۔ مگر اب یہی ایک اچھا خاندان اور صنعتی کارخانہ
بن گیا ہے"!

حکّام اور افسرانِ جیل قیدیوں کی اِس تبدیل شدہ حالت کو دیکھ کر سخت متعجب
ہُوئے ۔ مسز الزبتھ فرائے کی اب حوصلہ افزائیاں ہونے لگیں ۔ سب لوگ اسکی
عزت و تعظیم کرنے لگے ، حتیٰ کہ اُسے دعوت دیگئی کہ وُہ "ہاؤس آف کامنس" کے
اجلاس کے روبرو قواعدِ جیل کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کرے ۔ ملکہ شارلٹ'
ڈیوک آف کناٹ اور شاہی خاندان کے دیگر ممبران نے اس کا نہایت پُرتپاک
خیر مقدم کیا ۔

مسز الزبتھ فرائے کی کوششیں صرف اِنگلستان ہی میں محدود نہیں ہیں ۔ بلکہ اُنہوں نے

انگلینڈ، سکاٹلینڈ کے قید خانوں اور پاگل خانوں کو دیکھنے کے علاوہ فرانس اور جرمنی کے قید خانوں کا بھی ملاحظہ کیا اور اُنکی بہتری و بہبودی میں حتی الامکان کوئی دقیقہ نہ اُٹھا رکھا۔ شاہ ڈنمارک اور انکی ملکہ اس کے کاموں سے بہت خوش ہوئے اور یہانتک اس کی عزت افزائی کی کہ اُسے اپنے ساتھ کھانے میں شریک کیا

مسز الزبتھ فرائے کو چونکہ اب اعلیٰ اور خاندانی مستورات سے امداد ملنے لگی تھی اس لئے کام نے بہت عمدہ صورت اختیار کر لی تھی۔ اور صرف قیدیوں کے ساتھ برتاؤ ہی میں نہیں بلکہ قید خانہ کی عمارت۔ انتظام اور جلا وطنی کے بارے میں بھی بہت کچھ مفید تبدیلیاں ہوگئی تھیں۔ ان حالات سے مسز الزبتھ فرائے کو بہت خوشی ہوئی۔

جیلخانہ کی اصلاح کے علاوہ مسز الزبتھ فرائے نے مجرموں کو لیجانے والے جہازوں اور جہاں اُنہیں آباد کیا جاتا تھا اُن بستیوں کے انتظامات میں بھی عمدہ حصہ لیا۔ اس کی کوشش سے ایک خلق دوست انجمن قائم ہوگئی جس نے ایسی عورتیں مہیا کیں جو بحری سفر میں مجرموں کی دیکھ بھال کریں۔ اسکی کوشش سے وُہی جہاز جو پہلے گناہ اور بدمعاشیوں کے نظارے تھے نیک تربیت پانے کے مدرسے بنگئے۔ نیز اُس نے قیدیوں۔ غریبوں۔ سپاہیوں اور ملاحوں کے لئے کتب خانے قائم کرانے کی بھی کوشش کی؛ خود بھی اُس نے کئی کتابیں تصنیف کیں جو بہت کارآمد اور مفید ثابت ہوئیں۔

اُس میں ہمدردی کا مادہ اس درجہ تھا کہ اُس سے کسی کی تکلیف نہ دیکھی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ وُہ گاڑی میں سوار ہو کر کہیں جا رہی تھی کہ اثنائے راہ میں

ایک مجروح گاڑیبان نظر آیا۔ وُہ فوراً گاڑی سے اُتری اور اُس کے سر پر پٹی باندھی۔ اور ایسی ہمدردی کی کہ گویا وُہ اسی کا بیٹا ہو۔ تیمارداری وُہ بہت اچھی طرح کرتی تھی اور چھوٹی سے چھوٹی خدمت کی انجام دہی کے لئے بھی ہر وقت تیار رہتی تھی۔

بُڑھاپے میں وُہ سمندر کے کنارے پر رہنے لگی تھی اور باوجودیکہ چلنے پھرنے کی اس میں طاقت نہ تھی تاہم وُہ ایک پہیہ دار کرسی پر بیٹھ کر باہر جاتی۔ رسالے اور کتابیں بانٹتی اور ملاحوں سے گفتگو کیا کرتی تھی۔ آخر اُس کا بھی وقت آپہنچا۔ اکتوبر ۱۸۴۵ء کے ایک اتوار کی صبح کو اُس نے اپنی خادمہ سے کہا "پیاری مریم! مَیں بہت بیمار ہُوں۔ میرے لئے دُعا کرو! لیکن میں خطرہ سے محفوظ ہوں"۔ تھوڑی دیر بعد اُس کی زبان سے یہ الفاظ نکلے کہ "اے میرے پیارے خداوند! اپنی خادمہ کی مدد اور حفاظت کر!!" یہی اس کے آخری الفاظ تھے۔ اُس پر ایک بیہوشی طاری ہُوئی اور بہت جلد ابدی آرام میں داخل ہو گئی۔

مسز الزبتھ فرائے اب اس دُنیا میں نہیں ہو۔ لیکن اس کے کام اب بھی جاری ہیں۔ بہت سے ممالک میں اس کی جاری کردہ تحریک اب تک قائم ہو۔ اور یہی اُس کی وہ نہ مٹنے والی یادگار ہو۔ جو ابدالآباد تک دستبردِ زمانہ سے محفوظ رہتی چلی جائیگی۔

کاش! میری ہندوستانی بہنیں مسز الزبتھ فرائے کی قابلِ قدر اور قیمتی زندگی سے کوئی مفید اور کارآمد سبق حاصل کریں!!!

ح۔م۔ب

لباس

قیامِ صحت کے لئے اور بیرونی گرمی سردی ونمی وغیرہ سے جسم کو محفوظ رکھنے کے لئے لباس ضروری چیز ہی۔ خارجی گرمی یا سردی سے انسان کا جسم بہت متاثر ہوتا ہی۔ اس لئے اس کی حفاظت نہایت ضروری ہی۔ قدرت کا قاعدہ ہی کہ جب ایک گرم چیز اور ایک سرد چیز ایک جگہ پاس پاس رکھی جائیں تو گرم چیز کی گرمی سرد چیز میں جذب ہو کر دونوں کی حرارت مساوی ہو جاتی ہی۔ یہی سبب ہی کہ موسم سرما میں اگر جسم محفوظ نہ ہو تو اس کی حرارت بالکل زائل ہو جاتی ہی اور موسم گرما میں بہت بڑھ جاتی ہی۔

اگر بلحاظ تبدیلات موسم لباس پہنا جائے تو حرارتِ غریزی جس پر بقائے صحت وزندگی منحصر ہی بخوبی قائم رہتی ہی۔ پس یہ ضروری ہی کہ لباس موسم کے موافق ہو

ہندوستان میں موسم گرما میں سوتی کپڑے پہننا مفید ہی۔ کیونکہ ان میں مسامات ہوتے ہیں اور جسم کا پسینہ بذریعہ تبخیر ان میں سے نکلتا رہتا ہی اور جسم سرور رہتا ہی مگر نہایت باریک ململ وغیرہ کے کپڑے پہننا مضر ہی کیونکہ گرمی کی لو سے جسم کا پسینہ فوراً خشک ہو جاتا ہی اور جلد گرم ہو جاتی ہی۔ موسم گرما میں رنگ کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ سفید رنگ سب سے عمدہ رنگ ہی کیونکہ یہ حرارت کو جذب کرتا ہی۔

موسم برسات میں قمیص یا کرتہ باریک فلالین کا ہو تو بہتر ہی۔

ریشمی اور اونی کپڑے چونکہ حرارتِ جسم کو محفوظ رکھتے ہیں اس لئے سردی میں مفید ہیں۔ تبدیلِ موسم میں خصوصًا اپنے جسموں کو محفوظ رکھنا چاہیے سردیوں کے گرم کپڑے موسم بہار میں فورًا نہ بدل دیں بلکہ رفتہ رفتہ بدلیں تاکہ تغیر موسم کا جسم پر مضر اثر نہو۔ سردی میں گلوبند کی عادت نہ ڈالنی چاہئے۔ پھر بغیر گلوبند کے ذراسی سردی سے زکام ہوجانے کا اندیشہ ہے۔

لباس بہت چُست نہیں پہننا چاہئے۔ گریبان ہرگز تنگ نہ ہو جُوتی بھی ہمیشہ ٹھیک پہننی چاہئے۔ تنگ جُوتی نہ صرف پاؤں کو تکلیف دیتی ہے بلکہ دورانِ خون بند ہونے سے دماغ تک اثر پہنچنے کا اندیشہ ہے۔

بیگم یعقوب علیخاں (ڈیرہ دُون)

ایک ضروری اعلان :۔ ہمارے پاس اکثر ایسے خطوط پہنچتے ہیں کہ بعض بہنوں کو عصمت خریدنے کا شوق تو ہے۔ لیکن کم استطاعتی کی وجہ سے پورا چندہ دینے سے معذور ہیں۔ کچھ مزید رعایت سے پرچہ اُنکے نام جاری کیا جائے۔ موجودہ قیمت میں ہم کوئی گنجایش نہ دیکھکر عمومًا اس تعمیل سے قاصر رہتے ہیں۔ لیکن اب یہ دیکھکر کہ بہت بڑی تعداد ایسی پڑھنے والی بہنوں کی عصمت کے مطالعہ سے محروم ہے۔ ہم نے یہ طے کیا ہے کہ سال نو سے مخزن کی طرح عصمت کی بھی قسم دوم جاری کردیجائے جسقدر عصمت کی اشاعت کا حلقہ وسیع ہوگا اسیقدر زیادہ اسکے ذریعہ سے ہمیں خدمت کرنیکا موقع ملیگا۔ قسم دوم بلا تصویر ہوگی کاغذ معمولی اور قیمت صرف ۲؎ سال بھر کے لئے۔ اس سے زیادہ رعایت ہم اور کیا کرسکتے ہیں۔ اب بھی کوئی شخص عصمت کے مطالعہ سے محروم رہے تو ہمارا قصور نہ سمجھا جائے۔

تعلیمِ نسواں کیونکر ہونی چاہیئے

مہذب مُسلمانوں نے مان لیا ہو کہ تعلیم نسواں ضرور بالضرور ہونی چاہیئے۔ مگر وہ کیونکر اور کس طرح ہو۔ اِس میں انکی رائوں میں بڑا اختلاف ہو۔ تعلیم نسواں کا شوق ہندوستان کے مغربی تعلیم یافتہ لوگوں کو ہو وہ بھی سمجھتے ہیں کہ تعلیم نسواں کا طریقہ بالکل مغربی یعنی یورپی ہونا چاہیئے۔ اِسی سے کامیابی ہوگی شاید ایسا ہو مگر انکو تعلیم نسواں میں اپنے اسلامیہ اقوام کے طریقۂ تعلیم نسواں کو بھی ملحوظ رکھنا ضرور ہو۔ اگرچہ کبھی کسی زمانہ میں کسی مُلک میں مُسلمانوں میں تعلیم نسواں کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ ہوا۔ یہ اور بات ہو کہ بعض خاتونان بزرگ اپنی استعدادِ خداداد کے سبب سے دُنیا میں اپنے علامۂ عصر ہونے کی یادگار چھوڑ گئی ہیں جس پر مُسلمانوں کو بڑا فخر ہو۔ مگر مُسلمانوں کے ہاں بچوں کی تعلیم کا انتظام ایسا رہا ہو کہ جس میں انکو نہایت کامیابی ہوئی ہو۔ ابن خلدون جو علمِ تاریخ کے سائنس بنانے کا موجد ہو۔ وہ بیان کرتا ہو کہ مُلکِ عرب میں بچوں کی تعلیم کے دو طریقے تھے۔ سب سے اوّل طریقہ یہ کہ لڑکوں کو پہلے ہی سے قرآن مجید پڑھانا شروع کراتے تھے اور اُس کے ساتھ ہی لکھنا سکھاتے تھے۔ اسی طرح سے قرآن مجید کے ختم ہونے کے ساتھ ہی ضروری نوشت خواند میں لڑکوں کو مہارت ہو جاتی تھی۔ دُوسرا طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے اَور کتابیں پڑھاتے تھے اور لکھنا بھی ساتھ ہی سکھاتے

تھے جب لڑکوں کو کچھ لیاقت ہو جاتی تھی تو قرآن شریف پڑھانا شروع کرتے تھے۔ اُنکے نزدیک نہایت نامناسب تھا کہ تعلیم میں قرآن مجید کو پہلی کتاب بنائیں جس کے سمجھنے کی قابلیت لڑکوں میں کم عمری میں ہرگز نہیں ہوتی۔ گو انکی زبان عربی ہوتی تھی۔ مگر جب وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ پڑھتے تھے تو وُہ اسکو ہرگز نہیں سمجھتے تھے کہ اس کے معنے کیا ہیں۔ طوطے کی طرح سے قرآن شریف پڑھانا بڑا گناہ جانتے تھے اِس لئے لڑکوں میں جب تک اِستعداد قرآن سمجھنے کی نہ ہو تو قرآن کریم کی تعلیم کچھ مفید نہیں۔

بڑی دِقت یہ ہو کہ ہندوستان ملکِ عرب نہیں ہے۔ کہ اس کی زبان وہی ہو جو قرآن کریم کی زبان ہے۔ یہاں اس کا خط نسخ ہے۔ جو ہماری نوشت خواند میں مروج نہیں۔ یہاں جو خط نوشت وخواند میں مروج ہے۔ وُہ نستعلیق ہے۔ بس ملک عرب کے دونوں طریقوں کی یہاں لڑکیوں کی تعلیم اسی طرح ہوسکتی ہو۔ کہ جب لڑکیاں قرآن شریف شروع کریں تو اس کے ساتھ نستعلیق خط کی مشق بھی شروع کریں اور اس کے ساتھ کوئی اُردو کی کتاب بھی پڑھنی شروع کریں۔ تاکہ قرآن شریف کے ختم ہونے تک اُن کو اُردو لکھنے پڑھنے میں مہارت ہوجائے۔ تاکہ آیندہ اُن کی تعلیم میں آسانی ہوجائے۔ یہ نہایت بُرا طریقہ ہے کہ قرآن شریف طوطے کی طرح پڑھایا جاتا ہے۔ اور اس کے ساتھ اردو نوشت وخواند کی لیاقت نہیں ہوتی۔ صرف قرآن شریف کے بن سمجھے

پڑھنے میں برسوں صرف ہوجاتے ہیں۔ اور لکھنے پڑھنے کا کام نہیں آتا پس تعلیم نسواں میں قرآن شریف کا آغاز اور اُردو نوشت خواند ساتھ ساتھ ہونا چاہئے۔ جب اُردو کی نوشت خواند میں استعداد حاصل ہوجائے تو قرآن شریف کا ترجمہ پڑھایا جائے۔ اگر لڑکیوں کو کچھ استعداد نہ ہوگی تو الحمدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کا پڑھنا اور اُس کا ترجمہ سب تعریف خدا کے واسطے ہے جو دونوں جہانوں کا رب ہے۔ اصل اور ترجمہ دونوں ایک حکم رکھتے ہیں۔ لڑکیاں کی سمجھ میں دونوں نہیں آتے۔ بس سب سے بہتر طریقہ قرآن شریف کی تعلیم کا یہی ہے جو میں نے اوپر بیان کیا ہے اور ممالکِ اسلامیہ میں اس کا رواج تھا۔ ہر مدرسہ نسواں میں قرآن شریف کا پڑھانا مسلمان بڑا فرض سمجھتے ہیں لیکن اس طرح سے وُہ تعلیم کراتے ہیں کہ اس میں بہت عمر ضائع ہوجاتی ہے۔ اور کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ بس تعلیم نسواں میں لڑکیوں کے لیئے قرآن شریف کی تعلیم جو ملکِ عرب میں لڑکوں کے لئے مسلمانوں نے اختیار کی تھی وُہ اختیار کرنی چاہئے۔

اگر مناسب ہُوا تو آیندہ اور تعلیم نسواں کے قدیم اور جدید طریقوں کی بابت بھی لکھونگی۔

اُمید ہے کہ میرے اس مضمون کو اہلِ اخبار اور رسائل اپنے اپنے قیمتی کالموں میں جگہ دیکر ممنون فرمائینگے +

سُلطان بیگم
(از دلی)

بچّوں کی پرورش

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

بچّوں کی خوراک حتی المقدور بچّہ کے لئے ماں کا ہی دُودھ مناسب ہے۔ اگر کسی وجہ سے ماں کا دُودھ نہ دے سکیں تو انّا کو مقرر کرنا چاہیئے لیکن اس بات کا خیال ضرور ہے کہ انّا شریف اور نیک اطوار ہو کیونکہ دُودھ کا بڑا اثر بچّہ پر ہوتا ہے۔ انّا کو صفائی کی خاص تاکید ہونی چاہیئے۔ پاک صاف رہنا جلد جلد غسل کرنا سویرے اُٹھنا رات کو پُوری نیند سونا دُودھ پلانے والی کے لئے نہایت ضروری ہے بیکار رہنا ٹھیک نہیں۔ کسی کام کاج میں مصروف رہنا چاہیئے تاکہ کچھ ورزش ہوتی رہے۔ طبیعت کو خوش و خورم رکھنا چاہیئے رنج غم غصّہ فکر خوف وحشت پریشانی کی حالت میں دُودھ پلانا مناسب نہیں۔ اس سے تشنج و دیگر خرابیوں کا اندیشہ ہے۔ انّا کی صحت کا خیال بہت ضروری ہے۔ مریضہ کا دُودھ ہرگز مناسب نہیں۔ دُودھ پلانے والی کو قبض بدہضمی وغیرہ نہ ہونے پائے۔ انّا کی بدہضمی سے اکثر بچّوں کو بہت نقصان پہنچتا ہے۔ دُودھ پلانے والی کو کسی نشہ کی چیز کا استعمال ٹھیک نہیں۔ انّا کی غذا کا خیال بھی ضروری ہے۔ غذا مقوی زود ہضم ہونی چاہیئے اور وقتِ مقررہ پر دیجائے۔ بچّوں کی غذا میں وقت کی پابندی کا بہت خیال رکھنا چاہیئے۔ اکثر جاہل مائیں بچّہ کے رونے سے خواہ وُہ بدہضمی یا دیگر تکلیفوں سے ہی

کیوں نہ ہو بار بار دُودھ پلاتی جاتی ہیں جس سے بچوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ شروع میں چونکہ بچہ بہت کمزور ہوتا ہے ایک وقت میں کافی دُودھ پی نہیں سکتا۔ اس لئے جلد جلد پلانے کی ضرورت ہوتی ہے لیکن دس دن کے بعد ایک دو گھنٹے میں ایک وقت سے زیادہ پلانا نہ چاہیئے اور جب دو تین ماہ کا ہو جائے تین چار گھنٹے کا فرق ضرور ہو۔ دُودھ پلانے کے لئے سوتے بچے کو جگانا سخت غلطی ہے۔ اگر تندرست وحسب دلخواہ انا دستیاب نہ ہو تو گائے کا دُودھ پلانے میں مضائقہ نہیں لیکن صفائی اور احتیاط شرط ہے۔ دودھ تازہ ہو۔ دُودھ کے کل برتن کھولتے ہوئے پانی سے اچھی طرح صاف کئے جائیں۔ عمر کے لحاظ سے دُودھ میں چونے کا زلال جسکو لائم واٹر کہتے ہیں ملانا ضروری ہے۔ اس سے دُودھ جلد ہضم ہو جاتا ہے یا تھوڑی سی چینی ملانا بھی مفید ہے۔ بہت ٹھنڈا دودھ ہضم نہیں ہوتا اس لئے دودھ نیم گرم ہونا چاہیے آجکل حکمت کی رُو سے بیماری کا باعث میکروبس کہلاتے ہیں۔ یہ بہت باریک کیڑے ہوتے ہیں جو ہوا میں پھیلے ہوئے ہیں اور بغیر خوردبین کے نظر نہیں آتے۔ حتی المقدور بچوں کے دودھ کو ان موذی کیڑوں سے بچانا چاہیئے۔ گرم کرنے سے یہ بہت جلد مر جاتے ہیں۔ دُودھ کو اچھی طرح گرم کرنے کے بعد صرف برتن ڈھانک دینے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ شیشیوں میں ڈالکر رکھنا چاہیئے۔ گرم ہونے کے بعد دودھ کو ہاتھ سے نہ چھونا چاہیئے ورنہ ہاتھ کو لگے ہوئے چند چھوٹے میکروبس دُودھ میں ملجائینگے جو بہت مضر ہیں۔ دُودھ کبھی کھُلا نہ رکھنا چاہیئے۔ چمچوں سے بچوں کو دُودھ پلانا مناسب نہیں۔ اس سے ہاضمہ میں فتور آجائیگا۔ فیڈنگ[1] بوتل مناسب ہے۔

[1] جس شیشی سے بچوں کو دودھ پلاتے ہیں۔

لیکن اس بات کا خیال نہایت ضروری ہو کہ بوتل صاف ہو۔ صرف ٹھنڈے پانی میں دھونے سے میکروبس نہیں مرینگے۔ دس منٹ کھولتے ہوئے پانی میں بوتل اور نپل رکھنا چاہیئے۔ جب سب میکروبس مرجائینگے گرم کیا ہوا دودھ بغیر ہاتھ سے چھوئے بوتل میں ڈال کر پلائیں۔ ایک وقت کا پلایا ہوا دودھ بوتل میں رکھ چھوڑ کر دوسرے وقت نہ پلائیں۔ دودھ پلانے کے بعد فوراً شیشی صاف کرنی چاہیئے تاکہ دودھ جمنے نہ پائے۔ دودھ پلانے سے پہلے کھولتے پانی میں بوتل نپل وغیرہ اچھی طرح صاف کریں۔ جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے اگر اتنی احتیاط کیجائے تو پھر آنا کی ضرورت نہ ہوگی۔ گائے کا دودھ ہی کافی ہو۔ بازار میں جو ملتے ہیں اُنمیں تین قسم کے دودھ بچوں کے لئے مفید ہیں۔ سٹرلیٹڈ ملک Sterilized milk پاؤ سیر کا ڈبا ایک سال کی عمر کے بچے کے لئے ایک دن کے لئے کافی ہے۔ چارلس الٹر ملک۔ یا لنبرس فوڈ نمبر ایک نمبر دو وغیرہ یہ دودھ بچوں کے لئے مفید ہیں۔ مگر قیمتی ہیں۔ ماں دودھ پلانے کی حالت میں اگر کمزور ہو تو نو دس مہینے یا سال ڈیڑھ سال تک دودھ پلائے۔ دودھ ایک دم چھڑانا مناسب نہیں۔ بتدریج چھڑائیں۔ دانت نکلنے سے پہلے بچے صرف دودھ ہی پر رکھے جائیں۔ دوسری کوئی غذا ہرگز نہ دینی چاہیئے۔ دانت نکلنے کے بعد اگر ضرورت ہو تو ساگو دانہ اراروٹ دودھ میں پکا کر دے سکتے ہیں لیکن ایک سال کی عمر تک دودھ بھی بچوں کے لئے کامل خوراک و بہترین غذا ہو۔ ایک سال تک ایسی غذا جس میں نشاستہ ہو بچوں کو ہرگز نہ دینا چاہیئے۔ گو کہ اس عمر میں دانت نکل آتے ہیں لیکن بچہ اس کا استعمال ٹھیک طور پر نہیں جانتا اور بغیر چبائے

اس سے مٹھاس نہیں بن سکتی - اِس لئے اس عمر میں چبانے کی غذا دینی سخت غلطی ہو۔
ایک سال بعد دودھ میں پڑی ہوئی گیہوں کا دلیا گلی ہوئی کھچڑی کلتھی گلی ہوئی شیر برنج
دودھ میں بھگو کر نان پاؤ اسی قسم کی نرم غذائیں بعد چندے کچھ کچھ ترکاری ساگ
پات پھل انڈے شوربا دے سکتے ہیں - جوں جوں بچہ بڑھتا جائے اسکی غذا میں
تبدیلی ضرور ہی لیکن ہر حالت میں وقت کی پابندی کا خیال بہت ضروری ہے۔ ان
سب فائدوں کے علاوہ بچہ بچپن سے ہی وقت کا پابند ہوتا ہی جو چیز دینی ہو وقت
مقررہ پر دینی چاہیئے - ہر انسان کے لئے سادہ و ہلکا کھانا مفید ہی - خصوصًا
بچوں کے لئے تو ضرور ہلکی و سادہ غذا ہونی چاہیے - بچوں کی خوراک میں تیز نمک
مرچ چٹنیاں چکنائی مٹھائی وغیرہ مناسب نہیں - پُرتکلف کھانے بھی بچوں کے
لئے مضر ہیں - بچوں کا کھانا علیٰحدہ پکنا چاہیئے - والدین کو اپنے کھانے میں بچوں
کو شامل کرنا مناسب نہیں - جب بڑے ہوجائیں اس وقت شریک کریں - بچوں کو
بہ نسبت پوری عمر کے آدمیوں کے زیادہ غذا کی ضرورت ہے - کیونکہ جوانوں
کو اسی قدر خوراک کی ضرورت ہی جس قدر کہ سرمایہ چلنے پھرنے کام کاج سانس
وغیرہ سے خرچ ہوتا ہی لیکن بچوں کو ایک تو خرچ شدہ سرمایہ کا معاوضہ اور دوسرے
نشوونما کے لئے درکار ہی پس چاہیئے کہ بچوں کو بڑوں کی نسبت جلد جلد و مناسب
اوقات پر غذا دیں - آٹھ نو سال کے بچوں کو بھی بڑوں کے برابر غذا دینی مناسب
نہیں - مقوی زود ہضم غذا تھوڑی تھوڑی مناسب اوقات پر دینی چاہیئے رات
کا کھانا سونے سے دو تین گھنٹے قبل کھلائیں - کھانے کے درمیان بار بار پانی دینا
مناسب نہیں عمدہ دودھ بچوں کو استعمال کروانا چاہیئے - کافی چائے وغیرہ مضر ہیں

صحت کے لحاظ سے بہ نسبت فرش کے میز پر کھانا کھلانا مفید ہی۔ کھانے کے لئے جھک کر بیٹھنے سے معدہ سیدھا نہیں رہتا۔ غذا معدہ میں اچھی طرح دورہ نہیں کر سکتی۔ ہاضمہ کا عمل ٹھیک طور پر نہیں ہوتا۔ فرش پر جھک کر بیٹھنا پڑتا ہی۔ کرسی پر میز کی بلندی کے سبب سیدھا ہی بیٹھنا پڑتا ہی اور یہ صحت کے لئے بہت مفید ہی۔ خوراک میں بچپن سے پابندی اوقات کا خیال نہایت ضروری ہی منہ جھٹنا لئے سے ہاضمہ بگڑجاتا ہی۔ جہانتک ہوسکے ماؤں کو سخت کوشش کرنی چاہیئے کہ بچوں کا ہاضمہ بگڑنے نہ پاوے۔ غالباً ہندوستان میں بچے دوسری بیماری سے اس قدر نہ مرتے ہونگے جس قدر کہ بدہضمی و معدہ کی خرابی سے۔ اگر بچ بھی رہیں تو ہمیشہ کے لئے روگی مریض ہوجاتے ہیں۔ معدہ کل اعضا کا گویا حاکم ہی۔ اگر معدہ تندرست نہ ہو تو دل دماغ جگر گردے وغیرہ وغیرہ غرضکہ کل اعضا کمزور ہوجاتے ہیں اور انکے افعال میں خرابی آجاتی ہی۔ بدہضمی گو کہ ہندوستان میں معمولی و عام مرض ہی لیکن دراصل بدہضمی کو کل بیماریوں کی ماں سمجھنا چاہیئے۔ بدہضمی سے بڑھکر کوئی شئے صحت کی خوشی کی زندگی کو تلخ نہیں کرتی۔ بدہضمی سے وُہ وُہ بیماریاں پیدا ہوتی ہیں جو جان لیکر آدمی کا پیچھا چھوڑتی ہیں۔ جتنی بیماریاں ہندوستان میں ہوتی ہیں وُہ عموماً اسی معدہ کی خرابی سے۔ اگر معدہ درست ہو تو کوئی مرض غلبہ نہیں پاسکتا۔ ایک حکیم کا قول ہی کہ اگر لوگ پیٹ کی حفاظت کریں تو کل طبیب بیکار ہوجائیں مختصر یہ کہ ماں کو پورے طور پر بچوں کے پیٹ کی حفاظت کرنی چاہیئے۔ بچوں پر اس بات کی بھی تاکید ہونی چاہیئے کہ غذا بہت باریک چبا کر کھائی جائے کیونکہ بغیر چبائے لُعاب دہن جو ہاضمہ کا معاون ہی اور ہاضمہ کے لئے نہایت ضروری ہی غذا میں شامل نہیں ہوتا۔ بغیر اسکے غذا ہضم نہیں ہوسکتی۔ ہاضمہ میں فتور آجاتا ہی جو سب خرابیوں کی جڑ ہے ◆

(باقی آیندہ) خاکسار رابعہ بیگم۔

ماں باپ کی فرماں برداری

منشی فیض الدین صاحب دہلوی نے اپنی تصنیف سگھڑ سہیلی میں سے یہ ایک اقتباس نمونہ کے طور پر ہمیں عنایت کیا ہے۔ اور ہم اسے لڑکیوں کے لیے مفید سمجھ کر ان اوراق میں جگہ دیتے ہیں۔

ماں باپ کو اپنے سر پر بہت غنیمت جانو۔ ایسے شفیق دنیا میں میسر نہیں آتے۔ ایسے اپنے چاہنے اور جان چھڑکنے والے آنکھیں بچھانیوالے۔ تمہاری چلتی راہ پر سے قربان ہونیوالے دم دم کی خیر منانیوالے۔ پیدا نہیں ہوتے۔ دیکھو کیسے کیسے جتن تمہارے لیئے کرتے ہیں۔ کیا کیا اپنے اوپر جفا کفا اٹھاتے ہیں۔ ذرا سا تمہارا جیوڑا اَن منا ہو جاوے یا بال بیکا ہوئے۔ انہیں رات کی نیند حرام ہوئے۔ دن کی بھوک اڑ جائے۔ سارا عیش و آرام تلخ ہو جائے دنیا آنکھوں تلے اندھیر ہو جائے۔ رات کو رت جانیں اور نہ دن کو دن سمجھیں۔ کلیجہ پکڑے پکڑے پھریں۔ حکیم طبیب ملا سیانوں کی دوڑ دھوپ میں پاؤں چھلنی کر ڈالیں۔ دوا درمن صدقے سلوں میں پیسہ ٹھیکری کر دیں جبتک تم کو آرام نہوے انکو چین نہ آوے۔

بہتیرے جاہل بے شعور تو اپنی کالکوتی کے مارے ایمان تک کھو دیتے ہیں اس مامتا کے کارن اپنی دین و دنیا خراب کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو ان خرابیوں سے بچاوے۔ نیک توفیق نیک ہدایت بخشے۔ جہاں تلک ہو سکے اُن کی خدمت عظمت تابعداری کرو۔ ہر طرح اُن کو خوش رکھو۔ اُن کی دعا لو۔ جو دنیا میں پھلو پھولو آخرت میں چین کرو۔ جسوقت یہ تمہارے سر پر سے اُٹھ جائینگے۔ بات بات میں یہ تمہیں یاد آئیں گے۔ ماں کے ایک پاؤں تلے جنت ہے۔ ایک کے نیچے دوزخ ہے۔

اگلی بیویاں بھولے بھالے بچوں کی نصیحت کو کہا کرتی تھیں کہ دیکھو چاند نے اپنی ماں کا کلیجہ ٹھنڈا رکھا۔ ہمیشہ ٹھنڈا رہے گا۔ سورج نے اپنی ماں کو جلایا سدا جلتا رہے گا۔ تم بھی ماں باپ کو خوش رکھوگے۔ دونوں جہان میں خوش رہوگے۔ جلاؤگے۔ کھولاؤگے۔ جلتے۔ بُھلستے رہوگے ؞

فیض الدین دہلوی

ایک بُڑھیا نے اپنے جوان لڑکے سے جس وقت پورا جوان ہوا اور اپنی طاقت پر گھمنڈ کرنے لگا۔ کیا معقول بات کہی ہے۔ "گو آج تجھ میں اتنا زور ہے کہ تو اپنے سامنے ہاتھی اور شیر کی بھی حقیقت نہیں سمجھتا۔ لیکن اگر تو اُس وقت کو یاد کرتا۔ جب میری گود میں مجبور و ناچار پڑا تھا تو آج جبکہ تو شیر اور میں بُڑھیا ہوں۔ مجھپر ظلم نہ کرتا"؞

(سعدی)

اخبار ٹائمز کے ایک نامہ نگار نے بوسٹن شہر کے مشہور ڈاکٹر سیڈیز کے بچے کی تربیت کے کچھ حالات (جو گیارہ برس کی عمر میں بی۔ اے تک پہنچا)، لکھے ہیں۔ ڈاکٹر سیڈیز کا خیال ہے کہ بچوں کے دماغ میں قوت حافظہ عمر کی زیادتی کے ساتھ کم ہوتی جاتی ہے اسلئے انہوں نے بچہ کی تعلیم و تربیت میں جو کوشش کی اس کا نتیجہ معجزہ معلوم ہوتا ہے۔ چھوٹا سیڈیز (بچہ) دو برس کی عمر میں اچھی طرح پڑھ سکتا تھا۔ چار برس کی عمر میں وہ حساب سیکھتا تھا۔ اور پانچویں سال اُسنے ایک کتاب خود تیار کی۔ ساتویں برس کو دسویں برس تک اس نے جرمن فرانسیسی اور روسی زبان سیکھی اور اپنا کورس زبان لاٹن میں لیا۔ اس بچہ کی تربیت اس طرح ہوئی کہ جب وہ پورے سال بھر کا بھی نہ تھا تو اس نے انا کی گود میں پہلی مرتبہ بابا کہا۔ ڈاکٹر سیڈیز نے دو کاغذ کے ٹکڑوں پر اے (الف) اور بی (ب) لکھکر اسکی آنکھوں کے سامنے رکھا اور پہلے بی (ب) اور پھر اے (الف) دکھائی اور اسکے بعد پہلے اے (الف) اور پھر بی (ب) اور اسکا تلفظ (اب) اسکے سامنے بیان کیا جو کہ جلد سیکھ لیا۔ اس طرح دو برس کے چھوٹے سیڈیز نے بولنا اور پڑھنا ساتھ ہی ساتھ سیکھا۔ اس بچہ نے عام کھیلوں میں کبھی دلچسپی نہیں لی۔ اسکا دل ہمیشہ ریل کے ٹائم ٹیبلوں نقشوں وغیرہ میں لگتا تھا ؞

اولاد کی تربیت

بچوں کی تربیت اور اُن کی دیکھ بھال کرنے کی نسبت اگر بحث کیجائے تو اسکے لئے بہت وقت کی ضرورت ہے۔ اس کے متعلق کچھ ہدایات کیجاتی ہیں۔ جس وقت بچہ دُنیا میں آتا ہے اُسی وقت سے وُہ اپنی آنکھوں کے سامنے ایسی چیزیں دیکھتا ہے جو اس کے دِل کو اپنی طرف کھینچنے لگتی ہیں۔ اسی کا نام دنیاوی تعلق ہے۔

دُنیا کی چیزوں کا کشش کرنا اور بچہ کا اس سے متاثر ہونا قدرت کے اُس منشا کو بتلاتا ہے کہ مٹی کا پتلا کائنات کی تمام چیزوں سے تعلق رکھتا ہے لیکن گذشتہ زمانہ کے تجربے نے اس بات کو ثابت کردیا ہے کہ اِنسان کی اُس قدرتی دلچسپی اور لگاؤ کو جو اس کو بچپن سے دُنیا کی چیزوں کے ساتھ ہے تربیت اور روک تھام سے ایک ایسی حدِ اعتدال پر لانا چاہئے کہ دُنیا کے میدان میں وُہ خواہشیں اور قوتیں ٹوٹ نہ جائیں اور ہر ایک شخص اپنی خواہشوں کو آسانی اور سہولیت کے ساتھ منزلِ مقصود تک پہنچا دے۔

اِنسان کے بچہ میں یہ قوت ضرور رکھی گئی ہے کہ وُہ اپنی زندگی کے مختلف زمانوں کو ایک دُوسرے پر ترجیح دے سکے۔ جیسے وُہ اپنی جوانی کو بچپن پر ترجیح دے سکتا ہے اور سن رُشد کو جوانی پر ترجیح دیتا ہے۔ اور سن رُشد یعنی بڑھاپے میں تجربہ اور معلومات پر فخر کرسکتا ہے۔ لیکن اگر انسان

کا بچہ بچپن سے بے لگام چھوڑ دیا جائے اور اس کے مادہ ترقی کو باقاعدہ نشو ونما نہ کیا جائے تو اُس میں اور دُوسرے جانوروں کے بچوں میں کچھ فرق نہ ہوگا اگرچہ جوانی میں اس کے صاف چہرہ پر بال بھی چمکینگے اور کچھ زمانہ جانے کے بعد اُس کی کمر بھی کبڑی ہو جائیگی۔ مگر کوئی رُوحانی اور دماغی تغیر و تبدل اُس میں نہ ہوگا جب تک بچپن ہی سے اُس کی قدرتی قوتوں سے باقاعدہ اور بتدریج کام نہ لیا جائے گا اُس وقت تک اس کی آیندہ زندگی ہمیشہ بے قاعدہ رہیگی۔ اس لئے ضرور ہے کہ بچوں کی نگہداشت بچپن ہی سے کیجائے۔

یہ بات بالکل مسلّمہ ہے کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو کامل عقل اور پُورا جسم لیکر نہیں آتا ہے بلکہ ایک چھوٹے سے جسم اور دماغ کے ساتھ یہاں آتا ہے اور بتدریج عقلی اور جسمانی ترقی حاصل کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کی تربیت بھی اس کے سن و سال کی مناسبت سے تدریجی ترقی کے ساتھ ہونی چاہیے اس تدریجی اصُول کے مطابق ہم بچوں کی تربیت کو تین زمانوں پر تقسیم کر دیتے ہیں تربیت کا پہلا زمانہ پیدائش کے دن سے دو سال تک ہے۔ دوسرا زمانہ تین برس کی عمر سے چھ برس تک۔ تیسرا زمانہ ساتویں سے سِن رُشد تک کہ ہم ہرایک زمانہ کا حال اور اس کی تربیت کے مطابق ترتیب وار بیان کرینگے۔ بچہ کی تربیت کا پہلا زمانہ شیر خواری ہے جو پیدائش کے دن سے شروع ہو کر دو برس کے بعد ختم ہو جاتا ہے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ شیر خوار بچہ کو تربیت کرنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے دماغ میں کوئی ایسی قوت نہیں ہوتی ہے کہ بھلے بُرے کی تمیز کرسکے

لہٰذا وہ بچوں کی تربیت اخلاق سے جو اس کے مناسبِ حال ہونی چاہیئے اِسطرح لاپرواہی کر جاتے ہیں۔ اُن کا یہ اصُول محض غلط ہے۔ ہم بیان کرینگے کہ بچہ کی تربیت پیدائش کے دن سے ہی کیونکر ہونی چاہیئے۔

بچہ کی پیدائش ہوتے ہی اُس کی آنکھوں میں روشنی کی شعاعیں گھُستی ہیں اُن خارجی اثرات سے وہ رونے لگتا ہے اور اُس کو تکلیف ہوتی ہے۔ اُس وقت ماں کی محبّت یہ گوارا نہیں کرتی ہے کہ وُہ اپنے بچّے کو رونا دیکھے۔ وُہ اُس کو خاموش کرنے کے لئے جھُولے میں لٹا دیتی ہے۔ اُس کے چُپ ہونے تک وُہ جھُولے کو ہلاتی رہتی ہے۔ اب بچہ اس کا عادی بن جاتا ہے اور اُس وقت تک کبھی خاموش نہیں ہوتا جب تک کہ اُسکو متواتر زور زور نہ جھُلا یا جاوے۔ اِس جھُلانے کی حرکت سے صحت پر یہ بُرا اثر پڑتا ہے۔ بچّے کا نازک اور کمزور بھیجا ہِل جاتا ہے جس سے اسکی صحت میں فرق آتا ہے یہ عمل بہت ہی مُضر ثابت ہُوا ہے۔

اِس کے سوا بچّے کو اور ایک بُری عادت کا عادی بنایا جاتا ہے کہ دُودھ پلانے والی یا ماں دن بھر بچہ کو ہاتھ میں اُٹھائے اس طرح اُچھالتی ہے جیسے کہ کٹ پتلیوں کو نچایا کرتے ہیں۔ اس کا نقصان بھی جھولے کے نقصان سے کچھ کم نہیں ہے۔ اِن مُضرِ صحت عادتوں سے بچانے کی ترکیب سب سے عُمدہ یہ ہے کہ بچّے کا بستر معمُولی اور غیر متحرک ہو اور بچہ کو دُودھ پلاکر پھر اُس بستر پر لٹا دیں۔ اگر بچہ روئے تو سب سے اچھی ترکیب یہ ہے کہ اس کو آہستہ آہستہ تھپ تھپائے اور کچھ سریلی آواز میں بچہ کو گنگنا کر سُنائے یہ آواز بہت ہی سُریلی ہو تاکہ

بچہ کا خیال رونے کی طرف سے اُس طرف پلٹ جائے۔ اس گنگناہٹ کو لوری دینا کہتے ہیں۔ یہ طریقہ بچہ کے لئے سب سے عُمدہ اور اچھا ثابت ہُوا ہے۔

بچّوں کے جسم کی صفائی اور کپڑوں کی پاکیزگی کو اُن کے اخلاق اور صحت میں بہت بڑا دخل ہے۔ جب دُودھ پلانے والی بچّہ کی صفائی کا خیال رکھتی ہے تو بچّہ کا جسم بھی بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے اور اس کی عادت بھی اور مزاج بھی سلیم رہتا ہے اور جب اُس کی خبرگیری ضروری نہیں سمجھی جاتی ہے تو بچہ کی نہ تو صحت ہی درست رہتی ہے نہ اخلاق اور اس کے مزاج میں چڑچڑاپن ہو جاتا ہے۔

اکثر لوگوں کی عادت ہے کہ وُہ اپنے بچّوں کو اس خوف سے سیر و تفریح اور ریاضت جسمانی کے لئے باہر کھُلے میدانوں میں نہیں جانے دیتے ہیں کہ لوگ انکے بچّوں کو رشک اور حسد کی نگاہ سے نہ دیکھیں کہ ان بھولے بھالے بچّوں کو نظر نہ لگ جائے۔ اس قسم کے خیالات فاسد اور اوہام پرستی پر مبنی ہیں اسکا اثر بچّوں کی صحت اور اخلاق پر نہایت ہی مضر پڑتا ہے۔ بچوں کو ایک وقت مقرّرہ پر سیر و تفریح کے لئے باہر جانے کے لئے اجازت دیجائے۔

اے چھوٹے چھوٹے اور بھولے بھالے لڑکے لڑکیوں کے ماں باپو! اس بچپن کے زمانہ میں جن جن عُمدہ باتوں کی بنیاد ڈالوگے وہ بچّوں کی آیندہ زندگی کے باقاعدہ اور مفید بنانے میں بہت کارآمد ہونگی۔ تربیت کے باقی دو زمانہ آیندہ کسی وقت عصمت کے پڑھنے والے اور پڑھنے والیوں کے سامنے پیش کئے جائینگے۔

محمود الحق

بیماری تیمار داری

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

حیدری بیگم ۔ اللہ ری بک اس قدر بکتی ہیں کہ سامنے کسی کی سنتی ہی نہیں۔ بات کہاں کی تھی کہاں ماردی ۔ زیور پر باتیں بنانے کا اپنے تئیں تو اس قدر شوق ہو کہ سونا اگر پتھر پر منڈھ دیا جائے تو گلے میں لٹکا لیں او پھر کہتی ہیں مجھے زیور سے سدا نفرت ہو۔

جمیلہ بیگم۔ انکی عادت ہو اپنی عادت کو کیا کریں۔ انکے کہنے کا برا نہیں ماننا چاہیے۔ بک لیتی ہیں مگر دل میں نہیں رکھتیں۔

حیدری بیگم ۔ معلوم نہیں میاں پر کتنا بکتی ہونگی۔ بیچارے کی جان ہی لے ڈالی ہوگی۔

جمیلہ بیگم۔ نہیں وہ بڑے نیکبخت تھے یہ بھی بہت چاہتی تھیں۔

ایک طرف انوری احمدی کاظمی سجاد بیٹھے تھے۔ میز پر کئی انگریزی اور اردو کتابیں رکھی تھیں۔ سجاد ایک کتاب میں سے پڑھکر لڑکیوں کو سنا رہے تھے۔ احمدی نے کہا سجاد بھائی ٹینیسن کی آئیڈیلز آف دی کنگ سنائیے۔ سجاد نے ہاتھ کی کتاب رکھدی ٹینیسن میں سے آئیڈیلز آف دی کنگ پڑھنے لگے۔ سب لڑکیاں اس سے بہت محظوظ ہو رہی تھیں۔ پھر سجاد نے ایک ایڈل ختم کر کے معلم نسوان اٹھا کر ادھر

اُدھر سے پڑھ کر سُنایا۔ پھر یہ مضمون جس کا عنوان سرسید احمد خان پر انکی والدہ کا اثر تھا۔ شروع سے اخیر تک پڑھ کر سُنایا۔

احمدی۔ کاظمی کی طرف دیکھ کر تم بھی سرسید احمد خاں کی ماں کی طرح ہوگی تمہارے بھی لڑکے سرسید کے ایسے ہونگے اور مُلک کو خوب فائدہ پہنچائینگے۔

کاظمی۔ مَیں بیچاری کیا اُنکی برابری کرونگی۔ ہاں انوری البتہ اُنکی برابری کرسکتی ہیں۔ جو کبھی تاریخ اور دنوں کی سعادت اور نحوست کو نہیں مانتیں اور نہ کبھی کوئی منت کرتی ہیں۔ بہت ہی مذہبی بھی ہیں تعصب بھی کسی قسم کا نہیں۔ انکے فرزند ارجمند انوار الدین خانصاحب جب پیدا ہونگے تو خوب نام کرینگے۔ سرسید کی طرح مدرسہ بنوائینگے کیوں سچ ہے نہ انوری؟

انوری۔ جی نہیں وُہ کاظم الدین ہونگے۔

کاظمی۔ اور احمدی بیگم کے صاحبزادے اُنکی برابری کون کرسکتا ہے ماں کی طرح زرق برق ہونگے۔ احمد الدین البتہ سرسید کے بھی کان کاٹینگے۔ اِتنے میں سجاد کو کاظم حسین صاحب نے پکارا وہ سب سے رخصت ہوکر باپ کے ساتھ اپنے گھر کو روانہ ہوئے۔

نواں باب

ایک ہفتہ کے بعد پھر مُشاطہ لیاقت النسا بیگم کے یہاں آئی اور کہا:

بیگم صاحبہ: داماد مبارک! ایسا لڑکا ڈھونڈھ کر نکالا ہے۔ اور پھر قدرت کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگی یہ مُنہ کو وہ مُنہ جوڑے ہے۔

لیاقت النسا بیگم نے قدرت سے کہا تم اٹھ جاؤ۔ قدرت اٹھ کر دوسری کوٹھری میں چلی گئی۔ مشاطہ بیگم صاحبہ کے بالکل نزدیک آکر کان کے پاس مُنہ کرکے کہنے لگی۔ بیگم صاحب! لڑکا ایسا خوبصورت ہے جیسے چاند کا ٹکڑا۔ یہ بڑی بڑی بیل کی سی آنکھیں۔ گلاب کے پھول کی سی رنگت۔ پھر پڑھنا لکھنا بھی ویسا اور مال دولت بھی بہت ہے۔ کسی جاگیردار کا لڑکا ہے۔ دو ہزار روپیہ سال آمدنی ہے۔ منصب بھی ملتا ہے۔ اب لایئے کچھ انعام لوائیے ایک بھاری جوڑا لونگی۔

لیاقت النسا بیگم۔ سب کچھ لینا۔ جلدی کیا ہے۔ بات بھی تو ٹھیک ہو جائے لڑکے کا نام کیا ہے۔ کہیں نوکر ہے کوئی خواص یا دوسری بی بی تو نہیں۔

مُشاطہ۔ لڑکے کا نام معین الدین حیدر ہے۔ نوکر تو کہیں بھی نہیں۔ جھوٹ کا ہیکو بولنا۔ ہاں جاگیر ہے۔ اُس سے دو ہزار روپیہ مہینہ آتا ہے۔ اچھے کھاتے پہنتے ہیں۔ ماماں ہیں۔ نوکر چاکر سب ہیں۔ خواص ایک ہے۔ اور جھوٹ کاہیکو بولنا۔ بیگم صاحب! کل کدہار کو بات پڑے تو بولینگے وہی مشاطہ مردار جھوٹ بولی۔ پھر مشاطہ کی ناک چوٹی کاٹے جائینگی۔ دوسری جورو گیرو نہیں۔

روشن بی۔ اماں باوا ہیں۔

مُشاطہ۔ ہو سب ہیں۔

گیندا۔ بھایاں گیان ہیں۔

مُشاطہ۔ بھایاں تونہیں ہیں پن دو بہناں ہیں۔

گیندا۔ شادی ہوگئی۔

مشاطہ۔ ہو ہوگئی انہوں بھی اچھے کھاتے پیتے خوش ہیں۔

روشن بی۔ صُورت کیسی ہر؟ رنگ گوراہر اپنی بی بی کا ویسا۔

مشاطہ۔ ہو صورت تو چاند کا ٹکڑاہو۔ رنگ کوئی فرنگی ہوی ایساہو۔

لیاقت النسا بیگم۔ باپ کا نام کیاہے؟

مشاطہ۔ قمرالدین صاحب۔

روشن بی۔ بہن کا نام کیاہے؟

مشاطہ۔ چاند بیگم۔ جان بیگم۔

لیاقت النسا بیگم۔ مجھے منظور ہے۔ بہت اچھا لڑکا ہو۔ مگر ابھی کسی سے ذکر نہ کرنا۔ پہلے میں اپنے بہنوئی کے گھر کی بات توڑلوں۔ پھر پاندان کی رسم دھوم دھام سے اُدھر سے آئیگی۔

مشاطہ۔ بہت اچھا۔

روشن بی۔ میری بہن رحمت بی جمیلہ بیگم صاحبہ کے پاس نوکرہے کل میں آپ دیئے سوحلوا اُسکے واسطے لیکر گئی تھی۔ میں پر دکیا دیکھتی ہوں سجاد میاں بوتل میں سے شراب ڈالکر انوری بی بی کو دئے۔ انہوں نے تھوڑی پی۔ باقی کا آپے پی لئے۔ بھلا پیئے ما۔

ادے اماں گے یہ باتاں اچھی نہیں کہکر روشن بی نے اپنا سینہ پیٹ لیا۔

سلہ مراد سوڈا واٹر سے ہے ۱۲

اور ناک پر انگلی رکھ کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

آپ کے بہنوئی بھی وہیں تھے۔ حیدری بیگم بھی وہیں تھی۔ سب لوگاں ملکو باغ میں چائے پی لیتے بیٹھے تھے۔ آپ کے بہنوئی بھی بڑے سرکار دونوں بھائیاں باغ میں ٹہل لیکو باتاں کرلے رہے تھے۔ جب دیکھئے تب سجاد میاں پہونچ رہتے ہیں۔

لیاقت النسا بیگم۔ میں سمجھتی ہوں انہیں لوگوں نے بہکا دیا ہوگا۔ ہمیں نہ کرنا۔ نہیں تو میں جانتی ہوں وُہ لڑکا ایسا نہیں ہی۔ جمیلہ بیگم نے بہکایا ہوگا۔ چاہتی ہونگی کہ انکی احمدی سے ہوجائے میری لڑکی سے نہو۔ کچھ نہیں تو یہ بہانا نکلا کہ ہمیں واہیات ہیں۔

روشن بی۔ ہو رحمت بی بولتی تھی۔ کاظمی بیگم سے سجاد میاں شادی کرلیتے کتے۔

لیاقت النسا بیگم۔ کاظمی بیگم سے تو نہیں ہوسکتی۔ اُن کی ماں تو بغیر رسموں کے کبھی نہ کرینگی۔ ہاں احمدی انوری سے ہوسکتی ہی۔

روشن بی۔ کیا ہے کی احمدی بیگم بولی ہونگی میرے کو برا خیال لگگیا

لیاقت النسا بیگم۔ اچھی بات ہی کرلینے دو۔ ایک دن کا نکاح کرکے حوالہ کردیں۔ میری لڑکی تو ایسی نہیں ہی کہ میں ایک دن کا نکاح کرکے حوالے کردوں۔ اگر میری بیٹی کے برابر سونا تول کر دینگے جب بھی تو میں بغیر رسموں کے نہ کرونگی۔ وُہ بھی کس کے بھروسہ پر۔ میں اپنی لڑکی نہ کرونگی۔ جمیلہ بیگم کردیں انکی لڑکیاں اُنکو بھار ہونگی۔ دُوسرے کو بھی ویسی سمجھتی ہیں۔

(باقی آیندہ)

بخارات آبی

(گزشتہ اشاعت سے آگے)

مَیں اوپر لکھ آیا ہوں کہ ہَوا میں بخارات آبی مخلوط ہیں جس سے زمین کی کل چیزیں تازہ اور شاداب رہتی ہیں ۔ راتوں کو جب اشاع حرارت کے اصُول سے جس کا ذکر سُن چکی ہو زمین سے سُورج کی گرمی نکل کر فضائے آسمانی میں بھاگتی ہو تو ہَوا کا بخاراتؐ آبی اسکو روک لیتا ہو۔ اور تم کو سخت ایذا دہ سردی سے بچاتا ہے ۔ دن کو بادل بنکر تم پر سایہ فگن ہوتا ہو اور سورج کی تیز آنچ کو تم تک نہیں آنے دیتا ۔ لیکن اس جگہ اب مَیں تم کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہَوا کے بخارات آبی سے اور کیا کیا نتائج ظہور میں آتے ہیں جنکو تم دن رات دیکھتی ہو لیکن تم اُسکو کبھی خیال نہیں کرتی ہو ۔ تم پڑھ چکی ہو کہ بڑے بڑے دریا اور سمندروں سے پانی ابخرہ بنکر اُڑتا ہو۔ اور ہَوا میں گھل مِل جاتا ہو جسکی وجہ سے تم اسکو نہیں دیکھ سکتی ہو۔ لیکن وُہی بھاپ جب پھر ہَوا کی سردی سے جم جاتی ہو تو بادل مینہ اوس یا کہرے کی صُورت میں تمہاری نظروں کے سامنے نمودار ہوتی ہے جسکو دیکھ کر تم نہیں پہچان سکتی ہو کہ یہ وہی پانی کا ابخرہ ہو جو تمہارے دریا تالاب جھیل یا نہروں کے خشک ہونے میں ہَوا سے جا ملا تھا ۔ ہوا کے بخارات آبی کے کرتوت کو خیال کرو تو وُہ اِک بہروپ معلوم ہوتا ہو جو بھانت بھانت کی صُورتوں میں نہیں دکھائی دیتا ہو اور پھر نظروں سے غائب ہوجاتا ہو لیکن

یعنی ایک دوسرا ایک شے مانی گئی ہے ؎

سچ پوچھو تو بخارات آبی ہوا میں جُوں کا توں موجود رہتا ہی - تجربہ کرکے اگر تم اسکو دیکھنا چاہتی ہو تو اپنے شیشے کے گلاس میں ایک برف کا ٹکڑا ڈال دو - تھوڑی دیر میں جب گلاس سردی سے یخ ہو جائیگا تو وُہ تمہیں غبار آلودہ نظر آئیگا اور اُس کے اوپر اک چھائیں سی پڑ جائیگی جس کے مل ملا جانے سے پانی کی ننھی ننھی بوندیں گلاس کے اوپر نمایاں ہونگی - تم سمجھ سکتی ہو کہ گلاس کے اندر جو برف کا پانی ہے وُہ رِس کر کسی طرح باہر نہیں نکل سکتا ہی - پھر یہ پانی کی بوندیں جو تم کو گلاس کے اوپر نظر آتی ہیں کہاں سے آئیں ؟ اِک ذرا سا تامل کرو تو تم کو معلوم ہو جائیگا کہ گلاس کے یخ ہو جانے سے اس کی آس پاس کی ہوا میں جو بخارات آبی مخلوط تھا جم گیا جو پہلے اِک دُھواں سا تمکو دکھائی دیا اور بعد کو پانی کی بوندیں بن گیا - اس تجربے سے یہ بات ثابت ہوتی ہی کہ ہوا میں پانی کی بھاپ موجود ہی جو تم کو دکھائی نہیں دیتی ہی - لیکن جب اس کو سردی پہنچتی ہی تو وُہ جم جاتی ہے - اور تم اس کو دیکھ سکتی ہو - اِصطلاح میں بھاپ کے اس طرح جم جانے کو تکاثف کہتے ہیں

پانی کی بھاپ کس طرح جم جاتی ہے اس کے آسان تجربے سُنو

اس کا تماشا دیکھنا چاہو تو جب جی چاہے اپنے آئینہ پر پھُونک مار کر دیکھ لو - اِدھر پھونک ماری اور آئینہ دُھندلا ہو گیا - اس کی وجہ یہ ہی کہ آدمی کے سانس کے ساتھ پھیپھڑے سے پانی کی بھاپ نکلتی ہی جو آئینہ کی سرد سطح پر پہنچ کر جم جاتی ہے اور ایک تُنک ابر سا چھا جاتا ہے جاڑوں میں جب چاروں طرف کی ہوا یخ ہوتی ہے تو آئینہ کی کوئی ضرورت نہیں

سانس کے ساتھ جو بخارات آبی خارج ہوتا ہے وہ خود بخود ہوا کی خنکی سے جم جاتا ہے اور اِک دُھواں سا نظر آتا ہے۔ تم نے دیکھا ہوگا کہ جاڑوں میں لڑکے صبح کے وقت اپنے منہ سے دُھواں کا بُقہ اُڑاتے ہیں اور بخارات آبی عمل تکاثف سے کس طرح نظر آتا ہے اُس کا تماشا دیکھتے ہیں

بخارات آبی جو ہوا میں مخلوط رہ سکتا ہے اُس کی ایک خاص مقدار مقرر ہے جس کو محض ہوا کے مزاج سے تعلق ہوتا ہے گرم ہوا میں جس قدر بخارات آبی سما سکتا ہے اتنے بخارات کو سرد ہوا نہیں اُٹھا سکتی ہو تم نے دیکھا ہوگا کہ ٹھنڈے پانی میں جب شکر ڈالی جاتی ہے تو وہ گھل جاتی ہے اور اگر زیادہ شکر ڈالتی جاؤ تو وہ گھلتی جائے گی لیکن پانی کی سردی یا گرمی کے لحاظ سے شکر کے گھلنے کی ایک خاص مقدار مقرر ہے جب یہ پوری ہو لے گی تو گھلنے کا عمل خود بخود رُک جائیگا۔ تم دیکھو گی کہ اب جس قدر شکر ڈالی جاتی ہے وہ تہ نشین ہوتی جاتی ہے اور اس کو پانی جذب نہیں کر سکتا ہے۔ پھر اپنا تجربہ شروع کرو۔ لیکن اب کے اُسی قدر کھولتا ہوا پانی لو اور اس میں شکر ڈالتی جاؤ تم دیکھو گی جس قدر شکر ٹھنڈے پانی میں گھل سکتی تھی اُس کی دُونی چوگنی مقدار کھولتے ہوئے پانی میں گھل مل کر اٹ گئی۔ اور تہ نشین نہیں ہوئی۔ اب اپنے تجربے کو اُلٹا دُہراؤ اور کھولتے ہوئے پانی کو جس میں بہت سی شکر سما گئی ہے اُس کو رکھ چھوڑ دو جب پانی سرد ہو جائے گا تو تم کو دیکھکر حیرت ہوگی کہ جس قدر

شکر ٹھنڈے پانی میں گھُل سکتی ہے اتنی ہی تو گھُل رہی ہے۔ باقی کل شکر جو پانی کے گرم رہنے کی حالت میں گھُل گئی تھی وُہ تہ نشین ہوگئی ہے۔ ہوا میں بخارات آبی کے محفوظ رہنے کی بالکل یہی حالت ہے۔ سرد ہوا بخارات آبی کو زیادہ جذب نہیں کرسکتی ہے۔ اِک خاص تناسب ہے کہ اتنی بھاپ سرد ہوا میں اٹ سکتی ہے۔ اور اس سے زیادہ بھاپ کو جذب کرنے کی اس میں قوت نہیں ہوتی تمہارے تجربے میں جس طرح کھولتے ہوئے پانی میں دوگنی چوگنی شکر گھُل گئی۔ اسی طرح گرم ہوا میں بخارات آبی کی کئی گنا مقدار زیادہ سما جاتی ہے اور جس طرح پانی کے ٹھنڈے ہوجانے سے فاضل شکر تہ نشین ہوگئی۔ اسی طرح جب ہوا سرد ہوجاتی ہے تو فاضل بخارات آبی کو جو مخلوط نہیں رہ سکتا اُگل دیتی ہے اور وُہ اس بادل یا کہرے کی صورت میں تمہیں دکھائی دیتا ہے۔ غرض ہوا کے سرد ہوجانے سے اُس میں پانی کی بھاپ کو مخلوط رکھنے کی قوت زائل ہوجاتی ہے اور بخارات آبی کی فاضل مقدار جو ہوا کے گرم ہونے کی حالت میں گھُل مل رہی تھی جم جاتی ہے اور تم کو مختلف اشکال میں نظر آتی ہے۔

باقی آیندہ

ایک ہمدرد بیوی

ایک بیوی تھیں اُنکے میاں سوداگری کرتے تھے۔ اس میں اتنی پیدا تھی کہ گھر بھرکر باہر بھر گیا تھا۔ روز امیروں کی دعوتیں ہوتیں۔ آئے دن ایک نہ ایک جلسہ رہتا۔ بیوی بھی اپنی سہیلیوں۔ بہنیلیوں میل ملاپ والیوں کو ہمیشہ مہمان بلاتی رہتیں۔ دن عید رات شب برات تھی۔ خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ہی نصیبا اُلٹا۔ جو مال خریدا اُسی میں ٹوٹا۔ جو بیچا اُسی میں نقصان آیا۔ لین دین میں فرق پڑ گیا۔ وہ چہل پہل نہ رہی۔ میاں رات دن دل آزردہ اور غمزدہ رہنے لگے۔ اگرچہ بیوی جانتی تھیں کہ یہ چُپ چُپ اور اُداس رہتے ہیں۔ اس کا سبب ہو نہ ہو۔ یہی ناداری اور قسمت کی گردش ہو مگر اتنا ہیاؤ نہیں پڑتا تھا کہ اپنے میاں سے اس آزردگی اور افسردگی کا سبب پوچھیں۔ آخر دل نہ رہا۔ ایک روز ہمت باندھ کر پوچھ بیٹھیں کہ صاحب! تمہیں خدائے پاک کی قسم بتاؤ تو سہی وہ کونسی لا علاج بیماری ہے جس نے تمہیں اس قدر رنجیدہ اور افسردہ بنا رکھا ہے۔ اوّل تو میاں نے ٹالا اور اسی سبب سے زبان پر نہ لاتے تھے کہ اس غریب کو بھی صدمہ گذرے گا۔ عورتوں کا دل چھوٹا سا ہوتا ہے۔ وہ مجھ سے زیادہ رنج اُٹھائے گی۔ مگر اس صورت میں نہ چھپا سکے اور کہا کہ بیگم صاحب

ہمارے گھر کی باندی بی دولت نے ہمارے ساتھ وُہ بیوفائی کی ہے جو کوئی دشمن سا دشمن بھی نہ کرتا۔ کسی سے ملنے کے قابل رکھا۔ نہ مُنہ دکھانے کے۔ یار اغیار ہو گئے اور برابر کے سوداگر ہمیں خار سمجھنے لگے۔ بیوی سوداگر کے دل کی کُنجی تو تھی ہی۔ وُہ اِس بات کو سمجھ گئی اور اِس طرح یہ قفل کھولا کہ میاں یہ کوئی غم کی بات نہیں ہے۔ بلکہ خوشی کی بات ہے۔ دولت کو زمانہ ہرجائی کہتا ہے یہ پھرتی پھرتی چھاؤں ہے۔ آج میرے گھر کل دُوسرے کے گھر۔ تم نے بھی اچھا غم کیا۔ تم سمجھ لو! ہمارے ہاں تین لونڈیاں تھیں۔ ایک بی دولت۔ دوسری بی عشرت۔ تیسری بی عسرت۔ دو کو آزاد کر دیا۔ اور ایک کو رہنے دیا۔ جب فراخی ہمارے واسطے تھی تونگی بھی ہمارے ہی لئے ہے۔ شہر کا رہنا چھوڑ دو۔ اور کسی جنگل میں چل کر بَن باسی ہو رہو۔ وہیں ایک جھونپڑی ڈال لینگے۔ اور اُسی میں مزے سے زندگی بسر کرینگے۔ خدا نے صرف ہمیں کو دولت و عشرت کا آقا نہیں بنایا تھا اور بھی حقدار تھے۔ یہ بات میاں کی سمجھ میں بھی آ گئی اور وُہ ساری کلفت بیوی کی اس اُلفت بھری باتوں سے جاتی رہی۔ جھٹ ڈیرہ ڈنڈا اُٹھا ایک جنگل میں جھونپڑی ڈال وہاں جا بیٹھے۔

جب میاں کسی کام کو بازار گئے۔ بیوی نے اس جھونپڑے کو چھوٹی موٹی چیزوں سے آراستہ کر کے دلپسند بنا لیا۔ ہر ایک چیز اس سلیقہ سے رکھی اور اس موقع سے سجائی کہ اس جھونپڑے سے باہر

نکلنے کو جی نہ چاہے۔ باہر بھی دو چار گملے رکھدیئے۔ جھونپڑی کے چاروں طرف سبزہ کر دیا اور آپ غم غلط کرنے کو ارغنون باجہ لیکر بجانے بیٹھ گئی۔ اِتنے میں میاں بھی ایک قریبی رشتہ دار کو ساتھ لئے چلے آئے۔ جنگل میں منگل دیکھکر باغ باغ ہوگئے۔ دوست نے بھی اِس سگھڑ بیوی کی تعریف کی اور کہا کہ درحقیقت بیوی سے بڑھکر کوئی مونسِ غم اور مونسِ تنہائی نہیں۔ دُنیا میں حقیقی دردمند حقیقی خیرخواہ دو ہی ہیں۔ اوّل درجہ میں ماں۔ دُوسرے میں بیوی۔ آج کو کوئی اور بیوی ہوتیں تو اس نقصان کا کُہرام مچا دیتیں۔ نہ بیوی کو آرام ملتا نہ میاں چین سے رہتے۔ سوداگر کو اُس امیری سے اس فقیری میں زیادہ لُطف آیا +

سیّد احمد دہلوی

عصمت میں مناظر کی تصاویر کا سلسلہ شروع کرنے سے یہ غرض تھی کہ ہندوستان بھر کے ہر مشہور مقام کی مشہور عمارات قدیم و جدید اور مختلف مناظر کی تصویریں اور حالات چھاپ کر ناظرات عصمت کو گھر بیٹھے سیر کرائیں۔ اب تک دہلی و آگرہ کی جسقدر تصویریں ہمیں مل سکیں ہم نے شائع کیں لیکن ہم یہ محسوس کر رہے ہیں کہ بجائے اسکے کہ تصویروں کا انتخاب عام اور زیادہ وسعت سے ہو صرف اِن دو ایک شہروں تک محدود ہوگیا ہے۔ اسلئے اسکا یہ انتظام سوچا گیا ہے کہ خود ناظرات عصمت ہی اپنے اپنے شہر اور صوبے کے مشہور مناظر کی تصویریں مع حالات روانہ کیا کریں۔ اُن میں سے ہم انتخاب کر کے اچھی سے اچھی تصویر شائع کیا کرینگے۔ ناظرات عصمت اس بات کو مدنظر رکھیں کہ تصویریں فوٹو ہوں نیز مذاہب کی مشاہیر نسواں کی تصویریں اگر مع حالات کے ہمارے پاس بھیجی جائیں تو وہ بھی ہم شکریے سے درج کیا کرینگے۔ اسوقت کوئی بھی تصویر دستیاب نہو سکی اسلئے دسمبر کا رسالہ بے تصویر ہی روانہ کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ جنوری کا رسالہ خالی نہ جائیگا +

زنانہ دستکاری

(گذشتہ اشاعت سے آگے)

Esplen D'or Embroidery silk. -۲۳

اسپلنڈور ایمبرائیڈری سلک - یہ ریشم نہایت اعلیٰ درجہ کا خالص اور بہت ہی شوخ چمکیلے رنگوں کا نازک ولطیف ہوتا ہے اور اعلیٰ درجہ کے نفیس و نازک کشیدہ کاری کے کاموں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے مخمل وغیرہ پر سلیپر۔ تکیے۔ کرسیوں کے گدے اور دیگر چیزوں کے پھول پتے بنانا ہو تو اس ریشم کے بنے ہوئے بیل بوٹے بہت ہی لطیف و بھڑک دار معلوم ہونگے۔

Peri Lusta Embroidery silk. -۲۴

پیری لسٹا ایمبرائیڈری سلک - یہ ریشم بھی نہایت چمکیلا نازک نفیس ولطیف قسم کا جملہ شوخ رنگوں کا لچھی کی صورت میں ملتا ہے اور بہ قیمت ایک آنہ فی لچھی بکتا ہے۔ اس لئے ہر قسم کے ایمبرائیڈری کاموں کے لئے موزوں ہے۔

-۲۵ Mallard Floss silk. میلرڈ فلوس سلک - یہ ریشم بھی مختلف قسم کے نہایت پختہ رنگوں کا ہوتا ہے اور لچھی کی صورت میں۔ فی لچھی دو آنے قیمت پر ملتا ہے اور اعلیٰ قسم کے کشیدہ کاری کے کاموں کے لئے موزوں ہے۔

-۲۶ Crewel silk. کریول سلک۔ یہ

ریشم بھی مختلف قسم کے شوخ رنگوں کا ہوتا ہے اور لچھی کی شکل میں ملتا ہے۔ فی لچھی دس گز ریشم ہوتا ہے اور ایک آنہ فی لچھی بکتی ہے۔ یہ ہر قسم کے ایمبرائیڈری اور ٹیپسٹری (Tepestary.) یعنی دیوارگیری اور کارپٹ وغیرہ کاموں کے لئے موزوں ہے۔

۲۷. Tia silk. ٹائی سلک۔ یہ ریشم مختلف قسم کے نہایت شوخ رنگوں کا ہوتا ہے اور ریلوں پر بکتا ہے۔ عموماً ایک ریل پر ۵۰ گز ریشم ہوتا ہے۔ یہ نہایت نازک و نفیس ٹائیاں بنانے کے لئے علی العموم استعمال ہوتا ہے۔

۲۸- Victor knitting silk. وکٹر نٹنگ سلک۔ یہ ریشم سفید اور ہلکے زرد رنگوں کا گیند کی صورت میں ملتا ہے۔ یہ بہت چمکیلا مثل فلوسی ریشم کے ہوتا ہے اور نازک کاموں کے لئے آسانی سے چیر کر باریک بھی ہو سکتا ہے۔

۲۹- Albanian, rug, silk. البانین رگ سلک۔ یہ ریشم مختلف رنگوں کا بہت مضبوط اور موٹا ہوتا ہے اور سلائیوں اور کروشہ دونوں کاموں کے لئے یکساں موزوں ہے۔ مثلاً غالیچہ۔ پٹاپٹی کے خوان پوش۔ پلنگ۔ رضائیاں وغیرہ بنانے میں کام آتا ہے۔

۳۰- The orient motor scarf silk. دی اورینٹ موٹر اسکارف سلک۔ یہ ریشم بھی مختلف قسم کے رنگوں کا

ریلوں پر ہوتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ٹوسٹڈ۔ Twisted
یعنی اینٹھن دار یہ بڑے ریلوں پر ہوتا ہے۔ دُوسری قسم اسموتھ۔ Smooth کہ
دھاگوں کی سی چھوٹے ریلوں پر یہ فینسی یعنی نہایت خوشنما زنانہ دوپٹے
بنانے کے لئے بے مثل چیز ہے۔ کیونکہ اس کی تیار کردہ چیزیں آسانی
سے صاف ہو سکتی ہیں۔ دو بڑے ریلوں میں ایک دوپٹہ تیار ہو جائیگا۔

۳۱۔ Waistcoat chenille silk.

ویسٹ کوٹ شنیل سلک۔ یہ خالص ریشم مثل مخمل کے ہوتا ہے نہایت
اٹیلین Italian. ریشم سے مختلف رنگوں کا تیار کیا جاتا
ہے اور نقش و نگار کھینچے ہوئے کپڑوں پر یا کرمز پر یا کروشہ کی بنی ہوئی
واسکٹ کے پیشوں پر یا ہلکی سفری ٹوپیوں پر کام کرنے کے لئے بے مثل
چیز ہے۔

۳۲۔ Floselle silk. فلوسلی سلک۔
یہ ریشم بہت چمکیلے اور بھڑک دار رنگوں کے بہت سی قسموں کا ملتا ہے
اور کرمز (کمینوس) کے اوپر واسکٹ کی پٹیاں اور دیگر چیزوں کے
بنانے میں استعمال ہوتا ہے۔

(باقی آئندہ)

تمیز الدین خاں

سیدۃ النسا

رسالتماب نے وُہ دس درہم جو باقی رہے تھے حضرت علیؑ کو دیئے اور فرمایا کہ چھوہارے اور پنیر وغیرہ لے آؤ۔ چنانچہ حضرت علیؓ بازار تشریف لے گئے اور آنحضرت سیدہ فاطمہ کی وداع کا انتظام فرمانے لگے۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں میں نے پانچ درہم کا گھی خریدا چار کے چھوارے۔ ایک کا پنیر۔ اور رسول اکرم کے سامنے لاکر رکھدیا آپ نے دسترخوان طلب کیا اور چند چیزوں کو مرتب کر کے حیس بنایا (روٹی گھی میں ملکر) اور مجھے حکم دیا کہ باہر جاؤ اور جس مسلمان سے ملاقات ہو اندر لے آؤ۔ مہاجر و انصار کی جماعت آئی اور حیس کھا کر چلی گئی ایک مٹی کا پیالہ سرور کائنات نے مانگا اور اسکو حیس سے بھر کر فرمایا یہ فاطمہ اور اسکے شوہر کا ہے اس کے بعد ازواج مطہرات کو دیا اور پھر فرمایا کہ اے ام سلمہ فاطمہ کو لاؤ وُہ اٹھیں اور سیدۃ النسا کو سامنے لائیں۔ اسوقت حضرت سیدہ کے چہرے سے پسینہ بہ رہا تھا اور قدم بمشکل اٹھتا تھا۔ جب قریب پہنچیں تو رسالتمآب نے وُہ ردا جو بطور برقع چہرہ پر تھی ہٹائی اور اپنے سینہ پر حضرت سیدہ کا سر رکھا۔ پیشانی کے درمیان بوسہ دیا اور حضرت علی کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر فرمایا اے علی! پیغمبر کی بیٹی تیرے واسطے مبارک ہو۔ اور اے فاطمہ! تیرا خاوند بہت اچھا ہے۔ اب تم دونوں میاں بیوی اپنے گھر جاؤ۔ دروازے تک خود تشریف لیگئے اور وہاں پہنچکر حضرت علی کے دونوں بازو پکڑ کر دعائے برکت و جمعیت کی اور حضرت علی معہ حضرت سیدہ اونٹ پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔

اسمابنت[1] عمیس نے اسوقت عرض کیا یا رسول اللہ! لڑکیوں کو وقت رخصت کے واسطے

[1] صاحب ناسخ التواریخ کی رائے ہے کہ اسمابنت عمیس کا ہونا ناممکن ہے غالباً سلمیٰ خواہر اسما سے مراد ہے

کسی عورت کی ضرورت ہوتی ہی۔ اسلئے میں ساتھ جاتی ہوں۔ سرورِ کائنات یہ سنکر بہت خوش ہوئے اور اسما بنتِ عمیس کے حق میں دُعاَ خیر کی۔

حضرت علی کا بیان ہی کہ دوسرے[۱] روز سرورِ عالم ہمارے پاس تشریف لے آئے میں اور فاطمہ دونوں تکیہ لگائے بیٹھے تھے آنحضرت کی آواز سنکر ہم نے چاہا کہ اٹھیں مگر آپنے فرمایا کہ جس طرح بیٹھے ہو اسی طرح بیٹھے رہو۔ تشریف لاکر ہمارے سرہانے بیٹھ گئے اور اپنے دونوں پاؤں ہمارے بیچ میں کرلئے میں نے سیدھے پاؤں کو اور فاطمہ نے بائیں پاؤں کو اپنے سینہ پر رکھ لیا۔ کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے اور اسکے بعد فاطمہ سے کہا تھوڑا سا پانی لاؤ چنانچہ وہ ایک مٹی کے پیالے میں پانی بھر کر لائیں۔ اس میں سے آپنے کچھ پانی پھینکا اور باقی ہاتھ میں لیکر کچھ دعا کی اور فرمایا اے علیؑ یہ پی لو اور تھوڑا سا چھوڑدو چنانچہ میں نے پیا اور تھوڑا سا چھوڑدیا جو باقی رہا تھا وہ میرے سینہ اور منہ پر چھڑکا اور میرے واسطے دُعا کی۔ اسکے بعد پھر پانی منگوایا اور فاطمہ کو اسی طرح پلایا۔ چھڑکا اور دُعا کی۔ صاحب ناسخ التواریخ نے لکھا ہی کہ اسوقت سلمیٰ خواہر اسما جو ساتھ آئی تھیں ان سے رسالتمآب نے فرمایا اب تم یہاں کیوں ہو انہوں نے جوابدیا یارسول اللہ جسوقت اُم المومنین خدیجہ کی حالت خراب ہوئی ہی اور انکو بچنے کی اُمید نہ رہی میں انکے پاس بیٹھی تھی میں نے دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں مجھے تعجب ہوا اور میں نے کہا ام المومنین یہ رونے کا کیا موقعہ ہی۔ آپ پیغمبر آخرالزماں کی بیوی اور وہ بیوی کہ آپ کے احسانات کا رسالتمآب نے خود اعتراف کیا رونے کی وجہ کیا؟ فرمایا اے سلمیٰ! دولہنوں کو شوہروں کے ہاں جاکر ابتدا میں عقلمند ساتھ والیوں کی ضرورت ہوتی ہی جو ضرورت کے پورا ہونے میں مدد دیں۔ فاطمہ بچہ ہی شاید اسکو کوئی شائستہ عورت اُسوقت کیلئے میسر نہو یہ سنکر میں نے عرض کیا۔ ام المومنین اگر میں اسوقت تک زندہ رہی تو اس خدمت کو بجالانیکا وعدہ کرتی ہوں۔ خدا کا شکر ہی کہ وہ وعدہ جو میں نے فاطمہ کی ماں سے کیا تھا آج پورا ہوا۔ رسالتمآب نے یہ سنکر سلمیٰ کیواسطے دُعا کی۔

[۱] ناسخ التواریخ نے اُسی روز لکھا ہے۔

بزمِ عصمت

ذیل کے نسخے اگر کوئی بہن جانتی ہوں اور بتا سکیں تو بیحد مشکور ہونگی :-

۱- بنولے یعنی روئی کے بنولے (پنبہ دانہ) کا حلوا-

۲- دُودھ کی چپاتیاں -

مسز محمد اظہر علی

مسز محمد اظہر علی صاحبہ نے جو بادام کی کھیر کے نسخہ میں پاپڑ کھار کو دریافت کیا ہے براہ عنایت شائع فرما دیجئے کہ اس سے مُراد کیسی ہے جو بادام کو گلا دیتی ہو؟

مسز محمد شمس الدین

دہی بڑے بنانے کا نُسخہ

نمبر	نام اشیا	مقدار اشیا	ضروری ہدایات
۱	۲	۳	۴
۱	دہی کا چکّہ	ایک سیر	دہی کے چکہ کی تفصیل ذیل کے ملاحظہ سے روشن ہوگی-
۲	انڈوں کی سفیدی	۶ عدد	یعنی چھ انڈوں کی سپیدی نکال لی جائے-
۳	کھویا عمدہ	نیم سیر	
۴	مکھن	آدھ پاؤ	
۵	زعفران	۱ تولہ	اسمیں نیم تولہ پیس کر قوام میں حل کردو- باقی حسب ہدایت ذیل
۶	میدا	آدھ پاؤ	
۷	شکر قند	۲ سیر	اسکا قوام بنا کر اسمیں زعفران گلاب ملا کر علیحدہ رکھو-
۸	گلاب	آدھ پاؤ	یعنی عرقِ گلاب

ترکیب تیاری

۴ سیر چکہ دہی کو موٹے کپڑے میں باندھ کر تقریباً ایک رات دن تک لٹکا دو۔ پانی مقطر ہو کر دہی کا ثفل باقی رہ جائے گا اور اسی کو چکہ کہتے ہیں۔ جب چکہ بالکل خشک ہو جائے تو انڈوں کی سفیدی۔ کھویا۔ میدا۔ مکھن حسب مقدار ملا کر اور ۱ تولہ زعفران سب ملا کر کچھ گلاب کے چھینٹے دیکر گوندھو جب سب اجزا ملکر ایک ہو جائیں اور آٹے کی طرح گوندھ جائے تب اس کے حسب خواہش (بڑے) چھوٹے موٹے پتلے ہاتھ سے گردے بنا کر بیچ میں انگلی سے سوراخ کر دو اس طرح کہ آر پار ہو جائے اس کے بعد ان بڑوں کو عمدہ گھی میں تلکر شکر کو پورا قوام دیکر زعفران گلاب شریک کر کے رکھو اور بڑے تل تل کر اس میں ڈالدو۔ بڑے شیرہ خوب پینے کے بعد ٹھنڈے کر کے کھاؤ مگر کھاتے وقت مجھے نہ بھولو۔

مسز محمد شمس الدین مفتی فاضل

نومبر کے پرچے میں ا ن ب صاحبہ مرادآبادی نے جو پہیلی بھیجی تھی اسکی بوجھن جن بیویوں نے حجام لکھی ہے انکے اسم گرامی نمبروار لکھے جاتے ہیں۔ بیگم صاحبہ نمبر (۱) کی خدمت میں جنتری موصول ہونے پر روانہ ہوگی

(۱) بشیر فاطمہ صاحبہ لاہور۔ (۲) صغیرہ خاتون صاحبہ چشتی دہلی۔ (۳) عطیہ بیگم صاحبہ حیدرآباد دکن (۴) ش ف صاحبہ بدایون بنت مولوی محمد رضی الدین صاحب بدایون۔ (۵) اے ج بیگم صاحبہ پٹیالہ۔ (۶) ف ح صاحبہ بجنور۔ مسز قاضی مظفر حسین صاحبہ بڑودہ۔

جن بیویوں نے اسکی بوجھن کا نہ کھانا سرکہ شراب وغیرہ لکھی ہو وُہ غلط ہے۔

کنور عنایت علی خانصاحب کی پہیلی کی بوجھن جن خواتین نے مہندی لکھی ہے انکے اسماگرامی یہ ہیں تین کتابیں بیگمات کی خدمت میں روانہ کردی گئیں۔ نمبر ۱ و ۲ و ۳

[1] بیگم صاحبہ آنریبل نواب ذوالفقار علیخاں۔ [2] دختر مولوی محمد الدین صاحب بہاولپور۔ [3] صغیرہ خاتون صاحبہ چشتی دہلوی۔ [4] بنت حفیظ اللہ صاحب امرتسر۔ [5] مسز محمد لطیف صاحب کانپور۔ [6] ڈلیہ جے بیگم صاحبہ پٹیالہ۔ [7] ت۔ف صاحبہ بدایون۔ [8] بنت مولوی محمد رضی الدین صاحب بدایون۔ [9] مسز مولوی محمد ذکی صاحب اناؤ۔ [10] اے جے بیگم صاحبہ پٹیالہ۔ [11] نورجہاں بیگم صاحبہ کانپور۔ [12] مسز نقی الحسن صاحب بڑودہ۔ [13] ہمشیرہ سراج الحسن صاحب حیدرآباد دکن۔ [14] ل۔ب صاحبہ ناگپور۔ [15] ایک خاتون از راگھوگڑھ۔ [16] ف۔ح صاحبہ بجنور۔ [17] مسز محمد ایوب صاحب ہرہ پور۔ [18] مسز کلیم احمد صاحب اناؤ۔ [19] مسز نظام الدین حسن حیدرآباد۔ [20] مسز محمد شمس الدین صاحب حیدرآباد دکن۔

عصمت کی خریدار بہنوں میں سے جو بہن اس سوال کا جواب دینگی انکو نمبر (۱) سیر تبت۔ نمبر (۲) مکتوبات آزاد یہ دو کتابیں انعام دی جائینگی۔

(س ب)

ایک سائل کسی امیر کے پاس گیا لیکن نوکروں نے اندر جانے نہ دیا۔ محل کی سات ڈیوڑھیاں تھیں۔ سائل نے کہا مجھے جتنا روپیہ ملیگا اُس میں سے پہلی ڈیوڑھی پر نصف دیکر ایک روپیہ لے لونگا۔ اور اسی طرح ہر ڈیوڑھی پر جو کچھ میرے پاس ہوگا نصف دیکر ایک روپیہ لے لیا کرونگا۔ جسوقت وہ سب کو دے دلا کر باہر آیا تو دو روپیہ اسکے پاس تھے۔ بتاؤ امیر نے اس کو کیا دیا تھا ؟

ماں کا دل!

اے میرے مولا تیرے صدقے — بے حد فضل و کرم ہیں تیرے
بہن سے مجھے اِک چھوٹی سی دی — پیاری پیاری بھولی بھالی
کیسی دل کش صورت اُس کی — نور کی پُتلی - حُسن کی دیوی

ابّا نے جب اس کو دیکھا — فوراً آ کے یہ فرمایا :-
"لاؤ - لاؤ - جلدی سے لاؤ — گود میں ماں کی اِس کو لٹاؤ"
"اِس سے اپنا جی بہلائیں — دل میں جگہ دیں سر پہ بٹھائیں"
"یہ پیاری سی ننھی گڑیا — ہو گی اپنی ماں کا کھلونا"

جب مَیں نے اِتنا سُن پایا — فوراً میرا دل بھر آیا -
مَیں اپنے دل میں یہ سوچی — اب میری کچھ قدر نہ ہو گی
اب سب مجھ کو دھتکاریں گے — غصّہ ہونگے اور ماریں گے
ننھی سے سب کریں گے اُلفت — مجھ سے ہو گی اُن کو ہو گی نفرت
پھوٹ پھوٹ کر تب میں روئی — "ہائے! نہیں اب میرا کوئی"!

واقف ہوئی ماں اس حالت سے — بولی بڑے پیار اور اُلفت سے
"آ بچی! تو کیوں روتی ہے — کس لئے پژمردہ ہوتی ہے؟"
"کیا تو یہ سمجھی ہے - بیٹی! — ماں کے دل میں جا نہیں اِتنی"
"کہ جس میں دو بچے سمائیں — اپنی ماں کا جی بہلائیں"
"مت کر اپنے جی کو تھوڑا — تو بھی ہے میرے جگر کا ٹکڑا"
"ماں کا دل تو بہت بڑا ہے — اِسے سمجھ مت تُو چھوٹا ہے!"
"آجا! گود میں تو بھی آجا! — آجا: میری بچی آجا!"

ح - ہ - ب

عالم نسوان

ہمیں یہ لکھکر نہایت مسرت و خوشی ہوتی ہے کہ ہر ہائی نس بیگم صاحبہ بھوپال کو گورنمنٹ نے خطاب جی سی ایس آئی جسکی ہائی نس فی الواقع مستحق تھیں مرحمت فرمایا +

نہایت خوشی کی بات ہے کہ بیگم صاحبہ ... لیڈی حافظہ کے شوہر ... نے امپیریل لیجسلیٹو کونسل کا ممبر مقرر فرمایا ہو +

مسز سلیٹر کو ایک خوشنما تمغہ انکی بہادری و جرأت سے ... میں پولیس نے ... عطا کیا۔ خاتون موصوف نے اس کمزور سپاہی کو جسکی حراست میں ایک قیدی بھاگ کر جا رہا تھا مدد دی تھی۔ سپاہی کا بیان تھا کہ اگر مسز سلیٹر اس جگہ مجھکو مدد نہ دیتیں تو یہ ... قیدی ضرور ... بھاگ جاتا۔

لاہور میں ۳۰ دسمبر کو خواتین کی کانفرنس ہوئی تقریباً پانچسو بیبیاں شریک تھیں۔ ہز ہائی نس مہارانی صاحبہ صدر مجلس ہوئیں۔ ترقی و تعلیم نسوان کے متعلق لکچر اور بحثیں ہوئیں ... کی بیست ... ہندوستانی عورتوں کی مدد کے واسطے چندہ ہونا شروع ہوا۔ سو روپیہ سے زیادہ فراہم ہوا۔ چند خواتین نے اپنے زیور دیے۔ اس جلسہ میں لیڈی ڈین صاحبہ بھی شریک تھیں لیکن کوئی مسلمان بیوی شریک نہ ہوئی +

منجملہ دیگر اعزاز و اکرام کے مس بیٹ گلمر کی ان خدمات کے معاوضہ میں جو مس موصوفہ نے لورپول کے جہاز ساز ... کی انکی جانبازی ... شہنشاہ معظم نے البرٹ میڈل ... مس موصوف کو عطا فرمایا۔ یہ پہلا اتفاق ہے کہ ایک خاتون کو یہ تمغہ مرحمت ہوا +

حیدر آباد میں لڑکیوں کے واسطے ایک مدرسہ کی عمارت تیار کرنے کے لیے دو ہزار ایکڑ زمین گورنمنٹ نے عطا فرمائی +

... چندہ ... کی تعداد ... ہزار روپیہ تک پہونچی +